

حضرت امام

ابو حنیفہ

کی  
سیاسی زندگی

چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم کی انفرادی، جماعتی اور سیاسی زندگی میں امام اعظم کے احوال و افکارِ ظلمت میں آفتابِ تاباں کا مقام رکھتے ہیں۔ یہ وہ سرشتیہ نور ہے جس کی کرنیں فرد پر، گھرانے پر، حکومت پر، اور مجالس دستور ساز پر یکساں پڑتی ہیں۔ آج جبکہ ہم اپنی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، یہ روشنی ہر منزل پر ہماری رہنمائی کرے گی۔

اس  
علامہ سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

نفیس اکٹومی - کراچی نمبر ۱

بلاسٹن اسٹریٹ

قیمت چھ روپیہ بارہ آنہ  
قیمت مجاہد چھ روپیہ



جملہ حقوقِ داری

بقی چودھری محمد اقبال سلیم گاہندی

لاک

مسعود پبلشنگ ہاؤس

۳۹۷۵۹۹۲۲۲  
۱۵۵  
۲۳۹۱

نقیس کئیٹی

بلاس اسٹریٹ، کراچی ۱

محفوظ ہیں

اپریل ۱۹۲۹ء

ایک ہزار

طبع اول

مطبوعہ

دین محمدی پریس، بیکلوڈ روڈ، کراچی

# فہرست

۵	حرف آغاز :- از چودھری محمد اقبال سلیم گاہنڈری
۹	تہنید
۱۰	امام صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ
۱۶	خلافت اور بادشاہت کا فرق
۱۶	خلفاء بنی اُمیہ کی واقعی دینی حالت
۱۸	اسلامی اموال اور خلافت
۲۳	مسلمانوں کا انصاف اور حکومت
۳۱	اسلامی حکومت کے حدود
۳۹	امام کا سیاسی مسلک
۴۲	وسیع پیمانہ پر تجارت کا کاروبار
۴۶	خز کی دکان
۴۶	گوفہ کی سب سے بڑی دوکان
۴۹	غلاموں کے ذریعہ مال کی پھیری
۴۹	درآمد و برآمد کا کاروبار
۵۵	سرمایہ کے متعلق سوال
۵۶	ن معنہ کا حل
۶۲	پیداوار پر پیمانہ کبیر کا امکان
۶۲	بنک کا نظام امام نے قائم کر دیا تھا
۶۶	امام کے تجارتی ساعی کے محرکات
۸۰	امام کے فطری میلانات کے ظہور کی ابتداء
۸۸	خالد کی ایک عجیب چال
۸۸	حضرت زید بن علی کے کچھ اجمالی حالات

۹۲	.....	شکل و صورت
۱۰۶	.....	امام ابوحنیفہ کا سیاسی مسلک
۱۲۹	.....	امام ابوحنیفہ اور ابن ہبیرہ
۱۳۳	.....	نہمی کے بعد گرمی کی ابتداء
۱۴۲	.....	کوفہ سے حرم محترم کی طرف وقتی ہجرت
۱۵۳	.....	حجاز میں امام کے مشاغل
۱۵۶	.....	حجاز میں مختلف علماء سے مکالمہ و مناظرہ
۱۶۰	.....	وقوع سے پہلے شرعی حکم
۱۶۱	.....	کوفہ کی واپسی اور مجلس وضع قوانین کی تاسیس
۱۶۲	.....	نظم کے ساتھ سوال کی آزادی
۱۷۰	.....	ابراہیم بن میمون اور امام
۲۰۲	.....	روشنندان کا مقدمہ
۲۰۳	.....	مجنونہ کا مقدمہ
۲۰۴	.....	حائک کا لطیفہ
۲۱۷	.....	حکومت عباسیہ سے امام کے تعلقات کی ابتداء
۲۲۳	.....	نفس ذکیہ کے خروج کی اہمیت
۲۵۲	.....	حضرت علی اور غلطیہائے مضامین
۲۶۳	.....	حکومت عباسیہ کے سب سے بڑے ستون کو گرنے میں امام کی کامیابی
۳۰۶	.....	امام ابوحنیفہ کا آخری امتحان
۳۱۰	.....	امام ابوحنیفہ کی ایک اہم تاریخی تفسیر



# حرفِ آغاز

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندی

تقسیم ہند سے پہلے یہ جزیرہ نما خونی فسادات کی آگ میں لپٹا رہا، کبھی کلکتہ میں مسلمانوں کی خون ریزی، کبھی بہار میں لے گناہ مسلمانوں پر لے پناہ مظالم، اور کبھی گڈھ مکتیشر کے معصوم مسلمانوں کے قتل و خون نے قوتِ فکر کو درہم برہم رکھا، خدا خدا کر کے مغربی سیادت ختم ہونے کا اعلان ہوا، اور تیکدہ ہند میں ایک اسلامی حکومت وجود میں آئی، ہلالی پرچم لہرایا، ہم نے اطمینان کا سانس لیا، مگر اعلانِ تقسیم کے دو ہی دن بعد کافروں نے مشرقی پنجاب میں اللہ کا نام لینے والوں پر اللہ کی زمین تنگ کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا علاقہ مسلمانوں کے خون سے سیراب ہو گیا۔ علاقے کے علاقے پھونک دیئے گئے، خون اس طرح بہا یا گیا کہ دو آبیہ جالندھر دریائے خون میں ڈوب گیا۔ مسلمانوں کی شہ رگوں سے بہائے جانے والے خون کا ایک طوفان اٹھا جس نے دو آبیہ کے پانی کو بھی پانی کر دیا۔ یہ بد نصیب بھی اسی دو آبیہ کا رہنے والا ہے، میرا گاؤں گاہندراں ضلع جالندھر بھی تباہ و برباد ہوا۔ بچپن کے ساتھی عزیز واقارب سب کے سب منتشر ہو گئے۔ میں ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلہ پر حیدرآباد دکن میں تھا، دل ریش جاں پریش اس حالت میں کسی اشاعتی پروگرام کا رُو بہ عمل لانا ممکن ہی کہاں تھا۔

مشرقی پنجاب اور دہلی کے کافرانہ مظالم نے سی۔ پی۔ اور برار کے مسلمانوں پر دہشت طاری کر دی، اور وہ گھبراہٹ و پریشانی میں امن اور پناہ کے لئے حیدرآباد دکن کی طرف روانہ ہوئے، اس طرح بھی دوستوں اور ملاقاتیوں کی ایک بڑی کثیر تعداد متاثر ہوئی، تھوڑے ہی دنوں کے بعد حیدرآباد کا ۸۲ ہزار مربع میل رقبہ ہندوستانی سنگینوں اور ٹینکوں کی زد میں آ گیا، اور آنکھ جھپکتے ہی مملکت آصفیہ مملکت ہند کا جزو بن کر رہ گئی۔ سر زمین دکن میں جہاں سے ہم نے تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ اسلام کا نظام حیات، اسلامی نظریہ اجتماع، او حکومت الہیہ جیسی کتابیں شائع کی تھیں، اب یہ حال تھا کہ ان کتابوں کا ناشر کہانا، اقرار جرم کے برابر تھا۔

جون توں کر کے ۲۰ نومبر ۱۹۴۸ء کی شام کو چھ بجے میں "اپنی مملکت" میں پہنچ گیا، کئی سال کے مسلسل تجارتنی نقصانات، مالی دشواریوں، اور سب سے زیادہ کراچی میں رہائشی دشواریوں کے لاینحل مسئلہ سے الجھ رہا ہوں، نجات تو اب بھی نہیں ملی ہے، لیکن کسی نہ کسی طرح تو اے عملیہ کو مجتمع کر کے اس قابل ہوا ہوں کہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، فاضل اہل حضرت علامہ سید مناظر حسن گیلانی، صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کی عظیم الشان اور بے مثل تصنیف جسے مولانا موصوف نے ۲۵ سال کی مسلسل محنتوں کے بعد تیار کیا ہے،



پیش کر رہا ہوں \*

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ عالم اسلام کے ہر دغیر قابل فخر پیشوا، اور قانون، و دستور اسلامی کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ قابل افسوس ہے کہ اس عظیم المرتبت امام کے حالات سے ہم ناواقف رہیں! خدا جزا خیر دے علامہ ششلی نعمانی کو کہ انھوں نے اپنی کتاب کے ذریعہ بڑی حد تک اس کمی کو پورا کیا، اور ان کی عظیم المرتبت شخصیت سے دنیا کے اردو کو واقف کرایا۔ اب ہم سب شکر گزار ہیں فاضل محترم علامہ مناظر حسن کیلانی کے، کہ انھوں نے ۲۵ سالہ محنت سے حضرت امام اعظم کی سیاسی زندگی سے ہمیں روشناس کرایا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ صرف سب سے بڑے فقیہ نہ تھے بلکہ وہ ایک بلند مرتبہ سیاسی رہنما بھی تھے۔ اور ان کی یہ حیثیت صرف اسی کتاب کے ذریعہ معلوم ہو سکے گی۔

فاضل مصنف نے ضمناً اس وقت کی سیاست، اور اجتماعی زندگی پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ آخری اموی، اور اولین عباسی دور میں جماعتی زندگی کیا تھی بسند نشینان علم و ادب اور حرات آزما میدان قتال سے لے کر معمولی شہری زندگی تک کے حالات بڑی خوبی اور تفصیل کے ساتھ اس میں بلیں گے۔ عدالتی کارروائیاں، انصاف رسانی، اور مختلف سیاسی گروہوں کی جدوجہد کا ایک مکمل نقشہ اس میں نظر آتا ہے: اسلامی دستور حکومت، عامۃ المسلمین کے حقوق، انتخاب کا حق اصول آزادی کا نصب العین، جابر اور سخت گیر کے مقابلہ میں حق و صداقت کی صف آرائی، استقلال صبر، اور رضا کے وہ گراں بہا نمونے دکھائی دیں گے جن پر عالم انسانیت قیامت تک فخر کرتی رہے گی۔

میں اس کتاب کی اشاعت کو حاصل زندگی، اور اپنے سیاہ نامہ اعمال میں ایک تابندہ سطر سمجھتا ہوں۔ کتاب اس سے پہلے شائع ہو چکی ہوتی، لیکن جیسا کہ اوپر لکھے ہوئے حالات سے ظاہر ہے پریشانی، حیرانی، انتشار، اور بد امنی نے اشاعت کا موقع آنے نہیں دیا۔ اب جبکہ ہماری نوزائیدہ مملکت پاکستان کا دستور اساسی ترتیب و تدوین کی منزل میں ہے، اس کتاب کی اشاعت عمل میں آ رہی ہے، اور شاید اللہ جل جلالہ کو یہی منظور تھا کہ ٹھیک اس وقت اس کی اشاعت ہو جب کہ اہل علم سب سے زیادہ اس کی ضرورت محسوس کریں، یقیناً اس وقت جبکہ دنیا میں دو متضاد نظریہ حیات کی کشمکش نے اللہ کی زمین کو اللہ کے بندوں کے لئے گوارا راحت ہونے کے بجائے مقام کلفت و بے چینی بنا رکھا ہے اور مملکت پاکستان کی دستور سازی میں اس کی سعی ہو رہی ہے کہ درد و کرب سے کراہتی ہوئی دنیا کی ایک ایسے دستور مملکت کی طرف رہنمائی کی جائے جو اس کی نجات کا ذریعہ بن سکے۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے فقیہ اور امام اعظم کے سیاسی حالات اور ان کے افکار سے واقفیت بہر گو نہ مفید ہوگی۔

خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ جیسے پتھر اور آغوشہ عصیاں کو یہ توفیق دی کہ آج میں ایک فاضل اجل کی ۲۵ سالہ محنت کا ثمرہ امام اعظم کے سیاسی حالات و افکار کا مجموعہ پیش کر رہا ہوں۔

این سجادت بزور بازو نیست تانہ بخشند خدا کے بخشندہ





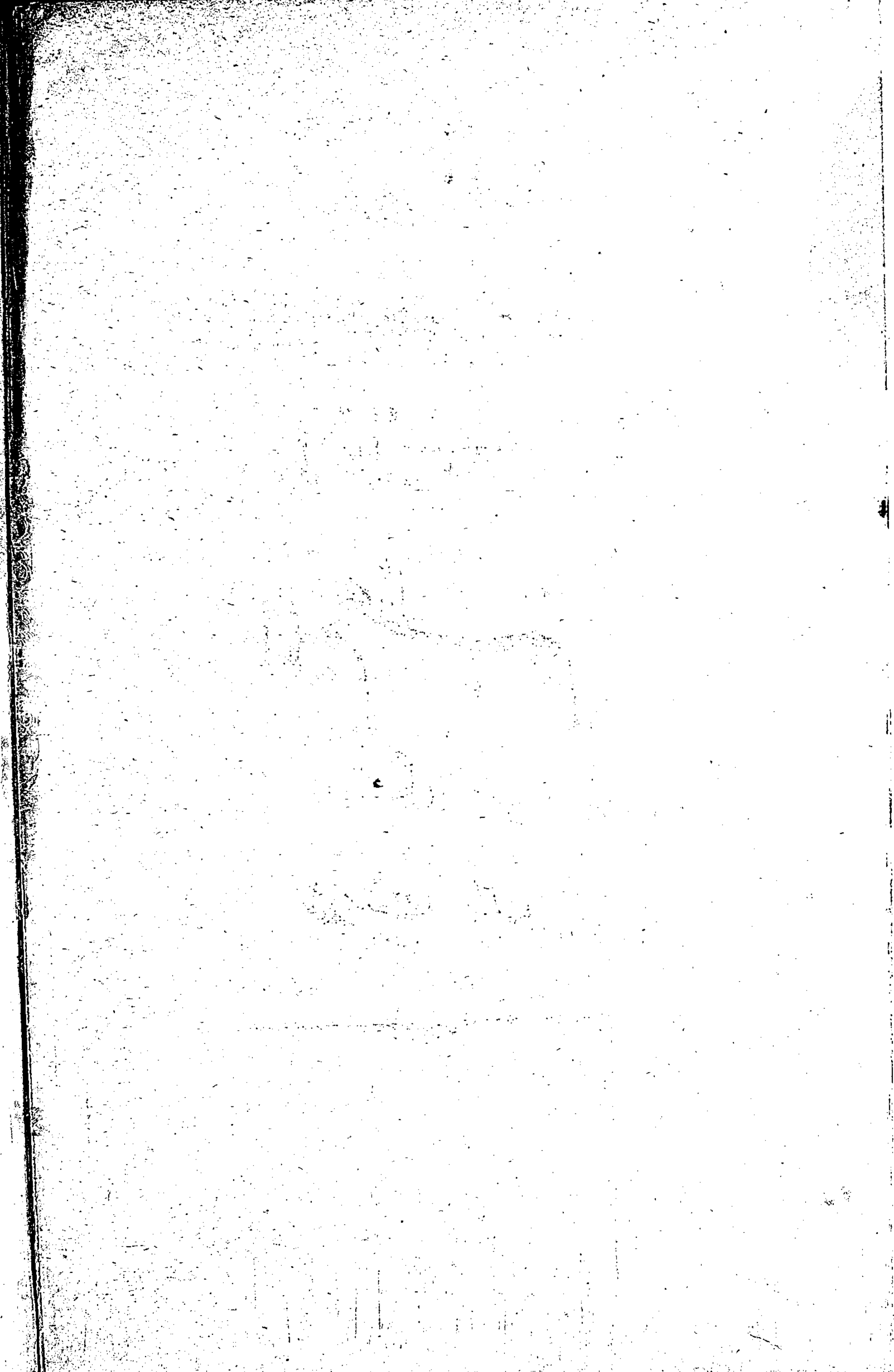
انتساب

امام عظیم  
کی

خدمت میں









## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِهِ السَّیِّدِیْنَ اَضْطَفٰی

### تہمید

جامعہ عثمانیہ کے سابق نائب امیر (پروفیسر) چانسلیر محترمی قاضی محمد حسین صاحب نے ایک علمی مجلس جامعہ عثمانیہ میں اساتذہ کی قائم کر رکھی تھی جس میں اپنے اپنے تدریسی فن کے مختلف موضوع پر اساتذہ مقالے سنایا کرتے تھے۔ خاکسار کی جب باری آئی تو اپنی کتاب "تدوین فقہ" کے ایک حصہ کا انتخاب کر کے مقالہ کی شکل میں متعدد مجلسوں میں اس کو پڑھتا رہا۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کی روئداد تھی مضمون چونکہ کافی طویل تھا، اس لئے چند قسطوں میں بھی مکمل نہ ہو سکا۔ ہر خطبہ جو اس مجلس میں پڑھا جاتا تھا، الفرقان بریلی میں اشاعت کے لئے بھیج دیا جاتا تھا، الفرقان سے بعض دوسرے مجلات میں بھی یہ مضمون نقل ہوا، خصوصاً ہمارے فاضل دوست مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی نے اپنے ایک طویل پیش لفظ کے ساتھ رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۶- عدد ۲۹۳ میں بھی اس کو شائع فرمادیا تھا لیکن مضمون ہر حال مکمل ہی تھا بعض لوگوں کے اصرار سے پچھلے دنوں اس مضمون کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا۔ کتاب کی موجودہ ضخامت کا اندازہ پہلے سے نہ تھا، لیکن جب قلم اٹھایا گیا تو اس کا روکنا میرے بس میں نہ تھا، بس جہاں پر پہنچ کر وہ خود ہی رگ گیا، میں نے بھی اپنے اس تالیفی سفر کو ختم کر دیا۔

سچ پوچھیے تو حنفی تاریخوں کے گوشے میں یہ چند فقرے جو پائے جاتے ہیں، یعنی بنی امیہ کی حکومت کے عہد میں کوفہ کا والی ابن ہبیرہ تھا، اس نے امام ابو حنیفہ سے خواہش کی کہ حکومت کی کسی طارمت کو قبول کر لیں، امام صاحب نے انکار کیا، انکار کی نثر اس ابن ہبیرہ نے حضرت امام کو جیل خانے بھی بھجوا دیا تھا اور تازیانے سے بھی اس بے رحم آدمی نے ان کو ٹپوایا بھی تھا۔ ایک مختصر سا قصہ یہ اور دوسرا قصہ عباسی دور کا ان الفاظ میں جو درج کیا جاتا ہے کہ عباسیوں کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور نے جب حکومت کی باگ سنبھالی تو بغداد شہر کی تعمیر کے بعد اس نے چاہا کہ امام ابو حنیفہ کو اس شہر کا قاضی مقرر کریں، لیکن امام صاحب نے اس وقت بھی انکار پر ہی اصرار فرمایا۔ ابو جعفر نے بھی اس انکار کی نثر امام صاحب کو جیل اور تازیانے وغیرہ کی شکل میں دی۔

بس یہ دو فقرے حنفی تاریخوں کے گوشوں میں جو پائے جاتے ہیں، یوں سمجھیے کہ ان ہی کو متن بنا کر اس کی جو واقعی شرح تھی اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ اصل واقعات کے بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے عہد کی سیاسی تاریخ کا ایک ہلکا سا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔



# امام صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ

واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب کی ولادت باسعادت بنی اُمیہ کے اس عہد میں ہوئی تھی جب سارا عالم اسلام ان کے خونچکان مظالم سے تھرا رہا تھا۔ دنیا کے ان متوالوں سے وہ سب کچھ سرزد ہو چکا تھا جسکی نظیر اسلام ہی کیا شاید تاریخ عالم میں موجود نہیں۔ فرات کے ساحل پر اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے اور ان کے خاندان کے پیارے شہیدوں کے بہتے ہوئے لہو سے یہ اپنی حرص آز کی پیاس بجھا چکے تھے۔ رسول کا منور و پاک شہر حرہ کے واقعہ میں لوٹا جا چکا تھا اور اس بُری طرح لوٹا جا چکا تھا کہ جان و مال ہی نہیں بلکہ عصمتیانِ حرم کی آبرو و ناموس تک کی پروا نہیں کی گئی۔ رسول کی مسجد میں سعید بن المسیب کے سوا ایک زمانے تک نماز پڑھنے والا کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ اللہ کا گھر کعبہ تک بھی دنیا طلبی کی اس بھٹی کی چنگاریوں سے نذر آتش ہو چکا تھا جو اس خاندان کے سینوں میں جل رہی تھی۔ خلافت اسلامی کے پہلے خلیفہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ کی چوکھٹ پر ان ہی کے ہاتھوں خاک خون میں ٹرپ چکے تھے۔ "ظالم الامۃ" حجاج کی بے پناہ تلوار لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں معمولی معمولی باتوں میں اڑا چکی تھی جن میں صحابہ کی اولاد اور جلیل القدر تابعین بھی شامل تھے۔

الغرض بنی اُمیہ اور ان کے سنگ دل و سیاہ سینہ ولایۃ (گورنروں) کی بدتمیزیوں کے اس بے پناہ طوفان نے ایک ایسا دہشت ناک مہیب منظر دنیائے اسلام میں قائم کر دیا تھا کہ ہر اک اپنی اپنی جگہ پر دم بخود تھا منکرات دیکھے جا رہے تھے لیکن ہاتھ سے روکنے کی جرات کسی کو کیا ہوتی، بڑے بڑوں کی زبانیں تک خاموش تھیں، نیریدنا بن زیاد، اور حجاج جیسے رسول کے زمانہ ہی نہیں بلکہ جو ان میں نیکی اور حلم و بردباری میں شہرت رکھتے تھے ان کے درباروں میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان (جو اپنی مذہبی زندگی میں خاص اہتمام رکھتا تھا) کے پاس بڑھے اور نابینا صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے چلکر دمشق صرف اس لئے آئے ہیں کہ واقعہ حرہ کے بعد اتقاناً مدینہ منورہ والوں پر جو ظلم توڑے جا رہے تھے ان کو بند کرنے کی درخواست کریں۔ اس وقت رسول اللہ کے پڑوسیوں پر زندگی کے تمام ذرائع بند کر دیئے گئے تھے۔ ہر شخص گویا اپنے گھر میں قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہا تھا۔ رسول کے صحابی اس پر رحم کی سفارش لے کر آتے ہیں اور خلیفہ عبد الملک سے کہتے ہیں :-

"امیر المؤمنین! مدینہ منورہ جس حال میں ہے آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہ طیبہ (یعنی پاک شہر) ہے"

یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رکھا ہے اس کے باشندے آج کل قیدیوں کی طرح محصور

ہیں، امیر المؤمنین کو اگر صلہ رحمی کا خیال ہو اور ان کے حق کو وہ پہچانیں تو ایسا کرنا چاہیے۔

پیغمبر کے ایک صحابی پیغمبر کے شہر کے بے قصور باشندوں، بچوں اور عورتوں پر رحم کی درخواست پیش کرتے ہیں



لیکن بجائے سمجھنے کے عبدالملک کے سینہ میں غصہ کی آگ بھڑکنے لگی۔ پھر مسخ ہو گیا، حضرت چونکہ نابینا تھے اس لئے ان کو اس کی ناراضی کا پتہ نہ چلا۔ آپ بار بار اسی بات کو دہرا رہے تھے۔ قریب تھا کہ ان کے ساتھ بھی کوئی سنت واقعہ پیش آئے لیکن اتفاق سے دربار میں ان کے ایک شاگرد قبیصہ موجود تھے، انھوں نے حضرت کو خاموش کیا۔ ہاتھ پکڑ کر باہر نکال لائے، اور حضرت کو سمجھانے لگے کہ:-

یا ابا عبد اللہ ان هؤلاء القوم صاروا ملوکا (ابن سعد) حضرت یہ لوگ (بنی امیہ) اب بادشاہ بن گئے ہیں۔ (ابن سعد) مطلب یہ تھا کہ آپ کیا ابھی تک ان لوگوں کو واقعی مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ ہی سمجھ رہے ہیں۔ یہ اپنے کو آپ رسول کا جانشین نہیں سمجھتے، بلکہ گزشتہ رومی اور ایرانی سلاطین کے نقش قدم پر چل کر انھوں نے اپنے کو بادشاہ بنا لیا ہے۔ قبیصہ پر عبدالملک چونکہ بہت بھروسہ کرتا تھا، اور یہ بات مشہور تھی، اس لئے حضرت جابر نے یہ سن کر قبیصہ سے فرمایا:-

”مگر تم کو کوئی عذر کا موقع حاصل نہیں ہے، کیونکہ تمہارا صاحب تمہاری بات تو سنتا ہے۔“

اس پر قبیصہ نے جو بات کہی، اس سے ان خلفاء کے طرز عمل کی کیسی اچھی تشریح ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا:-

”حضرت! وہ سنتا بھی ہے اور نہیں بھی سنتا ہے، جو بات نشا اور مرضی کے مطابق

ہوتی ہے، بس اسی کو سنتا ہے۔“ (ابن سعد)

مردانی خاندان کے پہلے خلیفہ کا یہ حال تھا، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعد کے خلفاء خیموں نے سلطنت ہی کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں، ملوکیت میں ان کا رنگ کتنا گہرا ہوتا چلا گیا ہوگا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل رحم حالت کوثر یعنی امام صاحب کے مولد کی تھی کہ اسی شہر میں مدت تک ابن زیاد اور اس کے تجلج کی تلوار اپنے پیام سے باہر ہو کر بیکیوں اور مظلوموں کے سر پر مسلسل بیس سال تک انتہائی بے دردی کے ساتھ چمکتی رہی۔ کوثر والے کس حال میں تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے استاذ حضرت ابراہیم نخعی کو جب حجاج کی موت کی خبر پہنچی تو وہ سجدہ میں گر گئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے مسلسل خوشی کے آنسو بہ رہے تھے۔ یہ زمانہ تھا جب ”لوہے کی عصا“ سے ایسی حکومت قائم کی گئی تھی جس میں زبان سے کسی اصلاحی لفظ کا نکالنا اپنے خون سے کھیلنا تھا، اور اسی لئے بڑے بڑوں کے پائے استقلال اپنی جگہ سے ہل چکے تھے۔ بجائے کھڑے ہونے کے وہ بیٹھنے کو ترجیح دے چکے تھے۔ خواجہ حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی، شعبتی جیسے ائمہ عظام کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ (جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے)۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کا خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ حکومت کی قہرمانیت و استبداد کے اگر یہی لیل و نہار رہے تو آئندہ نسلوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جذبہ جس کی تشریح و تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین کے طرز عمل نے مسلمانوں میں پرورش کی تھی ہمیشہ کے لئے بچھ کر رہ جائے گا، جس کا آخری نال اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ نبوت نے جو اسلامی نظام قائم کیا تھا، حرص و ہوا کے ان غلام بادشاہوں اور ان کے عمال و حکام کے ہاتھوں بتدریج مسخ ہوتے ہوتے



درہم ویرہم ہو کر رہ جائے۔

غالباً حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ اپنی عمر کے اٹھارہویں سال میں تھے کہ اسلام کے متعلق وہی تجربہ جس کی شہادت تیرہ سو سال سے اسلامی تاریخ مسلسل ادا کر رہی ہے ظاہر ہوا یعنی اسلام کی کشتی جب کبھی نزاکت کے آخری گرداب میں اس طرح پھنسی ہے کہ دیکھنے والوں نے ہمیشہ کے لئے اس کے ڈوب جانے کی پیش گوئی کی تو اچانک کسی غیبی لطیفہ نے ظاہر ہو کر انالہ لحاظون کی توثیق کرتے ہوئے ناامیدی کی ان مایوسانہ پیش قیاسیوں کو ہمیشہ ٹھٹھا کر رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مقصد ہے کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، بنی اُمیہ کے انہی مردہ لاشوں میں سے جنہوں نے خواہ سیاسی طور پر جس قسم کی زندگی کا ثبوت دیا ہو، لیکن اسلامی نقطہ نظر سے ان میں اکثر مردہ ہو چکے تھے۔ اور اس حد تک مردہ ہو چکے تھے کہ ان ہی اموی خلفاء میں سے ایک نے اپنی ایک ناپاک کینز کو بحالت جنابت عبا اور عمامہ پہنا کر مسجد میں امامت کے لئے بھیجا، اور بیچارے ناواقف مسلمانوں کو اسی بدست و ناپاک عورت کے پیچھے نماز پڑھنی پڑی۔ لیکن "خروج الحی من المیت" کی عجیب شان ہے کہ ان ہی مردہ ضمیروں میں سے اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے خلیفہ کو اموی تخت کا وارث بنایا، جس کی ایمانی زندگی نے نئے سرے سے اسلامی نظام کے تمام شعبوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی، جیسا کہ میں نے عرض کیا، امام صاحب کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا، جس وقت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، پہلی تقریر منبر پر ہو چکر انہوں نے جو کی تھی اس کا سب سے اہم فقرہ یہ تھا کہ :-

لاطاعة لنا في معصية الله - (ابن سعد)

اللہ کی نافرمانی میں ہماری فرمان برداری کوئی نہ کرے۔

آزادی کا یہ پہلا منشور تھا جس کا بنی اُمیہ کے عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے پہلی دفعہ اعلان کیا گیا۔ تمام ظالم گورنر جن کے حالات سے وہ بخوبی واقف تھے، ایک ایک کمرے کے ہٹا دیے گئے، ہر شخص کو حکم دیا گیا کہ "اسلامی نظام" میں جہاں جہاں جس قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اور پوری قوت سے کی جائے۔ اسی کا یہ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری زبانیں جن پر تلوار کے تالے پڑھائے گئے تھے، کھل پڑیں۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر و اظہار حق کے جذبہ کا جو چراغ قریب تھا کہ بجھ جائے، پھر سینوں میں روشن ہو گیا۔ مشہور مدنی امام حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کا مشہور تاریخی فقرہ:

اليوم ينطق من كان لا ينطق (ابن سعد) اب وہ بولیں گے جو نہیں بول سکتے تھے۔

خلافتِ عمری کے اسی اعلانِ آزادی کا ترجمہ ہے۔ ایک طرف عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگوں کو یہ آزادی میسر آئی، دوسری طرف ایک اور انقلاب کی ابتداء ان ہی کے زمانے سے شروع ہوئی۔ وہ یہ کہ بنی اُمیہ کی غیر اسلامی زندگی کا ایک اثر عام لوگوں پر یہ بھی پڑا تھا کہ شرعی علوم یعنی قرآن و حدیث اور ان سے مسائل استنباط کرنے کا عام رجحان جسے فقہ کہتے ہیں، بتدریج کم ہوتا جاتا تھا۔ کیونکہ ہمیشہ علوم کی ترویج و اشاعت میں ضرورت کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے لوگوں میں اسلامی زندگی گزارنے کا جب شوق ہی مردہ ہو چلا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کی ضرورت بھی کم ہو رہی تھی جیسا کہ خود امام صاحب کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی توجہ شرعی علوم سے ہٹ کر شعر و شاعری ادب وغیرہ کی طرف مائل تھی۔ دینی علوم میں سب سے زیادہ اہمیت ان مسائل کو حاصل ہو گئی تھی،

جن فلسفیانہ رنگ غالب تھا جسے اُس زمانہ میں علم کلام کہتے تھے۔ گویا دین بھی ایک قسم کی ذہنی عیاشی کا ذریعہ بن گیا تھا۔ خود امام اعظم کا ابتدائی حال بھی یہی تھا، جیسا کہ خود بیان کرتے ہیں:-

”ابتداء میں میرا حال یہ تھا کہ میں کلام کو تمام علوم میں سب سے بہتر علم خیال کرتا تھا، سمجھتا تھا کہ اس میں تو دین کی بنیاد سے گفتگو کی جاتی ہے۔“

اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ جس قسم کی فطری ذکاوت و ذہانت لے کر امام صاحب آئے تھے، اُس نے ان فلسفیانہ روشنگاریوں میں آپ کی دلچسپی کو اتنا تیز کر دیا تھا کہ:-

”امام صاحب اپنے زمانہ میں اس علم کے رئیس ہو گئے، لوگوں کی نگاہوں کے مرکز بن گئے“ (مناقب) تعلیمی سوانح کو بیان فرماتے ہوئے امام صاحب خود اپنے کلامی شوق کا اظہار ان الفاظ میں کرتے تھے:-

”میں دراصل ابتدا میں ایسا آدمی تھا جسے ”علم کلام“ میں مقابلہ و مجاہدہ کا ذوق تھا اس سلسلہ میں ایک زمانہ گزر گیا کہ اسی کے پیچھے میری تنگ و دو تھی، اسی فن میں لوگوں سے مقابلہ کرتا اور چیلنج دیتا۔“

جوانی کے اس شوق بے پروا میں آپ جب کوفہ کے میدان کو تنگ پاتے تو بصرہ تشریف لے جاتے۔ جو اس زمانے میں علم کلام کا سب سے بڑا دنگل تھا، اور وہاں بڑے بڑے جعادریوں سے پنچہ آزمائی فرماتے۔ خود ہی بیان فرماتے ہیں:-

”لڑائی جھگڑے کرنے والوں کی بڑی جماعت بصرہ میں رہتی تھی۔ میں تقریباً بیس دفعہ

بصرہ اسی غرض سے گیا، اور وہاں کم و بیش سال سال بھر قیام کیا۔“ اس قسم کے بے معنی مباحث میں مسلمانوں کے اُلجھے رہنے سے چونکہ حکومت کا کچھ نہیں بگڑتا تھا، بلکہ طرح طرح کی فرقہ بندیوں کی اس سے بنیاد پڑتی تھی، جس سے ”فِرَقٌ وَاَحْکَمٌ“ (پھوٹ ڈالو، اور حکومت کرو) کے سیاسی نظریہ کی تکمیل ہوتی تھی، اس لئے حکومت بھی اس قسم کے جھگڑوں میں دخل نہیں دیتی تھی، بلکہ ممکن ہے کہ حوصلہ افزائی کرتی ہو۔ امام صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ اس زمانہ میں مختلف کلامی فرقوں کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں:-

”میں نے بصرہ میں خارجیوں کے مختلف فرقوں مثلاً اباضیہ اور صفیریہ سے مقابلے

کئے، اور بھی مختلف خشوی طبقات سے مباحثے رہے۔“

ان فلسفیانہ خیالات والوں کا کیا حال تھا اس کی شہادت بھی امام ہی کی زبانی سنا چاہیے۔ اپنے ان ذہنی مباحث کو دینی رنگ دینے کے لئے ان لوگوں نے اس کا نام کلام رکھا تھا، لیکن ان کا جو حال تھا، امام صاحب بیان فرماتے ہیں:-

”نہ ان کی صورتیں پرانے بزرگوں کی سی تھیں، اور نہ ان کا طریقہ صالحین کا تھا میں دیکھتا تھا کہ ان کے دل سخت ہیں اور ان کے قلب بے حس ہیں۔ ان لوگوں کو کتاب و سنت کے خلاف بات کہنے میں



باک نہ تھا، نہ ان میں تقویٰ تھا نہ خدا ترسی (موفق)

مسلمانوں کا یہ میلان آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا، اگرچہ ابھی ملک قرآن و حدیث و فقہ کے جانتے والوں سے خالی نہیں ہوا تھا، لیکن خدا نخواستہ اگر بیچ میں یکایک عمر بن عبدالغزیز کی حکومت قائم نہ ہو جاتی تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا ہوتا؛ حضرت عمر بن عبدالغزیز نے جس طرح اپنے پہلے خطبہ میں خلفاء کی اطاعت کی وہ نوعیت بیان کی تھی جو اوپر مذکور ہوئی، اسی طرح انھوں نے پورے غم اور کامل ارادہ کے ساتھ اسکا بھی اعلان کیا:-  
فلو کان کل بدعة یمیتھا اللہ علی یدی  
وکل سنہ ینبعثھا اللہ علی یدی ببعضہ  
لحمی حتی یاتی اخر ذلک علی نفسی کان  
فی اللہ لیسیرا (ابن سعد)  
اگر حق تعالیٰ ہر بدعت کو میرے ہاتھوں سے مردہ کرے اور ہر سنت کو میرے ہاتھوں پر زندہ کرے اور اس راہ میں میرے جسم کا ایک ٹکڑا کام آئے یہاں تک کہ آخر میں میری جان کی نوبت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ بہت ہی معمولی قربانی ہوگی۔

اس باب میں ان کے شغف کا یہ حال تھا کہ عالموں اور گورنروں کے جو فرامین یا سیرگاہ خلافت سے ان کے زمانہ میں جاری ہوتے تھے، ان کے متعلق مورخین کا بیان ہے:-  
فیہ رد مظلمة و احیاء سنة  
او اطفاء بدعة اذ قبرا و تقدير  
عطاء او خیر حتی خرج من الدنیا (ابن سعد) وقت تک تاربا) جب تک وہ دنیا سے روانہ ہوئے۔

ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبائع کا رخ پلٹ گیا۔ قرآن و سنت کی طرف سے جو رجحان گھٹ رہا تھا پھر اس میں نیا جوش اور نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ جہاں تک میرا خیال ہے امام صاحب پر بھی اس عام تحریک کا اثر پڑا۔ خود فرماتے ہیں کہ علم کلام کی ان ہی دیکھسیوں میں میں مستغرق تھا کہ اچانک میرا خیال بدل گیا، اور:-  
(”ایک مدت علم کلام کی بختوں میں گزارنے کے بعد میں نے اپنے دل کو ٹولا اور سوچنا شروع کیا، تو دل نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور تابعین جو گذر گئے، ان لوگوں سے کوئی ایسی بات چھوٹی نہیں تھی جسے ہم اب پانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان چیزوں کے جاننے کی زیادہ قدرت رکھتے تھے، ان امور کے زیادہ عالم تھے، ان کے حقائق سے زیادہ واقف تھے؛ لیکن اس قسم کے مسائل کے متعلق انھوں نے جھگڑے کئے نہ مباحثے۔ وہ ان باتوں میں کبھی منہمک ہی نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ان کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ البتہ وہ شریع و قوانین فقہ کے ابواب میں غور و فکر کرتے تھے، ان کے متعلق باتیں کرتے تھے، باہم ان مسائل پر پیٹھ کر فکر و تامل فرماتے تھے، اور ان کے متعلق لوگوں کو ابھارتے تھے، لوگوں کو ان ہی مسائل کی تعلیم دیتے تھے، اور ان کی طرف بلاتے تھے۔ صدر اول اسی حال میں گذرا، جس میں سب سے پہلے اسلام لانے والے صحابہ اور ان کے تابعین گذرے۔“

بہر حال جہاں تک میرا خیال ہے امام صاحب کی نوجوان حساس فطرت عمر بن عبدالغزیز کے اصلاحی پیغام سے متاثر ہوئی، اور اتنی متاثر ہوئی کہ اب تک جو کچھ آپ نے کلامی مباحث کا ذخیرہ اپنے دماغ میں

میں جمع کیا تھا، سب میں ایک دفعہ آگ لگا دی۔ فرماتے ہیں:-

جب میں نے اہل کلام کے اس حال کا اندازہ کیا، جس کا میں نے ذکر کیا ہے، تو یہ جھگڑے  
رگڑے میں نے ترک کر دیئے، اور کلام کے مسائل میں غور و فکر کرنے سے الگ ہو گیا، اور  
سلف جس طریقے پر تھے اسی کی طرف واپس ہو گیا، اور اسی راہ کو اختیار کر لیا جس پر وہ تھے۔

ظاہر ہے کہ اس انقلابی قدم نے علم کلام کے اس عالم کو اچانک پھر ایک عامی کی حیثیت میں پہنچا دیا  
کیونکہ اس وقت تک امام نے شرعی مسائل کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرمائی تھی، بلکہ ان مسائل سے  
اس درجہ بے تعلق تھے کہ خود فرماتے ہیں:-

”لوگوں نے ”ایلا“ کے لفظ کا ذکر کیا۔ امام صاحب نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا، یہ

ایلا کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔“

لیکن ہمت بلند تھی، عمر اگرچہ زیادہ ہو چکی تھی، مگر آپ نے اس کی پروا نہ کی، اور ”جہل“ کا اعتراف  
کر کے اس زمانہ میں شرعی علوم کے مشہور امام حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے، اور  
اب اس علم کا ذائقہ آپ پر اتنا مستولی ہوا کہ فرماتے ہیں:-

”تیس دس سال تک ان کے ساتھ رہا“

لوگوں کا بیان ہے کہ تجربہ سے اس کے بعد بھی امام نے اپنے کو اس فن میں نچتہ نہ پایا، تو  
پھر رجوع ہو گئے، جیسا کہ انھیں کا بیان ہے:-

”پھر میں ان سے اس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک ان کی وفات نہ ہوئی۔“

الغرض حضرت عمر بن عبدالعزیز کے انقلابی عہد نے ایک طرف تو امام صاحب کو شرعی علوم کی طرف راغب  
کیا، اور دوسری طرف اس کا بھی میدان ان ہی کی حکومت نے تیار کر دیا تھا، کہ ہر جاننے والا اپنے علم کی اشاعت کرے  
اور ”اسلامی نظام“ میں گذشتہ خلفائے بنی امیہ کی بدولت جو رخنے پیدا ہو گئے تھے، انھیں بند کرے۔ واقعات و

حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب پر ان دونوں تحریکوں کا کافی اثر پڑا تھا۔ علمی تحریک کے نتائج حاصل کرنے میں  
تو خدا نے انھیں پوری کامیابی عطا فرمائی۔ لیکن یکا یک پھر زمانے نے پلٹا دکھایا، اور جس علم کو لے کر امام صاحب چاہے  
تھے کہ اصلاح یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے میدان میں اتریں، اور اپنا حوصلہ پورا کریں، زمانہ نے پھر اس کی

راہوں پر کانٹے بچھا دیئے۔ عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کی مختصر مدت (دو ڈھائی سال تقریباً) پوری کر کے اپنے خدا  
سے جا ملے۔ اور ان کی جگہ جو شخص بنی امیہ کی گدی پر بیٹھا، وہ عبدالملک کا بیٹا یزید تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اس نے  
جو فرمان نکالا وہ تاریخوں میں درج ہے، اس کے چند فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-

امّا بعد فان عمرکات مغرورا

غیر تصوہ انتم واصحابکم۔ فاذا

اتاکم کتابی هذا فدعوا ما کنتم

تعرفون من عہدہ۔ اعینوا الناس

اما بعد، واضح ہو کہ عمر بن عبدالعزیز ایک فریب خوردہ شخص تھا،

تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اسے خوب دھوکہ میں ڈالا۔ اب جو نبی

کہ میرا یہ فرمان تمہارے پاس پہنچے، یک نخت ان تمام طریقوں کو

ترک کر دو جو اب تک تم عمر کے عہد کی چیزوں کے متعلق جانتے تھے۔



الی طبقتہما الا ولی اخصبوا ام

احد بوا احبوا امر کس ہوا حیوا

ام ما تو او السلام (عقد الفرید جلد ۲)

لوگوں کی پہلی حالت کی طرف واپس لوٹا دو، خواہ سرسبزی کا زمانہ ہو، یا خشک سالی کا۔ لوگ اسے پسند کریں یا ناپسند کریں، جیسی یا مرے۔

اس کے بعد لوگوں کے حوصلوں پر جو اس پڑی ہوگی، اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یزید کے بعد امام صاحب کے زمانہ میں چچہ خلفاء بنی امیہ میں ہوئے لیکن ان میں زیادہ تر اسی قسم کے لوگ تھے جو بجائے عمر بن عبدالعزیز کو اُسوہ بنانے کے اپنے آباؤ اجداد کے نمونوں پر حکومت کرتے تھے، جنہوں نے نبوت کی راہ کو چھوڑ کر عجمی سلاطین کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ خود بھی یزید جو عمر بن عبدالعزیز کے تخت پر بیٹھا، اپنی آوازیوں اور عیاشیوں میں اس حد کو پہنچا ہوا تھا جس کا تذکرہ سلامہ اور جبابہ کے حسن و عشق کے قصوں میں عام طور پر مشہور ہے۔ یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ سلامہ کی مردہ لاش تک کے ساتھ اُس نے مجامعت کی۔

ایسی صورت میں حکومت کی جانب سے اصلاحی تحریکوں کے پھلنے پھوٹنے کا کیا موقع مل سکتا تھا، بھلا جو اپنی رعایا کے ساتھ اس حد تک ظلم کرنے پر آمادہ ہو کہ وہ میرے یا جنہیں لیکن حکومت اپنے مطالبات میں سے ایک رتی برابر بھی تخفیف نہیں کر سکتی۔ اس سے کیا امید ہو سکتی تھی کہ وہ نظام شریعت کے احیاء میں لوگوں کی امداد کرے گا! لیکن اخلاص کے ساتھ جس تحریک کی بنیاد ڈالی جاتی ہے قدرت اس کو بالآخر ناکام ہونے نہیں دیتی۔ عمر بن عبدالعزیز تو ایک نرسنگھا پھونک کر چلے گئے، اور اُن کے بعد فوراً اُس آواز کو دبا دینے کی کوشش کی گئی تاہم اس دبی ہوئی حالت میں یہ چیز گاری ان دلوں میں اندر ہی اندر سلگتی رہی، جنہوں نے ان کے پیغام کو غم کی طاقت کے ساتھ قبول کیا تھا۔ میرے سامنے اس وقت دوسروں کا حال نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں یہاں صرف اس نوجوان کا حال بیان کرنا ہے، جو بعد کو اُمت میں "الامام الاعظم ابو حنیفۃ النعمان" کے نام سے مشہور ہوا۔ (قدس سرہ روح روح)

امام صاحب میں جو علمی انقلاب پیدا ہوا تھا اُس کا قصہ تو مشہور ہے، لیکن علم کے بعد جس چیز کا درجہ ہے یعنی علمی انقلاب، اس میں امام ابو حنیفہ نے کیا کام کیا اور اتنے شدید موانع کے ہوتے ہوئے اس میں انہوں نے کس طرح کا سیاسی حاصل کی، اگرچہ مورخین نے ان کا تفصیلی تذکرہ نہیں کیا ہے، لیکن جبستہ جبستہ مقامات میں جو باتیں پائی جاتی ہیں، اُن سے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

## خلافت اور پادشاہی کا فرق

امام صاحب نے اپنے عمل کا نظام نامہ کیا مگر کیا تھا، سچ تو یہ ہے کہ اس کا صحیح علم اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ امام صاحب خود یا اُن کے شاگردوں کا کوئی بیان اس سلسلہ میں مجھے کسی طرح مل سکتا مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ تو طبری بات ہے، یہاں تو ارباب تاریخ نے بھی کوئی مسلسل چیز اس میں نہیں چھوڑی ہے، لیکن امام صاحب کا نظام نامہ اگر ہمارے پاس نہیں ہے تو کیا ہوا ان کا کام تو ہمارے سامنے ہے، "آخر ان سے بھی تو لے لے" یہ منطقی کی اصطلاح ہے، ان معلول لم علت یعنی سبب تک راہ نمائی ہوتی ہے۔



تک راہ بنائی جاتی ہے اور پھلوں سے اکثر درختوں کو پہنچا نا گیا ہے۔ میری کوشش کی بھی اس راہ میں یہی نوعیت ہے۔

میں نے عرض کیا تھا، امام کو اپنی جوانی کے دنوں میں روشنی کے بعد میں تاریکی سے سابقہ پڑا تھا وہ یزید بن عبد الملک کی حکومت اور اس حکومت کی بنیاد کا وہ اساسی فرمان تھا جسے عقدا فرید سے میں بحسنہ نقل کر چکا ہوں۔ اس فرمان کا وہ فقرہ یعنی اعمیاد الناس الی اطبقتہم اعداؤنی لوٹا۔ وہ لوگوں کو پہلی حالت کی طرف دراصل تشریح کا محتاج ہے کہ اسی کی تشریح سے امام کے استبدادی منصوبہ دپر وگرام کا جہاں تک میرا خیال ہے کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس فقرہ کا سیدھا سا وہ مطلب تو یہی ہے کہ عمر بن عبد العزیز کی حکومت سے پہلے مسلمان جس حال میں تھے اسی حال کی طرف واپس کر دئے جائیں یہ یزید نے اپنے گوزروں کے نام حکم جاری کیا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا وہ حال کیا تھا جسکی طرف وہ انھیں لوٹا کر پہنچانا چاہتا تھا؟ ممکن ہے لوگوں کو (مجھ سے اختلاف ہو لیکن میرا ذاتی خیال) یہ ہے کہ کچھ اسی زمانہ میں نہیں بلکہ تقریباً ایک حد تک ہر زمانہ میں حکومتوں کے اثر سے زیادہ تر وہی بگڑتے ہیں جو دراصل خود بگڑنا چاہتے ہوں۔ خصوصاً مذہب کی حد تک شاید میرا یہ دعویٰ بالکل غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔ علی الخصوص ایسی صورت میں جب کہ حکومت کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہو وہ خود اپنے کو اسی مذہب کا پیرو تباتے

## ہوں اور وہ مرید و منافق نہ ہوں۔ خلفاء بنی امیہ کی ذاتی سیاست

میرا مطلب یہ ہے کہ خلفاء بنی امیہ کی ذاتی زندگی مذہبی حیثیت سے جیسی کچھ ہو لیکن بائیمہ ان پر بہتان ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ العیاذ باللہ اسلامی عقائد کو ترک کر کے کفر کے خیالات پر وہ مسلمانوں کو مجبور کرتے تھے کون ثابت کر سکتا ہے کہ جس حکومت کے اکثر خلفاء خود نمازی یا جماعت کے پابند تھے خود امامت کراتے تھے روز رکھتے تھے حج کرتے تھے کراتے تھے وہی مسلمانوں کو نماز روزہ حج اور زکوٰۃ سے روکنا چاہتے تھے، یزید بن عبد الملک اپنے فرمان سے جس حالت حال کی طرف مسلمانوں کو لوٹانا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ اس کی قطعاً یہ غرض نہ تھی کہ مسلمان بے دین بنا دیئے جائیں اور ان میں فسق و فجور پھیلایا جاسکے کیونکہ نہ اس سے پہلے بنی امیہ کے خلفائے ایسا کیا تھا اور عموماً حکومتیں اپنی رعایا کے مذہبی معاملات میں اتنا براہ راست دخل دیتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلم لیگ و امرا کے شخصی حالات سے متاثر ہو کر جو بگڑتے ہیں زیادہ تر یہ وہی لوگ موتے ہیں جن کی فطرت چھوڑی اور جن کا دماغ کھوکھلا ہوتا ہے۔ پھر کسی قوم کے چند افراد بگڑ جاتے ہیں تو ان کے دیکھا دیکھی دوست بھی بتدریج ان ہی راہوں پر چل پڑتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہوتا ہے جب وہ خود چلنے پر آمادہ ہوں۔ پختہ عزم اور بلند حوصلہ رکھنے والوں نے جب کبھی یہ طے کر لیا ہے کہ دہر میں جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو لیکن ہم اس کے ساتھ نہیں گھومیں گے، تو خواہ کسی قسم کی حکومت ہو، ان کو اپنی راہ سے ہٹانے میں



کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ خصوصاً جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ کی انتھک کوششوں نے اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ کو اہل علم و فضل سے بھر دیا تھا۔ ایک بڑا گروہ ایسے علما کا تقریباً ہر مرکزی مقام پر پیدا ہو گیا تھا جو مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی نگرانی ہی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بنا لے ہوئے تھا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اسی بنیاد پر حضرت عمر بن عبد العزیز کو قوم کی جانب سے معلم العلماء کا خطاب دیا گیا تھا۔ ابن سعد نے مشہور محدث میمون بن ہرآن سے نقل کیا ہے۔

كان عمر بن عبد العزیز من معلم العلماء ج ۱ عمر بن عبد العزیز علماء کے معلم اور استاذ تھے۔

بہر حال اور کسی حکومت کے عہد میں ایسا ہو یا نہ ہو لیکن جس عہد میں حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے پیش سنہالا تھا اس وقت مختلف وجوہ سے مسلمانوں کا مذہب ان کا دین سلاطین و امارت کے دسترس سے باہر تھا کم از کم میرا تو یہ خیال ہے لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کی زندگی کے دو شعبے یعنی ان کا مال اور ان کا انصاف حکومت کی نظر میں پھر بھی پھنسا ہوا تھا اور یہ دو چیزیں ہیں بھی ایسی کہ حکومت کے سوا اس کی نگرانی کوئی دوسری طاقت کر ہی نہیں سکتی خلافت کے نام سے حکومت کا جو نظریہ اسلام نے پیش کیا تھا منجھ اور خصوصیات کے ان دونوں شعبوں میں اس کا جو نقطہ نظر تھا اور خلافت کے نظریہ کو بادشاہت اور بلوکیت کے نظریہ سے جب بدل دیا گیا تو پھر حکومتوں کا جو طرز عمل اس سلسلہ میں ہو گیا تھا اگرچہ اجمالاً اس کا علم تقریباً ہر پڑھے لکھے مسلمان کو ہے لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے نہیں آسکتی جب تک کہ چیز جزئی مثالوں سے واضح نہ کیا جائے۔

**اسلامی اموال و خلافت** اسلامی اموال یا بیت المال کے متعلق خلافت کے نقطہ نظر کی تعبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان واقعات سے ہو سکتی ہے جو تو اتر کی حیثیت

میں تاریخ کی اکثر کتابوں میں عموماً بکھرے ہوئے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کوہ کا عامل آیا حضرت اندر تھے۔ عامل وہیں بلا لیا گیا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ وہ سخت متعجب ہوا جب ایشیا و افریقہ کے اتنے بڑے بادشاہ کے سامنے صرف جو کی روٹیاں اور زیتون کا تیل رکھا ہوا تھا۔ عامل نے کہا کہ آپ کے حکامک محروسہ میں گھروں کی کافی مقدار پیدا ہوتی ہے پھر حضرت جو کی روٹی کیوں تناول فرما رہے ہیں؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا گھروں کی اتنی مقدار پیدا ہوتی ہے کہ ہر مسلمان تک اس کی روٹی پہنچ جائے؟ اس نے کہا کہ اس کی ذمہ داری کون لے سکتا ہے؟ فاروق نے اس وقت خلافت کے نظریہ کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:

”مسلمانوں کا امیر گھروں کی روٹی اُس وقت تک کیسے کھا سکتا ہے جب تک ہر مسلمان کو جو ہمارے علاقہ میں آباوہ گھروں کی روٹی نہ پہنچ جائے۔“ امام رمادہ میں آپ کا غلام کچھ گھٹی اور پینے آیا۔ حضرت نے فرمایا مجھے مسلمانوں کے حال کا احساس کیسے ہو سکتا ہے جب تک کہ خود بھی وہی نہ کھاؤں جو عام مسلمان کھاتے ہیں؟ داکل ابن اثیر و ابن سعد وغیرہ میں اس قسم کے واقعات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

لیکن جب خلافت سلطنت کے قالب میں داخل گئی تو مسلمانوں کا وہی امیر جس کے فرائض کی ذمہ داریاں خواہ جتنی بھی اونچی ہوں لیکن بالی حقوق کے میدان میں وہ مسلمانوں کی طرف سے آخری آدمی قرار دیا گیا تھا اب بادشاہ بن کر وہ اسلامی اموال کا سب سے پہلا مطلق العنان خود مختار حاکم دارین گیا رسول علیہ

الصلوة والسلام کی وہی گدی جس پر بیٹھے والوں کو خلافت کے زمانہ میں اس حال میں پایا گیا تھا جیسا کہ امام مالک حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے راوی ہیں کہ :-

میں نے عمر بن الخطاب کو دیکھا اس زمانہ میں جب کہ وہ مسلمانوں کے امیر تھے کہ اپنے منڈھوں کے بیچ میں تین پیوند لگائے ہوئے ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ چمکا دیا گیا تھا اور یہ تو امام مالک جیسے ثقہ راوی کا بیان ہے۔ ورنہ عام تاریخوں میں سن ۱۲ بارہ بارہ پیوند تک کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے ان پیوندوں میں کبھی کبھی سرخ چمکے کا ٹکڑا بھی ہوتا تھا اور جس کے گوشہ خاتمہ عامرہ کی یہ رپورٹ ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت مقررہ پر گھر سے باہر نہ نکلتے اور وہ پوچھی جاتی تو اس زمانہ کی دنیا کا سب سے بڑا فرمانروا جواب دیتا :-

غسلت ثیابی فلما جفت خرجت الیکم (ازالۃ الخفا) کپڑے دھو رہا تھا جب مشک ہو تو تم لوگوں کے پاس آیا ہوں لیکن رسول کی یہی گدی مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر جب مشرق پہنچتی ہے تو اس پر بیٹھنے والوں میں سے ایک کو گھر میں اپنی سفر میں اور وہ بھی حج کے سفر میں دیکھا گیا کہ

حج کے ارادہ سے نکلا اور چھڑو اونٹوں پر صرف اس کے بدن کے کپڑے تھے۔ عقد الفرید ص ۳۶۶

یہ عبد الملک کا بیٹا شام خلفا بنی امیہ کا پانچواں خلیفہ تھا۔ زمانہ کی کیسی تیرنگیاں ہیں مسلمانوں کا وہی مال جس کی ذمہ داریوں کے احساس میں کبھی اتنی نزاکت برتی جاتی تھی کہ بحرین سے کچھ مشک کے بانے آتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو وزن کرانا چاہتے ہیں آپ کی حرم محترمہ بی بی عاتکہ فرماتی ہیں کہ حکم ہو تو میں تول کر تبادوں آپ چپ ہو جاتے ہیں وہ پھر عرض کرتی ہیں حضرت عمر نے اس کے بعد جواب میں جو کچھ فرمایا دنیا کی قوموں میں نہ پہلے اس کی نظر تھی اور نہ آئندہ اب تک ملی ہے بی بی صاحبہ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوتا ہے :-

میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم ترازو کے پلے میں مشک کو رکھو اور پھریوں کرو (ہاتھ سے

اپنے اشارہ فرمایا)

راوی کہتے ہیں کہ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ چھوٹے چھانے سے ہاتھ میں مشک کی جو خوشبو رہ جائیگی

اور تم نے اپنے اوپر سے مل لیا تو؟

فاصیب بذالک فضلا علی المسامین (ازالۃ الخفا) عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ ہم تک پہنچ جائیگا۔

بیت المال کا یہی مال ہے مسلمانوں کے حقوق اس کے ساتھ اسی طرح بلا کم و کاست منعلق ہیں

جس طرح پہلے تھے مگر خلافت کے نام سے رسول کی وراثت کے مدعی بن کر جو بادشاہت کرتے تھے وہی اس

مال کو خرچ کرتے ہیں اور بس پر خرچ کرتے ہیں ابن عبد ربہ کی زبانی سینے عقد الفرید میں لکھتے ہیں

ولید نے دین لکھا کہ شعبہ مسخرہ کو میرے پاس بھیج دیا جاوے جب مشق پہنچا تو ولید بن زبیر کی کھال جس میں دم ہی تھی سے

پہنائی اور فرمایش کی کہ کھال پیٹنے ہوئے تم میرے سامنے ناچو گاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو ہزار درہم تمہیں انعام دوں گا۔

۱۵۔ اشعبد بنی امیہ کا مشہور مسخرہ تھا لطائف و نوادر کے بیان کرنے میں طاق تھا کسی نے پوچھا ایسا شہب کبھی کوئی (باقی صفحہ آئندہ)



اشعب ولید کے سامنے ناچا گا یا۔ ولید کو پسند آیا اور ہزار درہم اس نے انعام میں دئے۔  
 اور یہ کوئی نادر یا الشافی واقعہ نہیں ہے بلکہ عمر بن عبد العزیز کے سوا مسلمانوں کے بیت المال  
 کو ان خلفا میں سے اکثر نے اپنی ذاتی ملکیت قرار دے رکھا تھا۔ من مانے طرز پر جس طرح جی چاہتا تھا اس  
 میں تصرف کرتے تھے۔ کس کو دے رہے ہیں، کتنا دے رہے ہیں، کس لیے دے رہے ہیں ان سوالات  
 میں سے کوئی سوال ان کے سامنے نہیں تھا۔ تاہم اس قسم کے واقعات سے ہرگز یہ گڑھے مردوں کی  
 ہڈیاں اکھاڑنی فطرتاً میرے لیے نہایت مکر وہ مشغلہ ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں نے تئیں  
 کیے ایک واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے پہلے خلیفہ ولید بن عبد الملک کا درج کیا ہے۔ اور  
 دوسری مثال کا تعلق ہشام بن عبد الملک سے ہے جو عمر بن عبد العزیز کے بعد کا خلیفہ ہے۔ دکھانا یہ  
 مقصود ہے کہ جس حالی کی طرف یزید لوگوں کو واپس کرنا چاہتا تھا اس کا سب سے بڑا اہم شعبہ بیت المال  
 ہی کا مسئلہ تھا۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اپنی خاگی اور ذاتی زندگی سے اسلامی  
 بیت المال کے نقطہ نظر کو سمجھانا چاہا اور ایسی مثالیں پیش کیں جن کی نظیر خلافت راشدہ کے سوا دنیا  
 کی کسی حکومت میں مل نہیں سکتی۔ بلکہ ہر قسم کی قوت جو انھیں حاصل تھی انھوں نے چاہا کہ اس کے ذریعہ  
 سے اس غیر اسلامی روح کو خلافت کے قالب سے نکال دیں۔ لیکن ان کے بعد کے خلفاء میں پھر وہی  
 خبیث روح گھس گئی بنی امیہ کی عادت اتنی بگڑ چکی تھی کہ عمر بن عبد العزیز نے جس وقت اعلان  
 کیا کہ مسلمانوں کا بیت المال مسلمانوں کا ہے اور اس کی تقسیم اسی اصول پر ہوگی جس پر اللہ اور اس  
 کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے بانٹا ہے تو ابتدا میں اچھی خاصی بے چینی امرار بنی امیہ میں پیدا  
 ہوئی۔ لیکن جب ایک دن کراک کر بر سر منبر انھوں نے اعلان کیا۔

ان للہ منی بنی ہر وان ذہباً  
 وایما للہ لمن کاف ذلک الذہم  
 علقہ یدہی (ابن سعد)

شائد بنی مروان پر خدا کی طرف سے کوئی سخت  
 خوریزی مقدر ہے۔ خدا کی قسم یہ خوریزی میرے  
 ہاتھوں اگر ہوئی ہو تو مجھے اس سے انکار نہ ہوگا۔  
 راوی کا بیان ہے کہ مروانی جانتے تھے کہ عمر ارادہ کا پکا ہے کہ میں ایسا نہ ہو کہ کر گذر  
 اس لیے :-

دقیقہ صفحہ گذشتہ) حدیث بھی تم نے یاد کی بولا ہاں محمد سے نافع نے نافع نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جس میں  
 دو خصلتیں ہوں گی وہ خدا کے بھائی خالصین مخلصین میں لکھا جائیگا پوچھا گیا کون سی دو خصلتیں بولا ایک خصلت تو  
 نافع ہی کو یاد نہ رہی تھی اور دوسری میں بھول گیا۔ اسکے بعض عجیب نوادر "مخاضرات" کی کتابوں میں منقول ہیں مثلاً کہا جب  
 پیانے بجاتے ہوئے دیکھتا تو کہتا کہ ذرا بڑے پیانے بنایا کرو۔ کہا رنے کہا کہ تمہیں اسکی کیا پڑی ہے اٹھوئے کہا کہ ممکن ہے اسی میں مجھے  
 ہدیہ بھیجا جائے چہ نہ ہوگا تو ہدیہ کم آئیگا۔ خود اشعب کا بیان ہے کہ جنازہ کے ساتھ قبرستانوں میں جب وہ آدمیوں کو گفتگو اور سرگوش  
 کرتے ہوئے میں دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ مرے والے نے شائد میرے لیے کچھ وصیت کی ۱۲

جب مروانی امرا کو اس کی خبر پہنچی تو شورش سے رک گئے کیونکہ عمر کے عزم کی سختی سے واقف تھے جانتے تھے کہ جن بات کا ارادہ کرتا ہے کہ گذرتا ہے (ابن سعد

ایک دفعہ ہی امرا وفد کی صورت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا یہ معروضہ پیش کیا۔ تم سے پہلے جو سلوک ہم لوگوں کے ساتھ تمہارے پیش رو کرتے تھے تم نے اسے بہت گھٹا دیا ہے اس پر ان لوگوں نے حضرت عمر کو لعنت ملامت بھی کی (ابن سعد ج ۶)

اس وفد میں مروانی خاندان کا تقریباً ہر چھوٹا بڑا شریک تھا۔ اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیت المال کے متعلق خلفاء نے لوگوں کو کس بابت کا عادی کر دیا تھا؟ حضرت عمر نے اس کے جواب میں ایک ایسی بات کا اعلان کیا کہ ان کے ہاتھ کے طے اڑ گئے اور آخری امید جو عمر کی موت سے وابستہ تھی اس کو بھی ختم ہو سکتی ہے دیکھ کر وہ چپ ہو گئے۔ حضرت عمر نے جواب میں فرمایا اور پورے عزم و ارادے کے ساتھ فرمایا

لئن عدتہ مثل هذا المجلس لا شدت و کما جی ثمر لا قد من المدینة ولا جعلنا اہل ہاشوری (ابن سعد)

اگر تم لوگوں نے پھر کبھی میرے پاس آکر ایسا کیا تو میں سوار ہو کر فوراً مدینہ چلا جاؤں گا اور حکومت کے مسلمانوں کے شورہ کے سپرد کروں گا جس کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی حکومت اور ان کے بیت المال کو تمہارے خاندان سے ہٹا کر پھر مسلمانوں ہی کے حوالہ کروں گا۔ ظاہر ہے کہ ان میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو عمر کے بعد اپنی خلافت و بادشاہت کا خواب دیکھ رہے تھے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں سارا خواب خواب پریشاں ہو کر نہ رہ جائے کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر اس قسم کی آوازاں لوگوں کی طرف سے نہیں اٹھی اور یہ تو بیت المال کے مصارف کا حال تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد مدخل کے ساتھ بھی جو بے اعتنائیاں برتی جاتی تھیں ان کی داستان طویل ہے۔ بس وہی مشہور تاریخی واقعہ اس کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ جب مصر کے فلاحوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور اس کی وجہ سے جزیرہ کی آمدنی کم ہونے لگی تو اموی خلیفہ نے گورنر مصر کے نام حکم بھیجا کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے فرمان سے اس کا اٹل اور فرمایا شریح بن حبان مصر کے گورنر تھے انہوں نے حسب دستور قدیم بارگاہ خلافت میں اطلاع بھیجی کہ ذمی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی چلی جا رہی ہے جس سے جزیرہ کی آمدنی میں ٹوٹاؤ آرہا ہے۔

لیکن اب تخت خلافت پر ولید یا عبد الملک نہیں تھا بلکہ عمر فاروق کا نواسہ تھا۔ جواب میں ارقام فرمایا۔

اما بعد فان الله بعث محمدًا صلى الله عليه وسلم  
ابو عبد مہدوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی اور خدا کی طرف بلائے والا بنا کر مبعوث کیا تھا



جاءت اذ اتاك كتابي هذا فان  
كان اهل الذمه اسر عوا في الاسلام  
وكسر الجزية فاطو كذا  
واقبل (ابن سعد ج ٧ ص ٣١)

خضور کو خدا نے محصول (ٹیکس) وصول کرنے والا بنا کر  
نہیں بھیجا تھا۔ جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے  
اور ذمی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی چلی جا رہی  
ہو جسکی وجہ سے جزیہ کی آمدنی ختم ہو رہی ہو تو اپنے

حاب و کتاب کے رجسٹر کو لپیٹ کر فوراً میرے پاس چلے آؤ۔

انہوں نے صرف یہ ہی نہیں کیا بلکہ تمام صوبوں کے عمال و ولایہ کے نام احکام جاری کیے کہ  
جزیہ دینے والوں کو اسلام کی دعوت دی جائے

مروانی حکومتوں کے بگاڑ سے ہوئے ایک خراسانی امیر نے اس پر عرض کیا کہ دل سے یہ لوگ  
اسلام نہیں لاتے اس لیے مناسب ہے کہ سختہ کرانا بھی ان کے لیے آپ ضروری قرار دیجیے۔ اس نے سچا  
تھا کہ شاید اس تدبیر سے مقصد میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ لیکن حضرت نے جواب میں فرمایا  
کیا سختہ کی وجہ سے میں ان لوگوں کو اسلام سے روک دوں؟

اس کے بعد جو بات آپ نے فرمائی ان تشدد پسند مولویوں کے لیے اس میں عبرت ہے جو مچھرو  
کے بچانے کیلئے اونٹوں کو قربان کر دینے کے عادی ہیں اور جو ایسا نہیں کرتا اس پر بد امنی کا الزام لگاتے  
ہیں۔ عمر بن عبد العزیز سے زیادہ اسلامی تاریخ میں صحابہ کے بعد متصلب فی الدین ہونے کا دعویٰ کون کر سکتا  
ہے؟ لیکن وہی کہتے ہیں اور سختہ جیسی موکدہ سنت بلکہ شکاری سنت کے متعلق فرماتے ہیں۔

جب وہ اسلام لے آئیں گے اور ان کا اسلام خوب اچھی طرح ان کے دلوں میں جم جائیگا  
تو سختہ کی طرف خود د وڑیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ اس نرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک اس علاقہ میں۔

ان کے ہاتھ پر چار ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔

بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مصارف کے ساتھ داخل میں بھی اسلامی  
حدود کی پروا نہیں کی جاتی تھی اور اس سلسلہ میں یہاں تک غلو بڑھ گیا تھا کہ مالی ترقیوں کی ہوس میں  
اسلام کے تمیز تک کو گوارا کر لیا جاتا تھا۔ بیچارے حضرت عمر بن عبد العزیز نے داخلگی اصلاح  
کی بھی پوری کوشش کی۔ لیکن اس اصلاحی تحریک کی وجہ سے خزائن کو جو تاوان برداشت کرنا پڑتا تھا شخص  
کے قلب میں اس کی قوت کہاں تھی جو عمر بن عبد العزیز کی طرح تاوان کی شکایت کو سن کر یہ فرماتا جیسا  
کہ میمون بن مہران سے روایت ہے کہ کسی علاقہ کا عامل حاضر ہوا آپ نے محصولات کی آمدنی کا حال  
پوچھا اس نے جمع بتائی تو گزشتہ خلفاء کے زمانہ سے وہ بہت کم نکلی حضرت نے وجہ پوچھی عامل نے  
کہا کہ فلاں فلاں مدوں کی آمدنیوں کو آپ نے روک دیا یہ اسی کا نتیجہ ہے جو اب میں ارشاد ہوا۔

میں نے ان محصوروں کو ساقط نہیں کیا ہے۔ ان کا ساقط کرنا تو خدا ہے (ابن سعد)

سیت المال کی جو حالت ان خلفاء کے زمانہ میں تھی اس کے اندازہ کیلئے غالباً میرا اتنا بیان کافی ہو سکتا ہے

# مسلمانوں کا انصاف اور حکومت

اب میں دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں یعنی مسلمانوں کا جو انصاف ان خلفاء کے ہاتھ میں تھا اس پر کیا گزر رہی تھی کس قدر انہوں کی بات تھی وہی عدل جس کے متعلق قرآن سے کفر و اسلام کی تمیز بھی باقی نہیں رکھی ہے اور جن قوموں سے مسلمانوں کو عداوت و بغض کا تعلق ہو قرآن نے ان کے ساتھ بھی انصاف ہی کرنے کا حکم دیا ہے اللہ اکبر جس شریعت کے شارع و علیہ السلام نے علی مرتضیٰ سے الاثنیہا و یہ اعلان کیا ہوا

ولوان فاطمة بنت محمد مرقتا  
لقطعت یدھا (اعازھا اللہ ہنسہ)

فاطمہ بنت محمد (اعازھا اللہ تعالیٰ) بھی اگر چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔

اور جہاں جلیلہ بن ایم جیسے بادشاہ کی شاہی قوت کو ایک معمولی مغرب زد کے انصاف پر ہمیشہ کے لیے قربان کر دیا گیا ہو ایک بے جان بت کی آنکھ کے بدلے میں زندہ مسلمان سپاہی کی آنکھ صرف اس لئے کہ انصاف قائم ہو قانون کا احترام باقی رہے ایک کافر کے حوالہ بخوشی کر دی جاتی ہو مگر یہ خلافت کی سلطنت کا چولہا بدلا اس وقت کیا ہوا اور کیا ہوتا رہا یہ ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے صرف یہی نہیں کہ قانون کے نافذ کرنے میں مغرب و بے عدل و دوست و دشمن کا فرق کیا جاتا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کی اپنے مطلب کے مطابق تشریح کا حق بھی ان بادشاہ خلیفوں اور ان کے ولایت و حکام نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت جب مدینہ منورہ کے والی عمرو بن سعید نے جب الملک کے حکم سے چاہا کہ مکہ معظمہ پر فوجی حملہ کیا جائے اور اسلئے وہ مدینہ ہی سے فوج بھیجنے کا سامان کر رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو شریح کو بلا ہوئے بخاری میں ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

اے امیر مجھ پر اجازت دیجئے کہ میں آپ سے ایک ایسی بات کہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا تھا۔ میرے دونوں کانوں نے اسے سنا ہے اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور میں وقتہ حضور ارشاد فرما رہے تھے میری آنکھیں حضور کو دیکھ رہی تھیں۔

ابو شریح نے اپنے کلام میں اتنی قوت پہنچانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور حکم کہ حرم مکہ میں خونریزی وغیرہ ہمیشہ کے لیے حرام کی جاتی ہے بیان فرمایا۔ لیکن سب کچھ سننے کے بعد عمرو بن سعید جو خود اپنے کو اسلامی قوانین کا شارح سمجھتا تھا آپ کو جھڑک کر کہتا ہے :-

اے یہ قصہ مصر میں پیش آیا تھا کسی مسلمان سپاہی نے ایک بت کی آنکھ توڑ دی بت کا مالک حضرت عمرو بن عاص کے پاس داخواہ ہوا فیصلہ یہ کیا گیا کہ تم سپاہی کی آنکھ توڑ دو۔ اگر بت پرست نے روپیہ لیکر خود معاف کر دیا لیکن اسلام نے تو مسلمان کی آنکھ کو کفر کے حوالہ اس سے کر دیا کہ انما فی قلبہ تم اس کو توڑ سکتے ہو۔ خلافت راشدہ کی تاریخ کا ورق ورق ان حیرت انگیز واقعات سے معمور ہے بطور مثال کئی سالوں سے چند مشہور باتوں کا ذکر کیا ہے۔ عام ناظرین اس واقعہ کو قاضی سلیمان مرحوم کی میرت رحمتہ للعالمین بندہ سوم میں دیکھ سکتے ہیں۔



ابو شریح میں تم سے زیادہ عالم اور ان امور کا جاننے والا ہوں حرم کسی نافرمان  
اور خون کر کے بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

بیچارے ابو شریح (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کے بعد یہ فرما کر چپ ہو گئے۔  
میں تو حضور کی صحبت میں موجود تھا اور تم غائب تھے۔ حضور کا چہرہ کہ فرمان تھا کہ ہم میں  
جو حاضر ہوں وہ ان کو پہنچا دیں جو ہم میں سے غائب ہوں لہذا میں نے تم کو پہنچا دیا۔ اب  
تم جانو تمہارا کام۔

”قانون“ اور ”انصاف“ کے ساتھ خلفا کا یہی طرز عمل تھا جس کی اصلاح کا ارادہ فرماتے ہوئے

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اعلان کیا تھا

لست بقاضٍ ولكن منفذٌ وليست

بمخير من احدٍ ولكن اقلكم حملاً و

احسبه قال وليست بمستدعٍ ولكني

متبلغ ص ۶ ج ۶ (ابن سعد)

میں فیصلہ کر نیوا لائیں ہوں (میرا کام بحیثیت خلیفہ ہونیکے)  
صرف نافذ کرنا دینا ہے۔ تم میں سے کسی ایک سے بہتر نہیں ہوں  
لیکن میرا بازو زیادہ بوجھل ہے اور میری بازو میں زیادہ  
سخت ہے۔ میں دین اور شرعی قانون میں کسی کی بیشی کتر بیونت

کا حق نہیں رکھتا بلکہ قانون جس حال میں ملا ہے اس کا اتباع ہی میرا فرض ہے۔

در اصل یہ تین منفی فقرے خلافت اسلامی کے اصول عدالت اور اموی پادشاہی کے طرز

عدالت کا بنیادی فرق پوری طرح نمایاں کر دیتے ہیں۔ پہلا فقرہ کہ میں فیصلہ کرنے والا قاضی نہیں ہوں

بلکہ بحیثیت خلیفہ ہونے کے میرا کام صرف نافذ کرنا دینا ہے۔ ”مروانی خلفار اور ان کے ولایت کے اس طرز عمل

کی تردید ہے کہ وہ شریعت کی تشریح اور واقعات پر اس کے انطباق کا اپنے کو مختار قرار دیتے ہوئے

دوسرا فقرہ کہ ”تم میں سے کسی ایک سے بہتر نہیں ہوں“ یہ اس غلط خیال کی تردید تھی جس کے

سلاطین اور ان کے حوالی ہوالی ہمیشہ شکار رہے ہیں۔ یعنی عام رعایا براہ راست وہ اپنے کو ایک الگ

جنس قرار دیتے تھے اور آئیے چاہتے تھے کہ قانون ان کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرے جو عام لوگوں کیساتھ

کرتا ہے۔ تیسرا فقرہ کہ ”دین اور شریعت (قانون) میں مجھے کسی کی بیشی کتر بیونت (ابتداع) کا اختیار نہیں ہے“

بلکہ میرا کام صرف شریعت کے احکام کی تعمیل و اتباع ہے۔“ یہ ان بیجا تصرفات کی طرف اشارہ تھا جو شریعت

کے قوانین میں اپنے من ماسے اغراض کے تحت خلفا کر رہے تھے اور شاید اس کا اپنے کو حقدار سمجھتے تھے۔

اپنے اس اعلان کے ذریعہ اس بدعت شنیعہ کی بیخ کنی کرنی چاہی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے

بعد اگرچہ قضا کے محکمے ہر مرکزی جگہ میں ضرور قائم تھے لیکن جن لوگوں نے ”حکومت“ (جس کے لغوی معنی حکم

اور فیصلہ کرنے کے ہیں) کا مقصد صرف ٹیکس وصول کرنا قرار دے لیا تھا جس کی طرف حضرت عمر بن عبد العزیز

نے ایک بلیغ تعریفی اشارہ ان الفاظ میں فرمایا تھا کہ ”ما بعث اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جابياً (اللہ تعالیٰ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محمول وصول کر نیوا لائنا کر نہیں بھیجا تھا) ان لوگوں کے عہد حکومت میں بدعت بیخ

اس محکمہ کی اہمیت کم ہو جاتی چلی جا رہی تھی۔ کہاں ایک وہ زمانہ تھا کہ قاضی کے تقرر کا اختیار براہ راست خلیفہ اپنے

ہاتھ میں رکھتا تھا اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے از اللہ الخفا میں لکھا ہے یہ حضرت  
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد تھی کہ ہر صوبہ میں مستقلاً وہ اپنی طرف سے تین نمائندوں کو بھیجتے تھے، ایک الی  
 (وائس) دوسرا قاضی تیسرا افسر خزانہ، حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تینوں عہدہ دار کسی ایک کے  
 ماتحت نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر ایک براہ راست بارگاہ خلافت کے آگے ذمہ دار تھا شاہ صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں  
 در کوفہ و بصرہ وغیرہما من البلاد جنگہ جدا کوفہ بصرہ اور دوسرے شہروں میں حضرت عمر حاکم اعلیٰ دگر نما  
 میں فرمود و قاضی جدا و تجویدار بیت المال علیہ جدا قاضی (دج) جدا اور بیت المال کا تجویدار جدا مقرر فرماتے تھے  
 و این امر است کہ تازماں حضرت فاروق واقع شدہ بود اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کا ثبوت حضرت فاروق اعظم سے پہلے نہیں  
 علاوہ دیگر مصالح کے ایک بڑا فائدہ شاہ صاحب کے خیال میں اس کا یہ تھا کہ

بالفرض کسی سے اگر بددیانتی سرزد ہو تو دوسرا ٹوکے پر آمادہ ہو اور یہ بات کہ  
 (تینوں کے تینوں) بددیانتی پر اتفاق کر لیں ایسی صورت میں کہ ان کی راستبازی کا پہلے سے  
 تجربہ بھی کر لیا گیا ہو ذرا مشکل ہے۔

اسی نظم کا یہ نتیجہ تھا کہ کسی خاص صوبہ سے نہیں بلکہ ساری اسلامی ممالک سے ممتاز آدمیوں کا  
 انتخاب عمل میں آتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ قاضیوں پر والیوں کو کسی قسم کا اقتدار چھوٹا نہ  
 تھا اس لیے بے خوف و خطر جو بات ان کی سمجھ میں آتی تھی فیصلہ کرتے تھے۔ لیکن جوں ہی خلافت مدینہ سے  
 منتقل ہو کر دمشق پہنچی قضا اور فصل خصوصیات کی اہمیت اس درجہ گھٹادی گئی کہ ہر صوبہ کے والی کو اس کا  
 اختیار دیا گیا کہ اپنے صواب دید سے جس شخص کو وہ چاہیں اپنے علاقوں میں قاضی مقرر کر لیں۔

انہما کانت ولاۃ البلاد ہما اللذین یعنی ہر شہر کا والی خود ہی قاضی کو مقرر کر لیتا تھا۔  
 لیونہ القضاۃ (حسن المحاضرہ ص ۱۵)

کیا زیادہ دن کے بعد؟ نہیں مروان ہی کے زمانہ میں اس کا نتیجہ یہ دیکھا گیا تھا کہ جب وہ مہر  
 دورہ پر پہنچا اور قاضی کو بلا یا جس کا نام قاضی عابن تھا، عابن کے علم و فضل کا کیا حال تھا تاریخ واسے بیان  
 کرتے ہیں حسن المحاضرہ میں بھی ہے کہ

قاضی عابن ان پڑھ تھا لکھا ہی نہیں جانتا تھا۔

مروان نے اس غیر خواندہ قاضی کو مخاطب کر کے پوچھنا شروع کیا۔

قاضی - اجمعت کتاب اللہ؟ (کیا تم نے قرآن یاد کر لیا ہے؟)

مروان - سلا (نہیں مجھے قرآن یاد نہیں ہے)

قاضی - فاحکمت القرآن؟ (تو کیا تم نے میراث کے مسائل کو پختہ کر لیا ہے؟)

مروان - کلا (ان سے بھی ناواقف ہوں)

(مروان کو اس جواب پر حیرت ہو گئی اور بولا) فیم تقضی؟ (آخر تم کس چیز سے فیصلہ  
 کرتے ہو؟)



بیچارے عالیں اس کا کیا جواب دے سکتے تھے۔ الغرض بجائے خلیفہ کے قاضیوں کا تقرر والیوں کے سپرد کر دینے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے وئی اغراض کے مطابق جو آدمی ہوتا تھا اسی کا وہ تقرر کر دیا کرتے تھے۔ ان ہی قاضی عالیں صاحب کے تقرر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت معاویہ نے مصر کے وائی مسئلہ کو لکھا کہ یزید (کر بلائی) کے لیے لوگوں سے بیعت لی جائے۔ حسب الحکم مسلمہ نے بیعت یعنی شروع کی۔ اور تو کسی طرف انکار نہیں ہوا لیکن مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فاتح مصر عمرو بن عباس کے مشہور صاحب جزا و سہ ہیں اور علم و فضل اور علو سیرت میں لوگوں نے باپ پر بھی انہیں ترجیح دی ہے انہوں نے بیعت سے انکار کیا مسلمہ نے ان کے انکار پر اعلان کیا:-

عبداللہ کو درست کرنے کے لیے کون آمادہ ہے؟

کہا جاتا ہے کہ یہی عالیں بن سعید کھڑے ہوئے اور بوئے میں اس کام کو انجام دیتا ہوں۔ عبداللہ بن عمرو اس زمانہ میں اپنے والد کے مشہور قصر واقع فسطاط میں قیام فرماتے تھے۔ عالیں پولیس کے نوجوانوں کو لیکر پونچا اور ان کے مکان کو گھیر لیا۔ کہلا بھیجا کہ بیعت یزید کے متعلق اب کیا ارادہ ہے؟ انہیں پھر بھی انکار ہی پر اصرار رہا۔ عالیں نے اس کے بعد کیا کیا؟ مورخین لکھتے ہیں:-

اس نے آگ اور بکڑی جمع کی تاکہ ان کے قصر میں آگ لگا دے (حسن المحاضرہ)

عبداللہ بن عمرو نے اس کے بعد اپنے کو مجبور اور معذور پایا بیچارے گھر سے نکلے اور جو کچھ اس جاہل نے کہنے کے لیے کہا دہرا دیا۔ ان پڑھ عالیں کا یہی سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ ایک صحابی کو آگ میں جلا دینے کی دہمکی دے کر حکومت میں سرخروئی حاصل ہوئی تھی۔ اسی سرخروئی کا یہ صلہ ملا تھا کہ عزیز مالوں کی منڈیاں ان کی جائیں ان کے مال و جاہ و حکومت نے سب قرآن و حدیث اور فرائض سے بالکل جاہل اس شخص کے سپرد کر دیے۔ میں نے تمثیل کے لیے یہ ایک جرمی واقعہ پیش کیا ہے اور نہ قاضیوں کے تقررات میں جو بے اعتنائیاں مختلف اثرات کے تحت میں برتی جاتی ہیں ان کی داستان طویل ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے قاضی جو اپنے علم و فضل و تقویٰ و دیانت کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض کسی والی کے رحم و کرم پر جیتے تھے خود تو جو کچھ کرتے ہوں گے وہ تو ظاہر ہی ہے اس کے سوا ابھی ان والیوں کے دباؤ سے کہاں تک ان کے فیصلے محفوظ رہ سکتے تھے اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ شامت کا مارا بیچارہ کوئی قاضی اپنے والی کی مرضی کے خلاف اگر کچھ کر گذرنا تھا تو پھر اس کی خیر نہ تھی۔ سلیمان بن عبد الملک کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ مکہ معظمہ میں قضا کا عہدہ طلحہ بن ہرم کے سپرد تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بنی امیہ کا مشہور گورنر خالد بن عبداللہ القرنی مدینہ کا والی تھا۔ شیبہ غازی ان (جو کعبہ کے کلید بردار ہیں) کے دو آدمیوں میں کسی زمین کے متعلق جھگڑا ہوا۔ قاضی صاحب نے ایک فریق کے حق میں جس کا نام اجم تھا فیصلہ کر دیا۔ لیکن دوسرا فریق خالد کا درباری تھا۔ اس نے فوراً مدینہ پہنچ کر خالد سے قاضی کے

۱۲ حالات آگے آرہے ہیں ۱۲

خلاف حکم حاصل کر لیا قاضی طلحہ کو اس پر غصہ آ گیا اور چپ چاپ انہوں نے سلیمان بن عبد الملک کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ خلفا بنی امیہ میں سلیمان کا شمار بھی معتتم لوگوں میں ہے۔ قاضی صاحب کا خط جسے بصرہ راز قاضی نے اپنے لڑکے محمد بن طلحہ کے ہاتھ بھیجا تھا سلیمان کو ملا تو وہ برہم ہوا اسی وقت اس نے ایک حکم محمد بن طلحہ کو لکھوا کر دیا کہ سیدہ مدینہ جا کر خالد کے حوالہ کرو اور کہہ دو کہ اجم کے معاملہ میں وہ دراندازی نہ کرے۔ محمد بن طلحہ اس خط کو لیکر جس وقت مدینہ پہنچتے ہیں اور خالد کے حوالے کرتے ہیں تو خالد بس یہ سنکر آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور قبل اس کے کہ سلیمان کا خط پڑھے جلاو کو حکم دیتا ہے کہ محمد بن طلحہ کو (۱) سو گڑے لگا محمد بن طلحہ کا اس کے بعد کیا حال ہوا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ قاضی طلحہ نے اپنے بیٹے کے خون آنسو لیاں کو سلیمان کے پاس بھیجا۔ سلیمان بھی اس واقعہ کے بعد آپس سے باہر ہو گیا اور حکم دیے چکا تھا کہ خالد کے ہاتھ کاٹ دینے جائیں لیکن بعض امیروں کی سفارش سے معاملہ ٹل گیا۔ (عقد الفرید ص ۲۶ ج ۲)

اور یہ ایک معاملہ نہیں ہے۔ خلفا بنی امیہ اور خلفا بنی عباس کے زمانہ میں ہارون الرشید تک ایسے واقعات مسلسل پیش آتے رہتے تھے۔ مثلاً امیہ دونوں خلافتوں کے متعلق ایک ایک واقعہ درج کرنا ہوں سیوطی نے اپنی مشہور کتاب "حسن المحاضرہ" میں قاضی خیر بن نعیم کے ذکر میں بنی امیہ کے عہد کا ایک واقعہ یہ بیان کیا ہے :-

ایک فوجی سپاہی نے کئی آدمی کو گالیاں دیں۔ اس نے قاضی خیر کے اجلاس میں دعویٰ دائر کر دیا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کیا قاضی خیر نے سپاہی کو حوالات میں رکھنے کا حکم اس وقت تک کے لیے دیا جب تک کہ مدعی دوسرا گواہ حاضر کرے۔ مگر گورنر ابو جعفر عبد الملک بن زبید نے اپنا آدمی بھیج کر سپاہی کو حوالات سے نکلوا دیا قاضی خیر کو جب اس کی خبر ہوئی تو قضا سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گئے۔ ابو جعفر نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ گویا مذرت طلب کی لیکن قاضی صاحب نے کہلا بھیجا کہ جب تک سپاہی واپس نہ ہوگا میری واپسی ہی نامکن ہے۔ مگر ابو جعفر نے سپاہی کو واپس نہ کیا۔ قاضی صاحب بھی اپنے ارادہ پر ڈٹے رہے۔

دوسرے واقعہ کا ذکر طائش کبریٰ زاوہ اپنی کتاب مفتاح السعادة میں مشہور قاضی حفص بن غیاث کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ان کو بغداد کا قاضی مقرر کیا۔ اتفاق سے ہارون کی مشہور بہن بیوی زبیدہ کے مرزبان ریشیل یا نمبردار کا ایک معاملہ قاضی صاحب کے پاس پیش ہوا۔ مرزبان کسی کا دیوا تھا۔ دین اس پر ثابت ہو گیا قاضی صاحب نے مرزبان کے خلاف ڈگری دیدی زبیدہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ قاضی نے یہ جاننے کے بعد کہ مرزبان میرا آدمی تھا پھر بھی اس کے خلاف فیصلہ کیا، آگ بگولہ ہو گئی۔ ہارون جب محل سرا آیا تو زبیدہ غصہ میں بھری بیٹھی تھی :-

وہ ہارون کے سر ہو گئی کہ ایسے قاضی کو معزول کر دیا جائے۔ آخر ہارون نے قاضی حفص کو معزول کر دیا۔

ایک مرزبان پر اسلام کا اثبات انعام محض ایک عورت کی خاطر قربان کر دیا گیا۔



اگرچہ یہ ایک جرمی واقعہ ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ آئندہ آپ کو معلوم ہو گا کہ یہی ہارون الرشید ہے اور وہی اس کی قاہرہ حکومت۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے تلمیذ رشید قاضی ابو یوسف جن کا تقرر امام صاحب کی شہادت کے بعد ہارون ہی نے کیا اپنے زمانہ قضا میں ہارون کی بیوی یا حکام ہی کے خلاف نہیں بلکہ خود ہارون کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتے ہیں۔ لیکن بجز خاموشی کے وہ اپنے لیے کوئی چارہ کار نہیں پاتا۔ آخر یہ طرز عمل کیوں بدلا اور اس کے پیچھے کس کے اخلاص و قربانی کی قوت تھی؟ افویں مورخین نے اس پر غور نہیں کیا۔ بہر حال اتنی مدت کے بعد بکھرے ہوئے واقعات کو جمع کرنے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر تو آئندہ آتا ہے۔ ابھی تو میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے "انصاف" کا جو حال ان خلفاء کے ہاتھوں ہو رہا تھا اس کی نوعیت کیا تھی؟

خلفاء کی ان بیجا طرفداریوں ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ امام ابو حنیفہ ہی نہیں جن کا واقعہ مشہور ہے اور بھی اس زمانہ کے کتنے ارباب صدق و امانت تقویٰ و دیانت حکومت کے شدید اصرار کے باوجود قضا سے انکار کرتے تھے اور اگر مارے یا مذہم کسی نے قبول بھی کر لیا تو ہمت کر کے وہ خلفاء سے اس کا معاہدہ لیتے تھے کہ فیصلوں میں ذاتیات کو دخل نہ دیا جائے گا۔ ان بیجا زوں کی تسلی کے لیے اقرار بھی کر لیا جاتا تھا۔ لیکن زیادہ تر یہ وعدے "موقوفی مواعید بن کر شرمندہ ایفا بہت کم ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں قاضی شریک کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ان خلفاء کے طرز عمل پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو جعفر منصور عباسی نے قاضی شریک کو بلا کر قضا کا عہدہ پیش کیا۔ پہلے تو انہوں نے مختلف جیلے بہانے کیے لیکن جب کوئی بات سنی نہ گئی تب قاضی صاحب نے منصور کو مخاطب کر کے فرمایا:-

میں ہر آنے جانے والے وار و عداور پر فیصلے کروں گا اور مجھے اس کی پروا نہ ہوگی کہ میں کس کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ کوئی ہی ہو میں نہ ذلیلہ کے مقروض کو دیکھوں گا نہ ان کو جو بارگاہ خلافت سے تعلق نہیں رکھتے۔

چند الفاظ کے تلفظ میں منصور کا کیا گہرا تا تھا بولا:-

احکم علی عدلی و عدلی

آپ میرا اور میری اولاد کے مقابلے میں بھی فیصلے کر سکتے ہیں۔ گویا منصور نے اپنے پیشروں کے مقابلہ میں یہ کہہ کر انتہائی انصاف پسندی کا اظہار کیا۔ وہ نہ سچ یہ ہے کہ اسلام کے قانون عدل کے ماننے والوں کے لیے اس تصریح کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ تاہم منصور نے بڑی کشادہ دلی گورام دے کر خود اپنے کو اور اپنی اولاد کو قانون کے نیچے ڈال دینے کا اعلان کیا۔ لیکن قاضی صاحب کی اس سے بھی تشفی نہ ہوئی۔ خلفاء سے بھی زیادہ خطرہ جن لوگوں سے تھا اور زیادہ تر اس زمانہ کا "عدلیہ" ان ہی کے ہاتھوں برباد ہو رہا تھا۔ کھل کر خلیفہ کے سامنے انہوں نے اس خطرہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ "میں نے اپنے ہاں مشیہ نشینوں و درباری امرا و امالی موالی) سے میری حفاظت کیجئے۔ منصور نے

سے ایک مشہور وعدہ خلافت پروردی کے نام کی طرف بہت انتساب ہے۔

اس کے جواب میں بھی قاضی صاحب کو یہ کہتے ہوئے گو یا مصلحتن کر دیا کہ افعلی (ہاں میں ایسا ہی کروں گا) مگر سبب کچھ ہو جانے کے بعد قاضی شریک جب اپنے عہدہ کا جائزہ لے کر اجلاس کے لیے بیٹھے ہیں تو بد قسمتی سے سب سے پہلے مقدمہ جوان کے آگے پیش ہوتا ہے وہ خلیفہ کی مولانا (چھو کری) کا معاہدہ کسی شخص سے تھا۔ عادیوں تو عام طور پر بگڑی ہوئی تھیں۔ اجلاس میں جب فریقین حاضر ہوئے تو صرف اس لیے کہ چھو کری خلیفہ کی چھو کری تھی اپنے فریق کے برابر کھڑے ہوئے میں اس نے اپنی توہین محسوس کی اور آگے بڑھ کر قاضی صاحب کے سامنے آگئی۔ وہ مصلحتن تھی کہ شاہی آدمیوں کے ساتھ عدالت میں اسی امتیاز کا رواج ہے لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ شاہی انتساب کے جس نشہ میں وہ مخمور ہے نیا قاضی بھی خلیفہ کے معاہدہ کے نشہ سے چور ہے۔ لوندی کے ہوش اڑ گئے جس وقت قضا کی گدی سے اس کے کان میں یہ آواز گونجی:-

او گندی عورت پیچھے ہٹ جا

قاضی صاحب کا مطلب یہ تھا کہ یہ اسلامی عدالت ہے جس میں حاضر ہونے والوں کو خواہ وہ مسلمانوں کا سب سے بڑا آدمی یعنی خلیفہ ہی کیوں نہ ہو ہر ادنیٰ معمولی رعیت کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ قاضی صاحب بیچارے جانتے تھے کہ اب وہ زمانہ باقی نہیں رہا ہے لیکن خلیفہ کے عہد پر ان کو غرہ تھا اس لیے شاہی لوندی کی شان میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے۔ خدا جانے چھو کری کو بھی اپنے آقا کے معاہدہ کا علم تھا یا نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتی تھی۔ خصوصاً جب کہ یہ ایک نئی بات تھی۔ خلیفہ نے دین کے جوش میں بھر کر مدت کی ایک رسم کے خلاف معاہدہ کیا تھا۔ قدرۃ اس کی خبر ہر کہ وہ کو ہونی چاہیے ہر حال اگر وہ یہ جانتی بھی تھی تو اس کے ساتھ ان معاہدوں کا جو وزن تھا اس سے بھی ناواقف نہ تھی ایک کنیز دارا الخلافہ کے سب سے بڑے قاضی کو مخاطب کر کے اس فقرہ کا جواب دیتی ہے 'حقیقت یہ ہے کہ نقل کرتے ہوئے بھی قلم کا نیتا ہے۔ چھوٹے ہی چھو کری نے بوڑھے قاضی کو کہا:-

بڑے تو احمق ہے

ایک چھو کری کی زبان سے اسلام کا ایک مشہور عالم یہ جملہ سنتا ہے اور دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے اپنے کیے پر پھپھکتا ہے اور کہتا ہے:-

میں نے خلیفہ سے اپنے متعلق یہی کہا تھا (یعنی کہ میں احمق ہوں) لیکن تیرے آقا نے قبول نہیں کیا

خیر یہ تو قاضی صاحب کے جواب دیا۔ لیکن شاہی عدالت کی اس صریح اہانت پر منصور نے عام عدالتی رسم کی بنیاد پر نہیں اسلامی عدالت کے اصول پر نہیں کم از کم اپنے معاہدہ کی لاج ہی کے لیے اس چھو کری سے کوئی جواب طلب کیا؟ کس قدر عجیب ہے کہ اچکے علی و علی و لری کا برسرِ دربار معاہدہ کرنیوالا منصور اپنے متعلق یا اپنی اولاد کے متعلق پاس عہد و زبان تو کیا کرتا اپنی ایک چھو کری کے متعلق بھی قاضی صاحب کے اس برتاؤ کو برداشت نہ کر سکا اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے فخر نوحہ قاضی شریک کو لوگوں نے معزول کر دیا اگرچہ منصور کے بعد ہمدی کے اصرار سے قاضی صاحب کو پھر یہ عہدہ قبول کرنا ہی پڑا جس کا ذکر اپنے موقعہ پر انشا اللہ تعالیٰ آگے آئے گا لیکن منصور کے زمانہ میں تو اس کو کری کا انجام یہ ہوا ان ہی باتوں کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ اپنے دین و علم کی



حفاظت کرنا چاہتے تھے وہ ان خلفاء کے قول و قرار پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ابن خلکان میں ہے کہ عباسی خلیفہ ہمدی نے حضرت سفیان ثوری کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلایا اور وہی قضا کا عہدہ پیش کیا۔ ان کو انکار پر اصرار تھا لیکن وہ قبول کر لینے پر مصر تھا۔ اس وقت ہمدی اور سفیان ثوری میں ایک سخت گفتگو بھی ہوئی جس کا ذکر انشا اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا اور اسی وقت یہ بھی معلوم ہو گا کہ جب ان خلفاء کو اپنے ڈھب کے آدمی بکثرت مل رہے تھے تو ان بیچاروں کو پکڑ پکڑ کر وہ کیوں مجبور کرتے تھے۔ بہر حال حضرت سفیان نے نہ قبول کرنے کی وجوہ میں خلفاء اور ان کے امرار و حوالی موالی کی غلط و دخل اندازیوں کا ذکر کیا تو اس نے اپنے باپ منصور کی طرح زبانی نہیں بلکہ تحریری معاہدہ لکھ کر حضرت کے حوالہ کرنے کا حکم دیا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ہمدی نے اپنے میر منشی کو کہا:

کوئی قضا کا فرمان اس شرط کے ساتھ لکھ کر انہیں دیدو کہ کوئی ان کے فیصلوں میں دخل در اندازی نہ کرے گا۔

معاہدہ لکھ کر حضرت سفیان ثوری کے حوالہ کیا گیا۔ لیکن جس آسمان کے نیچے اور جس زمین کے اوپر آدم کی وہ اولاد تھی جنہیں تم اس زمانہ کے خلفاء اور امرار کے لباس میں دیکھ رہے ہو وہیں زندگی کی تمام ضروریات رکھنے والی وہ ہستیاں بھی تھیں کہ ایک صوبہ کے ہائی کورٹ کی ججی دی جاتی ہے لیکن اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ قاضی ابن خلکان راوی ہیں:-

حضرت سفیان نے فرمان لیا اور دربار سے باہر نکل کر انہوں نے اسے جگہ میں پھینکا اور غائب ہو گئے۔ ضلع ج ۱

آخر جب ہمدی کا یہ حال تھا جیسا کہ خطیب نے قاضی عبید اللہ بن حسن کے حالات میں نقل کیا ہے کہ کسی زمین کے معاملہ میں ایک خوش باش تاجر اور ہمدی کے کسی فوجی جنرل میں جھگڑا تھا اور مقدمہ قاضی عبید اللہ کے اجلاس میں دائر ہوا اور دوسری طرف دار الخلافت سے خلیفہ (یعنی ہمدی) کا فرمان بے فیصلہ راز قاضی کے نام وصول ہوا جس میں ہمدی نے قاضی کو حکم دیا۔

انظر الى الارض التي يخاصم فيها  
فلان التاجر فلا فلان القائد فوجي جنرال کے درمیان  
دیکھو فلان تاجر اور فلان قائد فوجی جنرل کے درمیان  
جس زمین کا جھگڑا ہے اس مقدمہ میں فیصلہ قائد  
للقائد (ص ۳۰۹ تاریخ بغداد) کے منشا کے مطابق دو

اگرچہ قاضی عبید اللہ نے ہمدی کے فرمان کی پروا نہ کی اور حق پر چونکہ تاجر ہی تھا اس لئے فیصلہ اسی کے حق میں قاضی صاحب نے کیا لیکن نتیجہ کیا ہوا اسنے کے ساتھ ہی ہمدی نے قاضی عبید اللہ کو معزول کر دیا اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عدل و انصاف کی درگت ان نام نہاد خلفاء کے زمانہ میں کیا بنی ہوئی تھی

# اسلامی حکومت کے حاد

عدل و انصاف کے اس تاریخی تبصرے کے بعد اب میں پھر اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کون نہیں جانتا کہ اسلامی حکومت مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے امن و امان کا قیام ملک کی آبادی سرحدوں کی حفاظت فوجوں کی تنظیم سداطین عالم سے تعلقات یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں جن کا عام طور پر حکومتوں سے تعلق ہے ایک طرف اسلامی حکومت کے دائرے میں اس قسم کے امور داخل ہیں وہیں یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ مسلمانوں کے بالوں اور ناخنوں تک کی نگرانی کی جاتی تھی مسلمانوں کے پہلے بادشاہ خود ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اس سے کون ناواقف ہے کہ پیغمبر کی نظر کن کن چیزوں پر رہتی تھی حتیٰ الحرام یعنی استیجا کرنے تک کا طریقہ بھی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سکھاتے تھے اصحاب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا اظہار دوسری قوموں کے افراد کے سامنے کرتے تھے ایچھے ہوئے بال ناہاف و انتوں کو دیکھ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح لوگوں کو تہنید فرماتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں اس کا ذخیرہ موجود ہے حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے مصافحہ کیا جس کے ناخن بڑے ہو گئے تھے۔ آپ نے اس شخص کو خطاب کر کے بیان کیا کہ

جاء رجل الى النبي صلى الله عليه  
وسلم يسئله عن خبر السماء فقال  
يحيى احدكم يسأل عن خبر السماء  
واظفارها اظفار الطير يجمع  
فيها الخبائث والفتن. احكام القرآن ج ۳ ص ۳۶

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ایک آدمی آیا اور آسمان کی خبریں دریافت کرنے لگا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسکو دیکھ کر فرمایا کہ تم میں ایک آدمی آتا ہے اور آسمان کی خبریں دریافت کرتا ہے حالانکہ جو چیز اسکے سامنے کی ہے یعنی اسکے ناخن تک اس کے پردوں کے چنگل کے مانند بڑے ہوئے ہوتے ہیں جن میں ہر طرح کی گندگی اور میل کچیل جمع رہتے ہیں۔

اور یہ باتیں کچھ پیغمبر ہی تک محدود نہ تھیں۔ آپ کے راشدین خلفا اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کی نگرانی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے سامنے ایک الجھی ہوئی بڑی لمبی چوڑی ڈاڑھی لٹے ہوئے ایک شخص آیا دیکھنے کے ساتھ ہی حضرت عمر اس شخص کی طرف بڑے اور فرمایا کہ

تم میں سے بعض لوگ میرے سامنے اس شکل میں آتے ہیں کہ گویا وہ درندوں میں سے کوئی درندہ ہے (یعنی شرع بخاری)

پھر آپ نے قینچی منگوا کر اس کے بال درست کئے پھر حال شخصی زندگی ہو یا خاندانی و عائلی قومی تعلقات ہوں یا عام انسانی تعلقات یا خدا اور بند کے باہمی تعلقات، اسلام ان سب پر حاوی ہے۔ اور ہر شعبہ کے متعلق قوانین و دفعات رکھتا ہے جن کے نفاذ و تعمیل کی اسلامی حکومت ذمہ دار ہوتی گئی ہے۔ لیکن خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد جن ہاتھوں میں اسلامی حکومتوں کی باگیں آئیں وہ بتدریج اس راہ سے ہٹتے ہوئے بالآخر اس حد پر پہنچ گئے کہ آخری دو چیزیں یعنی مسلمانوں کا مال جو بیت المال میں جمع ہوتا تھا اور مسلمانوں کے باہمی معاملات کے چمکانے، فیصلہ کرنے کیلئے جو قانون اسلام نے دیا تھا ان دو آخری باتوں کی ذمہ داریوں سے بھی لاپرواہیاں برتی جانے لگیں



بلو کہ بنی امیہ ہوں یا شاہان عباسیہ اس باب میں تقریباً دونوں کا حال ایکساں تھا۔ امام ابو حفص کبریٰ کے صاحبزادے ابو حفص صغیر کے حوالے سے موفق نے اپنی مناقب میں جو یہ نقل کیا ہے کہ

ھزب ابو حنیفۃ الی مکة واقام  
بھا الی ان ظھرت الھاشمیۃ  
فقد مرا ککوۃ ص ۲۱۶ ج ۱

غالباً یہ خیال کر کے حرم ربانی کی اس پناہ گاہ (مکہ معظمہ) سے وہ کوفہ تشریف لائے کہ نئی حکومت شاید اپنے اعلانات کے مطابق گزشتہ حکومت کی کوتاہیوں کی ممکن ہے تلافی کرے۔ لیکن جو تجربات ابتدائی میں اس نے حکمران خاندان سے امام کو ہونے لگی اس کا اندازہ کچھ ان واقعات ہی سے ہو سکتا ہے جن کا ذکر ابو جعفر منصور مہدی ہارون کی مثالوں میں بھی گذرا اور عباسیوں کے متعلق تو بیرونی مثالوں سے زیادہ خود وہی واقعات کافی ہو سکتے ہیں جو خود امام ابو حنیفہ کے ساتھ عباسیوں کے دور میں پیش آئے۔ عباسیوں کے خلیفہ روم ابو جعفر منصور نے امام کے پاس کچھ رقم بھیجی بیٹے سے اپنے انکار کیا۔ مشورہ دینے والوں نے کہا تصدق بھا (کے کر خیرات ہی کر دیجئے) اسی کے جواب میں امام نے جو تاریخی بات فرمائی وہ یہ تھی۔

اور عند قصہ شئی حلال؟ او عند ھم  
شئی حلال؟ ص ۲۱۶ ج ۱

اور اس سے بھی زیادہ دل چسپ قصہ اسی منصور دو اینٹی ابو جعفر کا ہے حضرت امام کو لوگوں نے اس عام مقبرے میں دفن نہیں کیا جس میں بغداد کے لوگ دفن ہوتے تھے کہتے ہیں کہ قبر پر نماز پڑھنے منظور

سے ظاہر ہے کہ حضرت امام کا تقریباً دورے میں جو بلند مقام تھا یا تو یہ اس کا اقتضا تھا جو ان لوگوں سے نسبتاً تھے یا اس کو ان کا ذاتی مذاق قرار دینا چاہیے۔ اور یہ سچ یہ ہے کہ بنی امیہ ہوں یا بنی عباس بلکہ دنیا کی کوئی حکومت آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ جائز ذرائع سے ہی اس کے خزانہ میں داخل ہوتا ہے اور ایسی صورت میں جب جائز و ناجائز مال مخلو ما ہو گا خصوصاً شاہی خزانہ میں تو نہ صرف لوگ بلکہ بنی امیہ ہی کے خزانہ سے بعض جلیل القدر صحابیوں نے ہی لیا ہے اور ان کے بعد تابعین نے ہی۔ ابو بکر الحصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وکانوا یاخذون الارزاق من بیوت اموالھم وقد کان الخیار الکذاب بیعت الی ابن عباس وھذین الحنفیۃ وابن عمر باموال فقبلو نہا (یعنی تمہارے جیسے کذاب جس کے فق و طغیان کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے وہی حضرت ابن عباس محمد بن الحنفیہ ابن عمر کے پاس مال بھیجا اور یہ حضرات اسے قبول فرماتے تھے ص ۱۱۶ ج ۱) بنی امیہ کے ایک امیر نے حضرت ابن عمر کو لکھا کہ ضرورت ہو تو کچھ آپ کو بھیج دوں آپ نے جواب میں لکھا کہ نہ تجھ سے میں کچھ مانگوں گا اور حق تعالیٰ تیرے ذریعے سے حسن دوزی کو بھیجیں گے نہ اسے واپس کروں گا۔ الحصاص ہی نے لکھا ہے کہ خواجہ حسن بصری سعید بن جبیر شیبی جیسے ائمہ ان ہی ظالم سلاطین سے اپنے وظائف حاصل کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی کے متعلق تو لکھا ہے کہ ازار کے پاس بطوں کو مٹی کر کے بطور تحفہ بھیجتے۔ مقصود یہ ہوتا کہ اس کے جواب میں وہ بھی کچھ سلوک کریں گے امام صاحب کیوں نہیں بیٹے تھے اس کی ایک وجہ آئندہ ہی آئے گی فاضل نظر ۱۲



بھی آیا۔ اس نے پوچھا کہ یہاں کیوں دفن کئے گئے۔ اس کے اس سوال پر لوگوں نے جواب دیا کہ امام کی یہی وصیت تھی۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اس خط اراضی کو جس پر بعد از آباد کیا گیا تھا امام اس کو ارض مغصوبہ قرار دیتے تھے یعنی زبردستی مالکوں سے چھینی گئی ہے ان کا اس زمین کے متعلق یہی فتویٰ تھا اسی لئے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے اس زمین میں نہ گاڑنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے سننے کے ساتھ ہی منظور نے کہا۔

من يعذرني من ذنبي ميتا  
 بعض روایتوں میں ہے کہ امام کی قبر کی طرف اشارہ کر کے ابو جعفر نے کہا۔

من يعذرني من ذنبي ميتا  
 زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی تجھ سے مجھے کون بچا سکتا ہے

اور یہ حال تو داخل یعنی ان کی آمدنیوں کا تھا۔ باقی مصارف تو منظور ہی سے امام صاحب کی ایک دفعہ جو گفتگو ہوئی ہے اس کو سنئے اور دیکھئے کہ امام نے اپنے خیال کا اظہار کس پیرایہ میں کیا ہے لکھا ہے کہ منظور نے پھر کسی موقع پر امام صاحب کو کچھ رقم دینی چاہی حسب دستور آپ نے انکار کیا اس نے پوچھا کہ آخر تم کیوں نہیں لیتے۔ جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ ناجائز ذرائع سے تم حاصل کرتے ہو آپ نے اس دفعہ مصارف کی بے ضابطگیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

”امیر المؤمنین نے خود اپنے ذاتی مال سے کبھی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں عطا فرمائی جب میں نے واپس کیا ہو۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے بیت المال سے مجھے دیتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بیت المال سے لینے کا کوئی حق مجھے حاصل نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے میدان جنگ میں لڑائی اگر کرتا تو سمجھتا کہ جیسے فوجیوں کا بیت المال جتنے بچے مجھے بھی اپنا حق ملا۔ اسی طرح بیت المال سے فوجیوں کے ہاں بچوں اہل و عیال کو ملتا ہے سو میں وہ بھی نہیں ہوں۔ یا میرا شمار مسلمانوں کے نادار اور مفلس لوگوں میں ہوتا تو فقر کی بد سے لینے کا حق مجھے ہوتا۔ لیکن سجدائے میں محتاج و فقیر بھی نہیں ہوں“ ص ۲۱۵ مناقب موفقی

میں سمجھتا ہوں کہ امام صاحب نے اس طریقے سے منظور کو سمجھانا چاہا کہ آپ نہ حقدار کو دیکھتے ہیں اور غیر مستحق کو بلکہ جسے جی چاہتا ہے مسلمانوں کا مال دے دیتے ہیں گویا اس مال میں اس قسم کا تصرف کرتے ہیں جیسے اپنے ذاتی مال میں کوئی کرنا ہو گیا ذاتی مال اور جس مال کا آدمی امین ہوتا ہے دونوں کے اس فرق کو سمجھتا ہے تھے جسے عملاً ان سلاطین نے قریب قریب ختم کر دیا تھا

۱۔ منظور کے حالات میں لکھا ہے کہ جب کسی شاہی ملازم کو ملازمت سے برطرف کرتا تو اس خریب کی ایک ایک چیز چھین لیتا اور ایک خاص مکان میں پھینچنے ہوئے امان الگ الگ کمروں میں جمع کئے جاتے تھے ہر کمرہ پر قفل توڑا لگایا جاتا تھا اور جس کا مال ہوتا اس کے نام کی چٹ دروازے پر لگا دی جاتی جب منظور نے لگا تو اپنے بد ہونے والے خلیفہ ہمدانی بن منظور کو سجدہ و عمری وصیتوں کے یہہ وصیت ہی کی کہ چھین چھین کر عہدہ داروں سے ہم مال جو میں نے جمع کیا ہے میرے بعد تم کو چاہیے کہ جس کمرے پر جس کا نام ہے اسی کو اگر زندہ ہو یا اس کے وارثوں کو بلا بلا کر سب واپس کر دیکجو لیکن یہ فعل کیا احساس امانت کے تحت اس نے کیا تھا آگے سنئے بیٹے کو اس نے سمجھایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو عہدہ داروں کے خاندان کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہو جائیں گی اور عام پبلکہ پر بھی اس طرز عمل کا گہرا اثر ہو گا۔ دیکھا اپنے دوستوں کے مال کو اس طرح بلا ہوا چھین لیا اور مال رشتہ موئے ان کو تکلیف میں مبتلا کرنا پھر ان ہی کے ان سے لوگوں کے قلب کی تسخیر کا کام



اسی طرح مسلمانوں کی عدالت اور انصاف کا جو قانون اسلامی سلاطین کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو بے انصافیاں عمل میں آرہی تھیں دوسروں کے متعلق بعض مثالیں گزر چکیں خود امام ابوحنیفہ نے اسی ابو جعفر منصور کے آگے اس کا اظہار اس وقت فرمایا تھا جب قاضی بننے پر ان کو مجبور کر رہا تھا یوں تو یہ قصہ متعدد بار جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا پیش آیا۔ اور خیال گذرتا ہے کہ مختلف مواقع پر امام نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ اسی منصور عباسی خلیفہ کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔

امیر المؤمنین! آپ کے گرد و پیش میں جو لوگ ہیں ان کو تو ضرورت ایسے احکام کی ہے

جو آپ کی وجہ سے ان کا اکرام کریں۔ ج ۲ موقوف

عربی کے الفاظ یہ ہیں ان لثعا نشیة یحتاجون الی من یکرہہ لک جس کا مطلب

اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ منصور پر امام صاحب یہ تو لعین کر رہے تھے کہ آپ کے حوالی و والی اعزہ واقربا انصاف میں مساوات کو پسند نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بادشاہ کے متعلقین میں ہیں۔ ہمارے ساتھ قانون وہ بڑتاؤ کرے جو عوام کے ساتھ کیا جاتا ہے امام نے اس کے بعد خود منصور کو یہی کہا جس کا حاصل یہ ہے کہ۔

اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہو اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ

کروں اور وہ سبکی دیں کہ ایسا اگر نہ کرو گے تو تجھے دریا میں غرق کر دوں گا تو یاد رکھئے کہ میں

دریا میں ڈوب جانے کو پسند کروں گا لیکن خلاف انصاف فیصلہ کروں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا

ایک اور موقع پر منصور ہی کو آپ نے یہ بھی فرمایا تھا۔ ج ۲ موقوف

قاضی اسی شخص کو ہونا چاہیے جو آپ کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو آپ کے خلاف بھی

آپ کے بال بچوں کے خلاف بھی آپ کے سپہ سالاروں اور فوجی افسروں کے خلاف بھی ج ۲ موقوف

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی یہ دونوں آخری چیزیں جن میں بہر حال حکومت کی امداد کے بغیر عوام کچھ

نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے متعلق جو کچھ ہو رہا تھا۔ خود امام رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانات سے اس کا اندازہ

ہو سکتا ہے۔ ماسوا اس کے اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ان دونوں حکومتوں کے زمانہ میں گذر رہی تھیں بنی امیہ

والوں نے حجاج جیسے درندے کو اور عباسیوں کی طرف ابوہریرہ جیسا کلب عقور مسلمانوں پر جن بے دردیوں اور

بے رحمیوں کے ساتھ چھوڑ دیئے گئے تھے واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ملت و امت کی ہمدردی کا جذبہ تھا وہ ہمیں تھا کہ آخر ان مصائب کے معاملہ میں کیا کرے۔ امت محمدیہ کے

خون کو دونوں حکومتوں کے ان دونوں نمائندوں نے اتنا ارزاں کر دیا تھا کہ شاعر نے تو صحیح

بات پروان زبان کہتی ہے "صرف شعر لکھا ہے لیکن اس زمانہ میں بات پر زبان نہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ

سرکٹے تھے۔ بے محابا جس وقت جس مسلمان کا جی چاہتا تھا سزا دیا جاتا تھا اور نہ کوئی اس کی داد تھی نہ

فریاد۔ واللہ اعلم اسی رشت اور ہراس کے پھیل جانے کا نتیجہ تھا۔ یا کیا۔ الباقی نے اپنی تاریخ میں بنی امیہ کے

کے عہد کا ایک واقعہ یہ بھی درج کیا ہے کہ یزید بن عبد الملک جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ہوا

تھا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم عصر تھا لکھا ہے کہ اسی یزید کے زمانہ میں

اتوه اربعين شيخا شهدوا له ان  
الخلفاء الاحباب عليهم ولا عذاب

چالیس شیخ پیش ہوئے اور انہوں نے اس بات کی شہادت  
ادا کی کہ خلفاء سے قیامت کے دن نہ حساب لیا جائیگا اور  
نہ ان کو ان کے جرائم کی سزا ملے گی۔

ایام یا فحی نے اس فقرے کو نقل کرنے کے بعد جیسا کہ چاہیے تھا ارقام فرمایا ہے کہ

فعود بالذات حاسی لقی الظالمون من شدته  
العذاب

ہم اللہ کی پناہ اس عذاب اور سزا سے مانگتے ہیں جس  
میں ظلم کرنے والوں کا یہ گروہ مبتلا ہوگا۔

لیکن کچھ بھی ہو اس سے اس زمانہ کے حال کا تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کی اخلاقی قوت ان سلاطین  
کے ہاتھوں کس حد تک غت رہو ہو کر رہ گئی تھی اور خیر اس شہادت کے ادا کرنے والے شیخ کس معنی کے  
لحاظ سے تھے؟ ان کی پیری دشمنی و سفیدی مووالی پیری تھی یا کیا تھی؟ بہر حال ان کو تو جانے دیجئے  
حیرت تو اس پر ہے کہ ایک بڑا طبقہ محشین کا ان ہی دنوں میں پیدا ہو گیا تھا جس نے اس عقیدے کو اپنا  
دین بنا لیا تھا ابو بکر حصاں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

قوله من المشوية و جهال اصحاب

المخوية اهل حدیث کا ایک طبقہ تھا جو شریعت کے ظاہر و باطن  
پر بے سمجھے بوجھے اصرار کرتا تھا اور اہل حدیث میں جہالوں

الحديث انكروا قتال الفئسة الباغية

کی جو جماعت شریک تھی ان لوگوں کے نزدیک اسلام سے باغی  
فرقہ سے جنگ درست نہ تھی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر

و الاحراب بالمعروف والنهي عن المنكر

یعنی شریعت کے مطابق حکومت کرنے کا مطالبہ ہتھیار کے  
زور سے اس کو بھی ناجائز سمجھتے تھے اور اس قسم کے امر بالمعروف

عن المنكر فنتة اذا اجتمع فيه الى

مقابلہ میں ہتھیار کی ضرورت جہاں پیدا ہو جائے اس کو بھی  
یہ لوگ فتنہ ہی خیال کرتے تھے

حل السلاح و قتال الفئسة الباغية

پھر چند سطروں کے بعد اسی عقیدے کی مزید تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

و ذموا مع ذلک ان السلطان لا ینکر

ان لوگوں کا اسی کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ ظلم و جور اور  
یہ گناہ لوگوں کے قتل و غیرہ افعال کا صدور بادشاہ و قتل

حرمة الله و انما ینکر علی غیر السلطان

سے اگر ہو تو اس کے خلاف و ازلیہ کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے۔  
ہاں بادشاہوں کے سوا عوام کو تو کتنا درست ہے اور وہ بھی

بالقول او بالید بغیر سلاح

صرف زبان کی حد تک ہتھیار تو بہر حال کسی کے مقابلہ میں اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اس قسم کے محدثین کی کتابوں میں اس وقت تک بطور اعتراض کے خصوصاً امام ابو حنیفہ کے تذکرے  
میں اب تک یہ الفاظ ملتے ہیں کہ کان یری السیف (ابو حنیفہ تلوار کے قائل تھے) الخوطیب نے بغداد کی تاریخ  
میں بے شمار محدثین کے حوالہ سے امام رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس اعتراض کو نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے



یعنی ان محدثین کے مذکورہ بالا نقطہ نظر کے امام ابو حنیفہ منکر تھے اور اس کو غلط سمجھتے تھے۔ ریح تو یہ ہے کہ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ آج گھر بیٹھے ان بیچاروں پر اعتراض کر دینا آسان ہے لیکن رانخواستہ تبدیل ہونے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے ان کو تو جانے دیجئے جنھیں الجصاص نے حشو یہ اور جہاں اہل حدیث میں شمار کیا ہے لیکن اسی کتاب میں دوسری جگہ ان ہی الجصاص نے جو کچھ لکھا ہے میر تو رونگئے اس کے تصور سے کھر طے ہو جاتے ہیں انہوں نے عبد الملک بن عمر کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے خراج الحجاج یوم الجمعة بالہاجرة فما زال جمعة کے دن دوپہر کے وقت حجاج باہر نکلا اور خطبہ

سے حجاج کے متعلق خواجہ حسن بصری سے منقول ہے کہ فرماتے اخیفش اعیشش یھدہ قصیرۃ النباں (بھینچی بھینچی آپوں اور چونکہ صامدک ایسے ہاتھ بڑھا کر باتیں کرتا تھا کہ سننے کی انگلیاں چوٹی چوٹی بھینچیں) ان ہی سے دوسرے الفاظ منقول ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ حجاج پستہ قد ایک آنکھ بڑی ایک چھوٹی رکھنے والا چوٹی چوٹی انگلیاں اپنی اس نے نکالیں ایسی انگلیاں جن میں کبھی ایسی باگ نہیں گئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کے پسینہ سے تر ہوئی ہو) ابن خلدان نے حجاج کے تقریر کا واقعہ عجیب لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عبد الملک کو اپنی فوج کے متعلق نظم و ضبط کی سخت شکایت تھی۔ روح بن زبید جو اس کے وزیر تھے ان سے اس شکایت کا اظہار کیا۔ روح نے کہا کہ میرے قوجی اسٹاف میں ایک سپاہی حال ہی میں بھرتی ہوا ہے۔ اگر نظم و ضبط کا کام اس کے سپرد کیجئے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس شکایت کا ازالہ کر دے گا۔ یہ حجاج تھا۔ طائف میں مسلم البصیفانی کے پیشے کو ترک کر کے سپاہیوں میں شریک ہو گیا تھا عبد الملک نے بلوایا اور کام اس کے سپرد کیا حکم دیا گیا کہ امیر المومنین کی سواری جوں ہی روانہ ہو اسی وقت ساری فوج کو کوچ کرنا چاہیے۔ حجاج تعمیل حکم کا وعدہ کر کے روانہ ہوا۔ عبد الملک کی سواری اسی دن روانہ ہوئی۔ حجاج فوج میں اعلان کرتا پھر تا تھا کہ امیر المومنین کے ساتھ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو سوار ہو جانا چاہیے۔ گھومتے ہوئے خود وزیر کے اسٹاف میں پہنچا دیکھا کہ ابھی تو ان میں کوئی سویا پڑا ہے۔ کوئی کھانا پکا رہا ہے حجاج نے کڑک کڑاوازدی کہ اب تک تم لوگ کیوں سوار نہیں ہوئے ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ آدمی نہیں ورنہ بے تکلفی میں لوگوں نے کہا کہ اے کیا بک بک کی لگائی ہے آبیچھ ہم لوگوں کے ساتھ تو ہی کچھ کھائے" ابھی ان لوگوں کی بات سنانے پوری بھی نہ ہوئے پانی تھی کہ حجاج نے بے نخواستہ ایک کے سر پر پیٹھ پر کوڑے برسائے شروع کئے ان کے لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا کوئی ادھر بھاگا کوئی ادھر اکثر خون سے لٹ پت ہو گئے حجاج نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ وزیر اور اس کے رفقاء کے خیموں میں اس نے آگ ہی لگا دی دربار سے جب روح واپس آئے تو اس حال کو دیکھ کر کہا ہے کہ رونے لگے۔ سیدھے عبد الملک سے آکر شکایت کی کہ اس سپاہی نے تو ہمارے ہی آدمیوں پر ہاتھ صاف کیا۔ عبد الملک نے حجاج کو بلایا۔ پوچھا تو نے یہ کیا کیا۔ جواب میں اس نے صاف انکار کیا۔ کہا گیا کیا تو نے کوڑے نہیں مارے آگ نہیں لگائی۔ بولا قسطا نہیں پھر وزیر کے آدمیوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا؟ حجاج نے کہا کہ حضور نے عبد الملک نے حیرت سے پوچھا میں نے؟ جی ہاں آپ نے حجاج نے کہا اور اس کے بعد کہنے لگا۔ امیر المومنین! چہ غریب کی کیا مجال تھی کہ یہ کر سکتا تھا لیکن یہ جو کچھ ہوا آپ ہی کے حکم سے ہوا امیر ہاتھ امیر ہاتھ امیر کوڑا امیر کوڑا باقی نہیں رہا اب وہ آپ کا ہاتھ ہے اور آپ کا کوڑا ہے۔ عبد الملک اس کی باتیں سنکر اچھل پڑا کہتے لگا بس اس قسم کے آدمی کی بچے ضرورت تھی اسی کے بعد تدریج حجاج بڑھتا گیا تا ایک کوڑہ کی گورنری (بقیہ صفحہ آئندہ)

ذال يعبر حرة عن اهل الشام و  
 يد حهد و حرة عن اهل العراق  
 و يذمه حتى لم يزل من الشمس لا  
 حرة على شرف المسجد ثم اعلم ان  
 فاذا بنى الجمعة ثم اذا بنى  
 فصله بنا العصر ثم اذا بنى  
 المغرب -

نمبر پورے لگا پر کبھی اس خطبہ میں شام والوں کا ذکر  
 کر کے ان کی تعریفیں کرتا اور کبھی عراق والوں کا تذکرہ  
 کر کے ان کی مذمت کرتا (یہ خطبہ اتنا طویل تھا اور اتنی دیر ہوگی)  
 کہ مسجد کے میناروں پر دھوپ کی سرخی کے سوا اور ہمیں کوئی چیز  
 نظر نہ آنے لگی تب حجاج نے موذن کو حکم دیا۔ اس نے اذان  
 دی اور ہم لوگوں کو اس نے حجاج نے جمعہ کی نماز پڑھانی  
 پھر معاہدہ کے بعد عصر کی اذان موذن نے دی اور حجاج

ہی نے ہمیں عصر کی نماز پڑھانی اس کے بعد مغرب کی اذان ہوئی اور اس نے مغرب کی نماز پڑھانی۔

جماعت میں بڑے بڑے لوگ شریک ہیں لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے کہ تو کیا کر رہا ہے ایچھا ص  
 ہی نے خواجہ حسن بصری کا ایک طویل بیان اس سلسلہ میں نقل کرتے ہوئے آخر میں ان کے یہ الفاظ دھرائے  
 ہیں کہ:

يصدق المنبر في هذا حتى تفوته  
 الصلوة لا من الله يتقى ولا من  
 الناس يستحي فوقه الله وتحتة مادة  
 الف او يزيدون لا يقول له قائل  
 الصلاة ايها الرجل -

نمبر چوتھ جاتا اور ایک ایک شروع کر دیتا تا انیکہ  
 نماز کا وقت جاتا تھا نہ خدا سے ڈرتا تھا اور نہ مخلوق  
 خدا سے شرماتا تھا بس اوپر تو اس کے خدا تھا اور نیچے ایک  
 لاکھ اور ایک لاکھ سے زیادہ ملائین کوئی کہنے والا نہ تھا  
 کہ اسے شخص نماز دینی نماز کا وقت جا رہا ہے

اشارہ ان ہی واقعات کی طرف ہے جو آئے دن پیش آتے رہتے تھے ہر شخص کے سر پر نشکی  
 تلوار گویا لٹکی رہتی تھی زبان سے لفظ نکلا نہیں کہ سرگردن سے جدا کر دیا جاتا تھا خود خواجہ رحمۃ اللہ  
 علیہ کے ان الفاظ کا یعنی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) تک پہنچا عبدالملک نے اس کو اتنا شوخ دیدہ بنا دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور  
 صحابی اور خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھرے دربار میں اس نے توہین کی ان کی گردن مبارک پر وہ  
 مہر لگائی جو مجرموں کی گردنوں پر لگائی جاتی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرارت اور فتوؤں کا مذاق جن  
 الفاظ میں اڑاتا تھا نقل کرنا ہی ان کا دشوار ہے۔ عبدالملک نے حجاج سے ایک وفد خود اسی سے اس کے متعلق رائے  
 دریافت کی تو اس نے کہا کہ سچی بات یہی ہے کہ میں سخت کینہ پرور حاسد کات کھانے والا آدمی ہوں عبد الملک سے  
 سن کر کہا کہ ”تب تو تیرا رشتہ شیطان سے ملتا ہے لکھا ہے کہ حجاج و اید کے زمانہ میں جب مر رہا تھا تو کہتا جاتا تھا۔  
 ولید ہی کی اطاعت پر زندہ رہا اور اسی کی اطاعت پر مر رہا ہوں اور اسی کی اطاعت پر قیامت میں اٹوں گا عباسی خلیفہ ابو جعفر  
 منصور کے دربار میں حجاج کے اس قول کا کسی نے جب تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ اس کو دراصل شیوہ پارٹی کا آدمی کہتے ہیں  
 اس کو انوس تھا کہ جو شیوہ (پارٹی) اس نے قائم کی تھی اس میں ایسے افراد نہ تھے۔ یہ ساری واقعات حافظ ابن عساکر  
 کی تاریخ دمشق سے ماخوذ ہیں ۱۲۔



صیہات! واللہ حال دون ذلك

اقبوس! اس معاملہ میں تلوار اور کوزا حائل ہو جاتا تھا

السيف والسطر ص ۲۸۸ ج ۲

اور قصہ کچھ حجاج ہی کے زمانہ تک محدود نہیں تھا اس قسم کے غیر معمولی خوف قلوب میں حکومت کی جانب سے اس نے پیدا کروایا تھا کہ کسی میں ہمت بھی کچھ کرنے کی اگر پیدا ہوتی تو حجاجی عہد کے خونیں مناظر اور کھلم بھولے جیل خانوں کی آہ و بکا شورو منہ گامہ کی یاد آراؤں کو لیت کر دیتی تھی خود ہی سوچنا چاہیے کہ غلط ہو یا صحیح لیکن جن زمانہ میں چالیس چالیس مشائخ نے یہ گواہی ادا کی ہو کہ حکومت کرنے والے افراد ہر قسم کی مسؤلیت سے بری ہیں ان کے جو جی میں آئے کر کے ہیں مذہب نے ان کو اس کی اجازت دے رکھی ہے اس گواہی نے سلاطین اور شاہی حکام و لاء کے لئے کھیل کھیلنے کا کتنا وسیع میدان ہمایا کر دیا ہو گا۔ خلافت راشدہ کی آزادیوں کی جو سنت تھی اس کا تو عبد الملک ہی نے اپنے زمانہ میں مشہور تاریخی فقرے سے خاتمہ کر دیا تھا یعنی خلفاء راشدین کے عہد میں عام مسلمانوں کو اتنا جبری بنا دیا گیا تھا کہ بڑے بڑے حکام بلکہ خود خلیفہ وقت تک کو اتق اللہ یا امیر المؤمنین (امیر المؤمنین خدا سے ڈری) کے ساتھ خطاب کرنا ایک معمولی بات تھی اعلیٰ ہو یا ادنیٰ بغیر کسی جھجک کے ان الفاظ کے استعمال کرنے کا عادی تھا اور ان کو اس کا عادی بنا دیا گیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب حکومت کی باگ عبد الملک اموی کے ہاتھ میں آئی تو ایک دن مدینہ منورہ پہنچ کر رسول علیہ السلام کے ممبر سے اس نے اعلان کیا

واللہ ما انا بالخلیفة المستضعف

خدا کی قسم میں کمزور خلیفہ نہیں ہوں اشارہ حضرت عثمان کی طرف کرتا اور نہ مدارتہ کرنے والا سخن ساز خلیفہ ہوں اشارہ حضرت معاویہ کی طرف کرتا تم لوگ ہم لوگوں سے دینی حکمرانوں سے تو فرمائش کرتے ہو۔ لیکن اپنے آپ کو بول جاتے ہو خدا کی قسم آج کے دن کے بعد کسی نے اگر تقویٰ کی جگہ سے فرمائش کی یعنی اتق اللہ کہا اسی وقت اسکی گردن اڑا دیں گا

یعنی عثمان ولا بالخلیفة المصالح  
یعنی معاویہ وانکم قاعہ ونا باشیاء  
تسونها انفسکم واللہ لایا حرمی  
احد بعد متاعی بعدا تبقوی اللہ الا  
ضربت عنقہ ص ۸۲ تفسیر جصاص ج ۱

علامہ ابوبکر الجصاص نے لکھا ہے کہ یہی پہلا منجوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ تھا کہ

اول من قطع السنۃ الناس فی الاہر

اور نبی عن المنکر سے زبانیں رک گئیں

اور حجاج تک پہنچ کر یہ کر بلا نیم پر چڑھنے کے بعد تلخی و تنیدی کے جن حدود تک پہنچ گیا

تھا جو کچھ اس وقت تک عرض کیا گیا ہے غالباً اندازہ کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ حجاج مرچکا تھا لیکن جس سنت سنیہ کی رسم مسلمانوں میں چھوڑ کر مارتھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ڈہائی سال کی حکومت میں اس کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ گو وقتی طور پر لوگوں کو رائے اور زبان کی آزادی میرا گئی تھی لیکن وہ صرف ایک وقتی اثر تھا۔ جصاص نے خواجہ جن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حجاج کی موت کے بعد بنجامہ و عاؤں کے ایک اہم و عا خواجہ رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے رہتے تھے کہ

اللہدانت امتد فاقطع عنامسنتہ  
 ۲۴ ج ۱ احکام

لے پروردگار! تو نے جیسے اس شخص کو ختم کیا اس کے  
 جاری ہوئے طور طریقوں کو بھی ختم فرما دے

انہوں نے لکھا ہے کہ اسے اور زبان کی آزادی کی موت بھی حجاج کی سنت تھی جو اس کے مرنے  
 کے بعد بھی زندہ رہی دعا کرتے تھے کہ یہ بھی مر جائے۔  
 بنی امیہ کی تباہی کے بعد امید کی جاتی تھی کہ ان کے پیدا کیے ہوئے طریقے بھی تباہ ہو جائیں گے  
 لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا عباسیہ بھی ان سے کچھ زیادہ بہتر ثابت نہیں ہوئے۔ بلکہ بنی امیہ کے  
 طاغیہ حجاج کی جگہ ابومسلم خراسانی عباسیوں کے طاغیہ نے سر نکالا بات بہت طول ہو جائے گی ورنہ  
 دکھاتا کہ ابومسلم اپنی طغیانوں اور سرکشیوں منظام اور بے رحمیوں میں اگر حجاج سے آگے بڑھا ہوا  
 نہیں تھا تو کم بھی نہیں تھا۔

امام رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے ہی حالات تھے جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے واقعات  
 جن کا کچھ حصہ گذر چکا اور کچھ آئندہ آئیں گے۔ ان سے اتنا تو قطعاً معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے  
 اس حال سے بے تعلق ہو کر "کلم خورشید بدر می برد ز موج" کے خود غرضانہ مسلک سے ان کی فطرت  
 کو جلتے دگا و نہ تھا۔ وہ کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کیا کریں؟ گو اس سوال کے جواب میں جیسا کہ عرض  
 کر چکا ہوں میرے پاس کوئی خاص تاریخی واقعہ نہیں ہے لیکن میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتا  
 ہوں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اسی سے میں اس سوال کا جواب پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اسی کو میں  
 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا "سیاسی مسلک" سمجھتا ہوں۔

## امام کا سیاسی مسلک

سب سے پہلی بات اس سلسلے میں ہمیں ان کی زندگی کے اندر جو نظر آتی ہے اس کی  
 اصلاحی اقسام تعبیر چاہیے تو حکومت نظامہ سے مقاطعہ "یا ترک موالات" کے الفاظ سے بھی  
 کر سکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ حکومت کے خزانے سے جس کی اس اور امید نہیں ٹوٹی ہے حکومت  
 والوں سے ترک تعلق کی آرزو یقیناً اس شخص کی جھوٹی ہے۔ آدمی فرشتہ زادہ نہیں آدم آزاد  
 ہے طبی ضرورتوں کا محتاج بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ انسانیت کی اسی طبی کمزوری سے ہر عہد کے جبارہ  
 نے فائدہ اٹھایا ہے امام صاحب کے عہد میں بھی اٹھا رہے تھے۔ شیروں کے گلوں کا طوق اور پاؤں  
 کی زنجیر وہی رو پر مزاجیاں ہیں جنہیں احتیاج پیدا کرتی ہے۔ امام صاحب کے سامنے ایسے کتنے شیر تھے  
 جنہیں بنی امیہ اور بنی عباس کے سداطین ان ہی بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور سچ  
 تو یہ ہے کہ چالیس چوروں کا وہ گروہ جس نے بادشاہ وقت کو ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بری قرار  
 دینے کی شہادت پیش کی تھی جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسی مار کے وہ ڈسے ہوئے تھے۔ دین بیچ کر  
 وہ دنیا خرید رہے تھے۔ قاضی شریک جن کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے اور شاید آئندہ بھی آئے عباسیوں



کے عہدہ قضا کو انہوں نے جب قبول کر لیا کیسے قبول کر لیا یہ تو خیر الگ قصہ ہے لیکن جب قبول کر کے  
تخواہ کے مستحق ہوئے تو مشہور مورخ المسعودی نے لکھا ہے کہ

ولقد كنت بارزاً قد احيى الجهمي  
فصالحه في النقص فقال له الجهمي  
لم تبع بئرا

قاضی شریک کی تخواہ کے لئے جہند کے نام دیکھ لکھ دیا  
گیا تو جہندان کو کچھ کم دینے لگا قاضی شریک جھگڑنے لگے اس نے  
کہا کہ معاوضہ تم کو کس چیز کا دیا جائے کیا تم نے کپڑا بیچا ہے  
اس کے جواب میں جہند سے جو بات قاضی شریک نے کہی تخواہ بطور طبیعت اور مذاق ہی کے کہی ہو  
کیسے کچھ نہ کچھ حقیقت کی جھلک ہی اس میں نظر آتی ہے یعنی قاضی شریک نے جہند سے کہا  
علی والله لقد جئت اكره من البر  
لقد جئت ديني ض ۹۸ المسودی برعاشیہ کمال

قاضی صاحب جیسے متدین و متقی و ثقہ بزرگ نے واقعہ اپنا دین بیچ دیا تھا اس کی توخیر ان  
کی ذات سے کیا توقع ہو سکتی ہے ان کی جلالت قدر کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ بخاری اور مسلم کے راویوں  
میں ہیں لیکن حکومت کی منت پذیرمی کے بعد بہر حال آدمی میں وہ جرات اور دلیری باقی نہیں رہتی  
جس کی توقع بے نیازی اور استغنائیں کی جاسکتی ہے اور غالباً اسی کمزوری کی تعبیر قاضی صاحب دین  
فروشی سے فرما رہے تھے کتابوں میں لکھا ہے کہ سفیان ثوری جو حضرت امام کے معاصرین میں ہیں ابتداءً  
حکومت کے بعض و ایوں کی پیش کش کو انہوں نے قبول کر لیا تھا لیکن بے لینے کے بعد اپنے اندر جس  
الغلاب کو انہوں نے پایا اس کے بعد طے کر لیا کہ پھر حکومت والوں سے کبھی کچھ نہ لوں گا ابن سعد نے لکھا ہے  
ثم ترك ذلك فلم يقبل من  
احد شيئاً ض ۲۵۸ ج ۶  
پھر انہوں نے قطعی طور پر اس رویہ کو ترک کر دیا اور  
کسی سے پھر کچھ نہ لیا

۱۔ مالیات کا نظام اس زمانہ میں قائم کیا گیا تھا اس کی صورت یہ تھی کہ شہر کے بڑے بڑے سرمایہ دار جن میں یہودی زیادہ  
ہوتے تھے وہ حکومت کے مصارف کی تکمیل کی ذمہ داری لے کر جتنی رقم کی ذمہ داری لیتے تھے اتنی آمدنی کے علاقے ان کے  
پیر کر دے جاتے تھے یعنی اس علاقہ سے مال گزاری جو وصول ہوتی تھی وہ ان ہی کے یہاں داخل ہوتی تھی حکومت کی طرف  
سے چیک ان ہی سرمایہ داروں کے نام جاری کئے جاتے تھے چیک لانے والوں کو وہ رقم ادا کر دیتے تھے جو اس میں لکھی ہوتی  
گوزیا ان سرمایہ داروں کی کوٹھیاں ٹھیک اسی کام کو انجام دیتی تھیں جو آج کل بینک انجام دیتے ہیں اس کاروبار میں ان کو  
کیشن کی کافی آمدنی تھی جہذاں ہی سرمایہ داروں کو کہتے تھے حساب و کتاب میں چونکہ یہ بڑے ماہر ہو گئے تھے بلکہ یہودی  
جہادہ تو بیسوں زبانوں سے بھی واقف ہوتے تھے اس لئے بعد کو جہند کا اطلاق ماہرین علماء پر بھی ہونے لگا۔  
۲۔ غالب کا مشہور شعر ہے غالب و طیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعاؤں وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں  
اس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۱۲



بقدر ضرورت آپ نے بھی تجارت کا کاروبار اختیار فرمایا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ اپنے چند خاص قابل اعتماد تاجر معتقدوں کو سرمایہ دے دیتے ہیں لوگ کاروبار کر کے جو نفع بچتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے لیکن دستور تھا کہ دوسو دینار ہمیشہ اپنے پاس بھی رکھتے پوچھنے پر لوگوں سے آپ نے مشہور فقرہ فرمایا۔  
 لو اھذا لھذا لھذا لھذا لھذا  
 اگر میرے پاس یہ نہ ہوں تو یہ لوگ (یعنی ارباب حکومت) مجھے اپنے منہ پوچھتے کاروبار بنالیں۔

حکومت وائے بھی ڈر برسر سنگ نہی نرم شود کے راز سے خوب واقف تھے دینی اور اخلاقی ذمہ داریوں کی سناری طاقت اسی زر طلبی کی راہ میں وہ خود کھو چکے تھے دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتے تھے اور عام حالات میں ان کا قیاس زیادہ غلط بھی ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اسی سلسلہ میں دہن دوزی کے گرو بھی ان کے پاس خاص اہمیت حاصل تھی۔ لوگوں نے توجہ نہ کی ورنہ تاریخ کی شہادتیں نشانہ یہ ثابت کر سکتی ہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس دونوں حکومتوں میں دہن دوزی کے اس اکسیری نسخہ کا استعمال عام طور پر مروج تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ترلقوں سے لوگوں کی زبانوں کے بند کرنے کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں خاص نظام مقرر تھا۔ شاید اس میں بھی ذاتی تجربات ہی کو دخل تھا۔ آپ تاریخ کی کتابیں اٹھا کر پڑھیے کہ صرف سلاطین بلکہ ولایہ دگورزس اور ان کے نواب تک کے دسترخوانوں کی وسعت و درازی کے قصبے کثرت سے ہیں گئے کیا اس سے امرار کا یہ مقصود تھا غریبا تک ان چیزوں

سے جیسا کہ میں نے عرض کیا تاریخ اسلامی کا یہ ایک دلچسپ اور اہم باب ہے یہ تو مسلم ہے کہ دسترخوان کی اہمیت کی تاریخ کے آغاز کا تعلق امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے ہے حضرت ابو ہریرہ کا مشہور فقرہ عھا ط معاویہ دینہ دسم والصلوۃ خلف علی افضل (ایضاً ج ۱۲ ج ۱) میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی خانہ جنگی کے زمانہ میں حضرت ابو ہریرہ نے غیر جانب داری کا مسلک اختیار کر رکھا تھا اور طریقہ عمل ان کا یہ تھا کہ نماز تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پڑھتے اور کھانا امیر معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے وہ پوچھی جاتی تو فقرہ بلاادھراتے یعنی معاویہ کا دسترخوان زیادہ مرغوب ہے اور نماز علی کے پیچھے بہتر ہوتی ہے۔ تاریخوں میں امیر معاویہ کے متعلق اس قسم کے لطائف کا ایک ذخیرہ درج ہو گیا ہے۔ شاہی تو شاہانوں میں گذشتہ امر و سلاطین کے لباس کو بھی محفوظ کر دیا جاتا تھا امیر معاویہ کے لباس کی علامت ہی یہ تھی کہ آستین روغن سے بھری ہوتی۔ امیر معاویہ کے بعد اس سلسلہ میں سلیمان بن عبد الملک نے شہرت حاصل کی جس کھانے کو عام آدمی شاید دس دن میں بھی بہ شکل کھا سکتے تھے وہ ایک دن میں کھا جاتا تھا ابن خلدکان نے لکھا ہے کہ اس کی روز کی غذا سورطل شامی تھی مختلف لطیف سیبان کی پر خوری کے مشہور ہیں اموی ولایہ میں ابن امیرہ جس نے حضرت امام کو حل اور تازیانی کی منادی تھی اس راہ میں اس نے بھی خاص نام پیا کر لیا ہے۔ ایضاً نے لکھا ہے "وودہ کا ایک بڑا پیازہ جس میں شہد ڈال کر اوپر سے وودہ پوڑا جاتا تھا ابن امیرہ کے سامنے نماز صبح کے بعد پیش کیا جاتا اس کو چڑھا جانے کے بعد ناشتہ آتا جس میں دوہنی ہوئی مرغیاں دو بھنے ہوئے کبوتر کے پیٹھے۔ نصف حلوان کے سوا اور بھی مختلف قسم کے گوشت ہوتے ناشتہ سے فارغ ہو کر ابن امیرہ کام میں نصف النہار تک مشغول رہتا۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا آتا۔ بڑے بڑے رقمے اٹھاتا"



کو پہنچا یا جائے جن تک اپنی محدود آمدنی کی وجہ سے ان کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی، اور قصوں کو تو تاریخوں میں پڑھنے، بعض چیزوں کا ذکر میں نے بھی حاشیہ میں کر دیا ہے۔ اس وقت آپ کے سامنے قاضی شریک ہی کے واقعہ کو پیش کر دیتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مطلب ان لوگوں کا کیا ہوتا تھا، یہ تو عرض کر چکا ہوں کہ قاضی شریک نے بالآخر حکومت سے "موالات" کا تعلق قائم کر لیا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور پے درپے منہ میں ڈالتا جاتا تھا ظہر کی نماز پڑھ کر جب کام میں مشغول ہوتا عصر کی نماز کے بعد تخت بچھا یا جاتا جس پر خود بیٹھا اور دوسروں کے لئے کرسیاں اسی کے ارد گرد بچھا دی جاتیں پھر گلاسوں میں بھر بھر کر دودھ اور شہد اور مختلف قسم کے شربت کا دور چلتا آتے ہیں پھر دسترخوان بچھا جاتا عام لوگ تو دسترخوان پر کھاتے اور خود ابن ہبیرہ اور اس کے خاص اصحاب کے لئے چھوٹے چھوٹے پانوں کے ٹیبل بچھائے جلتے تھے جن پر کھانے چنے جاتے تھے مغرب تک کھانے کا یہ قصہ جاری رہتا۔ بنی امیہ کے عہد کے ان قصوں کو اگر جمع کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ ہی مرتب ہو سکتا ہے۔ عباسی جب آئے تو اس خاندان کے پچھلے حکمران سفاح کی نشا و انبساط کا بہترین وقت دسترخوان ہی کا وقت تھا، لوگوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی کام اس سے نکالنا چاہتے تو دسترخوان کے وقت کا انتظار کرتے کھانا جب شروع ہوتا تب اپنی ضرورت پیش کرتے ابراہیم بن محمد ایک صاحب تھے جو تاک کر ٹھیک اسی وقت اس کے سامنے اپنی ضرورتوں کو پیش کرتے۔ اس نے ایک دن کہا بھی کہ خاص کر اسی وقت تم ایسا کیوں کرتے ہو انھوں نے کہا آپ کے انبساط و انشراح کا یہی وقت ہوتا ہے میں کر بولا کہ تم نے خوب تازا صحت مسودی ج ۳ اور منصور جو سفاح کے بعد گدی پر آیا اس کے متعلق تو پہلے ہی سے لوگ پیشین گوئی کرتے تھے۔ لایموت واللہ ابو جعفر ابدلاً ابالیطن (یعنی ابو جعفر نہیں مرے گا گاریٹ کے عارضہ میں طبری ص ۳۱۳ ج ۹) ایک ہندوستانی طبیعے پھکی بنا کر اس کو دی تھی اس کے بل بوتے پر بہت زیادہ کھانا کھانا جاتا تھا دلچپ لطیفہ مسودی نے منصور ہی کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم سے جب اس کا مقابلہ ہو رہا تھا تو بڑیوں کے مغز کا حلو اسی زمانہ میں باورچی نے تیار کر کے پیش کیا منصور کو یہ حلو بہت پسند آیا اور کہنے لگا ادا ابراہیم میری ہڈی اور شبابہ (ابراہیم چاہتا ہے کہ اس حلو سے اور اسی قسم کی چیزوں سے مجھے محروم کر دے) ص ۸۳ ج ۸ ان ہی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حکمرانوں کا بڑا مقصد حصول سلطنت سے کیا تھا۔ چونکہ خود اسی قسم کی الائٹوں کے دباؤ کے نیچے یہ خود دہے ہوئے تھے سمجھتے تھے کہ دوسروں کو بھی اسی سے دبا یا جاسکتا ہے۔ گو واضح الفاظ میں مجھے اس کی تصریح تو نہیں ملی ہے لیکن واقعات کے ذیل میں موزن جن چیزوں کو نقل کرتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کھلانے کی راہ سے "دہن دوزی" کا ایک مستقل نظام ہی بنی امیہ اور بنی عباس دونوں کے زمانہ میں قائم تھا اور شاید بعد میں بھی جاری رہا۔ ابن القریہ جو بدایت سے ابارت تک پہنچا تھا اس کے حالات میں لکھا ہے کہ حجاج کے عامل کے پاس آیا اور وازے پر کھڑا تھا ایلیافی نے لکھا ہے کہ کان عامل الحجاج یخدی کل یوم و یغشی (لوگوں کو دن اور شام کا کھانا اپنے ساتھ کھلاتا تھا۔ ابن قریہ نے پوچھا کہ اکل یوم یصنع الامیر ما ادری (کیا امیر روزانہ یہی کرتا ہے، لوگوں نے کہا ہاں! آگے دوسرا قصہ ہے دیکھو ایلیافی ص ۱۱ ج ۱ ایلیافی ہی نے مشہور جرنیل قتیبہ کے حال میں لکھا ہے طلب سباطین طول اربعین فراسخ فی نظار ولحد اس نے دو دسترخوان بنانے کا حکم دیا تھا جن کی لمبائی چالیس فرسخ یعنی ایک سو بیس میل کی ہو آگے خود ایلیافی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے یعنی طلب تحصیل نیجین ما ید علیہ السباط لاکل العساکر المرد و علیہ (باقی صفحہ آئندہ)

گو اپنے نزدیک اس کو وہ "دین فروشی" بھی سمجھتے رہے لیکن یہ بات کہ انہوں نے قضا یا شاہزادوں کی تعلیم کی خدمت کیوں قبول کر لی؟ المسعودی نے اسی سلسلہ میں لکھا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ عباسیوں کا تیسرا حکم ان ہمدی جو ابو جعفر منصور کا بیٹا تھا اور ہادی و ہارون کا باپ اسی نے ایک دن قاضی شریک کو بلوایا اور اصرار کے ساتھ اس نے ان کے سامنے تین باتیں پیش کیں۔ اسی کے ساتھ اس سے بھی اس نے مطلع کر دیا کہ ان تین میں سے کسی ایک کو بہر حال قبول کرنا ہی پڑے گا۔ تین باتیں یہ تھیں: قضا کی خدمت میری حکومت میں قبول کرو یا میرے بچوں کو حدیث پڑھانے اور تعلیم دینے کی ذمہ داری لو اور یہ دونوں باتیں تمہیں منظور نہ ہوں تو صرف ایک دفعہ ہمارے پاں کا پکا ہوا کھانا کھا لو۔ نوکری سے تو قاضی صاحب بے زاری تھے آخری بات ان کو سب سے زیادہ آسان نظر آئی۔ خیال کیا کہ وقتی کام ہے و داعی تعلق تو اس سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کھانا کھانے پر راضی ہو گئے۔ ہمدی نے اپنے باورچی خانہ میں کھانا بھیجا خاص طور پر فرمائش کی کہ مختلف کھانوں کے ساتھ اندھے کی زردی کا حلو اور طبرزدی شکر اور شہد میں تیار کر کے قاضی شریک کے لئے حاضر کیا جائے۔ کھانا اور حلو تیار ہو کر آگیا قاضی صاحب کے سامنے پیش کر دیا گیا المسعودی نے لکھا ہے کہ کھانے سے جب قاضی صاحب فارغ ہوئے اور غالباً ہمدی سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے تو ہمدی کے باورچی خانہ کا قیم داروغہ حاضر ہوا سنا گیا کہ ہمدی سے کہہ رہا تھا۔

یا امیر المؤمنین فیس فیقلم الشیخ بعد  
 ہمدی الاکلہ ص ۹ ج ۸ المسعودی برکات ابن امیر

فضل بن ربیع جو اس قصہ کا راوی ہے اس کا بیان ہے کہ واقعہ آخر میں یہی پیش ہی آیا یعنی قاضی شریک نے خدا کی قسم ان لوگوں کے بچوں کو حدیث ہی پڑھانی اور تعلیم ہی دی اور قضا کی خدمت ہی قبول کی۔

واللہ اعلم بالصواب فضل کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے یعنی اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ قاضی صاحب نے آخر عمر میں اپنی سپرداں دی تھی۔ اور یہ سارے خدمات حکومت کے انہوں نے انجام دیے لیکن یہ بات کہ یہ نتیجہ اسی "الاکلہ" (قصہ) کا تھا جس کے متعلق ہمدی کے داروغہ مطبخ نے پیشین گوئی کی تھی۔ یاد دہرا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) یعنی قتبہ نے حکم دیا تھا کہ ایسے دو کپڑے بنے جائیں جن پر فوجیوں کے لئے کھانا چننا جس کے لئے ۱۸۰  
 واللہ اعلم اس کا کیا مطلب ہے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری چھاوئی یا فوج کو ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھلانے کیلئے  
 ایک سو بیس میل لمبے اس نے دو دسترخوان تیار کرانے کا حکم دیا تھا۔ بہر حال میں نے چند متفرق اشارات جمع کر دیے ہیں  
 کوئی صاحب چھاپیں تو اس موضوع پر کام کر سکتے ہیں۔ گویا اسلامی سلاطین کے منجملہ دوسری تدبیروں کے عام پہلو کو اپنے  
 قابو میں رکھنے کے لئے لقمہ سے ذہن دوزی کی ٹانگ تک بھی تھی۔ تاریخوں میں مسلمان بادشاہوں کے باورچی خانوں کی تفصیل کرتے  
 ہوئے عمدتاً جو یہ لکھا جاتا ہے کہ اتنے ہزار بکے اتنے بینڈے، بل گانے، مرغ وغیرہ ذبح ہوتے تھے تو غرض اس سے یہی تھی ورنہ  
 بیچارے بادشاہ اور اس کے گئے چنے گھر کے لوگوں کے لئے بھلا اتنی تیاریوں کی کیا ضرورت تھی ۱۲



اسباب پیش آئے بہ ظاہر قاضی شریک جسی بلند ہستی کا صرف "لا کلا" سے متاثر ہو کر اپنی عمر بھر کی آن کے توڑ دینے پر آمادہ ہو جانا بعید از قیاس ہے بلکہ زیادہ تر یہی خیال گذرتا ہے کہ آخر میں اس قسم کے کھلی ترک موالات کے متعلق ان کا خیال بدل گیا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس شیر بیشہ آزادی و حریت کو رو بہ مزاجی پر اسی نے مجبور کیا ہو جس نے خدا جانے انسانی تاریخ کے کتنے شیروں کو لومڑی بنا کر چھوڑ دیا۔ بہر حال اصل واقعہ کچھ ہی ہو لیکن ان حکمرانوں کے خیال کا تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کھلانے پلانے داو و دہش کے پیچھے درحقیقت کون سی چیزیں کار فرما تھیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تہدی نے تعلیم حدیث یا عمدہ قضا جسی ان میں بے جوڑ بات جو پیش کی تھی اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ "دہن دوزی" کے اس نسخہ پر ان کو کتنا اعتماد تھا۔ اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ حضرت امام رحمۃ اللہ دیکھ رہے تھے کہ حکومت لوگوں کو اپنے جبال میں پھنسانے کے لئے کن کن ترکیبوں سے کام لے رہی ہے جب تک پوری بے نیازی اور استغنا کا انتظام نہ کر لیا جائے ان کو نظر آرہا تھا کہ بڑے بڑوں کے پاؤں پھسل رہے ہیں۔ قاضی شریک جیسے بزرگوں کی ضد ختم ہو جاتی ہے، عزم ٹوٹ جاتا ہے ایسی صورت میں صرف حکومت سے ترک موالات کا ارادہ کر لینا قطعاً ناکافی تھا اور حکومت سے اپنے آپ کو الگ ٹھلگ رکھنے میں قناعت یا جفاکشی وغیرہ کے مشقوں سے آدمی اگر کامیاب بھی ہو جائے۔ لیکن صرف اتنی بات حکومت سے مقابلہ کرنے کے لئے یقیناً کافی نہیں ہو سکتی

میں نے جیسا کہ عرض کیا خود امام صاحب کا کوئی واضح بیان ان کے لائحہ عمل کے متعلق نہیں ملا، نہ ان ہی کا ملا ہے اور نہ کسی اور کا اور جو کچھ ملا ہے اس کا ذکر کر دیا جائے گا۔ لیکن جو کام انہوں نے کیا میں اس وقت اسی کو دکھانا چاہتا ہوں۔

**وسیع پہچانے پر لکھنے کی ہدایت یوں تو عام مورخین صرف اس قدر لکھ کر گذر جاتے ہیں کہ امام الوصیفہ رحمۃ اللہ علیہ تجارت کرتے تھے بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خنز کی تجارت کرتے تھے۔ یہ ایک قسم کا کپڑا تھا جس کا رواج اسلام کی**

سے جہاں تک کتابوں سے معلوم ہوتا ہے یہ ایک قسم کا خاص کپڑا تھا جس کے بانے میں مختلف چیزیں مثلاً اون یا کتان رونی وغیرہ کے دھاگے استعمال کئے جاتے تھے اور تانے میں ریشم کا سوت لگایا جاتا تھا۔ دیکھو طبقات ابن سعد ترجمہ عبدالرحمن بن ابی یعلیٰ بہارے یہاں کی بعض فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خنز کسی سمندری جانور کے بال سے تیار ہوتا تھا۔ یا بعضوں نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے ریشم سے خنز بنتا تھا۔ ان بیانات میں بھی وہی بات ہے یعنی بانا (لحمہ) مختلف چیزوں کا استعمال ہوتا تھا لیکن سدی (نانا) ریشم کا ہوتا تھا۔ بعض زیادہ متقی حضرات خصوصیت کے ساتھ بانے میں بھی ریشم کے استعمال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن صحابہ اور تابعین میں جیسا کہ میں نے عرض کیا مشکل ہی سے بجز چند بزرگوں کے کوئی ایسی ہستی تھی جو خنز استعمال کرتی ہو یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گرمیوں میں غیر اونی اور جاڑوں میں اونی خنز لوگ استعمال کرتے تھے رنگ بھی اس کپڑے کے مختلف ہوتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ریشم کی شرکت کی وجہ سے کپڑے میں مینوٹی (باقی صفحہ آئندہ)

ابتدائی صدیوں میں بکثرت نظر آتا ہے۔ لیکن امام کی تجارت کس پیمانے پر تھی لوگوں نے اس کی طرف کم توجہ کی واقعہ یہ ہے کہ اولاً خز کی تجارت ہی کوئی معمولی تجارت نہ تھی۔ اس زمانہ میں جب عام سوتی کپڑوں کی ارزانی کا یہ حال تھا جس کا اندازہ طبقات ابن سعد کی اس روایت سے ہو سکتا ہے ابو العالیہ الریاحی جن کا زمانہ امام صاحب نے بھی پایا تھا یعنی جس وقت ابو العالیہ کی وفات بصرہ میں ہوئی ہے حضرت امام کی عمر دس سال کی تھی بہر حال ان ہی ابو العالیہ کے ترجمہ میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابو العالیہ نے اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ اس وقت میرے جسم پر کل پندرہ درم کا لباس تھا جس میں قمیص عمامہ چادر سب ہی چیزیں شریک تھیں پندرہ درم کا مطلب آپ کے سمجھا ہوا مشکل چار سو چار روپیہ ہوتے ہیں مشین کے زمانہ میں بھی جب یہ قیمت قابل تعجب ہے تو لوگوں کو اس زمانہ میں اگر تعجب ہو اس پر حیرت کرنی چاہیے یعنی ان کے شاگردوں نے پوچھا کہ آخر آپ کرتے کیا تھے جو اب میں انہوں نے جو بات کہی تھی اسی کا پیش کرنا مقصود ہے ابو العالیہ نے بیان کیا۔

کنت اشتری کر ماسة رازية  
 باثني عشر درهما فاجعل منها  
 قميصا و عمامة و كاذن يجريني اذ ازلت  
 دراهم البه تحت القميص <sup>طقات</sup> ج ۷

میں بارہ درم میں ایک تھان رازی کر باس کا خرید لیا  
 کرتا تھا۔ اسی سے ایک قمیص اور عمامہ بنا لیتا اور تین درم کی  
 لنگی چھے کافی ہو جاتی تھی قمیص کے نیچے اس لنگی کو پہنتا  
 تھا۔

اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کی قمیص موجودہ زمانہ کی چھوٹی قمیصوں جیسی نہیں ہوتی تھی بلکہ اتنی لمبی ہوتی تھی کہ لنگی اس کے نیچے آجاتی تھی۔ بہر حال کپڑے کی ارزانی کے ان ہی دنوں میں امام ابو صفیہ رحمۃ اللہ کا بیان کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ خزر کے دو تھانوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

بعث احدہما بعشرین دیناراً مناقب مؤمن <sup>۱۱۹</sup> ج ۱  
 جن میں سے ایک تھان کو میں نے بیس اشرفیوں میں فروخت کیا  
 جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس اشرفی تک میں نے خزر کا ایک ایک تھان بکتا تھا بلکہ متصل  
 سند کے ساتھ ابو الفضل بن خنہام کی جن روایت کو اباب مناقب نے نقل کیا ہے یعنی مدینہ کے ایک آدمی  
 کے ہاتھ امام صاحب کے عقب میں ایک شخص نے خزر ہی کا ایک تھان ایک ہزار درم میں بیچ دیا تھا معلوم ہونے  
 پر شاگرد بے چارے اعتبار میں ان کے اس لئے مبتلا ہو گیا تھا کہ تھان کی اصلی قیمت چار سو درم تھی دو کپڑوں

ذیقہ گذشتہ پیدا ہو جاتی تھی شریعت میں رشیم کا استعمال مردوں پر حرام کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے جائز استعمال کی یہی  
 مخلوط صورت نکال کی گئی تھی۔ شاید ہندوستان میں اسی کو "بانوہ" کہتے تھے ۱۲

۱۳ رازی سے مراد وہ کپڑا ہوتا تھا جو شہرے میں بنتا تھا طہران کے پاس آج کل جس کے کھنڈر میں سب سے ستا حراة کا کپڑا تھا  
 جسے کر باس ہر وی کہتے تھے ابو جعفر نے اس خلیفہ روم نجالت کی وجہ سے ہر وی کر باس کے کرتے پہنتا تھا اور اس میں پونڈ ہی  
 نجالت کی وجہ لگاتا تھا امام جعفر صادق کے کسی نے اس قصہ کو بیان کیا تو فرمایا یہ خدا کی ہر بانو ہے کہ اپنی بادشاہت میں اپنی فقیری کا اس میں احساس رکال ہے



مناقب موفق ص ۱۹۹ ج ۱) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک بھقان خنز کا لوگ ایک ایک ہزار درہم تک میں خرید لیتے تھے گو یا یہ کوئی ایسی بات نہیں سمجھی جاتی تھی جس کا رواج نہ ہو۔  
 خیر یہ تو خنز کی اہمیت کا حال تھا لیکن امام اس قیمتی کپڑے کی تجارت کس پیمانے پر کر رہے  
 جہاں تک کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ چار چیزیں اس باب میں معلوم ہوتی ہیں (۱) پہلی بات تو یہی ہے کہ  
 امام صرف خنز کے تاجر ہی نہیں تھے بلکہ خنز بانی کا کوئی بڑا کارخانہ کو فہ میں ان کا جاری تھا (۲) کوئی جانوت  
 خاص (شاہپ) بھی کو فہ میں خنز کی تھی جس سے مال کی فروخت کا سلسلہ جاری تھا (۳) غلاموں سے ہی مال  
 کی پھیری کراتے تھے (۴) کو فہ سے دس اور دو دراز علاقوں مثلاً بغداد، نیشاپور، مرو وغیرہ مال بھیجتے تھے  
 اور وہاں سے منگواتے تھے۔

## خنز کی دکان خطیب بزرگادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ۔

کان ابو حنیفہ خنز اور دکانہ  
 معروف فی دار عمر بن حریث ص ۳۲۵ ج ۱  
 اولاً لفظ "معروف" ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشہور دکان تھی لیکن آگے عمرو بن حریث  
 کے دار کا جو پتہ دیا گیا ہے پہلے تو خود دار کے لفظ سے اگر وہی مفہوم سمجھا جائے جو اردو میں گھر سے سمجھا  
 جاتا ہے تو عربی کی اصطلاح سے یہ ناواقفیت کا نتیجہ ہو گا۔ ابن ہمام نے فتح القدر میں لکھا ہے۔  
 الدار اسم للساحة ادیر علیہا  
 الحدود تشمل علی بیوت واصطبل  
 وصحن غیر مستقف وعلو ص ۳۰۲ ج ۵  
 امام ابو حنیفہ خنز کپڑے کے تاجر تھے۔ ان کی دکان عمرو  
 بن حریث کی کوٹھی میں عام طور پر مشہور معروف تھی۔  
 دار اس میدان کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف  
 احاطہ ہوتا ہے اسی احاطہ میں مکانات  
 اصطبل صحن جس پر چھت نہ ہو اور دوسری منزل وغیرہ  
 والی عمارت ہوتی ہے۔

یعنی واصل الدار اس پورے احاطہ کی تعبیر ہوتی ہے جسے اسی زمانہ میں لوگ کپوند وال  
 کہتے ہیں بعض ریاستوں مثلاً ٹونک اور ام پور وغیرہ ہی "گہیر" کا لفظ الدار کا مراد ہے بسیوں  
 ایکڑ کی زمین کو "گہیر" حادی ہوتا ہے فلاں امیر کا گہیران ریاستوں میں اسی دار کے مفہوم کو ادا کرتا ہے  
 ماسوا اس اصطلاحی مسئلہ کے عمرو بن حریث کے اس دار کا اس کے طول و عرض اور غیر معمولی وسعت کی  
 وجہ سے مورخین نے خصوصیت کے ساتھ تذکرہ بھی کیا ہے ابن سعد میں ہے کہ۔

نزل عمر بن حریث الکوفہ و اتنی  
 بہا داراً اخی بجانب المسجد وھی  
 کبیرة مشہورة ص ۱۲ ج ۶ طبقات  
 عمرو بن حریث صحابی کو فہ پہنچے اور مسجد کے پہلو میں  
 میں ایک حویلی تیار کی جو بہت بڑی تھی اور مشہور  
 (ہے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کو فہ کا یہ معمولی دار نہ تھا ورنہ دار کے بعد "کبیرہ" اور مشہورہ کے الفاظ  
 کے بڑھانے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس عبارت سے حضرت امام کی اس دکان کے محل وقوع کا بھی تعین ہو جاتا

ہے یعنی کوفہ کی "المسجد" کے متصل یہ دکان تھی میرا خیال ہے کہ عمرو بن حریش کے اس کبیرہ مشہورہ دار میں امام صاحب کی "دکان" کی حیثیت ان دکانوں جیسی نہ تھی۔ جیسا کہ اس زمانہ میں "دکان" کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے یعنی کسی کمرے میں جس کے سامنے برآمدہ اس میں تاجر کپڑے رکھ کر بیچتے ہیں بلکہ نچاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حریش کے اس پورے گھیر میں خزبانی کا بھی کاروبار ہوتا تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ابن سعد نے مذکورہ بالا الفاظ کے بعد لکھا ہے کہ

فینہا اصحاب الخزانة الیومہ اس دار میں خزبات اس وقت تک رہتے ہیں

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ "خز" والوں کی ایک آبادی اس گھیر میں رہتی تھی ممکن ہے کہ امام صاحب کی طرف سے بطور مزدوروں کے یہ لوگ اس گھیر میں "خزبانی" کا کام کرتے ہوں ایسی صورت میں گویا سمجھنا چاہیے کہ حضرت امام نے یہاں خزبانی کا کوئی کارخانہ ہی کھول رکھا تھا۔ یا ہو سکتا ہے کہ انفرادی طور پر خزبانے والے اس گھیر میں آباد ہوں اور ان ہی سے خرید خرید کر امام صاحب ان کے مصنوعات کو فروخت کرتے ہوں احتمال دونوں کا ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی دکان پر باہر سے بھی خزبات اپنا مال فروخت کے لئے لایا کرتے تھے اور ایک ایک وفتہ میں کبھی کبھی آٹھ آٹھ ہزار درم کے کپڑے صرف ایک آدمی سے خریدے جاتے تھے دیکھو مناقب موفی ص ۱۱ ج ۱، بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ جامع المسانید میں ابو بکر بن عیاش کے حوالہ سے یہ قصہ جو نقل کیا گیا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکومت کی طرف سے سزا اس لئے دی گئی کہ

ان یکون عریفا علی الخزانین ان سے خواہش کی گئی تھی کہ خزبانوں کے عریف (نبرداری)

کا عہدہ قبول کریں اور انہوں نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ ص ۱ ج ۱  
اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خزبانوں کا ایک بڑا گروہ حضرت امام سے تعلق رکھتا تھا خواہ یہ تعلق رکھتا ہو کہ آپ کے کارخانہ میں کام کرتا ہو یا کپڑے تیار کر کے آپ کی دکان میں فروخت کے لئے لاتا ہو۔ کیوں کہ کسی جماعت کی عرافت (نمائندگی) اسی شخص کو عموماً ملتی ہے جو اس کی تابع ہو ان معلومات کے بعد الیافعی کی تاریخ میں تو ایسے واضح الفاظ ہی مل گئے جن میں صراحتاً وہی بیان کیا گیا ہے جس نتیجہ تک ہم مختلف قرآن کی روشنی میں پہنچتے تھے یعنی الیافعی نے لکھا ہے

لہ دار کبیرۃ لعل الخزانة وعندہ  
صناع الخزانۃ ج ۱  
امام کی ایک بڑی کوٹھی تھی جس میں خز بنایا جاتا تھا اور امام کے پاس خزبان تھے

جس سے ثابت ہوا کہ ایام کے پاس خزبانی کا بہت بڑا کارخانہ بھی تھا اور اس کارخانے میں خزبان مزدور کام کرتے تھے

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام کا یہ کاروبار قطعاً وسیع اور عظیم کاروبار تھا عام طور پر یہ بات اس زمانہ میں تسلیم کی جاتی کہ کوفہ جیسے غدار شہر میں جس کی آبادی امام رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں لاکھوں سے کم نہ ہوگی



سب سے بڑی دکان خز کی امام ہی کی دکان ہے۔ خز کی بڑھیاں سے بڑھیاں قسم جو سارے شہر میں  
 پھیل گئی تھی۔ وہ حضرت امام کی دکان پر مل جاتی تھی ابن خثیم کی جس روایت کا پہلے بھی ذکر  
 آیا ہے اس کے ان الفاظ کا یعنی امام کا حال بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ۔

کانت خزازا وکانت فی بعیہ و  
 امام خز کے تاجر تھے اور خز کے خرید و فروخت میں  
 شراہہ لیستفصی ویدق النظر فیہ

میرے نزدیک تو اس کا یہی مطلب ہے کہ خز کی بہترین قسموں کے پیدا کرنے میں پوری وقت  
 نظری اور انتہائی تلاش و جستجو سے کام لیتے تھے کیوں کہ اسی کے بعد قصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی  
 مدینہ منورہ سے مختلف قسم کی چیزوں کے خریدنے کے لئے آیا تھا۔ اسی سلسلہ میں خاص قسم کے خز کی بھی  
 اسے تلاش تھی۔ لوگوں سے اپنی ضرورت کا جب اس

طہار کیا تو اسے اطلاع دی گئی۔  
 لا تجد مثل هذا الثوب الا عند  
 فقہہ ہا ہنا خزا زقیال لہ ابو حنیفہ

بلکہ اسی کے بعد امام رحمۃ اللہ علیہ کی دکان میں یہ کاجو خاص طریقہ تھا اس کا اظہار بھی اسی  
 مدنی مسافر سے کوفہ والوں نے ان الفاظ میں کیا

اذا ایت حانوتہ و اخر جم  
 الیك ما طلبت فخذ منه ما یساوہك  
 وزن لہ المقدار الذی یساوہك بہ

جب اس کے حانوت (شاپ) میں تم جاؤ اور مطلوبہ شے  
 کو نکلواؤ تو جو بہا اس کا بتایا جا اسی قیمت پر اس کو  
 خرید لینا اور جو قیمت تمہیں بتائی جائے اسے ادا کر دینا

جس سے معلوم ہوتا ہے۔ آج کل بڑی بڑی کمپنیوں اور شاپوں کا جو دستور ہے کہ بھاؤ چکنے  
 میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ ہر چیز کا دام مقرر کر دیا جاتا ہے خریدار بغیر کسی لیت و نعل رگڑے  
 جھگڑے کے چیز لے لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں گاہک اور سوداگر دونوں کا وقت بچتا ہے۔

عموماً یہ وہیں کیا جاتا ہے جہاں کام زیادہ ہو۔ ورنہ ٹٹ پونجے تاجر جن کی دکان کم چلتی ہے۔  
 چند ہی چیزوں پر بڑھ چکا کر چاہتے ہیں کہ نفع کمالیں حالانکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب

کی دکان پر علاوہ امام کے خود ان کے صاحبزادے تھا اور تلامذہ بھی فروخت کا کام انجام دیتے تھے  
 دو کچھ مناقب مؤلف ص ۱۹۹ ج ۱۱ لیکن کام کی کثرت کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دوکان کی ہر چیز

کی قیمت متعین کر دی تھی تاکہ لین وین میں خواہ مخواہ وقت ضائع نہ ہو ان ہی روایتوں سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ علاوہ اس مال کے جو امام صاحب کی حانوت (شاپ) میں رہتا تھا۔ آپ لوگوں سے آرڈر بھی  
 لیا کرتے تھے اور حسب وعدہ چاہنے والے کی خواہش کے مطابق خز بھی کر دیتے تھے۔ مال کی دوکان پر

معلوم ہوتا ہے کہ اتنی آمد تھی کہ فرمائش کی تعمیل میں زیادہ ویر نہ لگتی تھی (دیکھو مناقب مؤلف ص ۱۱۵ ج ۱۱)  
 کچھ ہی ہو محمد بن سعد کا تب الواقدی جن کی وفات ۲۳۰ ھ میں ہوئی ہے ان کا اسی عمرو بن

حریث صحابی کے دار کے ذکر میں یہ بیان کہ۔  
 ۲۴۸



فیہا اصحاب الخبز الیوم

اس میں خرواے لوگ اس وقت تک رہتے ہیں

اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے نصف صدی بعد تک عمرو بن حرث

کایہ وار خربافوں اور خرفروشوں کا بلجا و ماویٰ بنا ہوا تھا اور اس سے بھی حضرت امام کے کاروبار کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس کام کو انہوں نے اسی مکان میں شروع کیا تھا اس کو اس مقام سے اتنی مناسبت ہو گئی تھی کہ برسوں بعد تک اس کام کی کرنے والی جماعت اس مکان میں موجود تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا غلاموں کو لوگ مازون تجارت کر کے کاروبار کے غلاموں کے ذریعہ

مال کی پھیری عام طریقہ مزوج تھا فقہاء کو اسی نے "مازون التجارة" غلاموں کے متعلق

قانونی وفات بنانے پڑے جن سے اہل علم واقف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے اپنی تجارتی کاروبار میں اس طریقہ کو بھی اختیار فرمایا تھا۔ امام الامام ابو بکر زنجری کے حوالہ سے ایک قصہ کو نقل کرتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے کہ

فجاء غلیفانہ بسبعین الف درهم ۲۳  
امام کے غلام ستر ہزار درم لے کر واپس ہوئے  
غلاموں کے ذریعہ سے امام کے تجارتی منافع کی نوعیت کیا تھی اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا

ہے کہ ابو سعید سمغانی نے حافظ بن عمدہ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے کہ

کان لابی حنیفة عبد یحجر وکان  
دفع الیہ مالا کثیرا یحجر خرجم ثلاثین  
الف درہم (۲۳ مناقب ص ۱۷)  
امام ابو حنیفہ کا ایک غلام تھا جو تجارت کرتا تھا امام نے مال کی کثیر مقدار اس کے سپرد کر دی تھی جس کی وہ تجارت کرتا تھا تیس ہزار درم اس میں اس نے نفع حاصل کیا۔

جب ایک ایک غلام تیس تیس ہزار نفع لگا کر امام کی خدمت میں پیش کرتا تھا تو اسی سے سمجھنا چاہیے کہ مجموعی طور پر امام کے مازون تجارتہ غلامان کتنا کما تے ہوں گے۔ میرے خیال میں اس ذریعہ سے امام کو کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی گویا آمدنی کا یہ ایک مستقل ذریعہ تھا۔ اور علاوہ دوسرے ذرائع کے صرف اسی ذریعہ سے تعجب نہیں کہ سالانہ لاکھوں لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوتی ہو۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا لوگوں نے امام کی زندگی کے اس پہلو کے متعلق ضروری طور پر  
درآمد و پرآمد معلومات کے جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے لیکن دوسرے واقعات کے تذکروں میں  
کا کاروبار ضمناً اس قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ جہاں تک اس نقطہ نظر سے میں نے امام کے متعلقہ  
روایات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کو فہم بیرونی علاقوں سے بھی  
مال منگوا کر لیا کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے مشرقی علاقہ کے مرکزی شہروں میں حضرت امام کے خلیفہ  
نماندے یا ایجنٹ رہتے تھے۔ کو فہم سے امام صاحب ان ہی لوگوں کے پاس تجارتی سامان بھیجا کرتے اور امام کے  
پاس کو فہم اپنے علاقہ کی چیزیں ان کے یہہ نماندے روانہ کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ



نمایاں نام حفص بن عبدالرحمن کا ہے الخلیف نے بغداد کی تاریخ میں علی بن حفص بزاز کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ۔

کان حفص بن عبدالرحمن شریک  
ابی حنیفہ وکان یجھن الیہ ۳۵۸  
۱۳۲

بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سر پایہ سے وہ کام کرتے تھے گویا محنت ان کی ہوتی تھی اور سامان امام کا ہوتا تھا انوفق نے بھی ایک موقع پر لکھا ہے

کان حفص بن عبدالرحمن شریک  
ابی حنیفہ وکان ابوحنیفہ یجھن علیہ

فبعث فی رفقة ہتاع ۱۹۳  
۱۲۰  
اگے موفق نے دوسرا قصہ بیان کیا ہے۔

بہر حال اس کی تصریح مختلف مورخین نے بھی کی ہے کہ امام صاحب کے ساتھ حفص بن عبدالرحمن نے تجارتی کاروبار تیس سال تک کیا تھا موفق نے حفص کا تذکرہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حفص ہذا ہو شریک فی التجارة  
صبر ثلاثین سنة  
تک ان کے ساتھ رہے

وکان من نيسابور روى عنه الربيع  
والفقه وکان رجلاً صالحاً مت

خود حفص سے براہ راست حاد بن آدم نے یہ قول نقل کیا ہے کہ  
كنت شريك ابي حنيفة ثلاثين  
سنة ۲۲۳ ج ۱ موفق

میں تیس سال تک امام ابوحنیفہ کی شرکت میں کام کرتا  
رہا (یا تیس سال تک ان کا شریک رہا)

لیکن صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلا کہ امام صاحب ان کے پاس مال کہاں بھیجا کرتے تھے چونکہ  
بالاتفاق علمائے لکھا ہے کہ وہ نیشاپور کے تھے خود نیشاپور کی قضا کا عہدہ اختیار کر لیا تھا لیکن آخر

میں پچھتے اور مستعفی ہو کر گوشہ گزیں ہو گئے واقبل علی العبادۃ (یعنی عبادت ریاضت میں مشغول ہو گئے)  
آخر میں ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ابن المبارک جیسے محدث جلیل جب نیشاپور تشریف لاتے تو حفص کی زیارت  
کے بغیر نیشاپور سے روانہ نہ ہوتے ۲۲۱ ج ۱ جواہر

واللہ اعلم یہ وہی امام ابوحنیفہ کے شریک فی التجارة حفص ہیں جن کے پاس امام مال بھیجا کرتے تھے  
یا کوئی دوسرے صاحب میں الحاکم نے تو اپنی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو داؤد اور النسائی ان سے روایت  
کرتے ہیں بہر حال میرا خیال ہے کہ حفص نیشاپور ہی میں امام کا مال منگوا یا کرتے تھے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا یہ تحت خلافت عباسیہ دارالسلام بغداد جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی  
تجارتی منڈی بن گئی تھی یہاں بھی امام کا کوئی تجارتی ایجنٹ رہتا تھا۔ الخلیف نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ

حسن بن ربیع کہتے تھے کہ

كان قيس بن الربيع يحدثنى عن  
ابي حنيفة انه كان يبعث بالبضائع الى  
بغداد فيشترى بها الامتعة ويحملها  
الى الكوفة ج ۳۶ ج ۱۳

قیس بن ربیع ہم سے امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ روایت  
بیان کرتے تھے کہ ابو حنیفہ بغداد سرایہ بھیجتے تھے اور وہاں  
کی چیز اس سرایہ سے خریدی جاتی تھیں وہی کوفہ لاکر  
روانہ ہوتی تھیں

لیکن بغداد میں امام صاحب کا نمائندہ کون تھا؟ ممکن ہے کہ مختلف تاجروں کے ساتھ کاروبار ہو  
خطیب کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوفہ سے دوسرے شہروں میں امام صاحب کا  
مال جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے شہروں کا مال کوفہ بھی امام صاحب منگواتے تھے۔

علاوہ نیشاپور اور بغداد کے اور جن شہروں میں امام کے تجارتی نمائندوں کا پتہ چلتا ہے اس  
میں ایک مروی ہے مرفوع نے اپنے مناقب میں ابو غنم یونس کو ان الفاظ سے روشناس کراتے ہوئے  
کہ ہومن ائمة حرا و (یعنی مرو کے ائمہ میں ان کا شمار ہے) شمس الائمہ الکروری نے ابو غنم کے متعلق لکھا ہے کہ  
من كبار ائمة حرا درك عمر بن  
عبد العزيز و هب بن منبه ج ۲۳۷ ج ۱۲  
مرو کے بڑے ائمہ میں سے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز اور وہب بن  
منہ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ہی ان کو ملا تھا

مشہور امام عبداللہ بن المبارک کے یہ استاد ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تو خود ابن المبارک سے ان  
کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

هو اول من اختلفت اليه ص ۲۲۹ تہذیب ج ۱۱  
ابو غنم پہلے آدمی ہیں جن کے پاس تحصیل علم کے سلسلے میں پہلی  
دفعہ میری آمد و رفت شروع ہوئی

جس کا مطلب یہی ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے سب سے پہلے استاد ہی ابو غنم ہیں۔ حافظ کے  
بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرو کے یہ قاضی بھی تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

يونس بن نافع الخراساني ابو غنم المروزي  
المروزي القاضي (ص ۲۲۹ تہذیب ج ۱۱)  
ان کا نام یونس بن نافع خراسانی ابو غنم المروزی  
تھا اور یہ قاضی تھے

سن وفات ان کی حافظ نے ۱۵۹ ہجری سے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت امام رحمہ اللہ  
سے ۹ سال بعد ان کی وفات ہوئی بہر حال کہنا یہ ہے کہ متعدد مورخین نے ان ہی قاضی ابو غنم کے متعلق نقل

۱۵ مروی ہے جو کہ عبداللہ بن المبارک کا وطن تھا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے زانوسے تلمیذ انہوں نے ابو غنم ہی کے آگے  
کہا۔ باقی اس زمانہ میں لوگوں کا علمی اور دینی مشغلوں کے ساتھ تجارتی کاروبار یہ عام بات تھی۔ خود عبداللہ بن المبارک کا کیا  
حال تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سال کو انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا چار چھینے تجارت میں چار چھینے تحصیل علم خصوصاً فقہ  
و حدیث میں اور چار چھینے جہاد میں گزارا کرتے تھے۔ آخر وقت تک اپنے اس التزام کو نبھاتے رہے۔



نقل کیا ہے کہ موفق کے مناقب میں بھی ہے

ہو من شرکاء ابی حنیفة ۲۲

یہ امام ابو حنیفہ کے شرکار میں ہیں

یہ ظاہر بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرو میں امام صاحب کی تجارت کی نمائندگی کرتے تھے امام صاحب سے حدیث بھی روایت کرتے تھے اور اس سے امام صاحب کی تجارتی کاروبار کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے گویا کوفہ سے ہزار ہا ہزار میل دور جو شہر تھے وہاں بھی ان کا مال پہنچتا تھا اور ان مقامات سے آپ کے پاس مال آتا تھا۔ مع المصنفین میں تبیض الصحیفہ کے حوالہ سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ

قد قرأ عنہ رحمة الله علیہ ان

کان یجری فی الخز مسعوداً ماہراً فیہ

ولدہ دکان فی الکوفہ وشرکاء لیسافون

لہ فی شراہ ذلک و بیعہ ۲۳ مع مطبوعہ

امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ تواریخ بات منقول ہے کہ وہ خزانہ کے ایک بڑے کامیاب تاجر تھے اور اس میں ان کو خاص تجارت حاصل تھی کوفہ میں ان کی دکان بھی تھی اور تجارتی کاروبار میں ان کی بہت سے شرکار تھے جو خزانہ کی خرید و فروخت کیلئے مقرر کرتے رہتے تھے

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نمائندے اور ایجنٹ ملک کے مختلف اطراف میں گشت کر کے ان کے لئے مال بھی خریدتے تھے اور بیچتے بھی تھے اور میرا خیال تو ہے کہ لوگوں نے جو یہ لکھا ہے کہ

اشحقر واستفاض ان اباحنیفة رحمة

الله تلذذ عنہ اربعة الاف من شیوخ

امة التابعین وتفقه عنہ اربعة

الاف ۲۴ مع ۲۳

یہ بات عام طور پر مشہور اور ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے چار ہزار استادوں سے استفادہ کیا جن میں تابعین کے بڑے بڑے ائمہ و شیوخ تھے اسی طرح امام صاحب سے فقہ کی تعلیم ہی جن لوگوں نے پائی ان کی تعداد چار ہزار ہی تھی

اگر اس کو مبالغہ بھی سمجھا جائے جب بھی ان لوگوں کے تلامذہ کا اذکار تو کسی طرح نہیں کیا جاسکتا جن کا نام بنام حنفی مورخین نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے۔ شمس الائمہ الکروری نے امام کے تلامذہ کی اسی مفصل فہرست کو پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

فہولاء سبعائة وثلاثون رجلاً من

مشائخ البلدات اخذوا عن الامام

صاحب معجم نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ

فاذ اردت علیہ ما ذکرنا من الخوارزمی

وہم زهاء مائة وخمسين فالجموع زهاد

ثمانین وثمانمائة من اصحاب الامام ۲۵

خوارزمی نے جو تعداد بتائی ہے اس پر میرے اضافہ کردہ ناموں کو بھی اگر شریک کر لو گے تو قریب قریب امام کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو اسی ثابت ہوتی ہے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ نام و نسب وطن کی قید کے ساتھ جن تلامذہ کا علم لوگوں کو ہوا ہے انکی

یہ ظاہر کا لفظ میں نے اقتیاطاً ایسے لکھ دیا ہے کہ کسی کبھی شرکار کے لفظ و رس کے شرکار بھی مراد ہوتی ہے ہو سکتا

ہے کہ ابو حنیفہ کی شرکت شاید درسی شرکت ہی کی حد تک محدود ہو ۱۲

تعداد اٹھ سو اسی ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ تلامذہ کی یہ تعداد کسی خاص شہر یا کوفہ کے قریب چند صدیوں شہروں ہی کی نہیں ہے بلکہ عباسی حکومت کے اکثر مرکزی مقامات کے لوگ ہیں۔ یعنی علاوہ کوفہ بصرہ بغداد واسط موصل مکہ معظمہ مدینہ منورہ دمشق وغیرہ کے جو کوفہ سے قربت کی نسبت رکھتے ہیں یا جہاں مسلمانوں کے تعلیمی مراکز قائم تھے ہجرت ہوتی ہے کہ ایک طرف خلافت عباسی کے مغربی بلاد مثلاً مصر رملہ یمن یمامہ بحرین رقبہ وغیرہ کے لوگ بھی امام کے حلقہ میں موجود ہیں اور مشرقی علاقوں کا تو حال ہے کہ شاید ہی کوئی بڑا شہر اس سمت کا ایسا ہوگا جہاں امام کے شاگرد نہ پائے جاتے ہوں۔ خیال تو کیجئے کوفہ کہاں تھا۔ اور وہاں جرجان طبرستان وامنان قوس رست نہاوند امدان استرآباد خلوان اصفہان کرمان مرو بخارا نسا سمرقند خراسان کس اصفہانیاں ترمذ بلخ ہرات قستان سجستان رزم خوارزم وغیرہ وغیرہ ہر شہر کے لوگ امام سے استفادہ کے لئے پہنچتے تھے اور علم حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں واپس جاتے تھے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا گو مشرق کے علاقوں کے ساتھ مورخین نے امام کے تلامذہ میں خلافت کے مغربی شہروں کے باشندوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس نہرست پر نظر ڈالنے کے بعد یعنی ان شہروں میں سے کس کس شہر کے کتنے طلبہ امام کے پاس آئے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسبت مغربی علاقوں کے امام کی طرف مشرقی ممالک ہی کے لوگوں کا رجحان زیادہ تھا۔ کوفہ اور بصرہ جو گویا امام کی وطن کی حیثیت رکھتے تھے ان کے سوا حجاز میں امام کو بنی امیہ کے آخری ایام میں مسلسل دو ڈھائی سال قیام کرنے کا موقع اس وقت مل گیا تھا جب بنی امیہ کے گورنر ابن ہبیرہ کے مظالم سے تنگ آکر اپنے حرم محترم میں پناہ لی تھی اور یوں بھی ان دونوں پاک شہروں میں آپ کی آمد و رفت کا سلسلہ آخر عمر تک جاری تھا اور باب مناقب نے بالاتفاق یہ روایت نقل کی ہے کہ:-

حج خمساً وخمسین حجۃ امام نے پچیس حج کئے تھے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودہ پندرہ سال کی عمر کے بعد بلا ناغہ شاد حج کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں پچیس حج کے میرانے کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور آئندہ بھی معلوم ہوگا کہ حجاز کے قیام کے زمانہ امام نے افادہ اور استفادہ میں گذرانے کا اسی لئے حجاز کے دونوں مقدس شہروں میں آپ کے تلامذہ کی کافی تعداد نظر آتی ہے۔

۱۰۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ابن ہبیرہ کے زمانہ میں امام صاحب حجاز ۳۱ھ ہجری میں تشریف لینگے اور عباسیوں کی حکومت جب تک قائم نہ ہو چکی کوفہ واپس تشریف نہ لائے ظاہر ہے کہ بنی امیہ کا آخری فرمانروا مروان ۳۲ھ میں قتل ہو گیا اور اسی کے بعد سفاح پہلا عباسی خلیفہ تخت نشین ہوا۔ امام سے سفاح کی کوفہ میں ملاقات ہی ہوئی ہے جس کا ذکر انشا اللہ آئندہ آئے گا اس سلسلہ پر توڑی بحث آئندہ ہی آئیگی۔ کوفہ میں جب صحابہ کی اتنی بڑی تعداد آکر آباد ہو گئی تھی کہ صرف اصحاب الشجرہ کے تین سو اور بدری اصحاب میں ستر حضرت تھے اسلئے ان کے ابن مسعود اور حضرت علی کے صحبت یافتہ بزرگوں سے مسلمانوں کی یہ چھاؤنی بھری ہوئی تھی اسی کیلئے (باقی صفحہ آئندہ)



لیکن ان کے سوا یہ واقعہ ہے کہ زیادہ تر آپ سے استفادہ کرنے والوں اور شاگردوں کی بڑی تعداد خلافت عباسیہ کے مشرقی شہروں ہی کی ہے خصوصاً بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات وغیرہ میں تفصیل کے لئے امام کے شاگردوں کی فہرست دیکھئے ممکن ہے کہ مشرق والوں کے اس رجحان عام میں امام رحمۃ اللہ علیہ کے عجمی ہونے کو بھی دخل ہو خصوصاً جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عربی جو امام کی ماوری زبان تھی اس کے سوا آپ فارسی زبان سے بھی واقف تھے۔ لوگوں سے اس زبان میں گفتگو بھی فرماتے تھے۔ بہر حال میں یہ کہتا چاہتا ہوں جیسا کہ پہلے کہیں ذکر آیا بھی ہے کہ امام کی کوفہ کی حانوت (شاہ میں) جیسے آپ کے صاحبزادے حماد اور آپ کے تلامذہ بھی تجارتی کاروبار میں ہاتھ بٹاتے تھے کیا تعجب ہے کہ ان مشرقی ممالک میں امام کے بھی تلامذہ مال کے در آمد برآمد میں بھی واسطہ کا کام دیتے ہوں آخر حفص بن عبد الرحمن اور ابو غانم یونس جو امام کے شریک فی التجارۃ تھے۔ یہ بھی تو امام کے تلامذہ ہی میں تھے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ ان کے سوا بھی بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات وغیرہ میں آپ کے شاگردوں کی جو ایک بڑی تعداد پھیلی ہوئی تھی ان میں کچھ لوگ تجارتی کام میں بھی حصہ لیتے ہوں۔ حضرت امام کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں ایک بحث جو یہ پائی جاتی ہے کہ آپ کے والد کا اصلی وطن کہاں تھا، اخطیبت نے مختلف مشرقی شہروں مثلاً نسا، ترمذ، انبار کے نام نقل کرتے ہوئے کابل کے متعلق زیادہ اقوال نقل کئے ہیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اس کا خیال کیجئے کہ چہن ج امام نے کئے اور مسلسل دو ڈھائی سال حجاز میں رہے اور اہل علم میں رہے۔ لیکن باہیں عمدہ ناچھوں کا ایک گروہ ہے جو اب تک اس لطیفے کو دہراتا جاتا ہے کہ امام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل شہرہ حدیثیں معلوم تھیں حقیقت ہے کہ عقل سے دست بردار ہو جانے کے بعد آدمی سب کچھ کہہ سکتا ہے۔

۱۰۔ نوبہ بن سعد مرو کے باشندوں میں امام کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے ان کا بیان ہے کہ کات لہ بصرا بالفا سیمیۃ (یعنی فارسی زبان میں امام کو اچھا دیکھا تھا) ایک شیخ جو امام صاحب کے پاس آتا جاتا تھا تو یہ کہتے ہیں کہ ایک دن اسکے سامنے امام صاحب نے فرمایا یا نوبہ تبید مروست این صلا مرفق ج ۲ یعنی فارسی کا یہ فقرہ بولے

۱۱۔ اگرچہ بعضوں نے امام کو عربی النسل ثابت کرنے کی خواہ مخواہ کوشش کی ہے۔ مگر علی قاری نے نقل کیا ہے کہ بعض لوگ امام کو انصار کی طرف نسبتاً منسوب کرتے ہیں ابو اسحاق شیرازی طبقات الفقہاء کے حاشیہ میں بعضوں کا قول نقل کیا ہے کہ بنی شیبان کے سلاطین سے امام کا نسب تعلق تھا۔ بعضوں نے تو امام کا نسب نامہ کیتقاد و کیتخرو اور بعضوں نے فریدوں سے ملا دیا ہے۔ بعض مورخین کی اولاد میں آپ کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ امام نسلاً عربی نہیں بلکہ عجمی تھے یہ باظرفداری ہوگی کہ آپ کو عربی نژاد ثابت کیا جائے۔ باقی بیرون عرب آپ کا نسلی تعلق کس علاقہ کے باشندے سے تھا؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا ممکن ہے کہ امام کے رشتہ دار ان تمام عجمی شہروں میں رہتے ہوں جن کا نام لیا جاتا ہے۔ البتہ کابل کے متعلق زیادہ روایتیں ملتی ہیں اس لئے اصل آبائی وطن میرے خیال میں امام کا کابل ہی معلوم ہونا ہے۔ بلکہ امام صاحب کے دادا کا نام زوطی جو بتایا جاتا ہے اور لوگوں نے تصریح کی ہے کہ تلفظ اس کا ز کے فتح کے ساتھ صحیح ہے۔ مگر علی نے لکھا ہے کہ بفتح الزاء اور ہم جانتے ہیں کہ جن رجال الزبط کا لفظ جو حدیثوں میں آیا ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ حیات کے لفظ کا یہ عربی تلفظ ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ عربی تلفظ ہے۔

نور زح  
عزلی  
کسریب  
جاو  
امام  
بکالی  
جو ایران  
کے آباد  
رجال الزبط = جاو



میرا وہن تو اصر جاتا ہے کہ شاذان شہروں سے امام کے خاص تعلقات ہوں اور ان ہی تعلقات خصوصی کی بنیاد پر لوگوں سے یہ مشہور کرویا کہ آپ کا آبائی وطن وہیں تھا، ہو سکتا ہے کہ ان شہروں میں امام صاحب کی رشتہ داریاں ہوں یا یہاں کے لوگوں سے خاص تجارتی تعلقات ہوں۔

بہر حال امام کی تجارت کی جن وسعتوں کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں کیا گیا ہے جہاں تک قرآن کا تعلق ہے ان کے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

**سہ ماہیہ کے متعلق سوال** البتہ یہاں ایک دل چسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے کاروبار کے لئے ظاہر ہے کہ کافی سہ ماہیہ کی ضرورت ہے۔ امام صاحب بیچارے عجمی النسل آدمی تھے۔ انارک و ثروث زیادہ تر اس زمانہ میں عربی تہذیب و تمدن کے ساتھ تعلق پیر امام کو اتنا بڑا سہ ماہیہ کہاں سے مل گیا جس سے وہ مزو اور نیشاپور بسند اور کسی قسم سے دوسرے شہروں تک اپنے لین دین کے معاملات کو پھیلا سکے۔ قطع نظر عجمی ہونے کے اگر ارباب مناصب کی اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ یعنی ابو جعفر منصور کے سامنے قصاص سے انکار کرتے ہوئے امام کی طرف جہاں مختلف دوسرے جواب منسوب کئے گئے ہیں ان ہی میں کہا جاتا ہے کہ حضرت امام نے ایک دفعہ منصور کو یہ بھی سمجھایا تھا کہ

سكان ابي خبازا واهل الكوفة لا يعرفون  
ان يكون القاضي ابن خبازة ص ۱۷۲ مرتق  
میرے والد نابائی تھے اور کوفہ والے آگے لپڑتہ کریں گے کہ  
ایک نابائی کے لڑکے کو ان کا قاضی بنا دیا جائے۔  
اگر یہ اسی کے ساتھ حضرت امام کے دادا کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے۔  
اھدیٰ علی بن ابی طالب الغلوخرج فی  
یوم النیر و نرفقال نور و نرفاکی یوم و  
قیل کانت فی عھم جان فقال عھم جوفا  
کل یوم۔ (الخطیب ص ۱۳۶)

نور روز کے دن امام ابوحنیفہ کے دادا نے حضرت علی کریمؑ  
کی خدمت میں فالودہ بطور ہدیہ کے پیش کیا تھا۔ حضرت علی  
نے فرمایا کہ میرے لئے ہر روز نور روز ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہر جا  
کے ہزار میں ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ میرے  
لئے تو ہر دن ہر جوں سے

اس میں شک نہیں کہ اس روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کے دادا کچھ امتیاز

دقیقہ صنف گذشتہ ہے کہ زوطی امام کے دادا کا نام نہ ہو بلکہ قوم زکا کی طرف نسبت ہے وہ مشہور ہوں۔ بہر حال کابل سے پنجاب قریب ہے اور زکا یعنی جاٹ قوم کا مسکن اس وقت تک پنجاب اور اس کے بالائی علاقہ میں پایا جاتا ہے ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کہ امام کا آبائی وطن درحقیقت ہندوستان ہی تھا اور ہندوستان سے کابل اور کابل سے دوسرے خراسانی شہروں میں منتقل ہوتے ہوئے بالآخر کوفہ پہنچا اسی لئے ان تمام شہروں سے امام کے خاندان کا تعلق ہو میں تو نہیں سمجھتا کہ بالکل بے بنیاد دعویٰ ہوگا اسی قسم کابے بنیاد جیسے عربی النسل یا کے قباد و فریدوں وغیرہ کی نسل کی طرف خواہ مخواہ آپ کو منسوب کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲



جینت رکھتے تھے آخر خلیفہ وقت تک رسائی کچھ نہ کچھ امتیاز کو غالباً چاہتی ہے۔ لیکن امتیاز کے لئے دو تہمتوں کا ضروری نہیں۔ اسی طرح فالودہ جیسی عام اور معمولی چیز کا پیش کرنا یہ بھی ان کی دولت مندی کی دلیل نہیں ہو سکتی اور اگر وہ بیچارے اتنے ہی دولت مند ہوتے جس پر امام کی تجارت کی بنیاد قائم کی جائے تو ان صاحبزادے ثابت کو بقول امام "خبازی" کے پیسے کے اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہوتی لیکن کتابوں میں لکھا ہے کہ امام صاحب کو اپنے والد سے دس ہزار درم ترسے ہیں لے تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی بڑی رقم نہ ہتی دو ڈھائی ہزار روپے ہونے اس سے امام کے اس عظیم سرمایہ اور کاروبار کی توجیہ نہیں ہو سکتی جس کا ذکر ابھی آپ سیکھیں گے۔

**اس معصومہ کا حل** ہاں امام کی زندگی میں ہم ایک اور خاص چیز کو پاتے ہیں۔ چاہا جائے تو اسی سے اس معصومہ کو حل کیا جاسکتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک جگہ نہیں متعدد مقامات میں امام کے سوانح نگاروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ لوگ امام کے پاس "ذوائع" یعنی امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ حضرت زید بن علی نے بنی امیہ کے مقابلہ میں خروج کا جب ارادہ کیا جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئندہ آ رہا ہے اور حضرت زید نے امام کو بھی اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی تھی تو آپ نے اس کے جواب میں بیش قرار قہمی امداد کے ساتھ چند باتیں بطور عذر جو کہلا بھیجی تھیں ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ۔

حبستنی وذائع الناس (المکوری ص ۵۵) لوگوں کی امانتوں نے مجھے روک رکھا ہے

بیچ پوچھے تو اسی فقرے نے میرے دل میں اس سوال کو اب تازہ اٹھایا۔ خیال یہ گذرا کہ ایک ایسی شدید دینی ہم میں شرکت کے لئے امام کو دعوت دی جاتی ہے۔ دعوت دینے والی ہستی وہ ہے کہ خود حضرت امام کا قول تھا

خروجی صاھی خروج رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر وقت موتی  
انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کی ہم کے لئے نکلنا اسی  
کے مشابہ زید بن علی کی ہم ہم جس کیسے ہوتے وہ نکلے ہیں  
اسی روایت میں ہے کہ حضرت زید کی جب شہادت اسی راستہ میں ہوئی جس کی تفصیل  
انشاء اللہ آگے آتی ہے تو ایک دو دفعہ نہیں بلکہ امام کے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ۔  
جب کبھی زید کی شہادت کا تذکرہ ہوتا تو امام رونے لگتے

اے حضرت زید کے شہید ہو جانے اور وہ ہی اس بے کسی کے ساتھ شہید ہو جانے کا خیال امام کو جب آتا تو رو دیتے تھے۔ ان لوگوں کے لئے جو حضرت زید کے جد امجد امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے متعلق اسی کیفیت کو اپنے اندر رکھتے ہیں یعنی واقعہ کر بلا جب یاد آجاتا ہے تو بے اختیار ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کیا امام ابو حنیفہ کی یہ حالت ان کے لئے نمونہ بن سکتی ہے؟ واقعہ تو یہ ہے کہ کہا و جبراً بلکہ بعض اشک اور عریقات کو استعمال کر کے رو نایا رونے والوں کی صورت بنانا یقیناً قابل اعتراض ہے لیکن واقعات کر بلا، اضطراب، تاثر پیغمبر اور پیغمبر کے اہل بیت سے قلبی تعلق کی دلیل ہے خود امام کے رجحانات کا بھی اس سلسلہ میں کچھ پتہ چلتا ہے۔

ان ہی روایتوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلی قسط حضرت زید کی خدمت میں امام نے جو پیش کی تھی وہ دس ہزار کی رقم تھی سوال یہی ہوتا تھا کہ امانت و ولایت کا قاعدہ عموماً اتفاقی طور پر پیش آتا ہے مثلاً سفر حج یا کسی دوسرے سفر میں کوئی جانے لگتا ہے تو کسی معتبر آدمی کے پاس بطور امانت کے تھوڑی بہت چیز رکھوادی جاتی ہے امام کے پاس بھی اسی قسم کی کچھ امانتیں ہوں گی لیکن اس قسم کی معمولی امانتوں کی حفاظت کے لئے ایسی عظیم و بڑی ہم کی شرکت سے اپنے آپ کو محروم کر لینے کی معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجئے جیسا کہ اسی روایت میں ہے کہ امام نے فرمایا کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ پر میں نے اصرار کیا کہ ان امانتوں کو اپنے ذمہ میں لیں لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا لیکن کوڑ جیسے شہر میں اور بھی بیسیوں معتبر بستیاں مل سکتی تھیں جن کے یاں ان امانتوں کو محفوظ کر کے امام رحمۃ اللہ علیہ اس جہاد فی سبیل الحق میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کر سکتے تھے اسی قسم کے سوالات جب دل میں آئے تو میں نے ان دو لیتوں کے متعلق تحقیق شروع کی کہ کنا و کینا ان کی نوعیت کیا تھی؟ تاریخ یا دوواشتوں نے جس مراد کو اس سلسلہ میں میرے سامنے پیش کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ان ہی کے مطالبہ نے میرے دماغ کو ایک خاص خیال کی طرف منتقل کر دیا یعنی حضرت امام کے لئے اتنے بڑے پیمانے پر تجارت کی تنظیم کا امکان کیسے پیدا ہوا؟ اس سوال کے جواب کی ایک ممکنہ صورت میرے سامنے آگئی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ لکھنے والے کو عام طور پر صرف اتنا لکھ کر چلے جاتے ہیں کہ امام کے پاس بعض لوگ اپنی امانتیں اور ذوالع رکھوایا کرتے تھے لیکن ان امانتوں کی مقدار کیا تھی اور امام کے پاس یہ کس حیثیت سے رکھے جاتے تھے؟ خصوصی توجہ سے یہ سوالات عموماً محروم رہے۔ لیکن سنئے پہلا سوال یعنی امام کے پاس امانت کے ان رقوم کی تعداد کہاں تک پہنچ جاتی تھی۔ بالاتفاق امام کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ

مات ابوحنیفہ و فی بیتہ للناس  
و ذالحمسین الف و چہا موف

امام ابوحنیفہ کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت ان کے

گھر میں پچاس بلین دیا پانچ کروڑ کی امانتیں لوگوں کی بخش

جس کے معنی یہی ہوئے کہ وفات کے بعد امام کے گھر سے امانت کی مدد کے رقوم جو نکلے ان کی تعداد

(۵۰۰۰۰۰) یعنی پانچ کروڑ تھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مذکورہ بالا رقم وفات کے بعد آپ کے گھر سے نکلی ہے

غور کرنے کی بات ہے کہ امام کی وفات جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے ستر کی عمر میں ہوئی ہے۔

امام جیسے محتاط آدمی کے متعلق اگر یہ خیال کیا جائے کہ اپنی پیرا نہ سالی کا خیال کر کے انہوں نے

کوشش کی ہوگی کہ زندگی ہی میں حتی الوسع لوگوں تک ان کی امانتیں پہنچا دی جائیں تو یہ بے بنیاد خیال نہیں

ہو سکتا ہے۔ بڑھاپے میں عام معمولی کردار و سیرت رکھنے والی بستیاں جب یہی کرتی ہیں تو امام کے متعلق اس

قسم کی توقع بے جا توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی بنیاد پر میرا خیال ہے کہ یہ پانچ کروڑ کی رقم امام کے پاس دینے والے

کے بعد رہ گئی ہوگی۔ اور بالفرض اگر یہ نہ بھی ہو جب بھی اس زمانے کے لحاظ سے شہر کے ایک خوش باش شہری

کے پاس پانچ پانچ کروڑ کی امانتوں کا رہنا کیا معمولی بات ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں بھی جب بومیہ

کی قیمت بہت گرتی ہے مشکل ہی سے افراد کے پاس سے بد امانت اتنی رقم مرنے کے بعد نکل سکتی ہے۔

بہر حال میرا خیال تو یہی ہے کہ امام کے پاس اس سے زیادہ کہیں زیادہ رقوم بطور امانت کے رکھے



جائے تھے۔ اور یہ رقم مرنے کے بعد صرف ان لوگوں کی رہ گئی تھی جن تک کسی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں امام  
 ان کی امانتوں کو واپس نہ فرما سکے تھے جن کی امانتیں ہوں گی وہ کوفہ سے باہر ہوں گے یا ایسے نابالغ بچوں  
 کسی امانتیں رہ گئی ہوں جو ابھی سن رشد کو نہ پہنچے ہوں۔ آخر خیال تو کیجئے بیان کرنے والے جب یہ بیان کرتے ہیں کہ  
 ان رجلا دھانا اور عند ابی حنیفة  
 مائة الف وسبعين الف در صد ۲۲ مرفوع  
 ایک تیلی نے امام ابو حنیفہ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درم  
 بعد امانت جمع کی تھی۔

جب ایک تیلی ایک لاکھ ستر ہزار کی رقم امام کے پاس محفوظ کر سکتا تھا تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ  
 دوسرے صاحبان حیثیت کے امانتی کھاتوں کا کیا حال ہو گا؟ افسوس ہے کہ مورخین نے اس مسئلہ کو مقصود  
 بالذات بنا کر واقعات کے درج کرنے کی کوشش نہیں کی ذیلی اور ضمنی طور پر کسی دوسرے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے  
 اتفاقاً ان اعداد کا ذکر بھی لوگوں نے کر دیا ہے اس قسم کے ضمنی بیانات اور بھی ملتے ہیں لیکن میرا جو مقصد ہے  
 اس کے لئے مذکورہ بالا بیانات اور شہادتیں کافی ہیں۔ یعنی حضرت امام کے پاس "امانت" اور "ودیعت"  
 کی راہ سے لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں کا سرمایہ جمع ہو گیا تھا اور جمع ہوتا رہتا تھا مشہور امام فقہ و حدیث  
 و کیس بن الجراح کے صاحبزادے سفیان سے جو یہ منقول ہے کہ ان کے والد وکیع کہتے تھے  
 کان ابو حنیفة عظیم الامانة ۲۲ مرفوع  
 امام ابو حنیفہ بہت بڑے تھے امانت میں

اگر اس کا یہ مطلب بھی لیا جائے کہ بکثرت لوگوں کی امانتیں اور ودائع آپ کے پاس جمع ہوتے تھے  
 تو حیات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عام مورخین نے امام کے جو حالات بیان کئے ہیں ان کا  
 عام مخلوق کے ساتھ جو برتاؤ تھا۔ اگر یہ واقعات صحیح ہیں اور نہ صحیح ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ کہا جائے  
 تو کہا جاسکتا ہے کہ تو اترا نہیں تو شہرت کی حدود تک اس قسم کی روایتیں ہو چکی ہوتی ہیں مثلاً بطور کلیہ  
 کے امام کی یہ عام عادت بیان کی جاتی ہے۔ قاضی ابو یوسف کی روایت ہے کہ  
 کان ابو حنیفة لا یکاد یسأل حاجة  
 الامام ابو حنیفہ کا حال یہ تھا کہ کوئی حاجت جو ان پر پیش  
 کرنے والے پیش کرتے مشکل ہی سے ایسی کوئی حاجت ہوگی  
 جسے وہ پوری نہ کر دیتے ہوں۔

خیاں کرنے کی بات ہے کہ جس کا حال یہ ہو لوگوں میں ہر دو لغز نری اور اعتماد کی کیفیت جس حد تک اس کے  
 متعلق عام ہو کم ہے اسی طرح امام کی اس عام عادت اور فطرت کا بھی ذکر کیا جائے کہ ان کے حلقہ میں کوئی  
 ایسا آدمی اگر بیٹھا جاتا جو عموماً آپ کے حلقہ کا آدمی نہ ہوتا تو لکھا ہے۔  
 فاذا قام سال عنه فانت کانت جده فاقه  
 فضله وان مرض عا ح ۲۵۰ مرفوع ۱۷

جب وہ اٹھ کھڑا ہوتا تو اس سے دریافت کرتے، اگر اس کی  
 کوئی ضرورت ہوتی تو اسے پوری فرماتے کسی کی بیماری کا حال  
 اس سے معلوم ہوتا تو عیادت کرتے

اور یہ حال تو اجنبی لوگوں کے ساتھ تھا بعض قصے اس سلسلہ میں تو ایسے بیان کئے جاتے ہیں کہ ان  
 پر افسانہ ہونے کا وہیہ کہ ہوتا ہے لیکن ان کے تقریباً اکثر سوانح نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قصہ تو



طویل ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ کوفہ میں ایک صاحب پہلے خوش حال تھے لیکن زمانہ کی گردش میں مبتلا ہوئے آدمی غیرت و حمیت والے تھے جن طرح گذر رہی تھی گزار رہے تھے ایک دن ان کی چھوٹی بچی تازہ تازہ گلڑیوں کو دیکھ کر چلاتی ہوئی گھرائی۔ ماں سے گلڑی لینے کیلئے پیسے مانگے لیکن افلاس اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ ان گلڑیوں کے لئے بھی ماں پیسے نہ دے سکی۔ لڑکی کا باپ بیٹھا ہوا اس تماشے کو دیکھ رہا تھا آنکھوں میں آنسو بھرائے۔ اور سٹے کیا کہ کسی سے امداد حاصل کرنی چاہیے مورخین نے اس موقع پر لکھا ہے کہ

وقصد مجلس البركة وهو مجلس  
ابن حنیفة

”مجلس البركة“ کا اس نے ارادہ کیا ”اور مجلس البركة“  
امام ابو حنیفہ کی مجلس کا نام تھا

بہ ظاہر اس کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ امام کی مجلس کوفہ میں ”برکت کی مجلس“ کے نام سے مشہور تھی جہاں سے کچھ نہ کچھ نے کرسی آدمی اٹھتا تھا وہ اپنی یا دنیوی یا دینی یا روحانی نفع کچھ ہی ہو۔ بہر حال آنے کی حد تک تو بے چارہ کسی طرح مجلس برکت تک وہ آ گیا لیکن جس نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا اس کی زبان کھل نہ سکی۔ بار بار کہنے کا ارادہ کرتا لیکن طبعی شرم و حیا زبان کو روک دیتی آخر یوں ہی اٹھ کر چلا گیا لیکن امام کی نگاہ سے اس کے دل کی کیفیت کیسے چھپ سکتی تھی۔ لکھا ہے کہ اس کے چہرے سے امام نے تار لیا کہ یہ بیچارہ کوئی حاجت مند ہے۔ شرافت کی وجہ سے اپنی حاجت کہہ نہ سکا جب اٹھ کر جانے لگا تو امام صاحب بھی پیچھے پیچھے اس کے روانہ ہوئے جس گھر میں داخل ہوا تھا اس کو خوب پیچاں لیا۔ جب رات بھگیا گئی تب امام صاحب اپنی آستین میں روپے کی ایک تھیلی جس میں کہا جاتا ہے کہ پانسو درم تھے لیکر روانہ ہوئے اور اس کے دروازے پر پونج کر گئی کھٹکھٹائی۔ اندھیرا کافی تھا۔ بے چارہ باہر نکلا کہتے ہیں کہ امام صاحب اس کی درہلیز پر تھیلی کو رکھ کر اٹھے پاؤں یہ کہتے ہوئے واپس آئے۔

”دیکھو تمہارا دروازہ پر تھیلی پڑی ہوئی ہے یہ تمہارے ہی لئے ہے“

تھیلی تو اس نے اٹھالی لیکن تپہ نہ چلا کہ کون تھا جو اس طرح دے کر چلا گیا۔ بیوی کے پاس گیا تھیلی کھولی گئی پانسو درم کے ساتھ ایک پرزہ ملا کہ :-

هذا المقدار جاء به ابو حنیفة الیك  
من وجد حلال فلیقرع بالک ۲۶۲

ابو حنیفہ اس رقم کو لیکر تیرے پاس آیا تھا یہ حلال ذریعہ سے  
حاصل کی گئی ہے چاہیے کہ اس سے اپنے قلب کی فراغت میں کام لو

اے لکھنے والوں نے اس کی توجیہ میں کہ جب امام صاحب اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے تو یہ پرزہ تھیلی میں کیوں ڈالا ہوتا  
سنی باتیں کہی ہیں لیکن بات تو کہلی ہوئی ہے اس قسم کے مال میں بیسیوں احتمالات ہو سکتے تھے، اور ان احتمالات کی وجہ سے بے چارہ  
ممکن تھا کہ خرچ ہی کرنے سے بچکچکا تا۔ یا خرچ کرنے کے بعد دل میں اس طرح طرح کے وسوسے آتے رہتے کہ کون دے گیا تھا  
کیوں دے گیا، کیا کوئی دہوکہ دینا چاہتا ہے۔ یا کسی الزام میں گرفتار کرانا چاہتا ہے، اس پرزے کے بعد یقیناً اس کو  
اطمینان ہو گیا ہو گا یا آئندہ کے لئے اس کو مبتلا نامقصود تھا کہ تم حاجت لے کر آؤ گے تو نقدی کیسی ملے گی۔



قاضی ابو یوسف امام کی اس عام عادت کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے

كان ابو حنیفہ شدید البرکل  
من عرف وكان یهدب للرجل خمین  
دیناراً او اکثر فاذا شکره بخصر  
قورمہ ذلت ۲۶۳

اپنے جاننے والوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ حسن سلوک کے  
عادی تھے لوگوں کو پچاس پچاس اثنرتی یا اس سے زیادہ  
دیتے لیکن دوسروں کے سامنے اگر وہ امام کا شکر یہ ادا  
کرتا تو ان کو تکلیف ہوتی تھی

یہ بھی فرماتے کہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ روزی تم تک پہنچائی ہے کہتمے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی حدیث تم نے نہیں سنی

انما فاخازت اضع حیث امرت

میں تو صرف خبر پہنچی ہوں جہاں حکم دیا جاتا ہے وہاں سے  
رکھ دیتا ہوں۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں تحفے تحائف کے بانٹنے کا بھی امام کو بہت شوق تھا سفیان بن  
عینیہ کا براہ راست قول لوگ نقل کرتے ہیں کہ  
لقد وجه الی بہدایا استوحشت  
من کثرتھا

اس قدر تحفوں اور ہدیوں کی بھرمار ابو حنیفہ کی طرف سے

سیر پاس ہوئی کہ اس کی کثرت سے میں گھبرا اٹھا

کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے کسی سے اس کی شکایت بھی کی سننے والے نے کہا کہ سعید بن ابی عروبہ کے  
پاس امام صاحب کے تحفے جو پہنچتے رہتے تھے اگر تم ان کو دیکھتے تو خدا جانے کیا کہتے پھر اس نے کہا کہ  
ما کانت یدع احد من المحدثین  
الا برة براء واسعاً ۲۶۴

میر چشمی کے ساتھ حسن سلوک کے بغیر امام ابو حنیفہ کسی  
محدث کو نہ چھوڑتے

ایک عام قاعدہ ان کا یہ بھی تھا کہ کوئی ہدیہ یا تحفہ ان کے پاس بھیجتا تو جواب میں کہیں زیادہ بہتر  
قیمتی چیز اس کو بھیجتے۔ ایک شخص نے تین درم کی کوئی چیز تحفہ پیش کی اس کو پچاس درم کا ایک ٹکڑا خزانہ کا آپ نے  
بھیجا۔ امام کے سوانح نگاروں نے اس سلسلہ میں بھی کافی واقعات کتابوں میں درج کئے ہیں۔ حتیٰ کہ لکھا ہے کہ  
ان کی عام عادت تھی کہ

ہر سال مخصوص رقم کا سامان کو فہ سے بنوا دیتے اور بنوا دے سے چیزیں منگوا کر کو فہ

میں فروخت کرانے اس میں دین سے جو آمدنی ہوتی۔ اس سے پہلے تو کو فہ کے محدثین کے

کھانے پینے اور پہننے کا سامان خرید کر ان لوگوں کے پاس بھیجتے اس کے بعد سرمایہ اور منافع

کی جو رقم باقی بچ جاتی اسے بھی ان ہی لوگوں میں یہ کہتے ہوئے تقسیم فرما دیتے کہ۔۔

اپنی ضرورتوں میں خرچہ کیا کیجے اور شکر و تعریف خدا کے سوا

اور کسی کی نہ کیجے کیونکہ اپنے مال سے میں نے کچھ نہیں دیا

بلکہ آپ لوگوں کے متعلق مجھ پر خدا کا فضل ہوا اور آپ ہی

لوگوں کے ذمہ زدہ سرمایہ کے بہ منافع ہیں

انفقوا فی حوائجکم ولا تلحدوا الا اللہ

فانی ما اعطیکم من مالی شیئا وکن من

فضل اللہ علی فیکم وھذا ارجاح

بضائکم ۲۶۲ مرفق

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جو نکلتی تھی ممکن ہے کہ اسی کو سرمایہ بنا کر زکوٰۃ لگانے سے پہلے اس غرض سے کہ زیادہ بڑھ جائے یہ ترکیب امام نے اختیار کی تھی۔ شاید اسی لئے کہتے تھے کہ تمہارا سرمایہ کے یہ منافع ہیں۔ میل کچھ نہیں ہے اور یہ برتاؤ کچھ محدثین ہی کے ساتھ مختص نہ تھا۔ مسرین کلام جو کوذ کے صف اول کے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں امام کے معاصرین میں ہیں۔ ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کے دربار میں امام صاحب کے ساتھ یہ بھی عمرہ و قضا کے لئے بلائے گئے تھے جن کا ذکر آ رہا ہے ان کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بال بچوں کے لئے جب کوئی چیز خریدتے تو مشائخ و علماء کے لئے بھی وہی چیز ضرور خریدتے خود اپنے لئے جب کپڑا بنواتے تو علماء کے لئے بھی جوڑے تیار کراتے اسی طرح جس قسم کے فواکہ اور پھلوں کا موسم آتا۔ نا ملکن تھا کہ اپنے لئے..... اور اپنے گھر والوں کے لئے خریدتے اور علماء کو بھی وہی پھل خرید کر

دیکھتے

بلکہ خواجہ مسر کبھی فرماتے کہ

علمایا دوسروں کے لئے امام جو چیزیں خریدتے ان میں ہمیشہ اس کا لحاظ فرماتے کہ اچھی سے اچھی قسم کی ہوں لیکن خود اپنے یا اپنے عیال کی خریداری میں عموماً لاپرواہی اور سال سے کام لیتے؛ ص ۲۶۱

علاوہ علماء و محدثین کے عام گداگر فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ ان کا حسن سلوک عام تھا اپنے بیٹے حماد کو حکم دے رکھا تھا کہ دس درم کی روٹیاں خرید کر غربا میں روزانہ تقسیم کی جائیں۔ یہ بھی امام کی عادت بیان کی جاتی ہے کہ کھانے پر جب بیٹھے تو روٹی اور جو سالن ہوتا اس کو روٹی پر رکھ کر فقیروں کو بھیج دیتے۔ رہے تلامذہ اور ان کے اصحاب سوان کے ساتھ سلوک کی کیا نوعیت تھی آج دنیا میں اسانڈہ اور تلامذہ کے جو تعلقات ہیں ان کو دیکھتے ہوئے تو ان واقعات کا باور کرنا بھی مشکل ہے لوگوں نے ان کی یہ کلی عادت لکھی ہے۔

ہر طالب علم سے پوشیدہ طور پر اس کے حالات دریافت کرتے۔ کوئی ضرورت ہوتی تو اس کی تکمیل فرمادیتے جو ان میں بیمار ہوتا یا طالب علموں کے اقربا (ماں باپ وغیرہ) بیمار ہوتے تو ان کی عیادت کرتے جن کا انتقال ہو جاتا ان کے جنازے میں حاضر ہوتے کسی پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو امداد کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ ص ۲۵۷

خود ان کے تلامذہ نے امام کے حسن سلوک کے متعلق جو تذکرے کئے ہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے امام کے مشہور بصری شاگرد یوسف بن خالد السمعی ہیں ایک لطیف وہی بیان کرتے تھے کہ کسی حاجی نے امام کی خدمت ایک ہزار پاپوش بطور تحفے کے پیش کئے۔ یوسف کہتے ہیں کہ ایک دن یا دو دن اس پر گزرے ہوں گے کہ میں نے اہم کو دیکھا کہ اپنے صاحبزادے کے لئے بازار میں نینیں خرید رہے ہیں۔ میں نے تعجب سے عرض کیا کہ ابھی تو آپ کے پاس ہزار جوڑے تحفے میں آئے تھے اور آج بچے کیلئے جو تا خرید رہے ہیں۔ فرمایا کہ



میرا قاعدہ ان تحفوں کے متعلق یہی ہے کہ اپنے شاگردوں اور متوسلین پر تقسیم کر دیتا ہوں ۲۵۸  
 ان ہی یوسف بن خالد ہمتی کا بیان ہے کہ امام اپنے طلبہ کے لئے ہر جمعہ دعوت فرمایا کرتے تھے۔  
 طریقہ یہ تھا کہ۔

یطعم لہم الوان الطعام وکانت لایاکل  
 معنا و یقول انصرہ بنفسی لئلا  
 تعثموا ۲ ج ۸۹

طرح طرح کے کھانے دجنوں کے دن بکواتے لیکن کھانے  
 میں طلبہ کے ساتھ شریک نہ ہوتے کہتے کہ میں اپنے آپ کو اس  
 لئے الگ کر لیتا ہوں کہ تم لوگوں کی بے تکلفی جاتی رہے گی۔

علاوہ جمعہ کی دعوت کے بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے ان ہی طلبہ کے ساتھ۔  
 یبرہم فی الاعیاد ویرسل الی کل  
 واحد منہم علی قدر منزلتہ ۲۵۹ ج ۱

تہواروں کے موقع پر سب کے ساتھ حسن سلوک اور ہر ایک کے  
 رتبہ کے مطابق ان کے پاس چیزیں بھیجتے۔

انتہا یہ ہے جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے۔  
 طلبہ میں جن لوگوں کو ضرورت ہوتی ان کی شادی بھی امام کر دیتے اور شادی کے مصارف  
 خود ادا کرتے ۲۵۹ ج ۱

ان عام باتوں کے سوا طلبہ کے نام ماہوار وظائف بھی امام کے یہاں سے جاری تھے۔ لکھا ہے کہ  
 قد اجری علی جماعۃ من اصحابہ  
 کل شہر جرایۃ صوبی ما کان یواسیہم

ہر جماعت کے شاگردوں کو ماہوار وظیفے بھی امام کے  
 یاں سے ملتے تھے یہ عام حسن سلوک کے سوا تھا۔

انفرادی طور پر جن جن طالب العلموں کے ساتھ جو سلوک امام نے کیا ہے اور بعد کو ان لوگوں  
 نے بیان کیا ہے ان کی فہرست تو طویل ہے اسی سے اندازہ کیجئے کہ قاضی ابو یوسف کہتے تھے  
 وکانت یعولنی وعیالی عشرین سنۃ  
 ۲۱۱ معجم ج ۲

حسن بن زیاد جو امام کے ممتاز تلامذہ میں ہیں کہتے ہیں کہ  
 ”میں امام صاحب کے پاس پڑھا کرتا تھا میرے والد ایک دن امام صاحب کے پاس آئے اور  
 عرض کرنے لگے کہ حضور! میری چند بڑیاں ہیں۔ بڑیوں میں حسن کے سوا کوئی نہیں ہے۔  
 آپ ہی ان کو سچا ہے کہ کوئی ایسا دہندا اختیار کرے جس سے مجھے کچھ سہولت میرا آئے  
 حسن کا بیان ہے کہ جب میں حاضر ہوا تو امام نے فرمایا کہ  
 ”میاں حسن! آج تمہارے والد آئے تھے اور یہ یہ باتیں مجھ سے کہہ کر گئے ہیں“

اس کے بعد حسن سے امام نے فرمایا۔  
 کہ میاں تم تو پڑھنے میں لگے رہو میں نے کسی عالم کو بھوک مرتے نہیں دیکھا ہے  
 حسن کا بیان ہے کہ امام نے اس دن سے میرے لئے کچھ ماہوار اس وقت تک مقرر کر دیا جب تک میں  
 روزگار سے نہ لگ گیا ۲۶۲ ج ۱

واقعہ یہ ہے کہ ہر و لغزیزی کیے یا محبوبیت عامہ کے حصول کے لئے جو دستاویز و کرم سے زیادہ کارگر بنے خط نسخہ و نیا میں نہیں پایا گیا ہے۔ اس قسم کے نفوس سے ان ہی لوگوں کو محبت و اخلاص نہیں ہوتا جنہیں ان سے کچھ نفع پہنچا ہو۔ بلکہ تجربہ تصدیق کرتا ہے اور شاہدہ بتاتا ہے کہ ان کی محبوبیت عام ہوتی ہے نفع اٹھانے والوں کی محبت کی وجہ تو ظاہر ہے کہ آدمی فطرۃ احسان کا بندہ ہے لیکن ذاتی طور پر استغنیہ ہونے کا استیحا سے جنہیں موقعہ نہیں ملتا۔ ان کی محبت کی نفعیاتی وجہ ممکن ہے لوگوں کی غیر شعوری امید اور توقع ہو سبھا یہ جاتا ہے کہ ضرورت اگر پڑی تو سخی کی اس صفت سے میں بھی نفع اٹھا سکتا ہوں اور یہی توقع قلوب کو ان لوگوں کی طرف مائل کر دیتی ہے۔

سینکڑوں واقعات میں سے بطور نمونے کے حضرت امام کے جو دو کرم کے چند نمونے چھوڑے پیش کئے گئے ہیں ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس کا بچہ لینا بالکل آسان ہے کہ خلق اللہ کے غیر معمولی اعتماد کے حاصل کرنے میں حضرت امام کو کامیابی کیوں حاصل ہوئی تھی جس قسم کے واقعات تاریخوں میں امام کے متعلق درج کئے گئے ہیں میں تو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں سوچتا ہوں کہ اعتماد اور بھروسے کے سوا اس قسم کے آدمی کے ساتھ آخر لوگ کوئی دوسرا تعلق قائم ہی کیسے کر سکتے تھے خیال تو کیجئے کسی معمولی آدمی نہیں بلکہ مشہور شیخ الصوفیہ حضرت شتیق بلخی کی یہ چشم دید روایت نقل کی جاتی ہے کہتے تھے کہ میں ایک دن ابو حنیفہ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا استنہ میں دوڑتے آتا ہوا ایک آدمی ایسا معلوم ہوا کہ ہمارے طرف آ رہا تھا لیکن ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک دوسری گلی میں مڑ گیا شتیق فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی لیکن امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ اسی کو خطاب کر کے پکار رہے ہیں۔

جس راستہ پر تم آ رہے تھے اسی پر چلے آؤ دوسری راہ تم نے کیوں اختیار کی  
سننے کے ساتھ راہ گریٹھیر گیا استنہ میں ہم لوگ اس کے قریب پہنچے گئے۔ دیکھا کہ کچھ شرمایا شرمایا سا کھڑا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ امام اس سے کہہ رہے ہیں کہ تم نے اپنی راہ بدلی کیوں؟ جواب میں اس نے کہا کہ دس ہزار کی رقم آپ کی مجھ پر باقی ہے، او اگر نے میں غیر معمولی تاخیر مجھ سے ہو گئی ہے اور اس وقت تک مجھ میں او کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے، آپ کو دیکھ کر مجھے سخت ندامت ہوئی نظر برابر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا اس لئے دوسری گلی کی طرف مڑ گیا تھا شتیق کہتے ہیں کہ ادھر وہ بیچارا تو اپنا عذر پیش کر رہا تھا اور امام کو دیکھتا ہوں کہ اس سے فرما رہے ہیں  
”سبحان اللہ بس اتنی سی بات کے لئے تم نے مجھے دیکھ کر راستہ بدل دیا اور مجھ سے چھیننے  
کی کوشش کی“

خیر یہاں تک تو کوئی بات نہیں ہے آگے سنئے شتیق ہی راوی ہیں کہ میں نے اس کے بعد سنا کہ امام دس ہزار کے اسی قرضدار کو کہہ رہے ہیں

قد و ہتہ منی کلہ ص ۲۶ ج ۱  
میں نے اپنی طرف سے جاویدہ رقم نہیں مہیہ کر دی۔  
کیا مطلب؟ دس بیس روپیہ نہیں دس دس ہزار کے قرض کو بغیر کسی دفعہ سوچ، پکار کے



ایک قلم معاف فرما دیا گیا اور فرض ہی کی معافی کی حد تک بات ختم نہیں ہو گئی۔ حضرت شفیق ہی کا بیان ہے کہ اس کے بعد امام صاحب خود ہی ان الفاظ میں اس قرضدار سے معافی چاہ رہے تھے کہ ”بھائی! مجھے دیکھ کر تمہارے دل میں ندامت یا دہشت کی جو کیفیت پیدا ہوئی، خدا کے لئے اس کو معاف کر دو“

وہی نہیں جس کے ساتھ امام نے بالکل خلاف توقع برتاؤ فرمایا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں جس کسی نے اس قصبے کو سنا ہو گا اضطراباً امام کی طرف سے اس کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوئی ہوگی اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ آج بھی میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ کو سن کر سننے والے میں سنسنی نہ پیدا ہو جاتی ہو، میں دوسروں کی تو نہیں کہتا خود میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اب آپ ہی بتائیے کہ اپنی امانتوں کو محفوظ کرانے کے لئے لوگوں کو امام سے زیادہ بہتر آدمی اور کون مل سکتا تھا اور کچھ اس قسم کا سلوک ان کا کسی خاص طبقہ کے ساتھ محدود نہیں تھا فاسق ہو، فاجر ہو حتیٰ کہ عقیدے کے اتحاد کی بھی امام کے حسن سلوک کے لئے شرط نہ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ امام ایک پختہ اعتقاد سنی تھے۔ لیکن کچھ دیر پہلے گزر چکا کہ ایک شیخ کو حضرت امام فارسی میں فرماتے ”توبہ! نہ بدروست ایں“

امام کی یہ ہر دو عزیزیاں جو ان کے ان قدرتی کمالات کے لازمی نتائج تھے بعضوں کا ان کو خود بھی بنا دیا تھا، حاسدوں کا گروہ شہر کے غنڈوں شہدوں کو آمادہ کر کے کہی کہی امام کو بری بھلی باتیں بھی سنوایا کرتا۔ لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ کہی امام نے ان لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا ہو۔ سوانح نگاروں نے معتبر ذرائع سے اس قسم کے بیسیوں واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض واقعات اس سلسلہ میں عجیب اور دلچسپ ہیں۔ لکھا ہے کہ ان ہی غنڈوں میں سے ایک شخص نے امام کا برابر راہ سخت ست کہتے ہوئے پیچھا کیا چاہتا تھا کہ امام بھی اس کی پاؤں گونپوں کے جواب میں کچھ کہیں۔ لیکن سچا اس کے سر جھکا، امام صاحب گھری کی طرف بڑھتے رہے حتیٰ کہ گھر میں ٹھس گئے۔ غنڈا امام کی اس حرکت پر کچھ کھسیا نا سنا ہو کر کہنے لگا کہ

”کیا مجھے کوئی کتا فرض کر لیا ہے کہ بھوک رہا ہوں اور جواب بھی نہیں دیتے ہو“

کہتے ہیں کہ اس کے کہنے پر ہلکی سی آواز اندر سے آئی کہ اور کیا سمجھوں؟ اسی قسم کے ایک واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ امام جب اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے تب خطاب کر کے اس سے فرمانے لگے، ”تو بھائی! اب میری جو بی آگئی۔ اندر چلا جاؤں گا، جی اگر نہ بھرا ہو تو، میں ہڑ جاتا ہوں“

اپنی بھڑاس اچھی طرح نکال تو

ظاہر ہے کہ اس قسم کے جوابوں کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہ امام کے سامنے بھی پیش آتا تھا یعنی بسا اوقات اس قسم کے لوگ اپنے کئے پر ناوم ہو کر تائب ہو گئے۔

اسی قسم کے ایک شرابی کا قصہ عام طور پر مشہور بھی ہے، موری تھا امام کے پڑوس میں رہتا تھا۔

دن بھر بازار میں کام کرتا لوٹتے ہوئے پینے پلانے کا سامان لے کر گھر آتا۔ رات بھر نشہ کی حالت میں بکواس لگایا کرتا۔ مشہور ہے کہ اس شعر کو بکثرت نشہ کی حالت میں پڑھتا

اصاعونی واتی حتی اصاعوا۔ لیوم کویہا و سدا دثغر  
یعنی لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور کیسے گبر و جوان کو ضائع کیا۔ کٹھن دنوں میں اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت میں جو کام آسکتا تھا

محلہ وائے اس کی ان ہنگامہ آرائیوں سے تنگ تھے آخر پولیس ایک دن اس موچی کو پکڑ کر لینگئی اور بے چارہ جیل چلا گیا۔ رات جب ہوئی تو امام کے کانوں میں اس کی آواز حسب دستور نہ آئی اور یافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قید ہو گیا کہتے ہیں کہ اپنے اس ناسق و فاجر پڑوسی کی اس مصیبت سے امام اس درجہ متاثر ہوئے کہ خلاف دستور اپنے بلند مقام کا خیال کئے بغیر سیدھے کچھری پہنچے۔ کچھری میں کھل ملی عج گئی کہ امام ابوحنیفہ آج یہاں کیسے آگئے ہیں حاکم کو اطلاع ہوئی اجلاس چھوڑ کر باہر نکل آیا اور جیسا کہ چاہیے بڑی تعظیم و توقیر کے ساتھ اندر لے گیا۔ امام سے اس نے پڑھا بھی تھا۔ بہر حال تعجب سے اس نے پوچھا کہ حضرت کے قدم رنجہ فرمانے کی وجہ کیا ہوئی سن کر بیچارے کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب امام نے فرمایا کہ میرے محلہ کا ایک موچی جو میرا پڑوسی ہے پولیس والوں نے اس کو گرفتار کر کے جیل بھیجا۔ دنیا ہے۔ میں حاضر ہوا ہوں کہ میری ذمہ داری پر آ اب کی رہا کر دیا جائے۔ بھلا اس میں عذر کی گنجائش ہی کیا ہو سکتی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ موچی جب جیل سے باہر آیا تو دیکھا گیا کہ امام اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں

”کیوں بھائی! میں نے تو تمہیں ضائع ہونے نہیں دیا“

موچی بے چارہ آنکھیں چہرے کے کہہ رہا تھا۔

ایسا سیدی و مرای لا ترانی بعد۔ نہیں میرے سردار! میرے آقا! آج کے دن سے آپ مجھ  
الیوم فعل شیئا تاذی بہ۔ ایسی حرکتوں میں مبتلا نہ پائیں گے جن سے آپ کو اذیت ہوتی تھی  
کہتے ہیں کہ تو بہ میں وہ سچا ثابت ہوا۔ امام صاحب کے حلقہ میں آنے لگا۔

الحی ان صار من فقهاء الکوفة ۲۲۵ ج ۱ تا اس کے کوذ کے فقہ میں شمار ہونے لگا

اور یہ موچی تو خیر بہر حال مسلمان تھا ہم تو دیکھتے ہیں کہ حضرت امام کے ابر کرم حسن سلوک کی بارش کے لئے اسلام کی شرط بھی نہ تھی۔ ابن ابی کوال کے حوالہ سے صاحب معجم نے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ نے شفع لذی عند المنصور خمس  
حرات فی یوم واحد اربع حرات برسو  
والخامسة بنفسه حتی قضیت  
مصلحتہ ۱۶۸ معجم ج ۲  
ایک ذمی یعنی غیر مسلم کی جو اسلامی حکومت کا باشندہ تھا اسکی ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کے پاس ایک دن میں پانچ  
دفعہ سفارش کی چار دفعہ تو امام نے اپنے قاصد کو بھیج کر  
سفارش کی پانچویں دفعہ خود گئے اور سفارش کی تارین کہ  
اس کا کام ہو گیا

ذمی کی سفارش اور وہ اپنے اعدی عدو ابو جعفر منصور کے دربار میں حقیقت یہ ہے کہ یہ امام



ہی کا کام ہو سکتا ہے نفسیاتی اصول پر سوچنا چاہیے کہ اس قسم کی شخصیت کے ساتھ عوام میں نیاز و عقیدت کے جذبات جس حد تک بھی پیدا ہوں کیا ان پر تعجب کرنا چاہیے۔

خدا جانے اس زمانہ میں لوگ ان باتوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار بھی ہوں یا نہ ہوں۔ مگر ایسے روایت مثلاً امام الامم ابو بکر زبجری کے حوالہ سے امام کے سوانح نگاروں نے یہ روایت نقل کی ہے کہ

ایک صاحب نے امام صاحب سے آکر کہا کہ حضرت مجھے ایک ضرورت پیش آگئی تھی

صاف کیجئے گا میں نے آپ کی طرف سے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے فلاں تاجر کے نام رقم

لکھا کہ تیس اشرفیاں بطور قرض کے بھیج دو۔ اس نے بھیج دیں میں نے اس کو لیا ہے

کہتے ہیں کہ امام نے ان صاحب کی یہ بات سن کر بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے کہا تو یہ کہا کہ

”بھائی! میں نہیں سمجھتا کہ کسی سے نفع اٹھانے کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ

کو اس سے نفع پہنچا ہے تو مبارک ہو“ ص ۲۶۵

موضوع

اسی قسم کی ایک روایت امام ابوالمحسن مرغینانی کے حوالہ سے بھی مورخین نے درج کی ہے

حاصل جس کا یہ ہے کہ

خرجان کے گورنر کے نام امام صاحب کے کسی بٹے واسے نے ایک خط امام صاحب کی طرف

سے لکھا جس میں چار ہزار درم کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ خط پاتے ہی گورنر نے اسی وقت

چار ہزار کی رقم روانہ کر دی“ ص ۲۶۵ ج ۲

اس کی خبر بھی جب امام کو دی گئی تو وہی فرمایا جو پہلے شخص سے کہا تھا اور میں تو کہتا ہوں کہ

قطع نظر اس فراغ ولی کے ثبوت کے جو ان واقعات کا لازمی نتیجہ ہے۔ انہی واقعات سے اس ”اعتماد“ کا

حال بھی معلوم ہوتا ہے جو ادنیٰ اور اعلیٰ طبقات میں آپ کو حاصل تھا آخر خیال کرنے کی بات ہے کہ محض

ایک رقم پر تیس اشرفیاں اور ان سے بھی زیادہ ایک صوبہ کے والی کا چار ہزار کی خاطر رقم کا حوالہ کر دینا

کیا معمولی اعتماد کی شہادتیں ہیں۔

میں نے کچھ دیر پہلے امام صاحب کی تجارت کی یہ خصوصیت بیان کی تھی کہ چیزوں کی قیمت ان کے

پاس مقرر تھی اسی سلسلہ میں لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دن اتفاق سے امام صاحب اپنی دکان میں موجود

نہ تھے تلامذہ جو آپ کی دکان میں کام کرتے تھے ان میں کسی صاحب نے ایک گاہک کو مقررہ دام سے زیادہ

میں ایک کپڑا دیا۔ امام صاحب جب آئے اور فروخت کے حساب کو جب دیکھا تو اس کپڑے کی مقررہ

قیمت سے معلوم ہوا کہ دام زیادہ ہے۔ یہ گئے ہیں طالب علم کی طرف آپ نے غیظ کی نگاہ سے دیکھا۔ سننے والوں

کا بیان ہے کہ غصہ میں فرما رہے تھے۔

تقریباً الناس و انت صحتی نے دکانی ص ۱۹۹ تم لوگوں کو دھوکے دیتے ہو حالانکہ دکان میں میرا ساتھ رہتے ہو

کہتے ہیں کہ خریدار مذہب منورہ کا باشندہ تھا کپڑا خرید کر وہ مدینہ چاچکا تھا۔ امام کو یہ خیال سنا

رہا تھا کہ دھوکے سے یہ دام اس سے وصول کیا گیا ہے۔ یعنی اس نے تو اس اعتماد پر کہ امام کی دکان میں

ہر چیز کی مقررہ قیمت ہوتی ہے جو کچھ اس سے مانگا گیا اس نے دے دیا۔ اگر اس کو یہ اعتماد نہ دلا یا جاتا تو یقیناً کچھ کم کرانے کی کوشش کرتا۔ بہر حال قصہ کہاں تک صحیح ہے راویوں کا بیان ہے کہ امام نے خاص کر کے مدینہ کا سفر اختیار کیا اور معاملہ کو اس سے صاف کیا (یہ واقعہ آپ کے مناقب کی عام کتابوں میں پایا جاتا ہے) اور یہ تو خیر ایک اصول کی پابندی کا اقتضا تھا۔ ان ہی کتابوں میں لکھا ہے کہ بسا اوقات لوگ اپنا مال امام کی دکان پر بیچنے آتے بیچنے والا اپنے نزدیک نفع و غیرہ رکھ کر ایک دام بتاتا۔ لیکن خود امام صاحب کے نزدیک چیز زیادہ دام کی اگر ہوتی تو بیچنے والے سے فرماتے کہ نہیں تمہارا مال زیادہ قیمت کا ہے اور اگر کر کے اپنی مشخصہ قیمت کے لینے پر اس کو مجبور کرتے۔

بہر حال امام کی زندگی کے ان واقعات کے دہرانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ امانتوں اور واریتوں کے سلسلہ میں مورخین نے جن بڑی بڑی رقموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ ظاہر ان پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک عام خوش باش شہری پر لوگوں کو اتنا اعتماد کیسے تھا جو اتنی بڑی بڑی رقمیں ان کے پاس رکھوا سکتے۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ جن واقعات کا ذکر آپ کے سامنے کیا گیا ہے ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد انشاء اللہ تعجب باقی نہیں رہے گا۔ جس شخص کی معاملات کی صفائی عام ہمدردی سیر چشمی کا یہ حال ہو اگر دنیا اس کی حفاظت و ضمانت میں اپنے مال کو جمع کراتی تھی تو اس کے سوا ان حالات میں اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔

اور یہ تو خیر اعتماد و اطمینان کے اخلاقی وجوہ ہو سکتے ہیں مختلف قرآن و فتاویٰ کی روشنی میں ایک بات میری سمجھ میں جو آتی ہے اگر وہ صحیح ہے تو علاوہ اخلاقی اعتماد کے ایک بڑی اہم وجہ قانونی اعتماد کی بھی نکل آتی ہے اور اسی سے یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ ان واریتوں کی نوعیت کیا تھی؟ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کے عرض کرنے سے پہلے فقہ حنفی کے ایک قانون کو سمجھ لینا چاہیے۔ اتنا تو شاید لوگ جانتے ہوں گے کہ علاوہ فصل خصومات اور عدل و انصاف کے مسلمانوں

سے صحابہ میں یہ حال حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ یہ حدیث روایت کرتے یعنی فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان ہونے کے جہ سے ایک دفعہ اور بیعت اس بات کی کہ ہر مسلمان کی بھی خواہی کروں گا (انصاف نکل مسلم) اسی عہد کے ایثار کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی مسلمان سے کوئی چیز اگر خریدتے اور دام وہ اتنا بتاتا جو ان کے نزدیک چیز کی خوبیوں کے لحاظ سے کم ہوتا۔ تو اس کو ہدایت کرتے کہ اتنا دام کم ہے میرے نزدیک صحیح قیمت اس کی یہ ہے۔ بعض بعض دفعہ ایک ایک ہزار کی چیز کئی ہزار تک اسی رد و قدر میں پہنچ گئی۔ مگر دنیا اب ان روایتوں کو افسانہ سے شاید زیادہ خیال نہ کرے۔ عام قاعدہ تو یہی ہے کہ خریدار قیمت کو کم کرانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جن لوگوں نے اپنی کوشش کا محور صرف اپنے پیغمبر کی ہدایتوں کی تعمیل قرار دے رکھا تھا وہ اگر اس عام دستور کی پابندی نہ کیسے تھے؟۔ لہذا اس فیما بین عشق و مذہب امام رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا طرز عمل مسلمانوں کے اسی بھی خواہی پر مبنی تھا۔



کے قاضیوں کے متعلق چند دوسرے کام بھی اسلامی عہد میں سپرد کئے جاتے تھے جن میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اپنے اپنے علاقہ کے یتیموں کی جائداد کو قاضی اپنی نگرانی میں حکومت کی طرف سے لیا کرتا تھا اس سلسلہ میں وفات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے مجھے اس وقت اسی سلسلہ کے ایک مسئلہ سے عرض ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یتیموں کا جو مال قاضی کی امانت میں رکھا جاتا ہے اس مال کی حفاظت کی ایک صورت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ

يقرض القاضی اموال الیتیمی (قدوری و ہدایہ وغیرہ) قاضی یتیموں کے مال کو قرض پر لگا دیا کرے

وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ صرف بد امانت اگر مال رکھا جائے گا تو نقصان ہو جانے کی صورت میں

مثلاً چور چرا کرے بھاگے یا اس قسم کے حادثوں کا شکار ہو جائے تو قانوناً اس کا معاوضہ نہیں لیا جاسکتا کیوں کہ بد امانت میں جو چیز رکھی جاتی ہے اس کو قانوناً اس چیز کا ضامن نہیں قرار دیا گیا ہے۔ یعنی نقصان ہو جانے کی صورت میں امین سے معاوضہ یا تاوان وصول نہیں کیا جاسکتا لیکن بجائے امانت کے وہی مال بطور قرض کسی کو دے دیا جائے تو قرض لینے والا بہر حال اس مال کا ضامن بن جاتا ہے اسی لیے یتیموں کے حقوق کو اتفاقی آفات و حوادث سے محفوظ کرنے کی یہ صورت نکالی گئی ہے کہ وصولی کے متعلق ممکنہ حد تک اپنے آپ کو مطمئن کر لینے کے بعد یتیموں کے اس مال کو جو قاضی کے پاس بد امانت رکھا جاتا ہے۔ قرض پر لگا دیا کرے۔ اصلی فائدہ تو اس طریقہ کار کے اختیار کرنے میں یتیموں ہی کا مقصد ہے۔ لیکن ضمناً عام مسلمانوں کے لئے بغیر سوز و غم قرض کی ایک صورت محکمہ قضا میں نکل آتی تھی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اس مسئلہ کے مختلف دقیق پہلوؤں کے متعلق فقہ کی کتابوں میں مسائل لکھے گئے ہیں لیکن میرے لئے مسئلہ کا صرف اتنا جز کافی ہے۔ یعنی حاصل اس مسئلہ کا یہی نکلتا ہے کہ امانتوں کو حوادث و آفات سے بچانے کی صورت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکالی تھی کہ بجائے امانت کے ان کو قرض کی شکل عطا کر دی جائے۔ ایسی صورت میں وہ شخص جس کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے غیر ضامن امین نہیں بلکہ ضامن قرض دار بن جاتا ہے۔ یعنی نقصان ہو جانے کی صورت میں ایک ایک پیسے کے ادا کرنے کا وہ ذمہ دار ہے۔

خیال یہی گزرتا ہے کہ جب امام نے یتیموں کی حفاظت کا یہ قانونی طریقہ پیدا کیا تھا تو عام مسلمانوں کی جو امانتیں امام کے پاس رکھوائی جاتی تھیں ان امانتوں کے متعلق بھی اگر حفاظت کے اسی طریقہ کو امام نے اختیار فرمایا ہو تو جہاں تک عقل کا اقتضا ہے یہی ہونا بھی چاہیے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ امانت رکھنے والوں سے صرف اتنی بات کہدینی کہ کسی کاروبار میں اگر اس رقم کو لگاؤں تو مجھے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ گویا ایسی اجازت کو مال کی حفاظت کا صلہ قرار دیا جائے تو یہ کہنے کے ساتھ ہی امانت بجائے امانت کے فوراً قرض کی صورت اختیار کرنے کی خواہ لفظ قرض کا استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے جتنی کہ یہ مسئلہ ہے کہ مضاربت یعنی محنت ایک کی اور سرمایہ دوسرے کا اسی معاملہ کو مضاربت اور قرض کہتے ہیں) کا لفظ بول کر اگر سرمایہ والا کہے کہ مجھے نفع سے

بحث نہیں صرف میرا اصل سرمایہ واپس ہونا چاہیے۔ یعنی سہلہ کی صورت میں ہو کہ  
 شرط رب المال للمضارب کل  
 سرمایہ دار اپنے سرمایہ کے کل منافع کو محنت والے  
 (مضارب) کے لئے اگر محقق کر دے یعنی اسی شرط پر مضاربت  
 العزم كان المال قرضاً۔

و خلاصہ اشباہ اتحاف البصائر (۲)  
 کاما ملہ سے پتا تو یہ سرمایہ مضارب کے ذمہ قرض قرار پا جائیگا  
 جہاں تک میرا خیال ہے زیادہ تر امام صاحب کی ودیعتوں اور امانتوں کی یہی نوعیت معلوم ہوتی  
 ہے۔ اور یہ نظام امام صاحب کی اس وسیع تجارت کا راز ہی تھا۔ اس غیر معمولی اعتماد کی بدولت جو خلق اللہ میں  
 ان کو حاصل تھا۔ بکثرت لوگ آپ کی حفاظت میں اپنے سرمایہ کو دیدیتے تھے۔ یہ خیال کر کے صرف مد  
 امانت میں رکھنے کی وجہ سے حفاظت کی ضمانت کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ امام کاروبار کرنے کی  
 اجازت عموماً امانت رکھانے والوں سے لیکر اس ضمانت کو پیدا کر کے ایک طرف ان کے مال کی حفاظت کی  
 انتہائی اطمینان بخش صورت پیدا کر لیتے تھے۔ اور دوسری طرف ان کو وسیع سے وسیع پیمانے پر تجارت کرنے کیلئے  
 اس راہ سے بے تحاشہ سرمایہ مل جاتا تھا۔ شاید امام کے اسی طریقہ کو دیکھ کر ان کے ہم عصر رقیب عالم ابن  
 ابی لیلیٰ جن کا تفصیلی حال آگے آ رہا ہے وہ جہاں امام پر الزام عائد کرانے کی مختلف ترکیبیں اختیار  
 کرتے تھے۔ جن میں بعض تو ناگفتہ بہ ہیں ان ہی ترکیبوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص  
 سے امانت امام کے یہاں رکھوائی گئی اور یہ امانت قاضی ابن ابی لیلیٰ ہی کے توسط سے سپرد کی گئی۔ لکھا ہے  
 کہ توڑے پر قاضی صاحب نے اپنی ہر وغیرہ بھی لگائی اور یہ شرط لگا دی گئی کہ اس کو امانت ہی کی مد میں  
 رکھا جائے۔ قاضی صاحب کی یا امانت رکھوانے والے کی یہ بدگمانی تھی کہ باوجود اس شرط کے حسب عادت  
 امام اس سے ضرور استفادہ کریں گے۔ اور یہی گرفت کا موقع ہو گا کہ صاحب امانت کی اجازت کے بغیر  
 اس سے استفادے کا تم کو کیا حق تھا۔ اس کے بعد جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے کارروائی یہ کی گئی کہ ابن  
 ابی لیلیٰ جو اس زمانہ میں کوفہ کے قاضی تھے۔ ان کی اجلاس میں ایک صاحب نے یہ دعویٰ دائر کر دیا۔ فلاں  
 بن فلاں کی جو امانت ابو حنیفہ کے پاس رکھوائی گئی تھی۔

رحمہ اللہ ایسہ بیچتا  
 امام نے اپنے صاحبزادے کے حوالہ امانت کی یہ رقم تجارت  
 کرنے کے لئے کر دی ہے۔

قاضی صاحب تو شکر ہی میں تھے۔ فوراً امام کے نام وارنٹ طلبی کا جاری ہوا امام حاضر ہوئے  
 دعویٰ سنایا گیا۔ ظاہر ہے کہ امام بھی محتاط رہتی اس امانت میں کیسے تصرف کر سکتی تھی۔ آپ نے صاف  
 انکار کیا اور کہا کہ اپنا آدمی بھیج کر دیکھ لیجئے۔ آپ کی تو ہر توڑنے پر کی ہوئی ہے۔ اگر تصرف اس امانت  
 میں ہوتی۔ تو ہر کا ٹوٹ جانا یقینی تھا قاضی ابن ابی لیلیٰ سے امام نے کہا کہ اپنا آدمی میرے ساتھ  
 کیجئے چل کر دیکھئے کہ ہر آپ کی لگی ہوئی ہے یا نہیں۔ آدمی بھیجا گیا اس کا بیان ہے کہ اس مکان  
 میں جہاں امانت کے رقم تھے بے شمار تمبلیاں بھری ہوئی تھیں۔ آخر امام نے تلاش کر کے وہ توڑا  
 نکالا دیکھنے والے کا بیان ہے



بجسہ اپنی ہر کے ساتھ توڑا رکھا ہوا تھا

واپس لوٹ کر قاضی ابن ابی لیلی کے اجلاس میں اس نے جو رپورٹ پیش کی اس کے الفاظ یہ تھے

قد رأیت الودیعة بعینھا

میں نے دیکھا کہ جس امانت کے متعلق تصرف بجا کا اتہام امام پر

مختومه

لگایا گیا ہے وہ بجسہ ہر توڑا کے ساتھ موجود ہے۔

غیر یہ تو اس کی شہادت اس خاص امانت کے متعلق تھی جس کے موائنہ کے لئے عدالت نے

اس کو مقرر کیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اپنی رپورٹ کے آخر میں امام کی برأت کے لئے اپنے جس مشاہدہ کو اس

نے پیش کیا ہے وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ یعنی آخر میں اسی رپورٹ کے یہ بھی تھا کہ

و عندہ من الاموال والودائع

امام ابو حنیفہ کے پاس تو مالوں کی اور امانتوں کی اتنی

ہاں لا یحتاج الی ہذہ

کثرت ہے کہ ان کو اس معمولی رقم میں تصرف کرنے کی ضرورت نہ تھی

گو اس کا مقصود تو ان الفاظ کے اضافہ سے یہ تھا کہ جس کے پاس کاروبار میں لگانے کے لئے اتنا بڑا

عظیم سرمایہ موجود ہو جسے دیکھ کر وہ امام کے خزانہ میں آیا تھا ایسے آدمی کو اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ خواہ مخواہ

خیانت سے کام لے کر اپنے بیٹے کو اسی کاروبار کے لئے ایسی چیزوں جس کے دینے کی نہ شرعاً اسے اجازت

تھی اور نہ قانوناً۔ لیکن ہمارے لئے سچ پوچھیے تو یہ بھی ایک قسم کا اس دعویٰ کے ثبوت کا گویا وثیقہ ہے کہ

عام ودائع اور امانتیں جو امام کے پاس لوگ رکھتے تھے ان کے متعلق تصرف کرنے اور اپنے کاروبار میں

لگانے کی اجازت امانت رکھوانے والوں سے حضرت امام سے لیا کرتے تھے۔ اگر واقعہ کی یہ صورت نہ

تھی تو "الاموال" کے ساتھ "الودائع" کے لفظ کا وہ ہرگز اضافہ نہ کرتا لیکن چون کہ اس سے واقف تھا کہ

امام کے بیان کی عام ودیعتوں اور امانتوں کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔ اسی لئے اس نے بیان کیا کہ کاروبار

میں لگانے کے لئے جس کے پاس امانتوں اور ودیعتوں کا اتنا بڑا عظیم ذخیرہ ہوا ہے قطعاً اس کی ضرورت نہ

تھی کہ اس امانت میں دخل اندازی کرے جس کے متعلق اس کی اجازت امانت دار سے نہیں دی تھی۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ امام پر یہ دعویٰ جو دائر کیا گیا تھا کہ اس "مختومہ امانت" کو بھی تجارت

میں لگانے کے لئے اپنے صاحبزادے کے حوالہ امام نے کی ہے۔ یہ دعویٰ ہی اسی کی دلیل ہے کہ لوگوں کو

عام طور پر یہ معلوم تھا کہ امانتوں اور ودیعتوں کو تجارتی کاروبار میں لگانے کے چوں کہ امام عادی

ہیں اس لئے حسب عادت انہوں نے اس امانت کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا ہوگا۔ لیکن بے وقوفوں کو

یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت امام جسیا محتاط آدمی امانتوں کی مختلف نوعیتوں میں فرق کئے بغیر حسب دستور

سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کیسے کر سکتا تھا۔ اور سوچا جائے تو رپورٹ کے آخری الفاظ سے ایک

تاریخی شہادت اس بات کی پہل جاتی ہے کہ حضرت امام کے پاس ایسے اموال و ودائع کا بہت بڑا ذخیرہ

رہتا تھا جن سے اپنے تجارتی کاروبار میں وہ مستفید ہوتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ احناف

میں امانتوں کے متعلق حفاظت و ضمانت کے اس طریقے کے اختیار کرنے کا عام رواج تھا الخلیف نے

تایخ بغداد میں اگرچہ اپنی عادت کے مطابق قاضی ابو یوسف کے مثالب اور ان کی مذمت میں یہ روایت

نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے قاضی ابو یوسف پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص سے حدیث کی روایت اس لئے جائز نہیں ہے۔

انہ کا نفعی اموال الیتامی یتیموں کا مال مضاربہ پر لوگوں کو دیتا ہے اور نفع اس کا خود لیتا ہے

مضارحہ و یجعل الربح لمنہ ۵۸۲

صحیح کہا ہے کہ کسی نے کہ "بداندیشی" ہمیشہ "ہنر" کو "عجیب" کی شکل دے دیتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے اور واقعہ ہونے میں اس کے شبہ بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ خطیب نے اس روایت کو یزید بن ہارون جیسے محدث جلیل و ثقہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی لئے میں چھتارہوں کہ انہوں نے خواہ مخواہ ایک غلط بات تھامی صاحب کی طرف منسوب نہ کی ہوگی۔ مگر یہ بات کہ ان کا یہ فعل یتیموں کے حق میں منصف تھا یا مضر افہوس ہے کہ عدم ثقہ کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھ سکے۔ بلکہ جیسے ایک عامی آدمی اس کو سن کر قاضی صاحب کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ باوجود بڑے آدمی ہونے کے یزید بن ہارون بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ صرف "امانت" کی شکل میں اگر یتیموں کے مال کو رکھا جائے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں تلافی کی کوئی قانونی شکل باقی نہیں رہتی بجز اس کے کہ رو دھو کر آدمی بیچ دیا جائے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر یتیموں کے ان اموال کو بطور مضاربہ کے کسی کے حوالہ کر دیا جائے۔ یعنی محنت اس کی ہو اور نفع میں محنت کرنے والا اور تیمامی جن کا روپیہ ہے دونوں شریک رہیں بلاشبہ نفع کی صورت میں تو یتیموں کا اس میں فائدہ ہے لیکن تجارت بہر حال تجارت ہے

### ۵۸۲۔ خان الربح والنقصات فی التجار

مشہور بات ہے ہو سکتا ہے کہ تجارت میں خسارہ بھی ہو اور نفع بھی لیکن خسارے کی صورت میں نفع تو نفع کبھی اصل سرمایہ بھی ختم ہو جاتا ہے ایسی صورت میں بیچارے تیمامی پر یہ کتنا برا ظلم ہو جائے گا۔ یقیناً اس سے یہ بہتر ہے کہ ان کے اصل سرمایہ کو اس طور پر محفوظ کر لیا جائے کہ کم از کم اصل سرمایہ بہر حال ان کو مل جائے۔ یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف یہی کرتے تھے۔ یعنی بجائے "امانت" کے اس کو "قرض" کی نوعیت سے کر کاروبار کرنے والوں کو بطور مضاربہ کے دے دیا کرتے ہوں گے یعنی خود اپنے آپ کو قرضدار قرار دے کر مضاربہ کے حوالہ اس رقم کو کرتے تھے، ایسی صورت میں اگر نقصان بھی ہو جاتا ہوگا تو امانت نہیں بلکہ قرض ہونے کی وجہ سے یتیموں تک ان کے اصل سرمایہ کو بہر حال پہنچانا قاضی صاحب کے لئے ناگزیر تھا یعنی خود اپنے مال سے اس کی پابجائی شرعاً ان پر واجب تھی اور کھلی ہوئی بات ہے کہ نقصان کا جو ذمہ دار ہوگا نفع کا مستحق بھی اسی کو ہونا چاہیے۔ ورنہ نفع کا مستحق قرار دیتے ہوئے نقصان کی ذمہ داری سے علیحدہ ہو جانا ظاہر ہے کہ یہ تو سزاوار اور ربا کی شکل تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید بن ہارون یا ان جیسے حضرات آخر چاہتے کیا تھے۔ کیا یہ چاہتے تھے کہ تیمامی کے مال کو ایسی حالت میں چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہوتا کہ کسی وجہ سے ضائع ہو جانے کی صورت میں ان کی تلافی کی کوئی شکل نہ نکلتی یا ان کا یہ خیال تھا کہ مسلمان یتیموں کو تیمامی ابو یوسف خود خوار بنا دیتے بعد کو میں نے دیکھا کہ جن حافظ



ابن بھرنے سان المیزان میں بزرگ بن ہارون کے قول کو نقل کرنے کے بعد اس کی تصریح بھی کر دی ہے کہ

اذہ کانت یقر منہا علی ذمتہ

یعنی ابو یوسف یتیموں کے اموال کو خود اپنے ذمہ فرض دیکر لوگوں کو مضاربت پر دبا کرتے تھے

دیکھا اپنے کیا یہ وہی بات نہیں ہے جسے حقیقت نے عرض کیا مگر کیا کیجے کہ یتیموں کے اموال کی حفاظت کا ذریعہ جس طریقہ کار کو قاضی ابو یوسف نے بنایا تھا لوگوں نے یتیموں کے حق میں اس کو ظلم قرار دینا چاہا

حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت امام کی زندگی کے اس پہلو کی طرف کبھی خصوصی توجہ نہیں ڈالی۔ ورنہ نظر آسکتا تھا کہ سود اور ربا کے بغیر حضرت امام نے بڑے سے بڑے کبیر پیمانہ پر کاروبار کے جاری کرنے کا ایک اچھا امکان اپنے عمل کے

## پیداوار پیمانہ کبیر کا امکان

نمونہ سے پیدا کر دیا تھا کہ ایک طرف ان لوگوں کے لئے جن کے پاس مصارف کے بعد لیس ماندہ سرمایہ رہ جاتا ہے ان کے لئے اپنے سرمایہ کے حفاظت و ضیانت کی ایسی مستحکم قانونی ضمانت کی شکل پیدا کر دی تھی کہ پورچیکار ایسی قسم کے آفات کے کھٹکوں سے ان کا سرمایہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف جیسا کہ میں نے عرض کیا بڑے سے بڑے کاروبار کے لئے سرمایہ کے ہبیا ہونے کی بھی صورت نکل آتی ہے

بلکہ ان اعداد و شمار کو جو حضرت امام کے ودائع اور امانتوں کے متعلق مورخین نے لکھے ہیں جب ان کو سوچتا ہوں اور حضرت امام کی جو ساکھ قدرتاً ملک میں قائم ہو گئی تھی جب اس کو سامنے رکھتا ہوں تو یہ تصور کرنے میں مجھے کچھ مضائقہ محسوس نہیں ہوتا کہ امام کی تجارتی کوٹھی موجودہ زمانے کے بڑے سے بڑے بینک کی قائم مقامی کرتی تھی میں نے

## بینک کا نظام امام نے قائم کر دیا تھا

واقعیہ یہ ہے کہ سود خواری کے اس طوفانی زمانہ میں پس ماندہ سرمایوں کی حفاظت کا مسئلہ ظاہر ہے کہ اہمیت نہیں رکھتا کیوں کہ علاوہ حفاظت کی ضمانت کے موجودہ بینکوں میں ان سرمایہ داروں کو مزید براں کافی آمدنی سود کی ہوتی ہے۔ مگر بینکوں کا موجودہ نظام جس زمانہ میں نہ تھا اس وقت اس پیمانہ سرمایہ کی حفاظت کا مسئلہ کافی اہمیت رکھتا تھا بلکہ بینک کی تالیف بتاتی ہے کہ حفاظت ہی کی اہمیت نے تدریج بینک کی موجودہ صورت پیدا کی لیکن افسوس ہے کہ انفرادی سود خواری چوروں سے تو بینکوں نے لوگوں کو مطمئن کر دیا مگر سے چون از چنگال گرگم در ربودی، ندانم عاقبت خود گرگ بودی۔

خود بینک کے نظام نے ایک بہت بڑے خطرناک اجتماعی ڈاکوؤں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ آج سے چند سال پہلے لندن میں سرمایہ دشمن انٹرا کیوں نے اپنا ایک جلوس نکالا تھا۔ اخباروں میں تیر آئی تھی۔ جلوس والے ایک فقرے کو دہراتے تھے کہ چیتھڑے سے کاغذ کاغذ سے نوٹ سے نوٹ سے بینک سے افلاس افلاس سے چیتھڑا پس چیتھڑے سے چیتھڑا پیدا ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ آج ان ہی بینکوں کی وجہ سے امکان پیدا ہو گیا ہے کہ شخص سود خواری کی انجمن میں شریک ہو کر سود خواری بن سکتا ہے۔ خواہ دنیا میں وہ کوئی پیشہ کرتا ہو۔ حالانکہ انفرادی سود خواری کے زمانہ میں سود خواری کے سوا سود خواریوں کا گروہ دوسرا کام شکل ہی سے کر سکتا تھا۔ بہر حال یہ ایک الگ مسئلہ ہے جس کی بحث کا یہاں مقام نہیں ہے

پہلے بھی کہا تھا کہ جن اعداد کا مورخین نے ذکر کیا ہے یہ ان امانتوں کی تعداد تھی جو امام کی وفات کے بعد ان کے گھر سے نکلی ایک ایسا آدمی جو ستر کی عمر تک پہنچ گیا ہو اور ہو وہ حضرت امام جیسا تھا ط۔ یقیناً اس کے متعلق یہی باور کرنا چاہیے کہ اپنی عمر کے اس آخری زمانہ میں حتی الوسع ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے میں کوشش کا دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا ہو گا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کاروبار اتنا پھیلا ہوا تھا کہ سمیٹتے سمیٹتے بھی آخر چار پانچ کروڑ کی امانتیں ایسی رہ گئی تھیں جو ادا نہ ہو سکیں لیکن ان کے ادا کرنے کا سامان امام کر چکے تھے۔ پس اگر یہ صحیح ہے کہ وفات پانے کے بعد امام کے یاں سے پانچ کروڑ کی امانتیں برآمد ہوئیں تو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ عام دنوں میں ان امانتوں کی تعداد مذکورہ بازار قم سے اضواءاً مضاعفہ کہیں زیادہ ہوں گی امام کی تجارتی کوٹھی جس احاطہ میں تھی اس کا حال گذر چکا کہ کو فہ کا وہ دار کبیرہ تھا خصوصیت کے ساتھ مختلف تاریخی واقعات کے ذکر میں اس مکان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بہر حال اتنا یقینی ہے کہ امام کی تجارت کوئی معمولی تجارت نہ تھی اور نہ معمولی سرمایہ سے وہ جاری تھی جس کا علاوہ مذکورہ بالا باتوں کے ایک بڑا ثبوت خود امام کے خیراتی یا دوسرے مصارف میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام نے اتنے وسیع پیمانے کے کاروبار کو جو اختیار فرمایا تھا اس کے اندرونی محرکات کیا تھے؟ یہ سچ ہے کہ وہ حکومت کی ادا سے بے نیاز رہنا چاہتے تھے اور اس کا اظہار مختلف طریقوں سے وہ خوب بھی کیا کرتے تھے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے۔ الخلیفہ تک نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ بکثرت ان دو شعروں کو پڑھتے ۳۵ ج ۱۳

وسیبہ واسع یرجی ویتظر  
اس کا ابرکرم فرخ ہے جس سے امیدیں وابستہ ہیں اور جس کا انتظار کیا جاتا  
واللہ یعطی بلا من ولا کدرا  
اور حق تعالیٰ دیتے ہیں جس میں احسان جملانے کی اذیت  
ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی کدورت اس میں ہوتی ہے

عطاء ذی العرش خیر من عطاء مکہ  
عرش دانے کی داد تمہاری داد ووش سے بہتر ہے  
انتم یکدر ما تعطون منکم  
تم لوگ حکومت واد جو کچھ دیتے ہو اسکو گدلا کر دیتے ہو

ظاہر ہے کہ گم تم لوگ سے مراد ان اشعار میں اس زمانہ کے ارباب حکومت ہی ہیں وہی لوگ جن کی طرف اشارہ کر کے امام صاحب فرمایا کرتے تھے۔

اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ ان لوگوں کے سامنے ہاتھ  
پھیلا پڑے گا تو ایک درم بھی اپنے پاس میں روک نہ رکھتا۔

لولا انی اخاف ان البقی الی دھولاع  
ما امسکت درهما واحداً انما بقی علی قاری ۲۹۶  
وہن جو امر المصیبة

دوسروں نے بھی بیان کیا ہے کہ :-

۱۔ طبری میں دیکھیے زید بن علی کا مقابلہ جب بنی امیہ کے گورنر یوسف بن عمرو سے ہوا تو جہاں جہاں کو نہ کے محلوں میں لڑائی  
ہوئی۔ ایک مقام کا ذکر دار عمرو بن حرب سے بھی کیا گیا ہے۔ اس سے بھی اس مکان کی اہمیت ظاہر ہے



كان ابو حنیفة اذ صد الناس فی  
درهم یاخذ من السلطان ۲۱۳ مرفق ج۱  
ابو حنیفہ حکومت سے ایک ایک درم تک کے پینے  
میں سب سے زیادہ محتاط تھے۔

ان کے دیکھنے والوں نے اس کی شہادت دی ہے کہ  
لم یاخذ ابو حنیفة من سلطان  
قطرہ ہا حرا دیناراً ۲۱۳

امام ابو حنیفہ نے حکومت والوں سے نہ کہی ایک  
درم ہی لیا اور نہ اشرفی  
لیکن اسلامی علماء (محدثین و فقہاء) کی تاریخ کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ  
حضرت امام ابراہیم سے ترک موالات کے اس مسلک میں متفرد نہ تھے۔ جس زمانہ سے "ملوث عضوض"  
کا دور شروع ہوا تقریباً ہر قرن میں ایک کافی تعداد اہل علم و تقویٰ کے گروہ میں ان لوگوں کی پائی جاتی ہے  
جنہوں نے حکومت اور اس کے خزانے کی طرف نگاہ غلط انداز ڈالنی بھی کبھی پسند نہیں فرمائی۔ گذشتہ اوراق  
میں سفیان ثوری اور مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہما کا ذکر آچکا ہے جو امام کے ہم وطن و ہم عصر تھے یہی مشرب  
ان دنوں کا تھا۔ اور زندگی بھر اسی مسلک کے یہ حضرات پابند رہے۔

سوال یہ ہے کہ صرف اتنی بات کے لئے۔ یعنی حکومت کی امداد کے لینے پر مجبور نہ ہونا پڑے اس کیلئے  
امام کو اتنے بڑے طول و طویل کاروبار کے پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس قسم کے حضرات نے ہمیشہ اس مسئلہ  
کو "اجلوا عنی الطلب" یعنی دنیا کے طلب کرنے میں اجمال مختصر گیری سے کام لیا اور عمل کر کے حل کیا ہے۔  
ان ہی مسعر بن کدام کا ایک دلچسپ فقرہ تاریخوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔

من صبر علی الخلل والبطل لم یستعبد  
(ص ۱۷۸ ج ۱ تذکرۃ الحفاظ)

جس نے سرکہ اور بھاجی پر صبر کرنے کا عادی اپنے آپ کو  
بنالیا وہ کبھی غلام نہیں بنایا جاسکتا  
جن لوگوں پر "آزادی و حریت" کا یہ راز واضح ہو چکا تھا وہ حاجتوں میں مختصر ہو جانے یا  
ہرچہ گیر یا مختصر گیری کے فلسفہ کو چھوڑ کر خواہ مخواہ اس جہاں جنجال کی جھنجھٹوں میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا  
کرتے خصوصاً امام کی اس عقل و دراندیش کے ساتھ جس کے چرچوں سے مسلمانوں کی عملی تاریخ کی کتابیں معمور  
ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مادی لذات کھانے پینے وغیرہ کے تکلفات کی خواہش بھی امام میں نہیں پائی جاتی تھی

۱۷ زیادہ سے زیادہ کسی شوق کا انتساب امام کی طرف اگر کیا جاسکتا ہے تو وہ لباس کا شوق ہے بیان کیا جاتا ہے کہ  
امام کے لباس کی قیمت کبھی کبھی ہزار ہزار اور پان سو درہم سے زیادہ تھینے کی گئی ہے (دیکھو مناقب مرفق ص ۲۹) لیکن اس کا  
راز کیا تھا لوگوں نے اس کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ علاوہ ان وجوہ کے یعنی خدا کے دربار میں جانے کے  
لئے امام صاحب کا خیال تھا۔ جیسا کہ ان ہی سے نقل کیا گیا ہے یہ تھا کہ سلاطین کے دربار سے زیادہ تکلف کرنا چاہتے۔ بوضو  
نے یہی لکھا ہے کہ دوسروں کو بھی حکم دیتے کہ خدا کی نعمتوں کو چاہیے کہ جنہیں بخشی جائیں انہیں ظاہر کرے۔ حدیث میں بھی اس کا حکم آیا ہے  
پیشے پرانے حال میں ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا تو اپنے اس کا حال پوچھا۔ بولا کہ میں مال دار خوش حال آدمی ہوں اس وقت  
یہی امام نے اس حدیث کی تعبیر کی طرف اس کو توجہ دلائی۔ لباس کے تکلف سے ان کا ایک مقصد شاید یہ بھی ہو۔ (باقی صفحہ آئندہ)

بہر حال کسی وئی جذبہ کا اقتضاء امام کے اس وسیع کاروبار کو قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی سچ تو یہ ہے کہ امام کے جن مجاہدات و ریاضات کا تذکرہ کتابوں میں کیا جاتا ہے ان کو دیکھتے ہوئے تو یہی کہنا پڑتا ہے جیسا کہ پہلے کہا بھی گیا ہے کہ

کان جہادہ کلہا لی قبر (جواد کی بن ابراہیم رحمہ اللہ) ان کی ساری کدو کاوش کا رخ قبری کی جانب تھا

الذہبی جو امام سے اقتداء کا تعلق نہیں رکھتے ان کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ

”امام کی تہجد اور شب بیداری کے واقعات آتی کثرت سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ حد تو اترا کو پہنچے ہیں“

انہوں نے لکھا ہے کہ

من ثم لیسمی الوقت من کثرۃ قیامہ شب بیداری اور اس کے قیام ہی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ

باللیل ۱۶۵ معجم کو نوگ و تد (بیچ) بھی کہتے تھے

یہ مشہور امام ابو عاصم بنیل کا فقرہ ہے الذہبی نے امام کے ختم قرآن کے عجیب و غریب واقعات کی طرف اشارہ کئے ہیں جو آدمی کی سمجھ میں نہیں آتے ہیں اس حکایت کا کہ جس مقام پر امام کی وفات ہوئی وہاں پر انہوں نے سات ہزار دفعہ قرآن ختم کیا تھا الذہبی نے یہی تذکرہ کیا ہے۔ بہر حال ممکن ہے کہ بعض واقعات میں مبالغہ ہو عام قاعدہ یہی ہے کہ اس قسم کے قصوں میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے کچھ بھی ہو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امام کے متعلق یہ خیال کسی حد تک صحیح نہیں ہو سکتا کہ مالی جدوجہد تجارتی کاروبار کے سلسلے میں وہ جو کچھ کر رہے تھے جذبہ دنیا طلبی کی تسکین کے لیے کر رہے تھے اگر دنیا طلبی ان کے پیش نظر ہوتی تو دنیا امویہ اور عباسیہ دونوں حکومتوں کے زمانہ میں منہ پھاڑے ان کے سامنے بار بار آئی لیکن امام نے استغناء کی ٹھوکروں کے سوا اس کا کوئی جواب نہیں دیا جس کے تفصیلات عنقریب انشاداً ہی رہے ہیں اور عام طور پر تو اترا اور استغناء کی نکل میں امام کے یہ استغنائی قصے مشہور و معروف ہیں یوں بھی مورخین کا وہی گروہ جو ان کی تجارت اور دولت کے یہ قصے سناتا ہے ان ہی کی زبانی ہم یہ بھی تو سنتے ہیں کہ بعض مواقع پر امام اپنے ذاتی صرفہ یا عوار کو بتاتے ہوئے خود فرماتے تھے کہ

انما خرجت فی الشهر دس دھمان میری ذاتی خوراک جینے میں دو درم سے زیادہ نہیں ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) لیکن اگر یہ سمجھا جا کہ ارباب حکومت کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے کہ تمہاری امداد سے بے نیاز ہو کر بھی آدمی اچھے حال میں رہ سکتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کی سواری کے تکلفات کو دیکھ کر کسی نے اعتراض کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ میں دکھانا چاہتا ہوں کہ علم دنیا میں بھی آدمی کو کتنی بلندی و رفعت عطا کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ امام کے پڑوس میں ایک صاحب کامکان تھا۔ امام صاحب کا جب انتقال ہو گیا تو اسی پڑوسی کے چھوٹے بیچ نے اپنے باپ سے پوچھا ابا! سامنے کی چھت پر ایک ستون نظر آتا تھا وہ کیا ہو گیا اب نظر نہیں آتا۔ باپ نے کہا بیٹا! وہ امام ابوحنیفہ تھے رات بھر کھڑے ہو کر وہی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ ستون گر گیا۔ امام صاحب کی وفات ہو گئی صفحہ ۲۵۵ موافق



فہرۃ السولتی و حرۃ الخبز ص ۱۶۸ کبھی ستو کبھی روٹی

ارزانی کے اس زمانہ میں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بقل (بھاجی) اور خل (سکرکہ) پر عبیر کیا شاید چنداں محل تعجب بھی نہیں ہے۔ یہی حال ان کے گھر کے ساز و سامان کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ سہل بن مزاحم کے حوالہ سے ارباب مناقب نے نقل کیا ہے کہ

کناندخل علی ابی حنیفۃ فلا فری  
فی بیتہ الا البواری ص ۲۱۴ موفق

ہم امام ابو حنیفہ کے پاس حاضر ہوتے تو ان کے گھر میں چٹائیوں کے سوا اور کچھ نہ پاتے۔ اور یوں بھی دیکھا جائے تو امام پر کسی بڑے خاندان کا بار بھی نہ تھا ان کی اولاد میں حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے سوا اور کسی رط کے یا رط کی کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے اپنی پوری زندگی انہوں نے ان ہی حماد کی والدہ یعنی ایک ہی بیوی کے ساتھ گزار دی۔ بیان کرنے والوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ عباسی خلیفہ منصور سے جب تک تعلقات زیادہ خراب نہیں ہوئے تھے اور منصور بھی امام سے بالکل مایوس نہیں ہوا تھا۔ تو ایک دفعہ امام کے پاس دس ہزار درہم نقد کے ساتھ ایک جوان جاریہ (شرعی لونڈی) بھی بطور تحفے کے بھیجی روپیہ کو جیسے مختلف حیلوں سے امام نے پہلے واپس کیا تھا اب کی بھی واپس فرما دیا اور لونڈی کو واپس کرتے ہوئے اپنے کھلا بھیجا۔

انی قد صنعت عن النساء و کبرت  
فلا استحل ان اقبل جارحۃ لاصل  
ایہا ولا اجتری ان ابع جارحۃ  
خرجت من ملک امیر المومنین ص ۲۱۶

میں عورتوں کے معاملہ میں کمزور ہو چکا ہوں بڑھا ہو گیا ہوں  
ایسی صورت میں جائز نہ ہو گا کہ میں اس جارحہ کو قبول کروں  
جس کے کام کا میں نہیں رہ گیا ہوں اسی کے ساتھ اس کی بھی  
جہارت نہیں کر سکتا کہ امیر المومنین کے ملک سے جو جارحہ نکلی  
ہے اسے میں فروخت کر ڈالوں

جیسا کہ معلوم ہے امام حیلوں میں بھی غلط بیانی سے کام نہیں لیتے تھے۔ اس لیے یقین کرنا چاہیے کہ اپنے جس حال کا تذکرہ اس بیان میں عورتوں کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک واقعہ کا اظہار تھا۔ بہر حال بات بہت طویل ہوتی جا رہی ہے اور جو کہنا چاہتا ہوں اب تک اس کے کہنے کا موقع ہی نہیں آ رہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ امام کی اس تجارتی جدوجہد کی تہ میں جہاں مساعی کے محرکات تک میرا خیال ہے درحقیقت وہی جذبہ پوشیدہ تھا جس کا ذکر ان کے ایک پرانے

۱۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ امام بے چھنے آٹے کی روٹی عموماً کھاتے تھے۔ موفق ص ۲۱۵ ج ۱  
۲۔ جہاں تک میرا خیال ہے دو درہم ماہوار والی روایت کا بظاہر کسی خاص زمانہ سے تعلق معلوم ہوتا ہے یہ کہنا بہت سی دوسری روایتوں کی تکذیب ہوگی کہ ان کے دوامی خوراک کا ماہوار موازنہ ہمیشہ دو درہم سے زیادہ نہ تھا ۱۷  
۳۔ اس قسم کے واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں کہ معمولی معمولی شہہ پتیس تیس ہزار بلکہ ایک دفعہ نو ستر ہزار کی رقم امام نے فوراً خیرات کر دی کہ شرعی قانون کی رو سے ان کے تجارتی نمائندے نے معاملہ صحیح نہیں کیا تھا۔ کیا ایسے آدمی کو دنیا کا (باقی صفحہ آئندہ)





پھر اسی راہ میں ان کے ایک دوست اور جیسا کہ بعضوں کا بیان ہے کہ ان کے شاگرد ابراہیم بن میمون الصانع عباسیوں کے طاغیہ ابو مسلم کے حکم سے جب شہید ہوئے تو ابو بکر الجصاص نے حضرت عبد اللہ بن المبارک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

لما بلغ ابا حنیفة قتل ابراہیم  
الصانع بنی محق ظننا انه سیموت  
ابو حنیفہ کو جب ابراہیم صانع کی شہادت کی خبر ملی  
تو رونے لگے اور اس قدر رونے لگے کہ ہم لوگوں کو خیال ہونے  
لگا کہ عنقریب یہ مر جائیں گے

صاحب معجم نے تبیین الصحیفہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ورجح کیا ہے کہ ایک دن امام ابو حنیفہ اور ابن المعتز کو دیکھا گیا کہ چپ چاپ کچھ باتیں کر رہے ہیں اور باتیں کرتے کرتے دونوں ایل پڑتے ہیں روتے ہیں پھر باتیں کرتے ہیں جب ان کی گفتگو ختم ہو گئی تو امام کے لوگوں میں سے ایک صاحب نے پوچھا کہ آپ دونوں حضرات کس بات پر رورہے تھے جواب میں امام نے فرمایا

ذکرنا الزمان وغلبة اهل الباطل  
على اهل الخير فكثر ذلك بكنا قاصداً

بہر حال ان تاریخی یادداشتوں کی روشنی میں حضرت امام کے فطری رجحانات کا باآسانی پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ اور میرے نزدیک تو حضرت امام کی زندگی کے سارے واقعات کی توجیہ و تاویل ان کے قلب کے ان ہی کیفیات سے ہو سکتی ہے اب آپ اپنے سامنے ایک طرف تو سلم بن سالم کے گذشتہ شاہد اور تجربہ کو رکھ لیجئے یعنی دنیا اسلام کے جن جن علماء کبار سے وہ سب کسی میں امت محمدیہ کے احترام کا جذبہ ابو حنیفہ کے مانند ان کو کہیں نظر نہ آیا اور یہی سلم بن سالم جنہوں نے امام کے ساتھ اپنی زندگی کا کافی زمانہ گزارا ہے وہ اپنا ایک دوسرا تجربہ امام ہی کے متعلق یہ نقل کرتے تھے کہ

لہ کوفہ کے مشہور بزرگوں میں ان کا شمار ہے حضرت امام کے معاصرین میں ہیں۔ نام ان کا منصور اور کنیت ابو عتاب تھی امام صاحب سے آٹھ سال پہلے ۳۱۲ھ ہجری میں وفات پائی ان کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ بنی امیہ کے اسی گورنر ابن ہبیرہ نے جس نے حضرت امام کو تازیانے کی سزا حکومت کے عہدہ کے نہ قبول کرنے کی وجہ سے دی تھی اسی نے ابن المعتز کو بھی قضا پر مجبور کیا۔ مجبور کرنے کی وجہ سے عدالت کے کمرے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گئے مقدمہ پیش ہوا فریقین کا بیان سن کر کہتے "تم لوگوں کی باتیں سمجھ میں آگئیں لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں۔ ابن ہبیرہ نے یہ حال سن کر چھوڑ دیا (صفوة الصفوة ص ۶۳) ابن جوزی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی والدہ کو جب معلوم ہوا کہ کوفہ کا والی ان کے بیٹے کو قاضی بنا نا چاہتا ہے لیکن وہ انکار کرتا ہے تو بہت بگڑیں لیکن جواب میں فرمایا۔

"اماں جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتی ہیں صفوة ص ۶۳"

ابن سعید نے لکھا ہے کہ ابن معتز کہتے تھے بھی! میں نے یہ واقعہ ہے کہ علم کو کسی اچھی نیت سے حاصل نہیں کیا تھا لیکن علم نے میری نیت کو درست کر دیا۔ (ابن سعد ج ۶)

بہر حال وہ قحط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک بھی امام ہی کا مسلک تھا اسی نے حکومت سے ان کی کشمکش بھی جاری تھی۔

ولما را حد ابو اوقت قوله فحلہ

الا اوصیفة ص ۲۲۸ ج ۱ مرفق

یعنی ان برس برس بزرگوں میں جن سے میری ملاقات ہوئی کی  
ایسے آدمی کو نہ پایا جس کا قول اس کے فعل سے اتنا مطابق اور موافق  
ہو جتنا ابو حنیفہ کا قول ان کے فعل کے مطابق تھا۔

اب اسی سے اندازہ کیجئے کہ جس شخص کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کا  
اتنا درد اور اتنا احترام ہو کہ اس کے ہم عمروں میں مشکل ہی سے اس کی نظیر مل سکتی تھی اور پھر اس کا قول بھی  
عمل سے اتنا مطابق ہو کہ اس باب میں بھی کم از کم سلم کے تجربہ میں کوئی دوسرا آدمی اس زمانہ میں نہیں تھا۔ اور اسی  
کے ساتھ اس کو سوچئے کہ جو نظام ملوک جو را اور امرار عضون سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر پورے  
تھے۔ ان نظام کی یادیں کے دل کو تڑپا دیتی ہو کہ باوجود اس علم وقار کے جس کے قصے ہم کتابوں میں امام کے  
متعلق پڑھتے ہیں مثلاً مشہور صوفی حضرت شقیق بلخی سے لوگ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ۔

ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد میں تھے۔ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی کہ  
اچانک امام ابو حنیفہ جہاں پر بیٹھے تھے ٹھیک ان کے سر کے سامنے ایک سانپ نمودار ہوا۔  
مسجد والوں نے بے اختیار ہو کر سانپ سانپ چیخنا شروع کیا اور کوئی ادھر بھاگا کوئی ادھر  
بھاگا خود میں بھی بھاگنے والوں ہی میں تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں اور نہ  
ان کے چہرے پر تغیر کے کچھ آثار تھے۔ مرفق وغیرہ ص ۲۶ ج ۱

بلکہ یہی قصہ عبد اللہ بن المبارک سے جو منقول ہے یعنی اس واقعہ کے وقت وہ بھی تھے ان کا بایا تھا کہ  
”سانپ امام کی گود میں گرا لیکن اس پر بھی اس بندہ خدا نے نہ دائیں دیکھا نہ بائیں کیا تو صرف  
یہ کیا کہ دامن جھٹک دیا اور سانپ دور جا پڑا۔“

لوگوں نے ابن مبارک سے پوچھا کہ کیا بھاگنے والوں میں آپ بھی تھے انہوں نے کہا ہاں! بھائی میں  
سب سے زیادہ دور بھاگا البتہ میں پہلی صف میں نہ تھا۔

الغرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ان لوگوں میں بھی نہ  
تھے جو ہر واقعہ سے بہت جلد اثر پذیر ہو کر اضطرابی کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں بلکہ حد سے زیادہ صفا  
اور بھاری بھر کم آدمی کی جو شان ہوتی ہے۔ امام کی زندگی کے سارے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم  
کے شخص تھے لیکن باوجود اس کے حکومت کے ان ستم زدوں کے ذکر پر ان کا بلبلا کر رو پڑنا اور اتنا رونا کہ

اسی قسم کا ایک واقعہ اور بیان کیا جاتا ہے ایک صاحب جن کا نام ابو قطن عمرو بن الہیثم تھا اور ہما ارجال کے امام شعب بن الجراح جنہیں لوگ  
امیر المؤمنین فی الحریث بھی کہتے ہیں کسی ضرورت سے ان کا سفارشی خط واسط سے نے کر کوفہ امام کے پاس آئے تھے۔ امام کی  
ہمان نوازیوں اور ان کی غیر معمولی شب بیداریوں کا حال بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ سانپ کے گرنے کا وہ بھی بیان کرتے ہیں  
یہ صبح کا وقت تھا۔ ان کا بیان ہے کہ دیر تک امام سانپ کی منڈی کو اپنے پاؤں سے دبائے رہے۔ تاہیں کہ جب لوگ آئے  
تب آپ نے لوگوں سے کہا کہ اسے مار ڈالو۔



ابن مبارک جیسے محتاط محدث تک یہ کہتے ہوں

”کہ گویا روتے روتے مرجائیں گے“

فواصل ان واقعات سے حضرت امام کی اندرونی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ان کے تاثرات کتنے عمیق اور گہرے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت امام جس شہر میں پیدا ہوئے تھے یعنی کوفہ

وہاں امام سے پہلے بھی اور خود امام کی کم سنی کے دنوں میں بھی امت

مجر یہ پر منظم توڑے جارہے تھے ان منظم سے یہ شہر تاریک ہو رہا تھا

حجاج بنی امیہ کا طاغیہ جب مر رہا تو اس وقت امام کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ حجاج کے واقعات آج بھی جب

ہر اس شخص میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تھوڑا بہت بھی تعلق رکھتا ہے۔ غیظ و غضب

کے جذبات میں حرکت پیدا کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ خواہ کسی ہی کے دنوں میں سہی لیکن امام جس فطرت کو

کے کر پیدا ہوئے تھے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ان واقعات سے ان کا قلب شعوری یا غیر شعوری طور پر

متاثر نہ ہوا ہوگا خصوصاً اس نے جو کچھ کیا تھا زیادہ تر اس کا تعلق کوفہ ہی سے تھا تاہم جہاں تک مورخین

کے بیانات میں دیکھا جاتا ہے۔ امام کی زندگی کے ابتدائی دنوں میں ”سیاسی میلانات“ کے ثبوت کی کوئی شہادت

نہیں ملتی زیادہ سے زیادہ جو چیز اس سلسلہ میں پیش ہو سکتی ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر شانڈ پیلے ہی آچکا ہے یعنی

ابتدائی زندگی میں بجائے فقہ کے حضرت امام پر علم کلام کا جب غلبہ تھا اور ان لوگوں سے جو اسلام کے

اعتقادی مسلمات میں رخنہ اندازیاں کرتے تھے۔ ان سے مقابلہ کے لئے آپ بار بار کوفہ سے بصرہ تشریف

لے جاتے تھے بعض بعض دفعہ اسی سلسلہ میں سال بھر یا اس سے کچھ زیادہ دن بھی امام کو بصرہ میں رہنا

لے بندرگاہ ہونے کی وجہ سے غیر مالک کے لوگ بصرہ بکثرت آتے تھے اور اپنے ساتھ اپنے عقائد و خیالات لاتے تھے۔

ہندوستان سے اس بندرگاہ کا تعلق جس حد تک تھا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بصرہ کے آباد ہونے سے پہلے اس علاقہ

کو ارض الہند و ہندوستان کی زمین اہی کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عہد میں اپنے خیالات و عقائد کے اظہار کی

آزادی شخص کو حاصل تھی جس کی وجہ سے عوام میں طرح طرح کے اوہام و وساوس پھیل جاتے تھے ابو الہذیل العلاف کے

تذکرہ میں الخطیب نے لکھا ہے کہ بصرہ میں ایک یہودی آیا و کائنات فیقتضی الاسلام یعنی اسلامی اصول پر اعتراض

کرتا تھا ابو الہذیل اس کے مقابلہ پر اسلام کی طرف سے کھڑا ہوا۔ مناظرے میں جب یہودی غالب نہ آسکا تو اس نے ابو الہذیل

کو گالیاں دینی شروع کیں۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ مسلمان اس کی اس حرکت پر مغلوب الغضب ہو کر چڑھ دوڑیں اور مجھے

اس کا جیلہ بجائے کہ دلائل کے لحاظ سے میں ہی غالب تھا لیکن مسلمانوں نے جسمانی قوت سے کام لیکر مجھے مغلوب کر دیا

لیکن ابو الہذیل نے مسلمانوں کو شدت سے روکا اور کہا کہ کسی نے اس پر اگر حملہ کیا تو اس کی مراد پوری ہوگی اس پر یہودی

کھسیانا سا ہو کر رہ گیا و کچھ الخطیب ج ۳۶ ج ۳ اگرچہ یہ ایک جزئی واقعہ ہے لیکن اس سے اس زمانہ کی مذہبی آزادی کا

اور بصرہ کے ماحول کا پتہ چلتا ہے۔

پڑا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تجارتی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے حضرت امام تجارتی کاروبار بھی بھرتے میں کرتے ہوں۔ لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ اعداء اسلام کے مقابلہ میں لسانی جہاد بھی اس زمانہ میں آپ کا دل چپ مشغلہ تھا۔

لیکن علم کلام سے دل چسپی جب آپ کی کم ہونی اور اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی صحبت میں فقہ سیکھنے شروع کی تو اس عرصہ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس میں آپ کے سیاسی رجحان کی جھلک پائی جاتی ہو لیکن ٹھیک جس سال حماد بن ابی سلیمان امام صاحب کے استاد کی وفات ہوئی ہے یعنی ۱۲۲ ہجری جس کے معنی یہ ہوتے کہ امام کی عمر اس وقت ۴۲ سال کی ہوئی چاہئے اسی کے بعد بنی امیہ کے دور حکومت میں ایک سیاسی انقلاب کا واقعہ پیش آتا ہے اور ہم امام رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی دفعہ اس واقعہ سے متعلق پاتے ہیں لیکن اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے کچھ اجمالی تذکرہ اس زمانہ کے سیاسی ماحول کا بھی سن لینا چاہئے۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا ہے جب بنی امیہ کی فرماں روائی کی باگ مشام بن عبد الملک کے ہاتھ میں تھی کوفہ کا گورنر مشام کی طرف سے پندرہ سال تک مسلسل اموی تاریخ کی مشہور شخصیت تھی جسے عام طور پر لوگ ابن النفرانیہ کہتے تھے اور اصلی نام اس کا خالد بن عبد اللہ القسری تھا ۱۵۰ھ سے ۱۶۰ھ تک یہ کوفہ کا گورنر رہا جس کے معنی یہ بھی ہوتے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پچیس سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک کا زمانہ اسی ابن النفرانیہ کی ولایت کے عہد میں گزارا تھا ابن النفرانیہ کیا تھا تفصیلی حالات تو اس کے تاریخ میں پڑھئے۔ حال یہ ہے کہ باپ تو اس کا عربی قبیلہ بجیبہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس کی ماں ایک رومیہ نصرانیہ تھی یعنی یورپین عیسائیت عورت تھی یہ یہی لکھا ہے کہ ماں اس کی مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب (عیسائیت) پر قائم رہی خود خالد تو نبطا ہر مسلمان تھا لیکن اگر یہ واقعات صحیح ہیں جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں سارا وہ علاقہ جو اس کی زیر ولایت و نگرانی تھا وہاں غیر مسلموں کی حکومت قائم ہو گئی تھی کامل میں ہے

كان الاسلام ذليلا واحكام فيه  
لاهل الذمة ص ۸۲

خالد کی معزولی کے بعد یوسف بن عمر جب کوفہ کا گورنر ہو کر آیا تو یحییٰ بن نوفل شاعر نے ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ بھی تھا کہ

اقاحنا واصل الشرك اهل ذكارتنا  
يوسف بن عمر ایسے زمانہ میں آیا ہے جب ارباب شرک ہم سے ٹکیں وصول کرتے تھے اور کھلی ڈھنکی بات میں ہی ہمارے احکام تھے۔

یہ قصہ بھی اسی کا بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کی مسجدوں کے بتاروں کے منہدم کرانیکا



حکم دیا تھا وجہ یہ تباہی کہ ان پر چڑھ کر ٹوٹن لوگوں کی بہو بیٹیوں کو جھانکتے ہیں۔ اور ہر مؤذنوں پر یہ الزام  
 قائم کر کے کوفہ کی مسجدوں کے مینارے ڈھائے جا رہے تھے اور دوسری طرف ستم ظفری اسی ابن النفرانیہ  
 کی یہ تھی کہ اپنی نفرانیہ ماں کے نام سے ایک عظیم الشان گرجا بھی اس نے کوفہ میں تعمیر کرایا مسلمانوں میں  
 اس کے اس طرز عمل سے جب بے چینی پیدا ہوئی حتیٰ کہ مشہور رند مشرب شاعر فرزوق سے بھی ضبطانہ ہو سکا  
 اور ایک طویل قصیدہ میں اسلام اور مسلمانوں کی اسی بے کسی کا رونا روتے ہوئے اس نے کہا۔

بنی بیعة فیہا النصارى لاصه  
 و دھند من کفر ہنار المساجد

اپنی ماں کے لئے تو کوفہ میں اس نے گرجا بنایا  
 اور مسجدوں کے میناروں کو ڈھا رہا ہے اپنے کفر کی وجہ سے  
 کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس شکایت کو سن کر اس نے عذر بھی جو پیش کیا تو منجملہ دوسری باتوں کے  
 اس کا یہ تاریخی فقرہ اب تک کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے یعنی اس نے کہا۔

لعن اللہ و نینہم ان کان شتم من  
 دینکد صلاچہ کامل ابن اثیر  
 خدا کی لعنت ہو ان کے (عیسائیوں) کے دین پر اگر ان  
 کا دین تمہارا دین سے بدتر ہے۔

بیان کرنے والے ایک طرف تو یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رضی علیہ السلام کی شان اقدس  
 میں اپنے آقاؤں (بنی امیہ) کو خوش کرنے کے لئے صلواتیں سنایا کرتا تھا۔ لیکن ایک لطیفہ کامل وغیرہ میں ہی  
 یہ نقل کیا ہے کہ بنی امیہ ہی کے خاندان کے ایک صاحب نے ابن النفرانیہ سے کچھ ادا چاہی لیکن بیچارے  
 کو صاف جواب دیا گیا چوں کہ وادویش میں خالد کا ہاتھ کھلا ہوا تھا یہ ہی کہتے ہیں کہ بنی ہاشم والوں کیساتھ  
 بھی وہ حسن سلوک کیا کرتا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے عیوب  
 کی پروہ پوشی کے لئے دوشمن و وزی کے نسخہ پر عموماً عمل کرتے ہیں ہر حال جہاں سب ہی کو دیتا دلاتا تھا  
 ممکن ہے کہ بنی ہاشم کے بعض افراد کو اس نے کچھ دیا ہو اموی سائل نے اسی واقعہ کو پیش نظر رکھ کر یعنی بنی ہاشم  
 کی خالد مدد کرتا ہے کہا کہ

لین دین کا تعلق تو خالد ہاشمیوں سے رکھتا ہے اور ہمارے لئے اس کے پاس صرف علی

کی صلواتیں رہ گئی ہیں۔ صلاچہ کامل ابن اثیر

لطیفہ یہ ہے کہ خالد تک جب اس اموی کی یہ شکایت پہنچی تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا

لئن احب قلنا عثمان لیشی کامل صلاچہ  
 اس کا اگر جی چاہے تو کچھ عثمان کو ہی سنادوں

اے خدا جانے خالد نے خود ہی یہ شعر بنا لیا تھا یا واقعی کسی مسخرے شاعر کو جیسے بیسیوں نے بنایا و باتیں سوچتی ہیں ان ہی میں  
 ایک خیال یہ بھی آگیا اور شعر کی صورت اس نے اختیار کر لی

انہر یبصر من فی السطوح

بالہوے کل دل مسلم

یلتی فی المؤذنین حیاتی

فی شیروہ و تشر الیہم

یعنی کاش مؤذنوں کیساتھ میری بھی زندگی گذرے تو یہ لوگ جھتوں پر رہنے والیوں کو دیکھتے ہیں پھر خود یہ مؤذن اشارے کرتے ہیں۔ یا ہر ناز و عرف  
 والی بیخ عورت محبت کا پیغام مؤذنوں کو دیتی ہے۔ کامل ابن اثیر صلاچہ کہتے ہیں مناروں کے انہدام کی وجہ ان ہی اشعار کو اس نے قرار دیا

اسی نے لوگوں کا خیال ہے کہ درحقیقت اس کو نہ حضرت علی ہی سے تعلق تھا اور نہ عثمان سے

بلکہ صرف دنیا سازی کے لئے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مذمت کرنے میں مبالغہ سے  
کام لیتا تھا لوگ کہتے ہیں کہ اہل بیت کے ساتھ میل جول میں جو  
وہ اور بدنام تھا اسی بدنامی کا ازالہ حضرت علی کو گالیاں  
دے کر کیا کرتا تھا

کان خالد یبالغ فی سب علی فضیل

کان ذلک ذمیا للہمة تقریبا الی

القوم ص ۵۲ ج ۵

اور بات بھی کچھ یہی معلوم ہوتی ہے کہاں تو شام کے ساتھ عقیدت کے اظہار میں غلو کو یہ ابن  
الفرانیہ اس حد تک پہنچا دیتا تھا کہ سننے والوں کا بیان ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد وہ کبھی کبھی کہتا کہ

اپنے اہل و عیال اور گھر والوں پر کسی کو اگر کوئی اپنا خلیفہ اور نمائندہ مقرر کرے کیا اس

خلیفہ کے برابر وہ ہو سکتا ہے جسے اس شخص نے بطور ایلچی اور قاصد (رسول) کسی کے پاس بھیجا ہو

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ (العباد باللہ) اشارہ اس کا ادھر ہوتا تھا کہ

ان الخلیفة ہشامًا افضل من رسول اللہ

خلیفہ ہشام (العباد باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بھی افضل ہے۔

ص ۵۲ ج ۵

مگر ابن اثیر نے یہ قصہ بھی نقل کیا ہے کہ ہشام خلیفہ نے خالد کے نام بصبیحہ رازیہ فرمان بھیجا کہ

”جب تک امیر المؤمنین یعنی ہشام کا غلہ فروخت نہ ہوے اس وقت تک کسی دوسرے

کو غلہ کے بیچنے کی اجازت نہ دی جائے“

خالد نے اسی کے مطابق تمام جگہ احکام نافذ کر دیئے نتیجہ ظاہر تھا کہ علاقہ میں غیر معمولی گرانی

پھوٹ پڑی لکھا ہے کہ کوفہ کے بازار میں

ایک کیلو دھڑا پیمانہ غلہ کا ایک درم میں بکنے لگا

کیلج تھا جدر ہمد

خلق خدا کی اس گرانی سے چیخ اٹھی۔ عوام کا الزام خالد پر تھا کہ اسی نے کاشتکاروں کو غلہ

فروخت کرنے سے روک دیا ہے خالد سخت دماغی کوفت میں مبتلا تھا ہشام کے راز کو بھی ظاہر نہیں

کر سکتا تھا۔ اور صبح و شام لوگوں کی گالیاں لعنت و ملامت بھی اس کے لئے ناقابل برداشت بنی چلی

جاری تھی۔ آخر ایک دن اس نے ہر منبر و ول کا بخاران الفاظ میں نکالنا شروع کیا۔

تم لوگوں کا خیال ہے کہ اناج کو میں نے گرا کر رکھا ہے

ذہمتہ انی اھلی اسعار کم فعلی

لو میں تمہارے حاشیے کہتا ہوں کہ جس کی وجہ سے یہ گرانی ہے

من یغلیھا لعنة اللہ ص ۵۳

اس پر خدا کی لعنت۔

یعنی اشارہ ہشام کی طرف کر رہا تھا کہ میرا کیا قصور ہے خود تمہارے امیر المؤمنین کا حکم تو یہ ہے کہ

پہلے سرکاری غلے کا ایک ایک دانہ (من مانی قیمتوں پر) فروخت ہوے تب بازار میں دوسرے بیچنے والوں کو

مال لانے کی اجازت دی جائے اور اس سے انداز ہو سکتا ہے کہ جس ہشام کو کبھی وہ رسولوں پر بھی نہیں



دیتا تھا اسی کو آج وہ برسرِ مہر گایاں سنار ہاتھا لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اپنی پرائیویٹ مجلس  
 میں ہشام بے چارے کا نام ہی خالد نے ابنِ الحنفی سے رکھ چھوڑا تھا جب اس کا نام لیتا تھا تو کہتا کہ  
 ابنِ الحنفی کا حکم آیا ہے ابنِ الحنفی نے اب یہ نیا شوشہ چھوڑا ہے اور گو گورنری کی مدت ابنِ النصرانیہ کی کل  
 پندرہ سال ہے۔ لیکن اسی پندرہ سال میں اس نے جو کچھ لوٹا اور لٹایا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب  
 معزولی کا وقت اس کے آیا ہے تو اس نے خود اقرار کیا کہ حکومت کے خزانے کا بقایا میرے قریبی پاس کر رہ گیا  
 ہے۔ تنخواہ میں حالانکہ کل بیس ہزار سالانہ کی جاگیر اس کو ملی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے بیت المال کے روپے سے  
 اس نے اپنی جاگیر میں نہروں کا حال بچھا دیا۔ اب تک اس کی متعدد نہروں مثلاً نہر خالد نہر باجرا نہر تارمانا  
 نہر مبارک نہر جامع کورہ سالوز کی نہر نہر صلح کے نام تاریخوں میں درج ہیں۔ ان ہی نہروں کی بدولت  
 بیس ہزار کی آمدنی کی جاگیر پندرہ سال میں ایک کروڑ تیس لاکھ سالانہ کی آمدنی دینے لگی ان ہی حالات نے  
 اس کے دماغ کو بے قابو کر دیا تھا کہتے یہ ہیں کہ جوش میں آکر اپنے بیٹے کو کہتا کہ ہشام کے بیٹے سلمہ سے  
 تو آخر کس بات میں کم ہے۔ کبھی کہتا

”بیٹا! وہ کیا مزے کا زمانہ ہو گا جب ہشام بھی تیرا محتاج بن کر رہے گا“

آخر میں تو سارے عراق کو وہ اپنی موروثی جائداد قرار دینے لگا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 پر الزام لگاتا تھا کہ میری قوم بچید سے انہوں نے چھین کر زبردستی مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ اسی لئے کہتا۔  
 انھی مظلوم ما تحت قدمی شیئی  
 میں مظلوم ہوں یعنی میرے پاؤں کے نیچے کا کوئی حصہ  
 الاھولی کامل مشجہ ہ  
 بھی ایسا نہیں ہے جو میرا نہ ہو

کوفہ میں خالد اور خالد کے گرد و پیش میں رہنے والوں کا روز روز عید اور شب شب برات

۱۔ یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا یعنی ہشام کی ماں جس کا نام عائشہ تھا اور ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن الولید بن المغیرہ  
 الخزومی کی بیٹی تھی یعنی ابو جہل کے بہائی کے خاندان کی لڑکی تھی۔ لکھا ہے کہ حد سے زیادہ یہ عورت احمق تھی۔ اس نے تنگ آکر  
 آخر میں ہشام کے باپ عبد الملک نے اس کو طلاق بھی دے دی تھی لوگ اسی وجہ سے ہشام کے پس پشت عمو امیے ابنِ الحنفی ہی  
 کہا کرتے تھے۔ اور خالد بھی اسی لفظ کو استعمال کرتا تھا بعض قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں یہ خطاب اپنے  
 آقا کو اسی نامک حلال نوکر ابنِ النصرانیہ نے دیا تھا۔ بعد کو دوسرے ہی کہنے لگے۔

۲۔ عراق جسے السواد بھی اسلامی تاریخ میں کہتے ہیں جب فتح ہوا اور فتح کرنیوالی فوج میں زیادہ تعداد بچید قبیلہ والوں کی تھی یعنی  
 وہی قبیلہ جس کی طرف مشہور صحابی حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوب ہیں۔ ابتداء میں فتوحات کے متعلق جب تک  
 یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ اس کو فتح کرنے والی فوج میں تقسیم کر دیا جائے یا مسلمانوں کے بیت المال کے نام ان کو روک لیا جا  
 اس لئے کچھ دن کے لئے سواد کے ربیع (جو تھائی) علاقے پر بچید والوں کا قبضہ تھا لیکن جب صحابہ کے مشورہ سے تمام مفتوحہ  
 زمینوں کو حکومت کے قبضہ میں داخل کر کے تمام مسلمانوں کی مشترکہ جائداد کی حیثیت ان کو دے دی گئی تو بچید والوں سے  
 بھی یہ زمین واپس لے لی گئی۔ اسی کی طرف اشارہ خالد کر رہا تھا۔

کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ اس کے ملازم طارق نے اپنے بچے کی ختنہ کی اس تقریب میں اور تو کچھ خرچ کیا سو کیا صرف اپنے آقا ابن النفرانیہ کے سامنے تقریب کے سلسلہ میں جو کچھ اس نے پیش کئے تھے ان میں علاوہ قیمتی تھانوں اور دوسری چیزوں کے ایک ہزار غلام اور ایک ہزار لونڈیاں بھی تھیں جنہ الیہی نے لکھا ہے کہ خالد کا بھائی اسد جسے اس نے اپنے علاقے کے خراسانی حصہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا جس زمانہ میں وہ بلخ میں تھا مجوسیوں کی عید ہر جان ان ہی دنوں میں واقع ہوئی ہرات کے دہقان نے جو مجوسی تھا اسد کے پاس عید کی عید ہی جو پیش کی تھی ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کی تفصیل دی ہے لکھا ہے ایک قمر سونے کا اور ایک قمر چاندی ڈشاند کاسکٹ کی شکل کے ہوں گے، ان کے پیچھے چند طلائی نوٹے اور چند نقرئی نوٹے تھے۔ ان کے بعد سیم دزد کے بڑے بڑے باویے اور رکابیاں تھیں اور ان سب کے بعد مروزی قومی ہروزی وغیرہ وغیرہ کپڑوں کے تھان کے تھان تھے ان ہی تحفوں میں وہ (قآن) اپنے ساتھ سونے کے چند کرسے لگیند بھی لایا تھا۔

الغرض یہ تھا وہ تمام شاہی امیہ کی حکومت کا جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خاص ان کے وطن اور مستقر کوفہ میں دکھایا جا رہا تھا۔ مسلمانوں پر گورنر نے کافروں کو مسلط کر رکھا ہے مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے ڈھائے جا رہے ہیں اور عیسائیوں کے گرجے کی تعمیر مسلمانوں ہی کے پیسوں سے ہو رہی ہے مسلمانوں کے رسول پر خلیفہ کو ترجیح دی جا رہی ہے علی پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ عثمان کو بھی سخت نہیں جا رہا ہے مسلمانوں کے دین کے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے یہ تو گورنر کو رہا ہے خود خلیفہ اس فکر میں ہے کہ خواہ رعایا پر کچھ بھی گذر جائے لیکن اس کا مال پہلے اچھے داموں میں بک کر روپیہ کی شکل میں اس کے پاس پہنچ جائے عام مسلمانوں کے گھر میں فاقہ ہے اور مسلمانوں کے امیر کا نوکر ایک ایک بچے کی ختنہ میں وہ وہ الوالغز میناں دکھا رہا ہے کہ شاید بادشاہوں کے لڑکوں کی ختنہ میں بھی اتنی زرمستیاں نہ دکھائی جاتی ہوں مگر ساری دنیا چپ ہے بنی امیہ کی بے پناہ تلوار نے خون کی جو ندیاں بہائی ہیں اور ظلم کے جو آتشکدے جوڑ رکھے تھے ان کو دیکھ کر بھلا کس کا گروہ اور کس کا بگر تھا کہ آہ نیم شبی کے سوا کچھ

اسد کے متعلق لوگوں نے لکھا ہے کہ ایک حد تک وہ دیندار آدمی تھا۔ سب سے بڑی صفت اس کی سخاوت تھی ابن عساکر نے لکھا ہے کہ دہقان ہرات کے ان سارے تحفوں کو مجلس سے اٹھنے سے پہلے اسد نے بانٹ دیا۔ آدمی بڑا بہادر تھا۔ کافر ترکوں اور ان کے خاقان کی بڑی بڑی فوجوں کو اس نے شکست دی آخر میں ہرات ہی میں ایک سرطانی زخم سے جو اس کے پیٹ میں تھا بلخ ہی میں مر گیا۔ اور اسی کے بن خالد پر ہی آفت آئی۔ پندرہ سال کا سارا خوب ختم ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ہی خالد جیسا کہ آئندہ آرہا ہے معزول ہونے کے بعد شکنجے میں کٹا گیا۔ پہلے پاؤں میں شکنجہ کیا گیا اور ہڈیاں ترہانہ ٹرٹ گئیں۔ یوں ہی آہستہ آہستہ شکنجے کو اوپر سرکاتے جاتے اور اس کی ہڈیاں توڑی جاتیں تا آن کہ دم نکل گیا لیکن بڑا سخت جان تھا۔ منہ سے ابھی نہ نکالی۔ فاعتبر وایا اولی الابصار۔



اور بھی کرنے کے لئے تیار ہو مسلسل دیکھا جا رہا تھا کہ زبان سے بات نکلی نہیں کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔  
لیکن اپنی آذنی بڑباڑھا کر نہ درویش اپنی قبر آپ کھود رہا تھا جس چیز کے عشق میں ہشام مبتلا تھا  
اسی کا سودا اس کے سر میں بھی سما یا۔ ہشام کی بھی جاگیر خالد کی جاگیروں کے قریب تھی۔ شاہی جاگیر کے داروغہ  
نے بادشاہ کو اطلاع دی تھی کہ

”شاہی جاگیروں کی زمین کے بند کو خالد توڑ رہا ہے“

کہتے ہیں کہ یہیں سے بات کی ابتدا ہوئی جس کی انتہا خالد کی معزولی پر ہوئی اس زمانے میں  
یمن کا گورنر یوسف بن عمر تھا۔ راز میں ہشام نے اس کو لکھا کہ فوراً عراق پہنچ کر خالد کو گرفتار کرنے اور  
سرکاری مطالبے وصول کرنے۔ یوسف پہنچا خالد گرفتار ہو گیا۔ اور مطالبے کا تقاضا یوسف نے  
شروع کیا۔ ہشام کا حکم تھا کہ قتل کرنے کے سوا مطالبے کے لئے جتنی اذیت تم دے سکتے ہو خالد کو دو یوسف  
نے بھی اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ روزانہ نئی سزائیں تجویز ہوتی تھیں۔ پوچھا جاتا تھا کہ یہ پچاس  
کرور سرکاری خزانہ کا مال تو نے کہاں رکھا ہے۔ یہ قصہ تو یوں ہی جاری رہا۔ کوفے کے مسلمانوں کو اس کی خوشی  
ہوئی کہ ابن النصرانیہ سے ان کو نجات ملی۔ کہتے ہیں کہ یوسف نماز روزے کا بڑا پابند تھا۔ کمال کے الفاظ ہیں کہ

ویر دیر تک نمازیں پڑھتا مسجد میں زیادہ وقت گزارتا تھا اپنے گرد پیش والوں اور گھر

کے لوگوں کو غوام پر ظلم و زیادتی کرنے سے روکے رہتا، نرم کلام، منکسر المزاج آدمی

تھا، عیبوں میں دعا و الحاح کا عادی تھا اس کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد کسی سے گفتگو

نہ کرتا جب تک کہ چاشت کی نماز نہیں پڑھ لیتا تھا قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتا

تھا اور خدا کے سامنے گریہ و زاری کرتا ص ۵۳ ج ۵

اسی نے کوفہ کے شاعر یحییٰ بن نوفل نے شعر لکھا

فلما اتانا يوسف الخیر انشرفت له الارض حتی کل واد منورا

جب بھلائی والا یوسف آیا تو زمین چمک اٹھی گویا ہر وادی جگمگ رہی ہے۔

لیکن نبی امیہ کا گورنر بہر حال نبی امیہ کا گورنر تھا۔ چند ہی دن کے بعد معلوم ہوا کہ یوسف کو جنون

ہے۔ اور نماز روزہ کا سارا قصہ یہ بھی جنون ہی کے ظہور کی ایک شکل ہے۔ جنون کے جو واقعات لوگوں میں

مشہور ہوئے ان کی فہرست تو طویل ہے۔ نمونے کے لئے یہ چند مثالیں کافی ہو سکتی ہیں

چار خانے بنے ہوئے کیرٹ جلاہوں سے بنواتا۔ بے چارا جلاہ بنا کر لاتا۔ اپنے سکرٹری

سے پوچھتا کیوں بے کیسا ہے؟ سکرٹری کہتا کہ خانے کچھ چھوٹے ہیں تب جولاہے سے

کہتا سچ تو کہتا ہے ابے اللخنا، کا پو۔ جولاہا کہتا۔ حضور اس فن سے میں زیادہ واقف

ہوں تب سکرٹری سے کہتا سچ تو کہتا ہے ابے اللخنا، کے بچے۔ سکرٹری جواب میں کہتا کہ اس

جولاہے کو سال میں ایک دو تھان بنانے کی نوبت آتی ہوگی اور میرے ہاتھ سے سیکڑوں

تھان سالانہ گزرتے ہیں یہ بیچارہ اس کی خوبوں کو کیا جانتے۔ تب جولاہے سے یوسف کہتا

سچ تو کہتا ہے ایسے لہجہ کے بچے۔ الغرض یوں ہی اس کی بھی تصدیق کرتا اور اس کی بھی پھر اسے بھی جھٹلاتا اور اسے بھی۔ اسی طرح مزاج میں سختی اتنی تھی کہ فرمائش سے ذرہ برابر بھی کسی چیز میں نقص رہ جاتا تو بنانے والوں پر سیکڑوں کوڑے پڑ جاتے ایک دفعہ اپنی نوڈیوں کو بلا کر اس وقت جب سفر میں جا رہا تھا پوچھا کہ کون کون میرے ساتھ چلے گی ایک بولی کہ سرکار میں جاؤں گی بس بگڑ بیٹھتا اور محسوس باتیں کہتا حکم غلام کو دیتا کہ لگا اس کے سر پر کوڑے دوسری یہ دیکھ کر کہتی کہ سرکار میں گھر ہی پر رہوں گی تب کہتا کہ مجھ سے چڑھتی ہے غلام! لگا اسے کوڑے اب تیسری سے پوچھتا کہ بتاؤ کیا چاہتی ہے۔ دونوں کے حشر کو دیکھ کر کہتی کہ میں کیا بتاؤں جو بات ہی کہوں گی اس کی سزا دیکھ چکی ہوں تب کہتا کہ کیوں ری میری بات میں منہ نکالتی ہے اور باتیں بناتی ہے غلام! لگا اسے ہی کوڑے۔

ظاہر ہے کہ جنون کے سوا اور ان حرکات کی دوسری توجیہ کیا ہو سکتی ہے یہ بھی لکھ رہے کہ یوسف بہت پستہ قدم تھا لیکن وارہی بڑھی بھی تھی کپڑے سلوانے کے لیے درزی کو بلاتا۔ اگر درزی کہہ دیتا کہ جو کپڑا دیا گیا ہے اس میں فاضل بچے گا تو بگڑ بیٹھتا اور فوراً کوڑے مارنے کا حکم دیتا۔ لیکن جاننے والا درزی ہوتا تو کہتا کہ اتنا کپڑا سرکار کے بھاری بھر کم بدن کے لئے کافی نہیں ہو سکتا تو خوشی سے پھول جانا اس ذریعہ سے درزی خوب کپڑے وصول کرتے تھے دیہہ سار و اوقات ابن اثیر وغیرہ سے منقول ہیں مسلمان اس کے حال کو دیکھ کر مایوس ہوئے یحییٰ بن زوفل شاعر کو پھر لکھنا پڑا

ارافاد الخلیفۃ اخر ما فنا مع الاخلاص بالرجل المجدید

کاہل النار حین دعوا اغشیوا جمیعاً بالحمیم وبالصلید

جس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ نے گو اخلاص سے نئے آدمی سے ہم لوگوں کو مشرف فرمایا۔ لیکن واقعہ یہ ہوا کہ جنہی جب جہنم میں فریاد کریں گے۔ اور مانگیں گے تو ان کی فریاد رسی گرم پانی اور سپ سے کی جائے گی۔ یہی حال ہمارا ہوا کہ فریاد تو سنی گئی۔ لیکن یوسف کو بھیج کر گویا گرم پانی اور ریم کے ذریعہ فریاد رسی کی گئی ہے۔

خیر یہ قطعہ تو طویل ہے اس کے نقل کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ جب ان واقعات سے عام لوگ متاثر ہو رہے تھے تو اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اس شخص کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی جس کے متعلق سلم بن سالم کی شہادت گزر چکی ہے کہ

میں نے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات کی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی امت کا احترام اور اس امت کی ہمدردی ابو حنیفہ کے دل میں جنہی پائی اس کی نظیر

دیکھنے میں نہیں آئی۔

فرزدق جیسا ابابہ شاعر بھی جن واقعات پر تڑپ اٹھتا ہو تو ابو حنیفہ اور ان جیسے اکابر اسلام



کے قلوب کی کیفیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ بس سمجھنا چاہیے کہ اندر ہی اندر آگ سلگ رہی ہوگی جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس اندرونی آگ کو خالد سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے دماغ میں ایک چال آئی۔

**خالد کی ایک عجیب چال**  
 کہا یہ جانتے کہ یوسف خالد پر سرکاری مطالبات کی پابجائی کے لئے جیسے روزانہ تشدد کیا کرتا تھا ایک دن جیل سے بلوا کر طرح طرح کی سزائیں دیکر دریافت کر رہا تھا کہ آخر بتا توئے مال کن لوگوں کے پاس چھپا یا ہے۔ خدا جانے خالد پہلے سے سوچ کر آیا تھا یا اسی وقت اسے یہ سوچھی اس نے کہنا شروع کیا کہ سچ سچ پوچھتے ہو تو اس عرصہ میں جو کچھ میں نے دولت جمع کی اس کا بڑا حصہ میں نے مدینہ منورہ میں تین آدمیوں کے پاس محفوظ کر دیا ہے یوسف نے چونکہ کر پوچھا مدینہ میں؟ بولا ہاں اور اس کے بعد اس نے ان لوگوں کے نام بتاتے ہوئے جن کے پاس مدینہ میں اس نے مال محفوظ کرانے کا دعویٰ کیا تھا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزاد حضرت زید بن علی الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام لیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ خالد کے متعلق بنی امیہ والوں کو اس کی شکایت بھی تھی کہ ہاشمیوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے یوسف مجنون کے دماغ میں بات آگئی اور اس نے شام کو اس بات کی خبر دی شام نے اسی وقت ان لوگوں کے متعلق کو فریو پونچنے کا نظم کر دیا اور یہ لوگ کو فریو پونچ گئے جن میں حضرت زید بن علی الشہید بھی تھے۔ یوسف نے خالد کے سامنے ان لوگوں کا اظہار لینا شروع کیا۔ خالد کو دیکھ کر حضرت زید نے فرمایا کہ ”بھلا یہ ہمارے پاس مال کیوں جمع کرانے لگا۔ صبح و شام برسر ممبر میسرہ جدا جدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالی لگاتا ہے“ پھر خالد سے پوچھا کہ آخر تجھے یہ کیا سوچھی اس نے جو جواب دیا اسی کا ذکر مقصود ہے۔ اس نے کہا۔

شد علی العذاب خادعیت

ذلاک واملت ان یاتنی اللہ بفرج

قبل قدومک

میری سزا سختیوں میں بہت شدید ہوگی اس نے  
 میں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ آپ لوگوں کے پاس مال میں  
 نے جمع کرایا ہے اغرض میری یہ تھی کہ شاید خدا اسی کو میری

مصیبت کے ازالہ کا سبب بنا دے یعنی آپ لوگوں کی تشریف آوری سے میری شکل بدل ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ خالد جیسے آزاد آدمی کے متعلق یہ فرض کرنا کہ ان بزرگوں کے قدم مصیبت روم کی برکت اور غیبی لاپتہی امداد کی وہ توقع کئے ہوئے تھا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسے بڑی دور کی اور پتہ کی سوچھی۔ خالد کے اس فقرے کا جو مطلب ہے اس کو پیش کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ حضرت زید بن علی علیہ السلام کے مختصر حالات درج کر لوں کہ اسی سے اس فقرے کا مطلب سمجھ میں آسکتا ہے۔

**حضرت زید بن علی کے کچھ اجمالی حالات**  
 واقعہ یہ ہے کہ دشت کربلا کی مصیبت اور اس کے بعد مسلسل بنی امیہ کے فولادی پنجوں کی آہنیں گرتوں نے عام مسلمانوں

پراوس ڈال دی تھی۔ باطل کے مقابلہ میں اٹھنے کی تاب مسلمانوں میں عموماً باقی نہ رہی اور سب سے زیادہ خصوصیت کے ساتھ جو دنیا میں پیسے گئے وہ فاطمہ اور علی کی اولاد تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہ) جب حال یہ ہو گیا ہو جیسا کہ امام زین العابدین سے منقول ہے کہ بیمار ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو قتل کرنے سے چھوڑ دیا فرماتے ہیں کہ ان ہی میں سے ایک آدمی مجھے چھپا کر اپنے گھر لے گیا اور میری خاطر و مدارات کرتا جب گھراتا یا گھر سے جاتا تو میرے حال پر ترس کھا کھا کر روتا میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس سے زیادہ وفادار آدمی اب کون ہو سکتا ہے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں

ان لیکن عند احد من الناس  
خیر و وفاء عند هذا۔ طبقات ج ۱۵۰

اگر بھلائی اور وفاداری کسی کے پاس ہو سکتی ہے تو اس شخص کے پاس ضرور ہوگی۔

مگر فرماتے ہیں چند روز بھی گزرنے نہ پائے تھے ابن زیاد نے عام اعلان کیا کہ علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کا جو پتہ دے گا اور لا کر حاضر کر دے گا تین سو درم اسے انعام میں دیے جائیں گے یہ سننے کے ساتھ میرے لئے ہر وقت رونے والا وہی آدمی جس نے مجھے پناہ دی تھی دیکھتا کیا ہوں کہ رستی لے ہوئے آ رہا ہے اور میرے ہاتھ باندھ کر ان کو گردن سے باندھ رہا ہے روتا جاتا ہے اور باندھتا جاتا ہے یہ ہی کہتا جاتا ہے کہ اخاف (مجھے ڈر لگتا ہے) اور اسی طرح باندھے پھانڈے اس نے اطمینان سے مجھے ابن زیاد کے پاس لا کر کھڑا کر دیا اور تین سو درم لے کر روانہ ہو گیا۔ ابن زیاد کی نظروں ہی مکہ چھ پر پڑی چند باتوں کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے یہ سننے ہی میری پھوپھی زینب بنت علی چیخ اٹھیں

یا ابن زیاد حسب من دماننا

ہمارے گھرانے سے جتنا خون لیا گیا ہے ابن زیاد وہ

استلک باللہ ان قتلته الا

بہت کافی ہے میں خدا کا واسطہ دیکر کہتی ہوں اس بچے کو اگر

قتلتنی۔ طبقات ج ۱۵۰

قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کرے

ان کی اس چیخ سے ابن زیاد متاثر ہو گیا اور میری جان بچ گئی دو کیمو طبقات ابن سعد اسی لئے حضرت نے ان لوگوں سے جو اہل بیت سے محبت کے دعوے کر کے ان حرکات کا ارتکاب کیا کرتے تھے فرماتے کہ

احبونا حب الاسلام کی اخوت کے تعلق سے لوگوں سے محبت

حبکم حتی صار علینا عارا طبقات ج ۱۵۸

کرو تم لوگوں کی محبت تو ہمارے لئے باعث ننگ بن گئی ہے

کبھی فرماتے کہ

”تم لوگوں کا اسی محبت نے دنیا کو ہم لوگوں کا دشمن بنا دیا ہے“

یہ بھی فرماتے کہ

”معروف (شرعی نیکیوں) کے کرنے اور منکر (غیر شرعی امور) سے بچنے کے حکم

سے اعراض کرنا خدا کی کتاب کو پس پشت ڈالنا ہے“

مگر جن حالات میں وہ گرفتار تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے الا ان تتقوا منہم تقاً



(یعنی بداندیشوں سے بچنے کے لئے بچنے کی کوئی تدبیر کی جائے)

پوچھا جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ جواب دیتے کہ

یخاف جباراً عنبداً یخاف

ان یفرط علیہ اور لطفی

اس اندیشے سے اپنے آپ کو ان کے مظالم سے بچانے کے لئے ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو ظلم سے اس کو محفوظ رکھے

اہل بیت کو اتنا کچل دیا گیا کہ مدینہ میں جب حرہ کا واقعہ پیش آیا۔ حالانکہ زیادہ تر اس واقعہ

کے پیش آنے میں بڑا سبب حضرت امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں شہادت ہی تھی لیکن طبقات میں لکھا

ہے خود حضرت سید زین العابدین کا بیان ہے کہ

ما خرج فیہا احد من ال ابی طالب

ولا خرج من فیہا من بنی عبد

المطلب لزموا بیوتہم ۱۵۹

ابو طالب کے خاندان میں سے بھی کوئی آدمی اس

ہنگامے میں شریک ہونے کے لئے نہ نکلا اور نہ

عبدالمطلب کے گھرانے والے نکلے سب کے سب اپنے گھروں

میں پڑے رہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد اہل بیت نبوت والوں نے سیاسی قصوں سے اپنے

آپ کو الگ تھلگ کر لیا تھا۔ خود امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی عبادت و ریاضت و

مجاہدے میں گزاری مدینہ منورہ کے پاس عقیق نامی ندی کے کنارے جو محلہ تھا وہیں آپ نے مکان بنوایا

اور اپنے بال بچوں خاندان والوں کے ساتھ صبر و شکر کے ساتھ زندگی کے دن یورے کر رہے تھے

اگر چہ ریحانۃ النبی سیدنا حسین علیہ السلام کی اولاد ذکور میں آپ تنہا باقی رہ گئے تھے لیکن خدانے

آپ کی اولاد میں برکت دی۔ اپنے بعد ذکور و اثناث کی شکل میں اپنی اولاد کی کافی تعداد آپ نے چھوڑی

جن میں سب سے زیادہ شہرت امام باقر محمد بن علی بن حسین نے حاصل کی آپ کی والدہ امام حسن

علیہ السلام کی چونکہ صاحبزادی تھیں اس لئے دونوں بھائیوں کی ناستدگی آپ کا وجود باوجود کرتا تھا

گو آپ کے ایک حقیقی بھائی عبد اللہ بن علی بھی تھے لیکن عظمت و احترام کا جو مقام عالی امام باقر کو حاصل

ہوا یہ کچھ ان ہی کی خصوصیت تھی۔ سیدنا زین العابدین کے دوسرے صاحبزادے و دوسری عورتوں

سے تھے جن میں ایک زید بن علی الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

لکھنے والوں نے تو خود حضرت امام زین العابدین تک کے متعلق اگرچہ یہ

ہندوستان اور یہ لکھ دیا ہے کہ

خاندان نبوت قیل ان امر

زین العابدین یقال لها عزالہ

وقیل سلامہ من بلاد السند ۱۹۱ ایضاً

گو یہ اس عام اور مشہور روایت کے خلاف ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ یزید مجرد کی شاہزادی

تھیں جن کا ایرانی نام شہر بانو اور عربی نام سلافہ رکھا گیا تھا ایلیا فحی نے یہ بھی لکھا ہے کہ :  
 و امہ سلافہ بنت یزید جس  
 حضرت زین العابدین کی والدہ کا نام سلافہ تھا یزید گرد  
 ایران کے آخری بادشاہ کی صاحبزادی تھیں

آخر ملوک فارس ۱۹ ص ۱ ج ۱  
 بہر حال امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگوں میں ہندوستانی خون تھا یا نہ تھا۔ لیکن ان  
 کے صاحبزادے زید کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ ہندی تھیں۔ طبری نے حضرت زید اور ان کے  
 چچا زاد بھائی عبد اللہ بن حسن سے جس گفتگو کو نقل کیا ہے اس میں عبد اللہ بن حسن نے صاف لفظوں میں  
 زید کو کہا کہ :-

یا ابن الہند کیسہ ۲  
 اے ہندوستانی عورت کا بچہ

۱۔ ایلیا فحی نے اسی سلسلہ میں الزمخشری کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایران کے قیدی جب  
 مدینہ لائے گئے تو یہ معلوم کر کے کہ ان قیدیوں میں شاہی خاندان کی چند شاہزادیاں بھی ہیں حضرت علی نے حضرت عمر کو یہ مشورہ  
 دیا کہ شاہی خاندان کی شاہزادیوں کے ساتھ عوام کا معاملہ کرنا درست نہ ہوگا۔ آخر حضرت علی نے ان تینوں شاہزادیوں کو  
 بیت المال میں قیمت ادا کر کے لے لیا اور آپ ہی نے ان میں سے ایک کو حضرت عمر کے صاحبزادے عبد اللہ اور دوسری کو حضرت  
 ابو بکر کے صاحبزادے محمد اور تیسری کو امام حسین علیہ السلام کو عطا فرما دیا۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی شاہزادی  
 کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر کے گھر میں جو شاہزادی داخل ہوئیں ان سے سالم اور محمد بن ابی بکر  
 والی شاہزادی سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے تینوں اپنے وقت کے امام تھے علم و فضل تقویٰ و طہارت ریاضت و مجاہدہ میں  
 ان تینوں کے برابر شکل ہی سے کوئی آدمی مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں نکلا۔ لکھا ہے کہ ان ہی تینوں صاحبزادوں کو دیکھ کر  
 عربوں کا یہ خیال بدل گیا کہ عجمی عورتوں سے بچے نہ پیدا کرانا چاہیے لیکن ان کو دیکھ کر کثرت سے لوگ عجمی خواتین کو اپنے  
 بچوں کی مائیں بنانے لگے۔ دیکھو ایلیا فحی ص ۱۹ ج ۱

۲۔ دراصل ایک زمین کے قصبے میں دونوں میں کچھ جھگڑا ہوا تھا۔ عبد اللہ بن حسن نے اس موقع پر یہ کہتے ہوئے کہ اس  
 زمین پر تم کیسے قبضہ رکھ سکتے ہو حالانکہ تم تو ایک ہندوستانی عورت کے بطن سے ہو بعض روایتوں میں ہے کہ عبد اللہ نے  
 کہا کہ اقطع ان تسالھا وانت لامۃ سند یہ (کیا تم اس زمین کی خواہش کرتے ہو حالانکہ تم ایک سند ہی  
 عورت کے بطن سے ہو) ص ۲۶ ج ۸ طبری) بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً آپ کی والدہ سندھ کی تھیں۔ ہند کا  
 لفظ چونکہ سندھ کو بھی شامل تھا اس لئے کبھی سندھ یہ اور کبھی انگی والدہ کو ہند یہ کہہ دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔  
 اتنا یقینی ہے کہ وہ ہند یعنی الاعم کی ضرورت تھیں اب خواہ سندھ کی ہوں یا ہندوستان کے کسی دوسرے مقام کی زیادہ ترقی  
 سندھ ہی سے ہونی چاہئے طبری نے یہ ہی لکھا ہے کہ اس عارولانے پر بجائے خطا ہونے کے تصاحیح زید (حضرت زید  
 منس پڑے) اور ایک فقرہ استعمال کیا یعنی اپنی ہندوستانی ماں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ قول اللہ لقد صبرت بعد  
 وفات مسیدھا فما تعبت باہھا اذا المرصیدر غیرھا جس کا اصل یہ ہے کہ میری ماں سے اپنی شوہر کے انتقال کے بعد  
 صبر کیا اور کسی دوسرے آدمی سے شادی نہیں کی حالانکہ اس کے مقابلہ میں دوسری عورت نے تو صبر سے کام (باقی صفحہ آئندہ)



میں سوچتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے یعنی حضرت زید کی والدہ تو "سند کیہ" تھیں اور جینیا کہتے ہیں کہ ان کی داوی شہر بانو ایرانیہ خاتون بلکہ شائزادی تھیں تو اس کا مطلب گویا یہی ہوا کہ ان میں عربی قریشی ہاشمی فاطمی علوی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایرانی اور ہندوستانی صفات بھی موجود تھیں طور پر منتقل ہوئے۔ شاید ہی اس زمانہ میں اس قسم کے موروثی خصوصیات کسی شخص واحد میں جمع ہو سکتی ہوں۔

**شکل و صورت** اسی نے لکھا ہے کہ حضرت زید غیر معمولی طور پر حسین و جمیل تھے شیخ ابو محمد یحییٰ الشافعی کے حوالہ سے "الروض الکبیر" جو زیدی فقہ کی کتاب ہے اس کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ :-

رنگ حضرت زید کا گورا تھا آنکھیں بڑی بڑی ابرو دو اداں سے ہوئے تھے جسم کی بناوٹ کھل تھی۔ قد دراز تھا ڈاڑھی گہنی سینہ فراخ و کشادہ، بلند بینی، ڈاڑھی اور سر کے بال سیاہ تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی دونوں رخساروں کے اطراف میں ہو چکی تھی۔

کانت ابيض اللون اعين مقروحة  
الحاجبين قام الخلق طویل القامة  
كث اللحية عريض الصدر ارقى الالف  
اسود الراس واللحية الا انخالطه  
الشيب في عارضيه ۹۹ مقدمہ الروض النضر

شاید حضرت زید کی ان صوری خصوصیتوں میں ان تمام چیزوں کی جھلک پائی جاتی ہے جنہیں نسبتاً ان میں ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح ان کے باطنی صفات میں بھی بہن طور پر موروثی آثار کے جلوے نظر آتے ہیں غیر معمولی ذہین و فطین علم دوست معارف پرور ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر اور نڈر تھے دوسری شہادتوں کے ساتھ خود حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی شہادت اس باب میں نقل کی گئی ہے یعنی حضرت امام فرماتے تھے :-

بقیہ سلسلہ گذشتہ) نہیں لیا کہتے ہیں کہ یہ اشارہ عبد اللہ بن حسن کی والدہ کی طرف تھا بعد کو زید اپنے اس قول سے پشیمان ہو ہی ہوئے کہ میں نے ایسا کیوں کہا اس سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کی والدہ نے ہندوستانی دستور عقیدہ بیوگان کے مسئلہ میں جو تھا اس کو عرب میں بھی بنا ہا۔ دیکھو طبری ص ۲۶ ج ۲ مطبوعہ مصر۔ بہر حال اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت زید شہید کی نانحال ہندوستان تھی تو اس ملک میں جو آج کل زیدی سادات آباد ہیں وہ ہی اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہی کچھ عجیب ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف قرون و ادوار میں سادات کی مختلف شاخیں ہندوستان میں آ کر آباد ہوئیں۔ لیکن جو امتیاز اس ملک میں زیدی سادات نے حاصل کیا شکل ہی سے دوسری شاخوں میں اس کی نظیر مل سکتی ہے بارہر کے سادات بلگرام کے سادات کا ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں جو حصہ ہے اس سے کون ناواقف ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ زیدی سادات ہی سے دونوں کا تعلق تھا انگریزی عہد میں ہی مرید علی امام حسین امام وغیرہ نے جو اقتدار حاصل کیا اس کا کون انکار کر سکتا ہے ان لوگوں کا تعلق ہی زیدی سادات ہی سے تھا۔ بہار میں ایک ممتاز گائوں زیدی سادات کا آباد ہے جس میں جاہلی سادات کہتے ہیں زندگی کے ہر شعبہ میں ان کو نمایاں دیکھا جاتا ہے۔ کیا اس میں ہندوستان کے ساتھ ان کے اس نسلی تعلق کو بھی دخل ہے؟ واقد اعلم بالصواب

شاهدت فرید بن علی کما شاهدت  
 اهلہ فماریت فی زمانہ افتد مند  
 ولا اعلم ولا اسر حواجا ولا  
 ابین قولا

میں زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دیگر  
 حضرات کے شاہدے کا موقع مجھے ملا ہے میں نے ان کے  
 زمانے میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی اور کسی کو نہیں پایا  
 اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح صاف گفتگو کرنے والا  
 آدمی اس عہد میں مجھ کوئی نہ ملا۔

آخر میں امام صاحب کا بیان اس لفظ پر ختم ہوا ہے۔  
 لقد کان منقطع القرین صہ روض  
 اور امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے حضرت شہید  
 کے متعلق اسی قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ الشعبی سے روایت کرنے والوں نے یہاں تک روایت کیا ہے کہ  
 زید بن علی سے بہتر بچہ شہانہ کسی عورت نے پیدا کیا ہو ایسا فقیہ آشاہد اور قانع عابد  
 و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی اور دینی فہم و فراست کے ساتھ  
 حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی  
 امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ شہید کی شہادت کی خبر جب معلوم ہوئی تو فرمایا  
 "واللہ لیسے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کے پڑھنے والے سب سے زیادہ اللہ کے  
 دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے۔"

اور آخر میں فرمایا

واللہ ما ترک فینا لہ دنیا ولا  
 لاخرتہ مثلہ روض صہ

خدا کی قسم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے یعنی دونوں کے  
 متعلقہ مسائل کے لئے انہوں نے ہمارے خاندان میں اپنا جیسا  
 آدمی نہیں چھوڑا

گویا حضرت زید کی اس جامعیت کا حضرت صادق کی طرف سے یہ اعتراف تھا جو ان کے  
 موروثی صفات کے منطقی نتیجہ ہونے کی حیثیت رکھتی تھی بہر حال یہ تو ان کے فطری صفات کی طرف کچھ  
 اشارے تھے ان جہلی صفات کے ساتھ جن اکتسابی کمالات کو حضرت زید نے اپنے اندر جمع کیا تھا۔ اس کا  
 اندازہ ان کی طالب علمانہ زندگی سے ہوتا ہے۔ میرے سامنے اس وقت ان کی مفصل سوانح عمری نہیں  
 ہے، تاہم اجمالاً کچھ ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

بات یہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ دشت کربلا کے زہرہ گداز مناظر نے اہل بیت  
 کے افراد کو عموماً اور حضرت سیدنا امام زین العابدین کو خصوصاً اتنا دل شکستہ بنا دیا تھا کہ زیادہ تر ان بزرگوں  
 پر کیوں اور عزت گزینی کے جذبات غالب آگئے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ سیاسی مسائل اور الجھنوں  
 کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ قطعی طور پر یہ طے کر لیا گیا تھا کہ کچھ بھی گذر جائے۔ لیکن ان  
 کانٹوں میں نہ الجھا جائے گا۔ لطیقات ابن سعد میں حضرت امام زین العابدین کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی گئی۔



ص نے کیوں لیا ہے، بڑا دلچسپ سوال ہے، بعض کہتے ہیں کہ گنہ گنہ بزرگ دینے کا قانون اللہ تعالیٰ ہی کا بنایا ہوا ہے، لیکن قانون کو وہ اگر اٹھائیں تو ان سے بڑا کون ہے جو پوچھے گا، اور حکیم کے لفظ سے اشارہ اس سے بھی زیادہ گہری حقیقت کی طرف کیا گیا ہے۔

ان علی بن حسین کان یبغی  
عن القتال وان قومًا من اهل  
خراسان لقوه فشكوا اليه ما بقون  
من ظلم ولا تهم فامرهم الصبر  
والكف وقال انى اقول كما قال  
عيسى بن مريم عليه السلام ان  
تعذبهم فانهم عبادك وان  
تعفر لهم فانك انت العزيز الحكيم

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تعفر لهم فانك انت العزيز الحكيم (اگر آپ ان کو سزا دیتے ہیں تو آپ کے یہ بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دیتے ہیں تو آپ کی ذات سب پر غالب ہے اور آپ ہی حکمت والے ہیں)

آخری فقرہ حضرت کا یعنی امت محمدیہ کے لیے اسی دعا کو استعمال کرنا جو حضرت مسیح علیہ السلام عیسائیوں کے لئے فرمائیں گے اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے نانا کی امت کے ان حالات کو دیکھ کر ان بزرگوں پر کیا گزر رہی تھی ایمان و اسلام کے دعویٰ کے بعد جس قسم کے حرکات بنی امیہ کی حکومت کی سرپرستی میں مسلمانوں سے سرزد ہو رہے تھے یہ ظاہر ان کے ازالہ کی امید سے مایوس ہو کر بجائے سختی کے ان کے رجحانات کچھ نرمی کی طرف مائل ہو رہے تھے بلکہ اڑ جا جو فرقہ مرجیہ کا مسلک سمجھا جاتا ہے جس کا عام مطلب کتابوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان لے آنے کے بعد نجات کیلئے عمل صالح کی ضرورت کا یہ فرقہ انکار کرتا تھا۔ یعنی اپنے آپ کو مومن قرار دینے کے بعد جس کے جو جی میں آئے کرتا چلا جائے بہر حال وہ جنتی ہے اور دوزخ کی آگ ان پر حرام ہو جاتی ہے اگرچہ یہ بدترین قسم کی ارجائست ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے ابتدا اس کی ان ہی رجحانات سے ہوئی جس کی جہلک اہل بیت ہی کے بزرگوں میں ابتدا پائی جاتی ہے۔ لکھنے والوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند محمد بن الحنفیہ کے صاحبزادے حسن بن محمد پہلے آدمی ہیں۔

علی بن حسین یعنی حضرت امام زین العابدین لوگوں کو جنگ و جدال سے منع کیا کرتے تھے خراسان کے کچھ لوگ آپ سے آکر ملے اور زین امیہ کے حکمرانوں کے جن مظالم میں گرفتار تھے ان کا شکوہ حضرت سے کیا تو حضرت والا نے ان کو صبر کی تلقین کی اور لڑائی جھگڑا سے بچے رہنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ میں ہی ان ظالموں کے متعلق وہی کہتا ہوں جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے یعنی قرآن میں جو دعا حضرت عیسیٰ کی منقول کہ

اگر آپ ان کو سزا دیتے ہیں تو آپ کے یہ بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دیتے ہیں تو آپ کی ذات سب پر غالب ہے اور آپ ہی حکمت والے ہیں

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حسن بن محمد نے اپنے اس مسلک کی تائید میں کتاب بھی لکھی تھی اور مسلمانوں میں عام طور سے اس کتاب کو ترقیم کرانے کا بھی انھوں نے نظم کیا تھا۔ یہ ظاہر اس کے اسباب وہی معلوم ہوتے ہیں جو میں نے عرض کیا۔ آخر کیا سوچا جاتا۔ کیا یہ طے کر لیا جاتا کہ ایمان لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اکثریت پھر کفر کی طرف واپس ہو کر مرتد ہو گئی ہے۔ افسوس ہے کہ دنیا سے حسن بن محمد کی یہ کتاب غائب ہو گئی ہے۔ یوں بھی خاص تاریخی چیز ہوتی اگر مل جاتی۔ کیوں کہ پہلی صدی ہجری کا یہ خاص تا یعنی کارنامہ ہے اب تک یا تو قرآن لکھا جاتا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لوگوں نے جمع کیا تھا۔ لیکن قرآنی آیات اور آثار و احادیث کو پیش نظر رکھ کر کسی خاص نظریہ کو پسند کر کے اس پر کتاب لکھنا غالباً حسن بن محمد

سلاہ بجائے عفو الرحیم کے اللہ تعالیٰ کی صفت، عزت و غلبہ اور حکمت و دانائی کا حوالہ اپنی اس سفارشی دعا میں حضرت مسیح علیہ السلام



کا یہ پہلا کام تھا۔ اسی سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جس ار جاہ کو وہ پیش کر رہے تھے، وہ کونسا ار جاہ تھا  
 بہر حال بجائے نفع کے چون کہ اس کتاب سے لوگوں میں اور دلیری پیدا ہو گئی۔ اس لئے لوگوں نے بیان کیا  
 ہے کہ آخر میں صن بن محمد کہتے تھے کہ

لو ددت انی کنت مت ولما اکتبہ ص ۱۲۹ میری یہ آرزو ہے کہ کاش! میں مرجاتا اور اس کتاب کو نہ لکھتا

کچھ بھی ہو مقابلہ اور تصادم کا خیال اہل بیت کے قلوب میں مضجیل ہو گیا تھا۔ اس کا انکار نہیں کیا  
 جاسکتا۔ قدرتِ سیاسی و دلچسپیوں سے انگ ہونے کے بعد زندگی کے دوسرے مشغلوں کی طرف ان کا مائل ہو جانا  
 ضروری تھا جن میں عبادات و ریاضات و مجاہدات کا جو سلسلہ تھا وہ تو خیر تھا ہی جو بیس گھنٹوں میں روزانہ  
 ایک ایک ہزار رکعتوں کے ادا کرنے کا التزام کر لینا اور آخر وقت تک اس التزام کو نبھانا کیا معمولی بات ہے  
 لیکن اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خانوادہ نبوت سے تعلق رکھنے کے باوجود علم کے طلب اور حصول  
 میں بھی ان حضرات کا شغف غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا تھا۔ ان فطری اور قدرتی بلندیوں کے ساتھ جو آپ کو  
 موروثی طور پر ملی ہوئی تھی لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ حضرت امام زین العابدینؑ موالی اور غلاموں کے تعلیمی اور  
 افادہی حلقوں میں شریک ہوتے ہیں۔ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام سالم بن کا علم میں اس زمانہ میں ممتاز مرتبہ  
 تھا۔ لوگوں نے امام کو ان کے حلقہ میں پا کر تعجب سے پوچھا کہ قدح قریشیا و تجالس عبد نبی عدی  
 قریش کے علماء کو چھوڑ کر نبی عدی کے غلام کے پاس بیٹھے ہیں، جواب میں فرمایا۔

انما یجلس المرسل حيث ینفع بہت ص ۱۳۱ آدمی وہیں بیٹھا ہے جہاں سے نفع اٹھا سکتا ہے

۱۔ ار جاہ کا ایک مطلب تو وہ ہے جو قرآنی آیت لہما ما کسبت و علیہما ما کتبت (یعنی ہر شخص کو اپنے اچھے کئے ہوتے کام  
 کا نفع ملتا ہے اور برے کام کا وبال ہی بگھٹنا پڑتا ہے) سے مراد متصادم ہے عمل کا کوئی اثر ہی ان کے نزدیک نہیں ہے۔  
 لیکن ایک ار جاہ معزل و خوارج کے مقابلہ میں اہل سنت کا تھا کہ گنہ گاروں کو چاہے خدا عذاب دے چاہے بخش دے پھر اپنے گناہوں  
 کی سزا پانے کے بعد بالآخر مومن کے لئے نجات ہے اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے ار باب اعترال اس کو بھی ار جاہ کہہ دیتے تھے کیونکہ  
 ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد آدمی مسلمان باقی نہیں رہتا نجات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے اور خوارج کبیرہ ہی نہیں  
 صغیرہ گناہوں کے مرتکب کا یہی انجام قرار دیتے ہیں امام ابو حنیفہ کی طرف بعضوں نے ار جاہ کو جنوب کیا گیا ہے وہ ثانی الذکر اہل سنت والا  
 ار جاہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ استباب صحیح وہی ہو ۱۲

۲۔ حضرت امام زین العابدین کی عبادت و مجاہدے کے حالات کتابوں میں پڑھنے الیا فی نے ہی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ گھر  
 میں حضرت کے آگ لگ گئی۔ آپ سوجے میں تھے۔ رگ پلا رہے تھے لیکن اپنے سوجے سے سر نہ اٹھایا جب پوچھا گیا تو فرمایا جو  
 آگ آئی وہی ہے اس کی یاد ہے اس آگ کی طرف متوجہ ہونے نہ دیا، فرزوق کا مشہور تصیدہ کتابوں میں حضرت کی شان میں جو لکھا  
 گیا ہے نقل کیا جاتا ہے جس کا ایک شعر ہے۔ **هذا ابن عباد الله کلهم هذا التقى النقی الطاهر العلم**  
**هذا الذی تعرف البطاء و طاقه** والبیات یعرفه والحل والحرم۔ لیکن ہمارے محدثین اہل سنت کو  
 اس شخص پر جس نے حضرت زید کے اجتہادات و سبیل کو جمع کر کے دنیا میں پیش کیا اعتماد نہیں ہے (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۱۳۱)



اور اسی کا اثر ہم حضرت انام کے صاحبزادوں خصوصاً حضرت زید بن علی میں پائے ہیں۔ یعنی اس زمانہ میں جن جن چیزوں کو علم سمجھا جاتا تھا اور ان کے ماہرین جہاں کہیں پائے جاتے تھے۔ حضرت زید کے سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے ان تمام علوم میں ان کے ماہرین سے دستگاہ حاصل کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ بیان کرنے والوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ واصل بن عطاء جو اپنے بعض اعترافی عقائد کی وجہ سے بدنام بھی تھا، آپ اس سے بھی استفادہ کرنے میں نہ جھکے اور اسی چیز نے اس زمانہ کے مروجہ علوم (قرآن حدیث فقہ و کلام) میں آپ کے پایہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ گویا ان تمام علوم میں بذات خود وہ اجتہاد کا مقام رکھتے تھے آج بھی فرقہ زیدیہ کا خیال ہے کہ وہ ان ہی کے اجتہاد کے مقلد ہیں حضرت کی طرف متعدد کتابیں اس فرقہ میں منسوب ہیں۔ جن میں بعض طبع بھی ہو گئی ہیں۔

خیر فرقہ زیدیہ اور ان کے خیالات سے اس وقت بحث نہیں لیکن اتنا مسلم ہے کہ خاندان نبوت میں حضرت زید نے طلب علم میں جتنی کوشش کی اس خاندان میں اس کوشش کی نظیر نہیں ملتی۔ خصوصاً قرآن کے ساتھ آپ کا جو تعلق تھا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے جو خود آپ سے منقول ہے۔

خلوت بالقرآن ثلاث عشر سنة من روض تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کے لئے میں نے خلوت اختیار کیا تیرہ سال تک ہر چیز سے الگ ہو کر قرآن میں آپ کا یہ استغراق کس لئے تھا جہاں تک قرآن سے معلوم ہوتا ہے بات وہی تھی کہ امت اسلامیہ میں مختلف ملل و ادیان کے لوگ در فوج جو داخل ہوئے، اور ایک اپنے ساتھ کچھ اپنے موروثی عقائد و خیالات کے جراثیم بھی لایا۔ مسلمان ہونے کے بعد شعور اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر ان میں بعضوں نے یہ کوشش کی کہ اسلامی عقائد و مسلمات اور اپنے موروثی عقائد و خیالات میں مصالحت و موافقت کی شکل پیدا کریں اور سچ پوچھنے تو پہلی صدی ہجری میں

(بقیہ سلسلہ گذشتہ)

اس شخص کا نام ابو خالد عمرو بن خالد الوسطی تھا۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں اس شخص پر جرح کی گئی ہے، سب سے بڑا الزام اس پر یہ ہے کہ عطاروں کی دکان سے ردی کے کاغذ خرید لیتا۔ اور جو حدیثیں ان کاغذوں میں ملتیں ان کو اپنی طرف منسوب کر کے روایت کرتا تھا تفصیل کے لئے میزان ذہبی اور لسان المیزان ابن حجر وغیرہ دیکھئے ۱۲

۱۱۔ بصرہ کا نور باق (غزال) تھا عقلیت کا عارضہ جس فرقہ سے اسلام میں شروع ہوا یعنی معتزلہ کے قدیم سربراہ اور وہ لوگوں میں سمجھا جاتا ہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب مسلمان کو مسلمان باقی نہیں رکھتا لیکن وہ کافر بھی نہیں ہوتا یہ درمیانی منزل کی تراسی ہوئی ہے۔ محل کے دونوں فریق میں سے ایک کو برسر غلطی سمجھتا تھا لیکن کون غلطی پر تھا اس کو متعین کرنے سے پرہیز کرتا تھا۔ حضرت عائشہ حضرت طلحہ حضرت زبیر صحابہوں کے متعلق بد بخت کہتا تھا کہ ایک دستہ بھاجی کی پر شہادت ہی ان لوگوں کی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ لطیفہ یہ تھا کہ راکا حرف اس کی زبان سے ادا نہیں ہوتا تھا لیکن الفاظ کا اتنا بڑا عظیم سرمایہ اس کے پاس تھا کہ ساری عمر لمبے لمبے خطبے دیتا رہا سب میں ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا جن میں سے نہیں ہوتی تھی مثلاً یردگہنوں کو قح سطر بارش کو غیت کہتا۔ واصل خواجہ حسن بھری کے حلقہ میں بھی بیٹھا تھا ۱۲

بیوں فرقوں کی اسلام میں جو بھر مار ہو گئی۔ تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ واقعہ بھی تھا دوسری طرف حکومت  
 قائمہ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے اس باب میں جیسا کہ گذر چکا طرح طرح کے خیالات لوگوں  
 میں پھیلے ہوئے تھے چالیس چوروں کی جماعت مشائخ کی تھی اس نے تو سلاطین و قمت کو ہر قسم کی مصلحت  
 سے آزادی ہی بخش دی تھی۔ ان ہی کے بالمقابل خوارج اور ان کے یو قلموں خیالات رکھنے والے  
 فرقے تھے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اڑا دینا، ان کے جان و مال کو حلال سمجھ لینا عورتوں اور بچوں  
 کو لونڈی اور غلام بنا لینا اسی کو بطور پیشہ کے اختیار کئے ہوئے تھے جن کی جرئتیں اس حد تک پہنچی  
 ہوئی تھیں کہ حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تک سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ تب کہا تبنا  
 رقم بھی اس طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کیا ہے، اسی طرح آپ دیکھ چکے کہ خود اہل بیت کے اراکین  
 سیاسی معاملات سے یک سوی اور قطعی علیحدگی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے الغرض یہی سوال کہ  
 پر اگندگی اور انتشار کے اس حال میں حق کیا ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں تیرہ سال تک قرآن کے  
 استغراق میں اسی سوال کا شاید جواب حضرت زید تلاش کر رہے تھے۔ پھر اس کا جواب ان کو کیا ملا میری  
 بحث کے دائرے سے اس کی تفصیل خارج ہے اجمالاً ان کی اس تقریر کا تذکرہ کر سکتا ہوں جو اس زمانہ  
 کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا جاتا ہے حضرت شہید نے فرمایا تھا کہ میں ان لوگوں  
 سے بھی بری ہوں جو حق تعالیٰ کو اس کے مخلوقات جیسی ہستی خیال کرتے ہیں۔ اور ان جبر یوں سے ہی  
 بری ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بد عملیوں کی گٹھری خدا پر لا دی ہے (یعنی ہم کچھ نہیں  
 کرتے سب خدا کرتا اور کرتا ہے) اور میں ان لوگوں سے ہی بری ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شریروں  
 کے دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ خدا ان کو یوں ہی چھوڑ دے گا (یعنی صرف ایمان کا دعویٰ کافی  
 ہے نجات کے لئے عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجیہ کا عقیدہ ہے) اور میں ان دین باختوں سے بھی

ہذا اگر خدا کی توفیق رفیق ہوئی تو کسی مستقل کتاب میں اس قصے کی تفصیل کی جائے گی اتنی بات اس وقت ہی لوگوں کے گوش گزار  
 کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلا فرقہ اسلام میں قدریوں کا پیدا ہوا۔ صحیح مسلم وغیرہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ معبد بن خالد جعفی نے اس مسئلہ  
 کو چھڑ کر فرقہ بندی کی ابتدا کی مقرر نے لکھا بیکیہ معبد نے اس اورہ ایک آدمی جس نے اپنی کنیت ابو یونس رکھ لی تھی اس مسئلہ کو  
 اخذ کیا تھا۔ اسی لئے ابو یونس الاسواری کہلاتا تھا۔ اس اورہ کون تھے ان کے تفصیلی حالات البلاذری وغیرہ میں دیں گے۔ خلاصہ  
 یہ ہے کہ ایران کے شاہی باڈی گارڈ پاشا ہی جیش کا نام اس اورہ تھا ایرانی حکومت کی شکست کے بعد اس پوری ایرانی فوراً نے حضرت  
 سعد فاتح ایران سے خواہش کی کہ مسلمانوں کو جو رعایتیں حاصل ہیں عطا ہوں قوم مسلمان ہو کر اسلامی آبادیوں میں آباد ہو جائے  
 ان کی شرط منظور کر لی گئی۔ اور بصرہ پھر کوفہ وغیرہ میں یہ آباد ہو۔ بلاذری نے تفصیل کیا ہے ان کے حالات لکھیں سلام سیاسی منافع کیلئے انہوں نے قبول کیا  
 اشارہ ان لوگوں کی طرف تھا جو خداوند تعالیٰ کیلئے آدمی کی طرح آنکھ کان ہاتھ وغیرہ ثابت کرتے بلکہ بعض ان میں کہتے کہ بجز وارثی  
 اور شریک کے خدا میں وہ سارے اجزا پائے جاتے ہیں جو آدمی کے جسم میں ہیں ان کا یہ بھی خیال تھا کہ عرش کی جسامت اللہ میں کی جاتی  
 چار انگلی زیادہ ہے کیوں کہ عرش کی صفت قرآن میں عظیم آئی ہے کم از کم چار انگلی تو اس تخت کو بڑا ہونا چاہیے جن پر وہ بیٹھا ہے



بری ہوں جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں اور ان رافضیوں سے بھی جدا ہوں جو ابو بکر و عمر کی تکفیر کرتے ہیں" مگر  
خیر ان باتوں کا تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد و خیالات سے تھا حکومت مسلطہ جن ناکرونیوں کا ارتکاب کر رہی تھی  
اور اس کے حکام جن ناکفیتوں پر مسلمانوں کے حق میں جبری ہو گئے تھے ان کے مقابلہ میں کیا طریقہ عمل اختیار کر لیا  
جائے۔ یقیناً اس خلوت بالقرآن کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی ان کے سامنے تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی سوال  
کا جواب تھا جو کوڑ کی گلیوں میں آپ کے خون سے لکھا گیا بیان کیا جاتا ہے کہ اپنی شکست کا جب آپ کو یقین ہو گیا  
تو اس وقت فرمایا کہ :-

"شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حد کمال تک پہنچانے کا اس وقت مرقہ عطا فرمایا"  
اس کے بعد فرمایا اور یہی فقرہ خاص طور پر قابل توجہ ہے یعنی فرمایا :-  
جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت شرمندہ تھا کہ ان کی امت کو معروف  
کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں بھاگا"  
دوسری روایت کے الفاظ اسی کے قریب قریب ہیں یعنی آپ نے فرمایا :-  
خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں  
اور اس حال میں ملاقات کروں کہ ان کی امت کو نہ معروف کا میں حکم دینے ہوتا اور نہ منکر سے  
بچنے کے ہوتا۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ :-

"خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو جب میں نے درست کر لیا  
تو اس کے بعد مجھے اس کی قطعاً پروا نہیں ہے کہ میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے آہن  
بھونک دیا جائے" ص ۳۳ مقدمہ روض النضر۔

میرے خیال میں تو شاید ان کا یہی جذبہ تھا جس کی چنگاری ان کے اندر سلگتی اور بھڑکتی رہتی تھی مشہور  
حدیث ابو عوانہ نے حضرت شہید کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ :-  
کان زید بن علی یروی الحیاة غراماً زید بن علی کے لئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی زندگی سے  
وکان ضجرأبا الحیاة ص ۵۵ مقدمہ روض النضر۔ وہ تنگ آچکے تھے۔

یہی خیال کہ اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا اسی چیز نے شاید انکی  
زندگی کو ان پر دو بھر کر دیا تھا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اندر تھا وہ باہر کیسے اُسے اسی فکر میں  
زندگی کے ایک بڑے حصہ میں وہ سرگرداں اور پریشان تھے کہ اچانک ابن الصفرانیہ کو بات سو جھی یا سبھانی  
گئی۔ وہ حضرت کے پاس مال کے رکھانے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہشام کے لئے مال کی آواز سے زیادہ دلچسپ  
آواز کوئی نہ تھی۔ المسعودی نے اس کی خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ کان یجمع الاموال یعنی مال جمع  
کرنے کا اس کو بہت ڈھب تھا، حتیٰ کہ اسی کا بیان ہے کہ

”میشام کے عہد میں لوگ اسی کی روش پر چلنے لگے جس کے پاس جو کچھ تھا اس کے وہ لینے کی فکر میں ڈوب گیا حسن سہوک کے راستے مسدود ہو گئے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا  
(المسعودی برہاشیہ کامل ص ۱۲۲)

بھلا میں بادشاہ کا حال یہ ہو کہ رعایا پر خواہ کچھ ہی گذر جائے، لیکن اپنے غم کی قرینت کی فکر دوسروں کے غلوں کی بکری سے پہلے ہو یہ بادشاہ ہوا یا کوئی اور.....

پہر حال ہوا یہی جیسا کہ پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ سننے کے ساتھ میشام نے اسی وقت مدینہ کے والی کے نام فرمان روانہ کیا کہ زید اور جن جن لوگوں کا نام خالد نے اس سلسلہ میں لیا ہے ان کو میرے پاس دشتی بھیج دو فرمان مدینہ آتا ہے والی ان سب کو واقعے سے مطلع کرتا ہے۔ حضرت زید حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کہاں خالد اور کہاں اس کا مال والی نے بھی سن کر یہی کہا کہ آپ لوگ سچ کہتے ہیں مگر میں مجبور ہوں دشتی جانا پڑے گا۔ وکے برنڈش روانہ ہوئے دشتی پہنچے، میشام نے پہلے خود پوچھ کچھ کی طبری نے لکھا ہے کہ بیان سننے اور کافی جرح و سوال کے بعد میشام کو حالانکہ اطمینان بھی ہو گیا خود اس نے اعتراض کیا کہ انتم احمدی احمد بن ابی نصر انبیہ زمرانیہ کے رطب کے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے

چاہتے تھا کہ اب ان حضرات کو مدینہ منورہ واپس کر دیتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے وسوسہ ہوا کہ شاید برسر زمین خالد کے روبرو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلا اس نے دونوں کو حکم دیا کہ :-

آپ دونوں یوسف (گورنر کوفہ) کے پاس جائے تاکہ یوسف خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلائی ص ۲۶۱ کامل

اور یوں خود میشام نے کوفہ پہنچنے کا حضرت زید کے لئے ایک ذریعہ پیدا کر دیا تقدیر اسی کا نام ہے امر ابنی امیہ ہمیشہ اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ اہل بیت کا کوئی آدمی کوفہ پہنچنے نہ پاسے۔ یا پہنچے بھی تو اس کی باضابطہ نگرانی رکھی جاتی تھی لیکن مال کی محبت میں شکم کچھ ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ خود ہی قرعین کر کے باصر ارتحام حضرت شہید اور ان کے ساتھ عبدالقادر بن عباس کے پوتے داؤد بن علی کو زیر دستی کوفہ پہنچا دیا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خالد اور حضرت زید کی دو بند و گفتگو جب ہوئی تو خود خالد نے اعلان کیا کہ میں نے مال ان حضرات کے پاس نہیں رکھو ایسا ہے۔ اور حضرت زید کے یہ دریافت کرنے پر کہ پھر تو نے ہمارا نام کیوں لیا اس نے جو بات جواب میں کہی تھی کہ آپ کے آنے سے مجھے توقع ہے کہ شاید نبیائے کی کوئی راہ نکل آئے۔ وہی بات سامنے آگئی۔

کوفہ جہاں گذشتہ دنوں میں جو کچھ گذر چکا تھا وہ تو گذری چکا تھا لیکن مسلمانوں کی مسجدوں کے مینارے جو ڈھائے گئے تھے اور ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کے لئے گر جا بنایا گیا تھا ایمان والوں پر شرک و کفر کا تسلط قائم کیا گیا تھا بادشاہ کی آمدنی میں تاکہ کمی نہ ہو رعایا کو بھوکوں مر سنے پر مجبور کیا جا رہا تھا خالد کے مہلتے کے بعد جو دوسرے صاحب گورنر بن کر آئے وہ بھی سگ زرد کے بھائی شغال ہی نکلے صدق ابن ابی شغلا



جس کا تکیہ کلام تھا سچ بھی ان کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا اون کو رات کہنا ہی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں ہرے زخم تھے جن میں کو فہ و لے تڑپ رہے تھے۔ ظاہر یہ کہ ظلم و ستم کی ان ہی تاریکیوں میں اچانک خانوادہ نبوت کے ایک چشم و چراغ کا ان تمام ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ ان لوگوں میں آجانا جن کی ہر مومن قلب کو تلاش رہتی ہے رحمت کے ایک فرشتہ ہی کا آجانا تھا نہ صرف عوام بلکہ کو فہ میں خواص کا جو طبقہ تھا اس میں بھی ایک پہل پیدا ہو گئی۔ اتفاق کی بات دیکھئے کہ احمق یوسف نے بچنے کو فہ کے ایسے خطرناک دنوں میں حیرہ کو اپنا مستقر بنا لیا۔ حضرت زید چوں کہ خود خلیفہ کی طرف سے کو فہ تشریف لائے تھے۔ اس لئے اہل بیت کی آمد و رفت پر جو نگرانی حکومت کی رہتی تھی اس نگرانی میں بھی قدرتا نگرانوں نے تساہل سے کام لیا۔

بہر حال نتیجہ ان باتوں کا جو کچھ ہو سکتا تھا وہی سامنے پیش آیا عوام کو تو جانے دیکھے جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ خواص کے طبقات میں بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ حضرت زید کا اتفاقی طور پر کو فہ آجانا ایک منعم موقع ہے۔ خواص سے میری مراد اہل علم و تقویٰ کا گروہ ہے جن کی کو فہ میں ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ پھر ان میں بعض جو زیادہ جو شیخ تھے انہوں نے تو علانیہ حضرت زید کی طرف سے لوگوں سے بیعت تک یعنی شروع کر دی۔ اس طبقہ کے سرگروہ ہی منصور بن المعتمر تھے جن کے متعلق کچھ دیر پہلے یہ تذکرہ کیا گیا تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور ابن معتمر خلوت میں مل کر باتیں کرتے اور روتے تھے۔ لکھا ہے کہ

کمان منصور بن المعتمر یجد و علی الناس  
یاخذ البیعة لزید بن علی ص ۵۵ روض  
منصور بن معتمر گشت کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علی  
کے بیعت پیتے تھے۔

بظاہر ابن معتمر اور ان ہی جیسے بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسانوں نے حضرت زید کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسی کے مقابلہ میں خواص ہی کا ایک دور اندیش طبقہ تھا جس کے سامنے کو فہ کی گذشتہ تاریخ کے اوراق کھلے ہوئے تھے کو فہ والوں ہی نے ان ہی زید کے دادا حضرت امام حسین اور امام حسن بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ سب ان کے سامنے تھا۔ اس طبقہ کے سرخیل مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے۔ انہوں نے صحابہ کی بھی آنکھیں دکھی تھیں اور اہل بیت کے ساتھ خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے کچھ تشیح میں بدنام بھی تھے انہوں نے حضرت زید کو بہت سمجھایا پچھلے تاریخی واقعات یاد دلائے لیکن سلمہ گفتگو کا میا بی اور ناکامی کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر رہے تھے اور شہید کے سامنے صرف ایک بات تھی۔

۱۔ منصور بن المعتمر اور سلمہ بن کہیل کا مقام کو فہ میں کیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ عبدالرحمن بن ہدی مشہور ناقد و محدث کا قول تھا لکن بالکوفة اثبت من ازوجة منصور و عمرو بن مویلا و سلمة ابو حصین (تہذیب) یعنی منصور اور سلمہ عمرو بن مرہ اور ابو حصین سے حدیث میں استوار ترین حدیث کوئی دوسرا کو فہ میں نہ تھا۔

حضرت کی زبان مبارک پر چند اشعار بھی اس زمانہ میں جاری تھے ایک مصرعہ یہ بھی تھا

انہی احراء ساموت ان لہر اقتل

میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا۔ اگر قتل نہ ہو سکا

کہتے ہیں کہ سلمہ بن کہیل نے جب دیکھا کہ حضرت اپنے ارادہ پر متقل ہیں تو عرض کیا کہ مجھے کوفہ سے باہر نکلنے کی اجازت دیجئے شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہیں جاسکے (کامل ص ۷۷ ج ۱) اور واقعی کوفہ سے نکل کر یامدہ چلے گئے لیکن جیسا کہ طبقات میں ہے۔

سلمہ بن کہیل کا انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علی کوفہ

میں شہید ہوئے ص ۲۲۱

اور حضرت شہید کی وہی بات۔ انہی احراء ساموت ان لہر اقتل

میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا۔ اگر قتل نہ ہو سکا۔

پوری ہوئی کسی نے سچ کہا ہے کہ موت کے معجزہ کا حل "شہادت" کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جاں بجاناں وہ وگرنہ از تو بتناذ اہل خود تو منصف باش اے دل ایں کن یاں کن  
مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقہ مخلصین ہی کا تھا یعنی جو کچھ بھی یہ لوگ کہہ رہے تھے اخلاص و صداقت

اے میں نے مخلص کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ ان ہی کوفہ والوں میں ایک اور گروہ بھی تھا جو اہل بیت کے محبت کے دعویٰ میں سب سے آگے تھا حضرت کے ارادے سے مطلع ہونے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں جو اب میں فرمایا "اللہ کی کتاب کی طرف اور اللہ کے رسول کی سنت کو زندہ کیا جائے اس کی طرف تم لوگوں کو بلاتا ہوں اور یہ کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ اگر میری بات سنتے ہو تو سزاؤں حاصل کر دو گے اور انکار کرتے ہو تو میں تم پر وار و غزوات مقرر نہیں کیا گیا ہوں" کہتے ہیں کہ اس پر ان لوگوں نے سوال اٹھایا کہ ابو بکر و عمر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو اب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و رفاقت میں ان حضرات نے زندگی گذاری اور صحبت و رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ کوشش کی جتنی کوشش کہ ممکن تھی اور میں نے اپنے گھر کے لوگوں میں کسی سے نہیں سنا کہ ان دونوں سے نیرا اور جدائی انہوں نے اختیار کی بلکہ جس کسی سے سنا ہمیشہ خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہ سنا تب ان لوگوں نے کہا کہ پھر تم اپنے خاندان کے خون کا اور ظلم کا بدلہ لینا نہیں چاہتے۔ ابو بکر و عمر نے تمہاری خاندان کی حکومت پر قبضہ جمایا اور دنیا کو تم لوگوں کی سپیٹھ پر سوار کر دیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے کہ لوگ تم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں مار رہے ہیں حضرت زید نے سن کر فرمایا بلاشبہ ان لوگوں کے وہ حکم ہوئے اور ہم لوگوں کے بھی لیکن کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے پر عمل کرنے میں ان لوگوں نے قطعاً کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تب ان لوگوں نے کہا کہ اگر ابو بکر و عمر نے تم لوگوں پر ظلم نہیں کیا تو پھر نبی امیہ بھی ظلم نہیں کر رہے ہیں اور جب واقف یہی ہے تو نبی امیہ سے مقابلہ کرنے کی دعوت ہم لوگوں کو کیوں دیتے ہو کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ بھی ظالم نہیں ہیں کیوں کہ نبی امیہ (ہاتھی ہر فو آئندہ)



وفاداری ہی کے تحت کہہ اور کر رہے تھے۔ پھر ان ہی مخلصین میں ایک اور طبقہ نظر آتا ہے جو ایک طرف کوفہ والوں کی تاریخی سبب و قایمیں کو دیکھتے ہوئے کھل کر مقابلہ کا مشورہ دیتا ہے اور چوں کہ نبی امیہ کے منظم کا پانی لوگوں کے سر سے اونچا ہو چکا تھا اس لئے اس ختم موقوفہ کے ضائع ہو جانے پر اپنے آپ کو اس نے راضی نہیں پایا۔ اس گروہ کے سرخیل جہاں تک میرا خیال ہے کوفہ کے محدث جلیل اور امام نبیل الاعمش ہیں تاریخوں میں ان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ ایک طرف وہ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ

والله لیخذ لسنه و الله لیسلنه  
 خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑیں گے دشمنوں کے سپرد کر دیں گے  
 کیا فعلوا بجد کا وعده  
 لیکن اسی کے ساتھ بیچارے یہ بھی کہتے کہ۔

والله لولا اننا لکون لعلیٰ لکن جنت معہ (مقدمہ روئے)  
 خدا کی قسم اگر آئنگے میں ہمیں سہ سہ نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں  
 بھی نکل کھڑا ہوتا۔

یہ اعمش کے شاگرد رشید امیر المؤمنین فی الحدیث شیعہ کی روایت ہے کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے  
 امام سفیان ثوری کا معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت کے ساتھ جنگ میں بھی شریک نظر نہیں آتے لیکن اسی کے  
 ساتھ ابو عوانہ کی روایت ہے کہ :-

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) ولے تو ابوبکر و عمر ہی کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں اس پر حضرت زید نے فرمایا کہ نبی امیہ  
 ولے قطعاً ابوبکر و عمر جیسے نہیں ہیں نبی امیہ واسے تو تم پر ہی ظلم کر رہے ہیں اور خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور رسول  
 اللہ کے گھرانے والوں پر ظلم کر رہے ہیں یہی موقع تھا جس پر ان لوگوں نے مشہور لفظ استعمال کیا۔ یعنی بولے کہ ان  
 بوقت منہما والاصر فضناث (یا تو ابوبکر و عمر سے بیڑائی کا تم اعلان کرو ورنہ ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے) یہ  
 سنتے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت زید نے زور سے اللہ اکبر کی صدا بلند کر کے تمہارے فرمایا کہ میرے والد فرماتے تھے کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا تھا کہ ایک قوم ہوگی جو ہم لوگوں (اہل بیت سے محبت کرے گی لیکن ان کا ایک  
 لقب ہوگا اسی سے وہ چھپائی جائے گی۔ چاہو تم لوگ "ارافضہ" ہو مقدمہ روضہ جو الہ مقریزی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہی پہلا  
 تھا جس دن سے "رافضہ" کا لفظ دنیا میں پل پڑا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت زید سے ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے امام  
 نہیں ہو انہوں نے پوچھا کہ پھر کون تمہارے امام ہیں بولے کہ تمہارا چچا زاد بھائی جعفر ہمارے امام ہیں۔ حضرت زید نے کہا کہ  
 بیشک اگر جعفر اس کا دعویٰ کریں کہ وہی امام ہیں۔ تو وہ سچ کہیں گے۔ خط لکھ کر ان سے پوچھو۔ ان لوگوں نے کہا کہ راستہ مدینہ منورہ  
 کا آج کل بند ہے کوئی قاعد چالیس اشرفی سے کم میں خط بجانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتا۔ حضرت نے چالیس اشرفیاں اسی وقت  
 حوالہ کیں اور فرمایا قاعد روانہ کرو لیکن سچ کو اگر ان لوگوں نے کہا کہ جعفر تمہاری خاطر کرتے ہیں۔ مدارات سے کام لیتے ہیں  
 اس پر زید نے فرمایا افسوس تم لوگوں پر ہوسے کیا امام سخن سازی سے کام لیتا ہے یا حق کو چھپاتا ہے۔ اس پر وہ لوگ بچے گئے ۱۲  
 سالہ الاعمش اور شعبہ حدیث مدجاں کے ائمہ ہیں ان کے حالات کی تفصیل ہو جب تبویل ہوگی۔ اہل علم سے ان حالات

پر مشیروہ نہیں ہیں ۱۲

اذا ذكر زيد بن علي يقول بذل  
مهجته لرفبه وقام بالحق مخالفا  
ولحق بالشهاد المرزوقين من  
آياته ص ٥٥ (مقدمه روض)

جب سفیان ثوری حضرت زید کا ذکر کرتے تو کہتے اپنی جان  
اشک راہ میں نثار کر دی اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی  
میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے ان گذشتہ ابار و  
اجداد میں شریک ہو گئے جنہیں خدا نے شہادت روزی کی تھی

مخلصین کے اسی طبقہ میں مجھے حضرت امام ابو حنیفہ بھی نظر آتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ امام کے  
متعلق بعض خصوصی واقعات ہی اسی سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں جن میں سب سے بڑی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ  
امام ابو حنیفہ کو خود حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یاد فرمایا اور اپنا ایک خاص قاصد جس کا نام فضیل  
بن زبیر تھا اس کو حضرت امام کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو امام کے سوا اکابر کو فہ کیساتھ  
جہاں تک روایات کا تعلق ہے حضرت شہید نے غالباً اختیار نہیں فرمائی۔ خود فضیل بن زبیر کا بیان ہے  
کہ رسول فرید بن علی الی ابی حنیفہ ص ٥٥ میں امام ابو حنیفہ کے پاس حضرت زید کا قاصد بن کر گیا تھا۔

فضیل کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے سوال اس سلسلہ میں مجھ سے جو کیا تھا وہ یہ تھا کہ  
فقہاء جو اس زمانہ میں طبقہ اہل علم کی تعبیر تھی، ان لوگوں میں سے حضرت زید کے پاس  
کن کن لوگوں کی آمد و رفت ہے۔

فضیل نے چند ممتاز مسیتوں کے نام گنوائے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ امام ابو حنیفہ کی غرض اس  
سوال سے کیا تھی؟ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے تحریک کے انجام کے متعلق کچھ  
رائے قائم کرنا چاہتے تھے اور غالباً فضیل کے اسی جواب کے بعد امام نے اپنا وہ تاریخی بیان دیا جو چند  
معمولی الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ حضرت امام کے سوانح عمریوں میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے مختلف مواقع پر  
اس بیان کے بعض اجزاء کا ضمنی ذکر میں نے پہلے ہی کیا ہے۔ لیکن وقت آ گیا ہے کہ حضرت امام کے اس بیان  
پر اب ذرا تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ اس بیان کے چند اجزاء ہیں۔

(۱) پہلا جز تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ فتویٰ دیا کہ  
خروجہ یضائی خروج رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم لورہ بدر ص ٢٤  
حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی بدر میں تشریف باری کے مشابہ ہے  
بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیل بن زبیر کو ایسی بات کہ حضرت شہید نے امام کے پاس بوجہ  
تھا تو گو کہنے والوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ  
ارسل الی ابی حنیفہ یدعوہ  
الی نفسه ص ٢٤

(یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو)  
لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ لیکن ہے کہ اسی کے ساتھ امام سے اس باب میں حضرت شہید نے  
اگر یہ شرعی مشورہ ہی حاصل کیا ہو کہ موجودہ حالات میں بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا شرعاً  
۱۰۲



آپ کے نزدیک کس قسم کی بات ہے، تو اس کی بھی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ اسی کا جواب امام نے ان الفاظ میں دیا ہو یعنی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صعب آرا ہو جانا جیسے ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا اسی طرح گو اس وقت مقابلہ میں بجائے کافروں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اپنے طریقہ عمل سے بنی امیہ کی حکومت جن نتائج تک پہنچ چکی ہے ان کو دیکھتے ہوئے اس حکومت کے الٹ دینے کی کوشش قطعاً ایمان و اسلام کا اقتضا ہے گویا امام نے ان الفاظ میں حضرت زید کے خروج کی شرعی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم بھی ہوگا کہ اس قسم کے مواقع میں حضرت امام کا جو مسلک تھا اسی مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعہ فرمایا ہے بلکہ اگر اسے خوش اعتقاد ہی نہ قرار دیا جائے تو ایک طرح سے ان ہی الفاظ سے حضرت امام نے اس انجام کی پیش گوئی بھی کر دی تھی جو آخر حضرت شہید کے سامنے آیا مد طلب یہ ہے کہ جس وقت فضیل حضرت شہید کا پیغام لے کر امام ابوحنیفہ کے پاس آئے تھے۔ جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے بجز "ارافضہ" کے قریب قریب سارے اہل کوفہ امام کے ساتھ ہو کر حکومت سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے تیاری کا وعدہ کر چکے تھے بلکہ لکھا ہے کہ چالیس ہزار آدمیوں نے تو حضرت شہید کے ہاتھ پر اس معاہدے کے متعلق باضابطہ بیعت بھی کی تھی جو حضرت شہید لوگوں سے لے رہے تھے یعنی حضرت زید فرماتے تھے۔

ہم تم لوگوں کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تمہیں بلائے ہیں کہ آؤ اور ظالموں سے جہاد کرو جو کمزور ہو گئے ہیں ان کو ظلم سے بچاؤ اپنے حقوق سے جو محروم کئے گئے ہیں ان کے حقوق ان تک پہنچاؤ اور مسلمانوں کا یہ مال جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر مسلمانوں میں تقسیم کرایا جائے۔

لوگ بڑا اب میں جب نعم (ہاں) کہتے تب آپ ہر بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پھر فرماتے کہ:

یہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ معاہدہ ہے کہ تم میرے ساتھ وفادار ہو گے اور میرے دشمن سے لڑو گے اور ظاہر و باطن خلوت و جلوت میں میری ہی خواہی کرو گے۔

جب اس کے جواب میں میں ہی نعم (ہاں) کی آواز آتی تب آپ ہاتھ پر ہاتھ کو پھر کر فرماتے

اللہم اشہد (اے اللہ گواہ رہ)

بعضوں نے اگرچہ لکھا ہے کہ اس طریقہ سے باضابطہ بیعت پندرہ ہزار آدمیوں نے کی تھی لیکن عام روایت چالیس ہزار ہی کی ہے۔ خود سلم بن کہیل کے مکالمہ میں یہ دریافت کرنے پر کہ اب تک کتنے آدمی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ حضرت شہید نے اربعون الفا فرمایا تھا۔ مگر جیسا کہ

سلم بن کہیل نے حضرت کو مقابلہ کے امداد سے روکنے کے لئے جو مکالمہ کیا تھا اسی کی طرف اشارہ ہے (باقی صفحہ آئندہ)

آخر میں ثابت ہوا کہ لڑنے کے لئے حضرت شہید جب باہر نکلے تو آپ کے ساتھ قریب قریب وہی تعداد رہ گئی تھی جو بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ یعنی بعض روایتوں میں تو آپ کے ساتھ کل دوسرا گھارہ آدمی رہ گئے اور بعضوں میں بجائے دوسو کے تین سو کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بدر کی تشبیہ سے امام ابو حنیفہ نے اس پیش آنے والے انجام کی طرف اشارہ کیا تھا۔

(۲) دوسرا جز، امام کے بیان کا جو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ یہ ہے یعنی حضرت شہید

کے پیامی سے امام ابو حنیفہ نے کہا

لو علمت ان الناس لا یخذلوا  
ولقیوہم معہ قیام صدق لکنت  
اقبہ واجاہد معہ من خالفہ ۲۶

✓ اگر میں جانتا کہ لوگ آپ کو وقت پر چھوڑ نہ دیں گے اور واقعی رہتباری اور سچے عزم کے ساتھ ان کی رفاقت میں کھڑے ہوں گے تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا۔ اور ان کے مخالفوں سے جہا کرتا۔

(تقریباً سلسلہ گذشتہ) لکھا ہے کہ سلمہ نے حضرت شہید سے پوچھا۔ آپ کے ہاتھ پر اس وقت تک کتنے آدمی بیعت کر چکے ہیں

شہید - میرے دادا بہتر تھے  
سلمہ - موجودہ دور کے لوگ زیادہ بہتر اور  
اچھے ہیں یا آپ کے دادا کے زمانے کے لوگ  
زیادہ اچھے تھے

شہید - "چالیس ہزار"  
سلمہ - اور آپ کے دادا حسین کے ہاتھ پر بیعت  
کرنے والوں کی کتنی تعداد تھی۔

شہید - دادا کے زمانہ کے لوگ زیادہ بہتر تھے  
سلمہ - پھر جب آپ کے دادا کے ساتھ لوگوں نے  
وفاداری نہ کی تو کیسے خیال کرتے ہیں کہ یہ  
لوگ وفادار رہیں گے۔

شہید - اسی ہزار  
سلمہ - لیکن وقت پر حسین کے ساتھ کتنے رہ گئے تھے  
شہید - تین سو  
سلمہ - خدا کا حوالہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ  
بہتر ہیں یا آپ کے زیادہ بہتر آپ کے دادا تھے

اس کے جواب میں حضرت شہید نے جو بات کہی اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود سب کچھ جاننے کے وہ کچھ طے کئے ہوئے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے بیعت کا عند کیا یعنی لوگوں سے بیعت نے کر میں بھی گویا معاہدہ کا پابند ہو چکا ہوں اب تو بہر حال اس کو نباہنا پڑے گا بعض روایتوں میں اسی سوال کے جواب میں ایک دلچسپ بات حضرت شہید سے یہ منقول ہے کہ میرے دادا حسین (علیہ السلام) نے مزید سے اس وقت مقابلہ کیا جب نبی امیہ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور میں ان کے مقابلہ میں اس وقت اترا ہوں جب یہ گھر رہے ہیں۔

۱۲ - قعدہ تو طویل ہے تفصیل عام تاریخی کتابوں میں پڑھیں۔ حال یہ ہے کہ یوسف بن عمرو جو اس وقت کوفہ سے باہر حیرہ میں تھا کو تو اس شہر کے نام اس نے حکم بھیجا کہ لوگ صبح کی نماز میں جب پہنچیں تو داخل ہوں تو فوراً مسجد و منکے دروازے بند کر کے انکا محاصرہ کر لیا گیا اور کسی کو مسجد سے نکلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اسی طرح ہر محلہ کے دروازے بھی بند کر دئے جائیں۔ صبح کو حضرت زبیر اپنے ساتھیوں کیساتھ جب مکرہ آرائی کے لئے نکلے تو اس تھوڑی تعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ لوگ کہاں گئے جواب دیا گیا کہ مسجدوں میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا قد جدلوہا حبیبینہ (لوگوں نے اس واقعہ کو بھی حسینی (واقف بنالیا) لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری۔ اتنے ہی آدمیوں کیساتھ جنگ کرتے



اس سے بھی وہی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام کے نزدیک جہاں یہ فیصلہ غیر مشتبہ تھا کہ حضرت زید کا اقدام صحیح اور شرعی اقدام ہے اسی کے ساتھ کو فر و اسلہ خصوصاً حضرت شہید کے گرد و پیش میں جو لوگ تھے ان کے کردار و حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام کو اندازہ ہو چکا تھا کہ جو صورت پہلے پیش آئی وہی پیش آکر رہے گی گویا اس حد تک امام ابو حنیفہ بھی غلطیوں کے اس گروہ کے ساتھ تھے جس کے سرگروہ سلمہ بن کہیل تھے۔ لیکن سلمہ بن کہیل نے اسی انجام کا اندازہ کر کے حضرت زید کے مقابلہ سے جو روکنا چاہا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ امام اس طریقہ کو اختیار نہیں فرماتے یعنی جو مشورہ سلمہ حضرت شہید کو دے رہے تھے کسی روایت سے ثابت نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے بھی اس مشورہ کو پیش کیا ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ "بدر" والی تشبیہ سے امام کا اشارہ اس کے خلاف ہو یعنی بدر میں بھی اقلیت قلیلہ کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت سے ٹکرا گئے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لحاظ سے بہت بڑی اکثریت تھی ایک اور تین کی نسبت تھی اگر یہاں بھی حضرت زید کے ساتھ ہی صورت پیش آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں پیغمبر کی سنت سامنے موجود تھی۔ اور اس باب میں تو خود قرآن کا نص بھی

کس من فئۃ قلیلة خلیت فئۃ  
 کثیرۃ باذن اللہ والہ مع الصابری  
 موجود تھا

کتے چھوٹے گروہ بڑے گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب  
 ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف حضرت زید کو اس اقدام سے روکتے بھی نہیں اور اس اندیشے سے کہ لوگ آپ کو چھوڑیں گے ساتھ بھی نہیں دیتے پوچھتے تو اسی سوال کا جواب حضرت امام ابو حنیفہ کا صحیح سیاسی مسلک ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ اب اس پر بحث کی جائے۔

امام ابو حنیفہ کا  
 سیاسی مسلک

قانونی اور فقہی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کی تعبیر الامر بالمعروف اور النہی عن المنکر کے الفاظ سے کی جاتی ہے یعنی دوسرے واجبات کے ساتھ مسلمانوں پر ایک فرض یہ جو عائد کیا گیا ہے المعروف کا دنیا کو حکم دینا اور المنکر سے لوگوں کو روکنا جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی زندگی پر لوگوں کو قائم رکھنا اور اسی کی طرف دعوت دینا مسلمانوں کے ان فریقوں میں ہے جن کا بار بار مطالبہ قرآن میں مختلف جہتوں سے کیا گیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ قرآن کی مشہور آیت یہ بھی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم  
 لا یضرنکم من صل اخر اھتدیتم  
 اے ایمان والو! تم پر اپنے ذات کی نگرانی واجب ہے جو گمراہ ہوا تمہیں ضرر نہیں پہنچتا جب تم سیدھی راہ پر چلے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی اپنی ذاتی ذمہ داریوں ہی کا خیال کرنا چاہیے دوسرے اگر گمراہ ہو رہے ہوں تو ان کی گمراہی کا اثر ان لوگوں پر نہیں پڑے گا جو اپنی ذاتی ذمہ داریوں کی تکمیل میں اپنی استطاعت کی حد تک مشغول ہیں۔

جب حکومت جاہلہ اور ملک عیوض کا دور شروع ہوا تو جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان ظالم

سلاطین کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ ان کا استدلال اسی آیت سے تھا: تاہم میں آثار کا بھی ایک ذخیرہ پیش کیا جاتا تھا جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر اسی آیت کو اصل قرار دے دیا جائے تو معنی اس کے یہی ہوں گے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو فرض مسلمانوں پر عائد کیا گیا تھا گویا وہ منسوخ ہو گیا۔ حالانکہ اس کا بھی کوئی مدعی نہیں ہے۔ جواب دینے والوں میں ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو اسی آیت کے آخری لفظ "اذ الصلوات علیکم" پر توجہ دلاتا ہے یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ دوسروں کی گمراہی سے تمہیں ضرر نہیں پہنچے گا۔ یہ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ "تم اگر سیدھی راہ پر ہو" جو اذا الصلوات علیکم کا ترجمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے متعلقہ فرائض صحیح طور پر اگر تم ادا کر رہے ہو جب دوسروں کی گمراہیوں سے تمہیں ضرر نہیں پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے متعلقہ فرائض میں جب المعروف کا امر اور المنکر کی نہی ہے تو اس فرض کا تارک ہر اہمیت یافتہ ہی کب ہو۔ مقتصدان بزرگوں کا یہ ہے کہ اس فرض سے سبکدوشی کے بعد بھی اگر گمراہیوں سے کوئی باز نہیں آتا تو اس وقت اس کی گمراہی دوسروں کے لئے ضرر رساں نہیں ہے اسی لئے کسی حال میں بھی یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سکوت اختیار کرنے کو جائز نہیں سمجھتے البتہ حدیثوں میں اس فرض کی ادائیگی کے متعلق چند ہدایت جو مقرر کئے گئے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ "منکر" اور غیر اسلامی چیز کو دیکھ کر چاہیے کہ آدمی ہاتھ سے اس کو روک دے۔ اگر اس کی سکنت نہ ہو تو زبان سے روک دے اور اس کی گنجائش بھی نہ ہو تو دل سے برا جانے فرمایا گیا ہے کہ ایمان کا یہ ضعیف ترین درجہ ہے۔ نفس قرآنی کی اسی نبوی تشریح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کا فیصلہ ہے کہ ان مدارج میں سے کسی درجہ کی حد تک حکم کی تعمیل فرض سے سبکدوشی کے لئے اور ہدایت یافتہ ہونے کی شرط کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ بڑا درجہ اسی کا ہے جس کی ایمانی قوت ہاتھ سے بدل دینے کی جرات پر اس کو آواز دے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کا بچاؤ دوسروں کے خوردان ہی لوگوں سے زیادہ تعلق ہے جن پر یہ حکم عائد کیا گیا ہے۔ اسی لئے نتیجہ ہے تعلقات پر واپس کرنا ان حضرات کا خیال ہے کہ اپنی اپنی ایمانی قوت کے مطابق اپنے فرض کو ادا کرنا چاہیے۔ یہ سوچنے کی بالکل ضرورت نہیں کہ جن کو کہا جا رہا ہے وہ مانیں گے بھی یا نہ مانیں گے۔ ان کے نزدیک الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض میں اس فرض کی تعمیل ہی کامیابی ہے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کے مختلف اقوال و اعمال سے بعد کو لوگوں نے جو نتیجہ نکالا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب نہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جنہوں نے علیکم انکم والی آیت کو سا رکھتے ہوئے سکوت مسلط کیا اور راضی مطلق کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا جس کا آل شاید یہی ہو سکتا ہے کہ حروف کے امر اور منکر کی نہی کا فرض قرآنی گویا منسوخ حکم کی حیثیت اسلام میں رکھتا ہے خصوصاً جب کہ اور حکومت جاہلہ کے مقابلہ میں ان لوگوں نے اسی مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔



اور ان لوگوں پر معترض ہوتے تھے جو ان ظالم سلاطین کو معروف کا حکم یا منکر سے روکنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ محدثین کا ایک بڑا طبقہ اسی خیال کا قائل تھا حتیٰ کہ الذہبی جو اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے ہشام کے مقابلہ میں حضرت زید شہید کے مقابلہ کے قہقہے کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

خرچ علی ہشام خلیتہ لم یخرج روضہ مکہ ہشام کے مقابلہ میں زید نکل کھڑے ہو کاش نہ کھڑے ہوتے

لیکن اسی کے ساتھ امام کا خیال یہ بھی تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم محض اسیلے نہیں دیا گیا ہے کہ حالات کا اندازہ کئے بغیر صرف اس کی تعمیل ہی کو فرض قرار دے دیا جائے بلکہ قرآن کی دوسری آیتوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں صحابہ کے طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر اس مجموعہ سے نتیجہ پیدا کرنا چاہیے آخر قرآن ہی میں یہ بھی تو ہے

فذكرات نعت الذکر

لوگوں کو نصیحت کرو اگر نصیحت فائدہ پہنچا رہی ہو

پھر قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں ہاتھ سے منکر کو بدلتا فرض نہیں ہے ورنہ آخر اس قسم کی آیتوں کا کیا مطلب ہو گا جن میں ہے

فذكرات نعت مذکر لست

تم لوگوں کو نصیحت کرو تم صرف نصیحت کرنے والے

ہو تم کو ان پر داروغہ نہیں مقرر کیا گیا ہے

علیہم بسیطرا

نیز حضرت ابو ثعلبہ انخشی کی یہ روایت جو ہے کہ قرآن کی اسی آیت کے متعلق یعنی

یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم ایمان والوا تم پر اپنی ذات کی نگرانی واجب ہے جو

گراہ ہوا تمہیں ضرر نہ پہنچاتا اگر تم سیدھی راہ پر چلے۔

لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم

کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معروف (یعنی اچھی باتیں) کرتے رہنا اور منکر (دبری باتوں سے) بچتے رہنا۔ پھر جب دیکھو کہ لوگ اپنی حرص و ہوا کے بندے بن گئے اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں لگ گئے دنیا کو انہوں نے اختیار کر لیا اور

ہر شخص اپنی اپنی رائے پر ناز کرنے لگے تو یہی وہ وقت ہے جس میں تمہیں صرف اپنی ذات کی خبر لینا چاہیے اور یہی کیا بکثرت ایسی روایتیں صحاح میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں کے ٹاٹ بن کر رہ جائیں فرمایا گیا کہ بیٹھنے والا ان دنوں میں کھڑے ہونے والوں سے بہتر ہو گا اور کھڑے ہونے والا چلنے والوں

سے چلنے والا اور ٹرنے والوں سے خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا قرآنی آیات اور پیغمبر کے روایات سے بھی قطع نظر نہیں کیا جاسکتا نیز جلیل القدر صحابہ کا ایک طبقہ بنی امیہ کی حکومت جا رہے کے زمانہ میں موجود تھا خود

ان کا طرز عمل بھی "الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے قانون کے سمجھنے اور اس قانون کے استعمال

کرنے میں راہ نمائی کر رہا تھا۔

مشہور حنفی امام ابو جعفر طحاوی نے اسی بنیاد پر تمام روایتوں کو جمع کرنے کے بعد حنفی نقطہ نظر

کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

ففيما ذكرنا تو كيد الا امر بالمعروف  
والنهي عن المنكر الذي الزمان الذي  
ينقطع ذلك فيه فهو الزمان الذي  
وصفه رسول الله صلى الله عليه وسلم  
في حديث ابي ثعلبة الخنثي الذي  
لا منفعة فيه باهر معرفة ولا نهي  
منكر ولا قوة مع من ينكره على  
العامر بالواجب في ذلك فسقط الفرض  
عنه ورجع امره فيه الى مخالفة نفسه  
فلا يضره ذلك من ضل - مثل الاشارة

امرا بالمعروف او نهى عن المنكر کی تاکیدوں کے متعلق  
جو باتیں میں نے بیان کیں، معلوم ہوا کہ ایک زمانہ آئے گا  
جس میں اس کی تاکید کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا۔ اور یہ وہی زمانہ  
ہوگا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خصوصیتیں  
بیان کی ہیں جن کا ذکر ابو ثعلبہ خنثی کی روایت میں کیا گیا ہے  
یعنی وہی زمانہ جس میں معروف کے امر اور منکر کی نہی کا  
کوئی ثابہ نہ ہوگا اور جن لوگوں کو روکنے کی ضرورت ہوگی  
ان سے مقابلہ کی طاقت روکنے والے میں نہ ہوگی پس  
یہی وہ وقت ہوتا ہے جب فرض ساقط ہو جاتا ہے اور باقی  
صرف اپنی اپنی ذات کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی

زمانہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ گمراہوں کی گمراہی ان لوگوں کو جو اپنی ذاتی ذمہ داریوں کے پوری کرنے میں کمی نہ کریں گے ضرر نہ کرے گی۔  
مطلب طحاوی کا وہی ہے کہ جیسے دوسرے فرائض صوم و صلوة حج وغیرہ کی حالت ہے کہ  
فرض ہونے میں ان کو کون شک کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہی روزہ جسے قرآن نے فرض کیا ہے حالت  
مرض و سفر میں اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ استطاعت سبیل نہ ہو تو حج جیسے فرض باقی نہیں  
رہتا۔ کچھ بھی حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت کا ہے اور قرآن کی ان دونوں آیاتوں  
یعنی جن میں اس فرض کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں اور اس آیت میں جس میں ہر شخص کو اس کی شخصی ذمہ داری  
کی طرف توجہ دلائے ہوئے اعلان کیا گیا ہے کہ دوسروں کی گمراہی سے تم کو ضرر نہیں پہنچے گا ان دونوں  
احکام میں تطبیق کی یہی شکل ہے کہ ہر حکم کو ایک خاص زمانے کے ساتھ محدود قرار دیا جائے باقی رہی یہ  
بات کہ ان دونوں زمانوں کے پہچاننے کا کیا معیار ہے طحاوی نے اسی کی طرف اشارہ کیا کہ رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ثعلبہ کی روایت میں اس کو خود ہی متعین فرما دیا ہے جس کا حال یہی ہے کہ  
جس فرض کے لئے امر و نہی کا یہ کام مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ جب دیکھا جا رہا ہو کہ وہ فرض حاصل  
نہیں ہو رہی ہے یعنی قبول کرنے کے لئے لوگ تیار بھی نہ ہوں اور کہنے والا بچار اپنے اندر ان سے  
مقابلہ کی قوت بھی نہ پاتا ہو تو پہچان لینا چاہیے کہ علیکم انفسکم (تم پر صرف تمہاری ذمہ داری ہے) کے  
قانون پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور معروف کے امر منکر کی نہی کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ ابراہیم  
الصالح والا قصہ جس کا کچھ ذکر اجمالاً پہلے ہی آیا ہے اور تفصیل انشا اللہ تعالیٰ دیر بعد کی جائے گی  
اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن المبارک نے امام ابو حنیفہ سے براہ راست یہ نقل کیا ہے کہ  
ابراہیم کی فہمائش کرتے ہوئے امام نے فرمایا کہ ایسے لوگ جن کے متعلق معلوم ہو چکا کہ ہماری نہیں  
سنیں گے اور مقابلہ کی طاقت چوں کہ امر بالمعروف کرنے والے میں تھی اس لئے وہ بیچارہ  
جباروں کے ہاتھ



قتل ولم يصلح للناس احق حكام القرآن مارا گیا اور عام لوگوں کے لئے کوئی اصلاحی کام بھی ان سے نہ پڑا جس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسوں کی جان بھی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کی اس قربانی کا کوئی نفع بھی نہیں پہنچتا بلکہ بجائے نفع کے بعض حالات میں جیسا کہ امام نے اسی کے بعد بعض دوسری باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

و اذا قتل الرجل لم يجزى غير اثم  
بعض نفسه

اور جب امر بالمعروف کرنے والا قتل ہو جاتا ہے تو دوسروں میں بھی آگے بڑھنے کی جرأت باقی نہیں رہتی

یعنی اس کو قتل ہوتا ہوا دیکھ کر دوسروں کی ہمت بھی چھوٹ جاتی ہے اور ہر سادے لوگ اس قصے سے ہی اپنے آپ کو الگ کر لیتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ بلاشبہ ایسی صورت میں کہ

ان وجد عليه احوانا صالحين ورجلا  
يرأس عليه رما مونا على دين الله  
لا يحول م

ہاں! ایسے آدمی کو صالح رفقاء میرا جائیں اور ایک آدمی ان کی سروری کرے یہ ایسا آدمی جو جہاد کے دین میں قابل اعتماد ہو اور اپنے مسک سے نہ پلٹے

تب اس وقت اس آدمی کے ساتھ مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے۔ امام نے آگے وضاحت کی کہ

هذه فريضة ليست كماثر الفرائض  
سائر الفرائض يقوم بها الرجل وحده

امر بالمعروف نہی عن المنکر کا شمار ان فرائض میں نہیں ہے جن کی تعمیل میں تنہا شخص کی ذات کافی ہے

مطلب آپ کا یہ تھا کہ یہ اجتماعی فرائض میں ہے اور اپنے ساتھ کچھ شرط رکھتا ہے جب تک ان تحقق نہ ہوگا فرض بھی عائد نہ ہوگا۔

لیکن یہ گفتگو تو صرف فرضیت تک تھی یعنی خود نص قرآنی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خاص حالات میں یہ فرض ساقط بھی ہو جاتا ہے۔ مگر فرضیت کے ساقط ہونے کے باوجود سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس فرض کی بجائے آوری پر آمادہ ہی ہو جائے تو پھر اس باب میں امام کا کیا خیال تھا علامہ بدرالدین عینی نے اپنی شرح ہدایہ میں اس سوال کو اٹھاتے ہوئے حنفی نقطہ نظر سے اس کا جواب یہ دیا ہے۔

لو علم انه يصبر على من ضربه ولم  
يشك الى احد فلا بأس به وهو مجاهد

اگر سمجھتا ہے کہ مخالفین کی مار ڈھار پر صبر کر سکے گا اور کسی کے پاس شک نہ ہوگا تو پھر امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے میں ایسے آدمی کے لئے مضائقہ نہیں ہے بلکہ اس کو مجاہد قرار دیا جائے گا۔

فقہ حنفیہ اس کی تائید میں علاوہ ان مشہور حدیثوں کے مثلاً ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے

ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر

سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کا اظہار کیا جائے۔

اس حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں جسے خود امام ابو حنیفہ اپنی سب سے ایک خاص طریقہ سے روایت کرتے تھے اور اسی بنیاد پر اصول حدیث اور رجال کی کتابوں میں ان کی طرف سے بعض خاص مسائل غالباً مذکور کیے ہیں یعنی

افا حدثت ابراہیم الصالح عن  
عكرمة عن ابن عباس قال النبي  
صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء  
عمر بن عبد المطلب ورجل قاهر  
الى امام جعفر فامر به وفها لا  
فقتله واحكام القرآن جصاص ص ۲

میں نے ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے یہ روایت  
بیان کی تھی کہ ابن عباس سے منکر روایت کرتے تھے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کے مسید (سرواں)  
عمر بن عبد المطلب ہیں۔ اور وہ شخص ہے جو ظالم امام  
یعنی حاکم کے ساتھ کھڑا ہوا اور معروف کا حکم دیا یا منکر سے  
منج کیا پھر اس امام نے اس کو قتل کر دیا۔

جس کا حال یہی معلوم ہوتا ہے کہ الامیر بالمعروف نہی عن المنکر کی بنیاد صرف افادہ ہی پر نہیں ہے  
بلکہ ابتدا بھی ایک بڑا مقصد اس قانون کا ہے یعنی محض یہی غرض نہیں ہے کہ حکم کر کے لوگوں کو معروف اور  
اچھی باتوں کا پابند بنایا جائے اور منکر (بری باتوں) سے روکا جائے۔ بالفاظ دیگر غیروں کو صرف فائدہ پہنچانے  
ہی کے لئے حق تعالیٰ نے بندوں پر یہ فرض نہیں عائد کیا ہے بلکہ جن پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے خود ان کا بھی امتحان  
اور ان کے ایمان کی جانچ بھی مقصود ہے۔

لیکن فرضیت قانون کی جب ساقط ہی ہو چکی تھی۔ تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضرت امام کے نزدیک  
فوراً استیلانی نصب العین کی تکمیل پر آمادہ ہو جانا ضروری نہیں تھا۔ ورنہ فرضیت کے سقوط کے معنی ہی کیا  
ہوں گے بلکہ لوگوں کے سامنے اور سامنے سے با یوسے کے بعد بھی مسلمانوں کو معروف پر قائم رکھنے اور منکر سے  
دور رکھنے کے امکانات اگر نظر آتے ہوں تو امام کے نزدیک استیلانی نصب العین کی تکمیل پر آمادہ ہو کر اپنے  
آپ کو قتل کر دینے یا اسی قسم کے نقصان میں مبتلا کر لینے سے یہ بہتر ہے کہ ان امکانات سے نفع اٹھانے  
کی حتی الوسع کوشش کی جائے جن کی طرف عقل راہ نمائی کرتی ہو یہی مطلب ہے ان کے اس فقرے کا۔  
"امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کرنے والا ایسی صورت میں اگر قتل ہو گیا تو عام لوگوں  
یعنی مسلمانوں کے لئے تو کوئی فائدہ بخش بات یہ نہ ہوگی"

بلکہ قتل ہونے والے کا ذاتی فائدہ ہو گا گو بجائے خود یہ بھی ایک بڑا فائدہ ہے اور اس سے  
بڑا فائدہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے کہ "شہداء" کی جماعت کی سیادت اور سرداری اسے حاصل ہوتی ہے۔  
لیکن کچھ بھی ہو ہے یہ ذاتی ہی فائدہ۔ عام مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں نے  
کہا ہے امام صاحب کا خیال یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مواقع میں دوسروں کی ہمت شکنی اور جوصلہ گسلی  
کی وجہ یہ استیلانی تکمیل بن جاتی ہے۔ بہر حال فرضیت کے سقوط کے بعد استیلانی نصب العین کی تکمیل پر  
آمادگی امام صاحب کے نقطہ نظر سے بہ ظاہر اقرام کی آخری شکل معلوم ہوتی ہے

اور اسی کو میں امام ابو حنیفہ کا سیاسی مسلک قرار دیتا ہوں

لیکن اب سوال حضرت زید شہید کے مسئلہ میں پیدا ہوتا ہے یعنی امام کے نزدیک اقدام  
کے لئے جو یہ شرط تھی کہ صالح اور اچھے لوگ ادا پر اگر آمادہ ہو جائیں۔ اور ان کی سرداری کے لئے ایسی ہستی  
مل جائے جس پر اللہ کے دین کے لحاظ سے بھروسہ کیا جاسکتا ہو اور توقع ہو کہ دین کے حدود سے وہ تجاوز



نہ کرے گا تو اس وقت امام صاحب کا بھی فتویٰ تھا کہ اس وقت فرض کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے مگر باوجود اس فتویٰ کے امام ان کے ساتھ اربابِ ظلم سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں کیوں نہیں اترے؟ دراصل اسی سوال کا وہ جواب تھا جو امام نے ان الفاظ میں دیا تھا یعنی

”اگر میں یہ جانتا کہ لوگ حضرت کو چھوڑ نہ دیں گے اور یہ کہ حضرت کے ساتھ واقعی سچائی کے ساتھ لوگ کھڑے ہوں گے تو میں ضرور آپ کی ہر کاہی اختیار کرتا اور آپ کے مخالفین کے ساتھ جہاد کرتا کیوں کہ امام برحق ہیں“

چالیس سال امام صاحب کے کوفہ میں گذر چکے تھے ان سے بڑھ کر وہاں کے باشندوں کے حالات سے کون واقف ہو سکتا تھا جیسا کہ میں نقل کر چکا ہوں فضیل بن زبیر حضرت شہید کے پیام لانے والے سے امام نے جو یہ پوچھا تھا کہ حضرت کے پاس بڑے لوگوں میں دجن کی تعبیر امام نے فقہا سے کی تھی کن کن لوگوں کی آمد و رفت ہے اس سے کچھ عرض اسی کا پتہ چلانا تھا انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ جو لوگ کھڑے ہوتے ہیں وقت پڑنے پر قطعاً بیٹھ جائیں گے اور حضرت کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور یہ خیال کچھ امام ہی کا نہیں تھا ابھی گذر چکا کہ کوفہ کے مسلم عبدالکل امام اعمش تو قسم کھا کر کہتے تھے کہ۔۔

”خدا کی قسم لوگ حضرت شہید کو قطعاً ضرور چھوڑ دیں گے خدا کی قسم لوگ ان کو دشمنوں کے سپرد قطعاً ضرور کریں گے“  
سلمہ بن کسیر جیسے وفادار تجربہ کار مخلص سرد و گرم چشیدہ آدمی نے بھی یہی پیش گوئی کی تھی خود حضرت زید کے ساتھ اسی خالد بن انصاریہ کے قصہ میں عبداللہ بن عباس کے پوتے داؤد بن علی نے بھی حضرت شہید سے استہوائی لجاجت و سماجت سے عرض کیا تھا کہ۔۔

”میرے چچا کے بیٹے (یا ابن عم) یہ کوفے والے آپ کو دبوکہ دے رہے ہیں کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ سے بھی زیادہ جن کا مقام بلند تھا یعنی آپ کے دادا علی بن ابی طالب کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا حتیٰ کہ حضرت والا شہید ہو گئے اور امام حسن (علیہ السلام) کے ساتھ بھی ان لوگوں نے یہی کیا پہلے بیعت کی پھر ان ہی پر چڑھ دوڑے ان کی چادر چھین لی ان کو زخمی کیا۔ اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپ کے چاچا امام حسین (علیہ السلام) کو زید کے مقابلہ میں ان ہی لوگوں نے کھڑا کیا ان کے سامنے حلف اٹھایا۔ مگر ان کو ان ہی لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اور دشمنوں کے سپرد کر دیا حتیٰ کہ اس پر بھی انہوں نے بس نہیں کیا۔ بلکہ بالآخر آپ کو بھی ان لوگوں نے قتل ہی کر دیا“ ص ۸۶

اور سب سے بڑا وثیقہ اس سلسلہ میں خود خانوادہ بنو ت کے ایک بڑے رکن رکن عبداللہ بن حسن بن الحسن کا تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ کو جب زید شہید کے ارادے اور کوفہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو بڑے جوش کے ساتھ ایک بلیغ خط حضرت زید کے نام انہوں نے لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔۔

ابا بعد کوفہ واسے بظاہر بہت پھولے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اندر سے یلہ بالکل کھوکھلے ہیں۔ جب امن اور رزائی و اطمینان کا زمانہ ہوتا ہے تو اس وقت یہ شورش پسند ہیں۔ لیکن جب مقابلہ کی گھڑی آجاتی ہے تو اس وقت یہ گھبرا اٹھتے ہیں چیختے چلانے لگتے ہیں ان کی زبانیں آگے آگے

چلتی ہیں۔ لیکن ان کے قلوب زبانوں کا ساتھ نہیں دیتے۔

انہوں نے لکھا تھا۔

میرے پاس پیسہ اور سلسل خطا آتے رہے جن میں مجھے ہی یہ کوہ بلاستے رہتے لیکن ان کی پکار سے میں نے اپنے آپ کو ہرا بنا لیا ہے۔ میں نے اپنے دل پر ان لوگوں کی یاد اور ان کے خیال سے پردہ ڈال دیا ہے۔ میں نے ان لوگوں سے قطع نظر کر لیا ہے ان کا حال وہی ہے جو علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) فرمایا کرتے تھے یہ اگر چھوڑ دے جائیں تو گھس پڑتے ہیں اور لڑائے جائیں تو ست بن کر بیٹھ جاتے ہیں کسی ایک امام پر لوگ جمع ہو جائیں تو اس پر فوراً اعتراض کر کے طے ہو جائیں اور کسی محنت و مشقت کے کام کی طرف ان کو بلا یا جائے تو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتے ہیں۔

بجائے ہی رائے امام کی تھی بلکہ قرب و نزویگی ذاتی تجربات پھر جس فہم و فراست کے قدرتا وہ مالک تھے اس کے زیادہ مستحق تھے کہ جو واقعہ بعد کو پیش آیا۔ اس کی پیش قیاسی وہ پہلے ہی سے کر لیتے۔ اگرچہ بعض لکھنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام نے کچھ عذر بھی پیش کیا۔ یعنی کہا۔

البسط عذری عندک موفق ص ۱۲۰

لیکن یہ عذر کیا تھا موفق نے ایک دوسری روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

اعتذر بمرض يعتريني في الايام حتى تخلف عنه ص ۱۲۰

و اللہ اعلم امام پر کس مرض کا دورہ پڑتا تھا ہو سکتا ہے کہ یہ وجہ بھی ہو یا ممکن ہے کہ جہاد کے شرائط میں والدین کی اجازت جو شرط ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب سے یہ دریافت کرنے کے بعد کہ تمہارے والدین زندہ ہیں اثبات میں جواب پانے کے بعد ارشاد ہوا تھا کہ۔

ففيهما فجاهد جاؤ تو ان ہی دنوں (ماں باپ کی خدمت میں) جا کر جہاد کرو

شائد امام کے لئے ان کی والد بھی عذر ہوں۔ جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ امام کو اپنی ان سے والدہ کا خیال اتنا رہتا تھا کہ ابن بپیرہ نے جب تازیانے سے حضرت کو پھرایا تو اپنی تکلیف سے زیادہ فرمایا کرتے کہ ان کا غم والدتی اشد علی من الضرب ص ۱۲۰

بعض روایتوں میں ہے کہ امام کے سر خصوصاً چہرے پر جب کوڑے پڑے تو امام رو پڑے پوچھا گیا تو فرمایا میری ماں مجھے یاد آئیں خیال گذرا کہ وہ بے چاری میرے چہرے کے ان نشانوں کو جب دیکھے گی تو ان کو کتنا دکھ ہوگا

لے یہ ساری وراثت طبری کامل وغیرہ میں موجود ہیں۔



اور آخر میں فرمایا:-

ان تمام مصائب سے سب سے سخت ترین مصیبت میری والدہ کا غم اور دکھ ہے۔  
بہر حال ممکن ہے کہ یہ باتیں بھی کہی ہوں، لیکن حقیقی وجہ وہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ فریبی نہیں  
بلکہ ورم ہے جو کوفیوں کی شکل میں حضرت شہید کے ارد گرد جمع ہو گیا ہے۔ اس یقین کے بعد ظاہر ہو گیا  
فرضیت نسبتاً قطعی ہو چکی تھی چاہتے تو جیسے اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں یعنی اعمش، سفیان ثوری وغیرہ نے  
جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہی آپ بھی اختیار کر لیتے۔ یعنی نہ منع کرتے اور نہ شریک ہوتے اور حضرت شہید کے  
متعلق وہی خیال کر لیتے کہ ابتدائی نصب العین کی تکمیل کر کے شہد کی سیادت کا مقام اپنے اجداد کی طرح  
حاصل کیا جیسا کہ سفیان ثوری کہا بھی کرتے تھے۔

لیکن اب یہ امام کی وقت نظری کہیے یا اسے جو کچھ قرار دیجئے کہ انجام اور باطن کے لحاظ سے کوئی  
کا یہ صحیح کچھ ہی ہو مگر ظاہر وہ ایک ایسی ہستی پر سمٹ کر جمع ہو گیا تھا کہ بقول حضرت اعمش  
لو و فی لہ من بائعہ لا قاہبہ  
اگر ساتھ دینے والے حضرت زید کے ساتھ وفادار رہتے  
تو ان کو سید ہی راہ پر لا کر وہ کھڑا کر دیتے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی ظاہر کے اقتضا کی رعایت کا نتیجہ تھا کہ سب کچھ کہنے کہلانے کے بعد آخر  
میں حضرت امام نے دس بیس روپے نہیں بلکہ ان ابتدائی دنوں میں جب بظاہر ان کے کاروبار کا آغاز ہی ہو گا  
کیوں کہ اس وقت تک زیادہ وقت ان کا حامد بن ابی سلیمان اپنے استاد کے پاس حصول علم ہی میں گذرتا  
تھا۔ ہزار ہزار روپے کی رش تھیلیاں گھر سے لاکر فضیل بن زبیر کے حوالہ کیں اور فرمایا  
اعینہ بنی قتیقری جہ علی  
من خالفہ ضل ج ۱۰  
میں حضرت کی خدمت اس سال سے کرتا ہوں حضرت سے عرض کرنا  
کہ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں،  
اور سمجھا جائے تو حضرت امام کے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں یہ سوال جو اٹھایا گیا تھا کہ اتنے وسیع  
پیمانے پر اپنے اس کاروبار کو وہ کیوں پھیلا رہے تھے اس کا جواب امام کے اس طرز عمل سے نکالا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضرت امام کو اپنی والدہ کا کتنا خیال تھا اس کا ایک دلچسپ لطیفہ بھی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ  
زرعہ نامی کوفہ میں ایک واعظ تھے۔ امام صاحب کی والدہ ان کے مداعظ میں معلوم ہوتا ہے کہ بہت شریک ہوتی تھیں اسی  
لئے ”زرعہ“ کی خاص معتقد تھیں کسی مسئلہ میں ایک دفعہ ان کو پوچھنے کی ضرورت ہوئی پہلے تو اپنے بیٹے ابوحنیفہ  
ہی سے پوچھا۔ امام صاحب نے مسامحہ کا جواب دیا لیکن ان کو اطمینان نہیں ہوا اور یوں زرعہ واعظ جب تک توبہ  
شکرے گا مجھے اطمینان نہ ہوگا۔ امام صاحب اپنی والدہ کو لیکر زرعہ واعظ کے پاس پہنچے۔ بیچارہ حیران ہوا۔ امام نے کہا کہ یہ میری  
ناں میں تمہاری معتقد ہیں۔ تم سے مسئلہ پوچھنے آئی ہیں۔ بیچارہ واعظ مسامحہ کیا جانے اس نے کہا کہ بھلا میں کیا مسئلہ بتاؤں  
آپ ہی بتائے کہ کیا ہے۔ امام نے کہا کہ بھائی میں نے تو یہ جواب دیا تھا۔ زرعہ نے تب امام صاحب کی والدہ سے کہا جی ہاں! مسئلہ  
وہی ہے جو آپ کے صاحبزادے نے بتایا اس پر بڑی ہی کواطمینان ہو گیا اور گھر آ گئیں۔ ص ۲۳ موافق وغیرہ

مطلب میرا یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت کے سقوط کے بعد ابتدائی نصب العین کی تعمیل پر آمادہ ہونے سے پہلے اسی معروف و منکر کے متعلق اسکا ناسخ و تاویل سے حتیٰ الوسع نفع اٹھانے کی کوشش کرنا کہ نکتہ حد تک عام مسلمانوں تک فائدہ پہنچنے کی کوئی صورت اگر نکل سکتی ہو تو نکالی جائے یہ جو امام صاحب کا مسلک اس باب میں منقح ہوا تھا اسی کی ایک نقیسی شکل یہ تھی۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پیش قیاسی پر کامل اعتماد کے بعد بھی امام کے دل میں یہ خیال ضرور گذرتا ہو گا کہ جو انجام ابھی سامنے نہیں ہے صرف قرائن و قیاسات کی بنیاد پر اس کے متعلق قطعی فیصلہ کر لینا بھی شاید احتیاط کا اقتضا نہ ہو شاید یہی کچھ سوچ کر گرجانی شرکت پر آمادہ نہ ہو سکے لیکن بالکل یہ شرکت سے محرومی بھی ان کے لئے غالباً ناقابل برداشت تھی۔ اور اس وقت کی مالی استطاعت کے لحاظ سے بڑی سے بڑی مالی قربانی جو وہ پیش کر سکتے تھے اسے پیش کر دی۔ بلکہ اسی سلسلہ میں خود حضرت شہید کے صاحبزادے محمد بن زید بن علی سے جو یہ روایت ہے کہ مالی امداد پیش کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ نے عرض کیا تھا کہ۔

استعن بھ علی حمہک و ما انت فیہ  
واعن بھ ضعفہ اصحابک مونتق ۲ ج ۲

اپنے گھر کے لوگوں کی خبر گیری میں اس سے کام لیجئے۔ اور آپ کے رفقاء میں جو ضعیف لوگ ہیں۔ ان کی اس سے امداد فرمائیے۔

اس کا آخری فقرہ یعنی

آپ کے ساتھیوں میں جو کمزور ہیں (بہ ظاہر مالی کمزوری کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے)۔ یعنی

سامان حرب ہتھیار گھوڑے وغیرہ کا سامان جو نہیں کر سکتے، ان کی اس مال سے مدد فرمائی۔

اس میں یہی نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ضعفاء کی مالی امداد کر کے امام صاحب نے بھی اپنے آپ کو گویا اس جہادی ہم میں شریک کر دیا شاید انہوں نے حج وغیرہ فرائض پر اس کو کچھ قیاس کیا جس میں بصورت عجز نیابت جیسے حج بدل کہتے ہیں جاری ہوتی ہے گویا بجائے حج بدل کے امام صاحب نے "جہاد بدل" کا طریقہ اختیار کر کے جیسے حج بدل کرانے والے کو حج کا ثواب بھی مل جاتا ہے اور حج کی فرضیت بھی ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح شاید انہوں نے خیال کیا کہ اگر میری پیش قیاسی غلط نکلی تو "جہاد بدل" کے طور پر تو شرکت کی سزا سے محروم نہیں رہوں گا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ ابو جعفر سے کتابوں میں یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو انہوں نے یہ کہتے سنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ

استغفر اللہ من ترکى الاہر بالمعروف

والنہی عن المنکر ص ۲ ج ۲

پر میں حق تعالیٰ سے مغفرت چاہتا رہتا ہوں

کیا تعجب ہے کہ اس ترک میں حضرت شہید کی رفاقت جہاتی کے ترک کا خیال بھی امام کے سامنے ہو کیوں کہ مسئلہ بہر حال اجتہادی تھا۔ آخر بیسٹ کرنا کہ الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کے سقوط کا جو واقعی وقت ہے وہ درحقیقت آگیا کچھ آسان نہیں ہے خصوصاً ایسی صورت میں جو حضرت شہید کیساتھ پیش آگئی تھی کہ لوگ بھی امداد پر آمادہ ہیں اور قیادت و ریاست کے لئے بہتر سے بہتر ہستی اس وقت جو مل سکتی تھی وہ مل گئی تھی۔ باوجود اس کے محض اپنے ذاتی معلومات اور احساسات کی بنیاد پر جہانی شرکت سے تقاعد کا



## فیصلہ کیا اسان تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ امام کے لئے یہ بڑی کش مکش اور ایمانی قوت کی آزمائش کی گھڑی تھی ایک طرف وہ اس ساز و سامان کو دیکھ رہے تھے جس کے صرف ظاہر پر اگر نظر رکھی جاتی تو شرکت سے یک سوی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن دوسری طرف آپ کے چالیس سالہ تجربات و معلومات ان تاریخی وثائق کے ساتھ جو کوفہ اور کوفہ والوں کے متعلق حد تو اتر تک پہنچے ہوئے تھے بلکہ گویا چشم دید واقعات کی حیثیت رکھتے تھے، ان بینات کی بنیاد پر امام کو انجام کا بھی یقین تھا اور اس کا بھی کہ اگر علانیہ ذاتی طور پر اس ہم میں شریک ہو جاتا تو جو انجام ہونے والا ہے اس کے بعد بنی امیہ کے جباران سارے امکانات کو ختم کر دیں گے جو اسی سلسلہ میں سقوطِ فریضیت کے بعد عام مسلمانوں کے متعلق امام اپنے دماغ میں رکھتے تھے بعض مورخین نے جو یہ نقل کیا ہے کہ :-

کان ابو حنیفہ یفتی سہرا لوجوب  
نصرۃ شریک و حمل المال الیہ <sup>میں</sup>  
امام ابو حنیفہ پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض  
ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور ان کے پاس پوشیدہ طور پر  
مالی امداد بھی بھیجتے تھے

اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ساری امداد کو امام ستر یعنی پوشیدہ طور پر پیش کر رہے تھے اس کی مصلحت مجھے تو یہی نظر آتی ہے کہ جس انجام کا اس زیدی جہاد کے متعلق ان کو یقین تھا اور اس انجام کے بعد جن نتائج کے خطرات ان کے سامنے تھے ان ہی کے سدباب کے لئے امام نے بطور پیش بندی اس ستری طریقے کو اختیار فرمایا۔ لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ۶

”نہاں کے ماند آن رازے کز و سازند محفلہ“

امام صاحب کے سیاسی رجحانات حکومت کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکے اور گو حضرت شہید کا قتل بنی امیہ کی حکومت کے ”مرگ“ کا پیغام بن چکا تھا۔ اور سال کے ایک ہفتہ کے اندر اندر اس حکومت کا مشرق میں خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اس مختصر مدت میں بھی حضرت امام کو اپنے قابو میں لانے کے لئے حکومت سے

۱۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص کیلئے جو ہمیشہ ایک دن کی ہوتی ہے حکومتوں کے لحاظ سے ایک سال کو ایک دن ہی کے مساوی سمجھنا چاہیے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھے تو حضرت شہید کی شہادت کے بعد کل سات سال کے اندر اندر بنی امیہ کی حکومت جس کا پای تخت دمشق تھا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اس عرصہ میں ہشتم و نیریزید ابراہیم مروان پانچ بادشاہ کیے بعد دیگرے بنی امیہ کی گدی پر بیٹھے جن میں بعضوں کو چند مہینے سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہ ملا گویا بنی بادشاہ ایک سال کچھ مہینے کا وسط پڑتا ہے۔ اور یہ سب کچھ جو ہوا جہاں تک میرا خیال ہے اسی ابن الحقیقہ شام بن عبد الملک کی حکومتوں کا نتیجہ تھا ایک سے پہلے بیت کے لوگوں کو سلطان بنی امیہ نے مدینہ منورہ میں گویا نظر بندوں کی حیثیت سے محصور کر رکھا تھا۔ لیکن بعض ابن نصرانیہ خالد کے ایک بے بنیاد دعویٰ سے متاثر ہو کر تھوڑے سے روپیہ کے لئے شیر کو شام نے پھر سے باہر نکلنے کا خود ہی موقع دیا اور خود ہی اس کو اپنے جنگل میں پھونچا دیا۔ ابن نصرانیہ جانتا تھا کہ کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت زید (بقیہ بر صلوٰۃ اللہ)

جو کچھ ممکن ہو سکا اس میں اس نے کمی نہیں کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دمشق تک یہ خبر پہنچی اور وہاں کے نہ صرف ارباب سیاست بلکہ اہل علم کی عقلوں میں بھی امام ابوحنیفہ کے اس مسلک پر تنقیدیں کی گئیں۔ ابو بکر الحفصا نے شام کے مشہور محدث و فقیہ مجتہد امام اوزاعی کا جو یہ قول نقل کیا ہے۔

دقیقہ صفحہ گذشتہ) یوں ہی واپس نہیں چلے جائیں گے اور یہی ہوا لیکن اس جھگڑے کے لڑنے کے شام نے اسی برس نہیں کیا۔ کوفہ والوں کے عادی غدر کی وجہ سے حضرت زید شہید ہو گئے۔ بنی امیہ کی شتر کینگی کا خیال کر کے لوگوں نے راتوں رات حضرت شہید کی لاش مبارک کو بہتے ہوئے پانی کے ایک راج باہرے میں دفن کر کے اس پر آبی نباتات کے بیلین چڑھا دیں۔ لیکن اپنے آقا شام کی خدمت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کا سر تحفہ بھیجنے کے شوق میں یوسف گورنر نے کوفہ سے حضرت کی لاش کا بڑی جدوجہد کے بعد پتہ چلا لیا۔ اور سر کاٹ کر دمشق بھیجا گیا۔ ابن الحنفیہ نے ایک طرف دمشق کے دروازے پر اس سر کو ٹککانے کا حکم دیا اور واپسی ڈاک سے یوسف کو لکھا کہ کسی نمایاں مقام پر عریاں کر کے حضرت زید کی لاش ٹکادی جائے چودہ مہینے تک یہ لاش بمقام کناسہ کوفہ میں بکالت عریانی ٹنگی رہی اس عرصہ میں شام تو خیر مر گیا لیکن اس کے جانشین ولید کے عہد میں حضرت زید کے صاحبزادے یحییٰ بن زید بنح کے قریب جوزجان ضلع کے ایک گاؤں ارعونہ نامی میں شہید ہوئے اور جوزجان شہر میں ان کی لاش اسی طرح ٹکادی گئی جیسے ان کے والد کی کوفہ میں ٹنگی ہوئی تھی۔ گویا خراسان عراق شام تک مسلسل ایک تماشاکھڑا کیا گیا تھا۔ حکومت کی جباریت سے لوگ خواہ کچھ نہ بول سکتے ہوں لیکن نفسیاتی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امدت پر اس دردناک دوامی منظر کا جو اثر پڑ سکتا تھا حکومت کے نشہ میں وہ بنی امیہ والوں کی سمجھ میں نہ آیا اور میرا خیال ہے کہ خراسان میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم کو جو کامیابی ہوئی اس کامیابی میں بہت زیادہ دخل اسی عجیب و غریب تماشے کو تھا۔ اسی سے خراسانی مسلمانوں کے تاشر کا اندازہ کیجئے کہ جب عباسیوں کا اقتدار خراسان میں قائم ہوا تو پہلا کام یہی کیا گیا کہ جوزجان میں حضرت یحییٰ کی لاش سولی سے اتاری گئی۔ نماز جنازہ پڑھی گئی اور سات دن تک خراسان کے ہر ہر گاؤں میں ماتم سنایا گیا ہی نہیں بلکہ اکثر مروجین نے لکھا ہے کہ ولید یولدی تلک السنۃ بمناسبت مولود الایموی بیچی اور زید دس سال خراسان میں چہل کہیں جو بچے بھی پیدا ہوئے ان کا نام یحییٰ یا زید رکھا گیا۔ المسوری ص ۱۵۴

چودہ ماہ کے بعد حضرت زید کی ننگی لاش کو اترا کر ولید نے جلا کر دریا برد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی کے انتقام میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد عباسیوں کے دلاء و حکام نے تلاش کر کے بنی امیہ کے تمام حکمرانوں کی لاشیں (باستثناء عمر بن عبدالعزیز) قبر سے نکال نکال کر جلائیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ صرف شام کی لاش چھ سات سال کے بعد بالکل صحیح و سالم حالت میں نکلی صرف ناک کا بانہ غائب ہوا تھا۔ قبر سے نکال کر اسی کوڑے اس کی لاش پر لگائے گئے اور زید شہید کی لاش جیسے جلائی گئی تھی شام کی لاش ہی جلائی گئی۔ لکھا ہے کہ یزید بن معاویہ کی قبر سے صرف ایک ہڈی نکلی اور کچھ توجیہ اس کی نہ ہو سکی۔ کہ ایک سیاہ دہاری طولا اس کی قبر میں پائی گئی۔ یوسف بن عمر کا انجام یہ ہوا کہ اس کی ڈاڑھی نوچی گئی اور نرٹ پاترٹا کر مارا گیا۔ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ دمشق کے مختلف مقامات میں ٹکایا گیا۔ بنی امیہ کے انہی شانزادوں کو باندھ کر اور ان پر فرودن بچھا کر لوگوں نے کھانا کھلایا۔ اور پھر ایک ایک کی گردن مار مار کر گھوروں پر ان کی لاش بھینک دی گئی۔ آخری حکمران بنی امیہ (دقیقہ صفحہ آئندہ)



احتملنا ابا حنیفہ علی کل شیء حتی فجا

جانا بالسیف یعنی قتال الظلمة

تعملمہ ص ۱۷

ابو حنیفہ کی ساری باتیں ہم برواقت کرتے رہے تا اس کے  
بالآخر یہ شخص تلوار لیکر آگیا یعنی ظالم حکمرانوں کے خلاف تلوار  
اٹھائے کافر تو اس نے دیدیا ہم نے اسکی بات کو برداشت نہ کیا۔

اس سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اس زمانہ میں اہل سنت و الجماعت میں سمجھا جاتا  
تھا۔ ان کے ایک مستند فقیہ و عالم کی طرف سے بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ کا اقدام تعجب  
اور انکار کی نظروں سے دیکھا گیا۔

دقیقہ سلسلہ گذشتہ ( مروان مصر میں جب مارا گیا اور اس کی گھر کی عورتوں نے جو شور و بکا کیا ہے تاریخ میں یہ مقامات پڑھے  
ہیں جیسے ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مروان کو جب اپنی مرگ کا یقین ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کے چند تبرکات (رداء مبارک اور عصا مبارک وغیرہ) کو اس نے بالوں میں گاڑ دیا تھا تاکہ عباسیوں کو رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کی یہ میراث ہاتھ نہ لگ سکے لیکن اس کے ایک غلام نے بعد کو بتا دیا۔ بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ یوں تو تقدیر میں جو کچھ  
تھا وہ پورا ہوا لیکن عالم اسباب میں اسی ابن الحنفیہ شام بن عبد الملک کی حرم اور حماقت کی شکار امویوں کی دولت قاصرہ  
ہوئی شام کی لاش کے ساتھ عباسیوں نے تو کئی سال بعد وہ ناگفتہ بہ حرکتیں کیں لیکن اس کے مرنے کے ساتھ ہی خود اس کے بہائی  
بندوں نے جو کچھ کیا وہ کیا کم حیرت انگیز ہے۔ اتفاقاً امرت کے طور پر مرنے سے کچھ پہلے ہوش آیا۔ شام نے کوئی چیز مانگی لیکن ولید  
کے نام نہ آچکے تھے جو اس کے بد خلیفہ ہوا تھا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آخری الفاظ انا للہ کنا حنرا انا للوہبید  
انا للہ کہا ہم صرف ولید کے خراجی تھے؟ کہتے ہوئے مر گیا۔ لکھا ہے کہ لکڑی کا براہہ غسل کے پانی گرم کرنے کے لئے مانگا گیا۔  
نہ ملا۔ کفن کے لئے کپڑے بھی اس کے غلام غالب نے دے۔ اور انیس سال نوہینے تک جو صرف مال جمع کرنے کی دہن میں مشغول رہا  
تھا۔ انجام آخری اس کا یہی ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک بات تاریخ کی عجیب ہے کہ حضرت زید کے صاحبزادے یحییٰ اور ان کے بعد ابراہیم  
بن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ تینوں حضرات کی وفات اچانک تیر کے گٹنے سے ہوئی حضرت زید کی پیشانی میں حضرت یحییٰ کی کنپٹی میں حضرت  
ابراہیم کی پیشانی میں تیرا چانک اگر لگے اسی سے سب کی وفات ہوئی ورنہ ہزاروں ہزار کی فوج بھی ان حضرات کے قریب آنے کی  
ہمت نہیں کر سکتی تھی اگر بے سال و گمان یہ تیران حضرات کو نہ لگتے تو ان پر قابو پانا بلکہ شکست دینا انسان نہ تھا۔ اسی سے معلوم  
ہوتا ہے کہ کچھ خدا کی مشیت ہی یہ تھی کہ ظاہری ناپاک سیاست والی حکومت خاندان نبوت کے لوگوں کو نہ مل سکی۔

۱۷ میں نے اس سلسلہ میں جیسے جیسے طور پر مختلف مقامات میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ بجائے خود  
اسلام کے سیاسی شعبہ کا یہ بڑا اہم مسئلہ ہے محض اشاروں اور کنایوں سے اس کے تفصیلات سمجھ میں نہیں آسکتے۔  
خدا کرے کہ اسلامی سیاسیات پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا جو ارادہ کر رہا ہوں۔ اس ارادے کی تکمیل کا موقعہ اگر دیا گیا تو  
اس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ یہاں پر مجھلا اتنا اور کہہ دیتا ہوں ابن خرم نے کتاب تل و النخل میں لکھا ہے کہ اس  
پر متفق ہو جانے کے بعد کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے آگے اس مسئلہ میں کہ فرض کی نوعیت کیا ہے۔ اہل سنت  
میں امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ دل سے بڑا جانتا اس حد تک فرض ہے اور زبان سے بھی قدرت ہو لیکن حکومت  
کے مقابلہ میں خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو ہاتھ اٹھانا یا تلوار کھینچ لینا جائز نہیں ہے۔ ابن خرم کا بیان ہے کہ (باقی برصغیر آئندہ)

اور صورت حال بھی کچھ یہی رہی کہ حضرت زید شہید کی جہم میں خفیہ مالی شرکت کے بعد اس باب میں امام کا قدم بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ چالیس سال کی عمر سے ستر سال کی عمر تک یعنی کامل تین سال امام ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے بالواسطہ اور آخر میں بلاواسطہ ان ہی قصوں میں گزرے حتیٰ کہ بالآخر اسی راہ میں اس منزل سے بھی ان کو گزرنا پڑا جس سے گزرنے کی تیاری تو وہ سا لہا سال سے کر رہے تھے بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے اترے تھے تو اس میدان میں اسی نیت سے لیکن جب تک دوسرے امکانات سے نفع اٹھانیکا موقعہ ان کو ملتا رہا ان سے استفادے میں ہی انہوں نے کوئی کمی نہیں کی اور آخر میں انسانی زندگی کے سب سے بڑے مشکل سوال کا جو آسان ترین حل ہے اسی حل سے وہ بھی اپنی اس مشکل کے حل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بالفاظ دیگر سلطان جبار کے سامنے کلمہ حق کا اظہار کر کے شہادت یا قریب قریب شہادت کے جام کو نوشیوں کے کسے موت جیسے مشکل سوال کو انہوں نے اپنے لئے آسان بنا دیا اور اب آپ کے سامنے اسی اجمال کے تفصیلات پیش ہوں گے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ حضرت زید شہید کی جہم سے پہلے کسی ایسے واقعہ کا پتہ نہیں چلتا جس سے امام کے سیاسی رجحان کا سراغ مل سکتا ہو، الایہ کہ تاریخوں میں ایک واقعہ کا سرسری طور پر لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ جن دنوں کوفہ میں ابن النضرانیہ خالد بن عبدالقصری کی حکومت تھی، جمعہ کی نماز

بقیہ سلسلہ گذشتہ) بالاتفاق شیعوں کا بھی یہی مذہب ہے یعنی جب تک امام ہمدی جن کے وہ منتظر ہیں نہ نکل میں تلوار اٹھاتا ان کے یاں ممنوع ہے خواہ دنیا کے تمام شیعوں قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ دوسرے طبقہ جس میں اہل سنت کا بھی ایک گروہ شریک ہے اور تمام معتزلہ اور خارجی فرقہ کے لوگ نیز زید یہ سب کا یہی مذہب ہے کہ جب شکر اور ظلم و جور کے ازالہ کی شکل تلوار نکالنے کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے تو اس وقت تلوار کھینچ لینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے فرض ہو جاتا ہے بشرطیکہ باطل کے مقابلہ میں کامیابی کا غالب گمان ہو۔ لیکن ضعف کی وجہ سے کامیابی سے اگر مایوسی ہو تو اس وقت فرضیت تلوار نکالنے کی ساقط ہو جاتی ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ مالک شافعی داؤد ظاہری سب کا یہی مذہب ہے۔ پھر دونوں فرقوں کے دلائل کا تفصیلی ذکر کر کے آخری مسلک ابن حزم ترجیح دی ہے۔ الجعاص نے ہی لکھا ہے جس کا میں نے شاید پہلے ہی کہیں تذکرہ کیا ہے ان کے بیانات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت حکومت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتی تھی۔ خواہ وہ کچھ ہی کر رہی ہو۔ بلکہ ائمہ یا زباں سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم صرف عوام سے متعلق ہے۔ بظاہر امام ابو زاعلی ہی ان ہی لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں۔ اور اہل سنت میں فقہی طور پر اس مسئلہ کو منتج امام ابوحنیفہ نے شروع شروع میں کیا۔ اسی لئے ان پر محدثین کی طرف سے اظہار تعجب ہی کیا گیا۔ اور من طعن ہی لیکن بقول الجعاص کہ ان ہی کمزوریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ فساد و فحاشی کے پھولوں میں حکومت چلی گئی۔ اور پھر کفار نے حکومت چھین لی۔ مسلمانوں کی سرحدیں کمزور ہو گئیں

خرابیت البلاد و ذہب الدین و الدنیا و ظہرت الزنارقة و التلوذ مذاهب التنزیة و الخرمیة  
 و المزدکیہ ۳۲۶ احکام یعنی مسلمانوں کی آہادیاں کھنڈ رہ گئیں کہیں ہی رخصت ہو گیا اور دنیا ہی ختم ہو گئی ذ لفقیر برصغیر آئندہ



جسے اس زمانہ کے دستور کے مطابق گورنر ہی پڑھایا کرتا تھا۔ خالد خطبے کے لئے منبر پر چڑھنے کو تو چڑھ گیا۔  
 لیکن منبر پر چڑھ چکے کے بعد حکومت کے مراسلات کے پڑھنے میں کچھ اس طرح مشغول ہوا کہ  
 کاہل وقت العصر ص ۱۲۱ مو قریب تھا کہ عصر کا وقت داخل ہو جائے۔  
 بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں یہ بھی الفاظ راوی نے کہے تھے یا کہا تھا کہ  
 داخل وقت العصر عصر کا وقت داخل ہو چکا تھا۔

پہر حال روایت کے راوی جن کا نام ابو الملیح ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اسی جمعہ کے دن کوفہ  
 پہنچا تھا وہاں کے لوگوں سے واقف ہی نہیں تھا۔ دیکھا کہ ساری مسجد خاموش ہے اچانک ان میں سے  
 ایک آدمی کھڑا ہوا اور

الصلوۃ الصلوۃ خیر الوقت و دخل وقت آخری نماز جمعہ کا وقت نکل گیا اور عصر کا وقت داخل ہو گیا  
 ابو الملیح کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ فوراً اس شخص کے گرفتاری کا حکم دیا گیا اور وہ گرفتار  
 ہو گیا۔ میں نے ان لوگوں سے جو میرے قریب تھے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تب کسی نے کہا کہ نعمان ابو حنیفہ  
 ان ہی ابو الملیح سے بعض راویوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کنکریاں لاہتہ میں نے اسی شخص نے منبر کی طرف  
 پھینکنا شروع کیں جو نماز نماز کا لفظ پکار رہا تھا۔ اس کے بعد نماز تو خالد نے پڑھ لی پھر اس نے حکم  
 دیا کہ نعمان کو پکڑ لو وہ پکڑ لئے گئے۔ اور خالد کے سامنے حاضر کئے گئے۔ خالد نے پوچھا کہ اس حرکت پر جو تم  
 سے ابھی سرزد ہوئی سچ سچ بتاؤ کس چیز نے آباد کیا۔ میں نے دیکھا کہ جواب میں وہ کہہ رہا تھا۔  
 ”نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور تم زیادہ مستحق ہو کہ  
 قرآن کی پیروی کرو۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ یعنی اصاحو الصلوۃ واتبعوا الشہداء  
 انہوں نے نازیں ضائع کر دیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔“  
 خالد نے یہ بیان سنکر پھر اصرار سے پوچھا کہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ نماز کے سوا اور کوئی

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) زندقہ الحاد بے دینی خیالات میں اتنا پسندی نیز مجوسیوں کے عقائد رکھنے والے باک خرمی کے مدنے والے  
 مزدک شہر آشتر کی کے ہم نوا دنیا پر چھا گئے۔

۱۵ اور یہ مسئلہ ہی بننا ہر کسی نیک نیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے محدثین و پیغمبر جو یہ روایت بیان کرتے تھے کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمہارے بہترین حکمران وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے ہی محبوب ہوں اور تم ہی  
 ان کی نگاہوں میں محبوب ہو گے تم ان سے محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں گے اور بدترین حکمران تمہارے وہ ہوں گے جن سے تمکو  
 بغض ہو گا اور وہ تم سے بغض رکھیں گے تم ان پر لعنت کرو گے اور وہ تم پر لعنت کریں گے صحابہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے دریافت کیا یا رسول  
 اللہ کیا ایسے حکمرانوں کو ہم الگ نہ کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک تم میں وہ نماز قائم کرتے رہیں نہیں جب تک وہ تم میں نماز  
 قائم کرتے رہیں نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔ الغرض لاماً اقاموا فیکم الصلوۃ کے فقرہ کو تین بار دہرا دہرا کہ  
 رسول اللہ نے فرمایا۔ یہ روایت صحیح کی کتاب صحیح مسلم میں بھی پائی جاتی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ نماز پر انکا قبضہ محض اسی لئے تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

دوسری چیز تمہارے پیش نظر نہ تھی انہوں نے کہا ہاں (یعنی نماز کے سوا اور کوئی دوسرا محرک اس فعل کا میرے دل میں نہ تھا) خالد نے یہ سن کر ان کو چھوڑ دیا۔

بہر حال لے دے کہ حضرت زید شہید کے واقعہ سے پہلے ہی ایک موقع ہے جس میں ہم امام کو حکومت کے ایک افسر پر اعتراض کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ خالد کا معمولی سوال و جواب کے بعد چھوڑ دینا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام کے اندرونی رجحانات کا اظہار اس وقت تک اوگوں پر نہیں ہوا تھا۔ ایک اچھے عالم اور اچھے مال دار تاجر سے زیادہ اس وقت تک شائد وہ اور کچھ نہیں سمجھے جاتے تھے۔ مگر حضرت زید شہید کے واقعہ میں شرکت کے بعد خواہ خفیہ شرکت کیوں نہ تھی لیکن حکومت کی نگاہوں میں آپ چڑھ گئے بنی امیہ کی حکومت اور حضرت امام کے تعلقات کی نوعیت اس کے بعد کیا رہی افسوس ہے کہ تفصیلات کا تذکرہ تاریخوں میں بہت کم کیا گیا ہے لیکن حجاج بنی ثقیف کے جس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی قبیلہ کے ایک آدمی جن کا نام حکم بن شام ثقفی تھا ان سے محل الفاظ میں ایک روایت کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ الفاظ اگرچہ مختصر ہیں۔ لیکن اسی اجمال سے تفصیل کا پتہ چلایا جاسکتا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکم بن شام کے متعلق ایک طرف تو لوگوں نے یہ لکھا ہے جیسا کہ ابن عساکر میں ہے۔

کان صدیقاً لابی حنیفة ص ۱۳ ج ۲ امام ابو حنیفہ کے دوست تھے۔

اور شائد اسی وجہ سے محدثین حسب دستور کچھ اس بیچارے سے زیادہ خوش نظر نہیں آتے یعنی باوجودیکہ ابو زر عیسیٰ بن مین ولید بن مسلم وغیرہ ناقدین رجال نے حکم کی توثیق کی ہے۔ لیکن پھر ہی ابو حاتم رازی سے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں۔

یکتب حدیثہ ولا یحتم بہ  
بہر حال کچھ ہی ہو امام صاحب سے ان کے تعلقات گہرے معلوم ہوتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کا پیشہ بھی تجارت ہی تھا۔

کان یتجر الی الشام  
شام کے علاقے کی طرف تجارتی کاروبار کرتے تھے۔

جس سے ہم پیشگی بھی امام صاحب سے ثابت ہوتی ہے لیکن اسی کے ساتھ بنی امیہ کی حکومت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکم بن شام کے اچھے تعلقات تھے ابن عساکر ہی کا بیان ہے۔

یترد الی الشام یاخذ عطاءه  
شام جایا کرتے تھے اور وہیں سے اپنی تنخواہ وصول کرتے تھے۔

۵۲  
کچھ خیالات بھی ان کے ایسے تھے کہ بنی امیہ والوں کو ان سے خوش رہنا چاہیے تھا

۱۰ دیکھو مرفق کے مناقب ص ۱۰ ج ۱

۱۱ یعنی ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عثمان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو بڑے تعلق سے تقریر کی کہ کان واللہ خیال الخیرۃ امیر البردۃ قتیل الفجاء منصور والنصرۃ منذول الخذلۃ اما خازلہ فقد خذلہ اللہ (بقیہ صفحہ آئندہ)



اگرچہ جو بنی امیہ کے مخالف تھے ان کو بھی ناراض رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بہر حال ان ہی حکم بن ہشام سے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام ابو حنیفہ کا حال دریافت کیا جو اب میں اس مشہور فقرے کو دہراتے ہوئے یعنی علی الجبیر سقطت جاننے والے کے پاس تم آکر گرو۔ یعنی جاننے والے سے تم نے پوچھا ہے۔

انہوں نے امام ابو حنیفہ اور بنی امیہ کی حکومت جسے وہ اپنی حکومت کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے ان دونوں کے تعلقات کو بیان کرتے ہوئے امام صاحب کی عام اخلاق و عادات کی تعریف کرنے کے بعد پتہ کی جو بات کہی وہ یہ تھی کہ۔

ارادہ سلطاننا علی امت بتوی مقایم  
خزائنہ او یضرب ظہرہا خاضعاً  
عذابہ علی عذاب اللہ عزوجل  
ہماری حکومت نے چاہا کہ اپنے خزانے کی کنجیاں ان کے حوالہ کرے یعنی اس خدمت کو وہ قبول کریں یا اپنی پیٹھ کو کوڑے سے پٹوائیں پس اس شخص نے (یعنی ابو حنیفہ) نے حکمرانوں کے عذاب کو اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ کے عذاب پر

حکم سے ان الفاظ کو سننے کے بعد پوچھنے والے نے کہا کہ

”آپ نے تو ابو حنیفہ کے متعلق ایسی بات بیان کی جو کسی دوسرے سے میں نے نہیں سنی“  
حکم نے اس پر کہا

ہو کما قلت لک  
بات وہی ہے جو میں نے تم سے کہی

دیکھتے ہیں تو حکم کا یہ بیان چند لفظوں سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اگر حکم کے اس بیان پر اعتماد کیا جائے اور نہ اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ نیز اس بیان کو اتنی ہی اہمیت دی جائے جتنی اہمیت کہ خود حکم نے اپنے بیان کو دی ہے۔ اور سننے والے نے ہی سن کر جو کچھ کہا اگر ان ساری باتوں کو سامنے رکھ لیا جائے اور سمجھا جائے کہ امام کے سوانح نگاروں نے بنی امیہ کے گورنر ابن ہبیرہ کی طرف جن واقعات کو منسوب کیا ہے درحقیقت یہ ابن ہبیرہ کا نہیں بلکہ حکم کے سلطاننا یعنی براہ راست بنی امیہ کی حکومت کی پالیسی تھی۔ البتہ اظہار اس پالیسی کا ابن ہبیرہ کے ذریعے سے ہوا تو حکم کے بیان سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں جس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں جیسا کہ حکومتوں کا قاعدہ ہے امام کے سامنے مال اور مال کے ساتھ جاہ کی رشوت پیش کی گئی اور کسی رشوت بہ حکومت کے خزانے کی کنجیاں امام کے سپرد کر دی جائیں اس کا تک فیصلہ کیا گیا نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فیصلہ صرف عراق و خراسان کے

دینیہ صفحہ گذشتہ) اما قائلہ فقد قتلہ اللہ پوچھا گیا کہ حضرت علی اچھے تھے یا معاویہ تو بیچارے سے حق چھپایا نہ گیا کہا کہ اچھے تو معاویہ سے علی ہی تھے۔ تب دریافت کیا گیا کہ خلافت کا حقدار دعوتوں میں کون زیادہ تھا حکم نے جواب میں کہا کہ خدانے جس کو خلیفہ بنا دیا اسی کو زیادہ حقدار سمجھنا چاہیے اس سے ہی ان کی طبیعت کا رنگ معلوم ہوتا ہے یعنی ہر دو جانب کو خوش رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے اسی لئے دونوں سے ان کے تعلقات تھے ۱۲

خزانہ تک محدود تھا یعنی کوفہ کے بیت المال کی افسری تک بات محدود تھی یا سٹے کیا گیا تھا کہ امام اگر راضی ہوں تو پابند تھی (دو مشق) کے مرکزی خزانہ کی کنجیاں ان کے حوالہ کر دی جائیں گویا مرکز کے وزیر فینانس بنادے جائیں آئندہ جو تفصیلات پیش ہوں گے ان سے تو کوفہ ہی کی حد تک یہ تجویز محدود معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حکم کا بیان چوں کہ عام ہے اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ بات وہاں تک پہنچی ہو مگر جیسا کہ واقعات نے ثابت کیا اور آئندہ ان کی تفصیل آتی ہے جب امام اس پر راضی نہیں ہوئے تو پھر رغبت کے طریقہ کو چھوڑ کر رہبت دیکھی اور دباؤ سے کام لیا گیا انشا اللہ تفصیلات جس کے اب کئے جائیں گے۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ یہ ہو یا وہ ہو یعنی رغبت ہو یا رہبت کی کارروائیاں اگرچہ بظاہر نبی امیہ کے عہد میں ابن ابیہرہ ہی کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ لیکن حکم کے بیان سے یہ راز واضح ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہو امر مرکزی حکومت کے اشارے سے ہوا۔

حکومت نبی امیہ اور امام ابو حنیفہ (جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت زید کی شہادت کے بعد نبی امیہ کی حکومت حوادث و آفات کے طوفانی پھیلاؤں میں مسلسل کے تعلقات کی داستان بچکونے کھاتی چلی جا رہی تھی۔ خلفا پر خلفا بدلتے چلے جا رہے تھے بغاوتوں اور فتنوں کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ تھا جو ملک کے ہر گوشہ میں پھوٹ پڑا تھا اور طرفہ باجرا یہ کہ خلفا ہی جو اس عرصہ میں گزرے ان میں ایک ایک سے بڑا ہوا تھا۔ چوں کہ نام کی تصریح نہیں کی گئی ہے

لہ تفصیلاً تو تاریخ کی کتابوں میں پڑھیے لیکن مختصر یہ ہے کہ شام کے بعد ولید نامی خلیفہ گدی پر جو بیٹھا تو حکومت کو نیکاً کا سوچ ایک سال دو چینیے بائیس دن سے زیادہ اس کو نہیں ملا لیکن اس وقت کو بھی اس نے صرف گانے بجائے اور شراب خوری میں ختم کو دیا۔ بدستی کا اس کے یہ حال تھا کہ قوال نے ایک غزل سنائی جس سے اتنا مہر ہوا کہ قوال سے لپٹ پڑا اور اس کے ہر عضو کو چومنا شروع کیا تا انیکہ شرمگاہ کے چومنے پر ہی مہر ہوا قوال بیچارہ ران میں چھپا کے چلا جاتا تھا اور وہ تھا کہ اصرار کر رہا تھا کہ ضرور چوموں گا۔ لہذا ہی میں ایک دن قرآن کھول بیٹھا آیت نکلی و خاب کل جبار عنید (نا کام ہوا ہرزبرستی کرنے والا کینہ پرور) اس کو خیال گذرا کہ یہ اشارہ قرآن کا میری طرف ہے اسی وقت قرآن کو ٹھکا کر تیروں سے چانداری (العیاذ باللہ) شروع کر دی۔ تیر پر تیر چلا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

ان بعد کل جبار عنید ؎ فہا انما اذاک جبار عنید ؎ اذا ما جئت ربک یوم حشر ؎ فقل یارب خیر قتی الولید (لے قرآن تو زیر دستی کرنے والے کینہ پرور کو دہمکا تا ہے تو نے میں وہی زیر دستی کرنے والا کینہ پرور ہوں۔ قیامت کے دن اپنے خدا کے پاس جب تو جائے تو کہد نیا کہ ولید نے مجھے پھاڑ دیا) ظاہر ہے کہ یہ سارا تماشا ام الحیات کا تھا اگرچہ اس کی طرف بعض ایسے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پر اس نے تعرض کی ہے۔ ولید کے بعد زید تخت نشین ہوا کل پانچ چینیے دور میں حکومت کے لئے میں یہ اعتقاد اکثر معتزلی تھا اور سب سے بڑا سرمایہ ناز اس کا یہ تھا جسے ایک شعر میں اس نے ادا کیا ہے۔ سے انا ابن کسرہ و ابی حر وان ؎ و قیصر جدی و جدی خاقان (میں کسری کا بیٹا ہوں میرا باپ مروان تھا اور قیصر ہی میرا دادا ہے اور خاقان ہی میرا دادا ہے) کہتے ہیں کہ اس کی ماں جس کا نام شاہ فرزند تھا دینیہ صوفیہ



اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعہ کس خلیفہ کا ہے۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے براہ راست جو یہ واقعہ منقول ہے اور راوی بھی اس کے حسن بن زیاد کو لونی ہیں جن کا شمار امام کے ارشد تلامذہ میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے خود یہ قصہ سنا۔ فرماتے تھے کہ بنی امیہ کے گورنروں کا قاعدہ تھا کہ موالی (غیر عربی) مسلمانوں میں جو علماء تھے۔ ان کو فتویٰ وغیرہ کے لئے اپنے دربار میں نہیں بلاتے تھے۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس کے بعد امام نے فرمایا:-

اول من دعا بالموالی فلان ذکر رجلا  
منہر سماح -  
سب سے پہلے موالی کو اس کام کے لئے جس نے بلایا وہ فلاں تھا  
امام ابوحنیفہ نے اس کا نام ہی لیا۔

مگر معلوم نہیں کہ حسن نے نام کی تصریح کیوں نہ کی بہر حال میرا خیال ہے کہ زید کی شہادت کے بعد غالب قریبہ یہی ہے کہ ہشام کے اشارے سے یوسف بن عمرو ہی نے امام کو اپنے دربار میں فتویٰ کے لئے بلایا۔ یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کی اندرونی امداد کی خبر جب حکومت کو ہوئی تو ابتداء ہی میں ارادہ کیا گیا کہ امام کو حکومت کا ہمنوا بنا لیا جائے۔ اور اسی لئے موالی کے متعلق جو قدیم دستور تھا اور حکومت بنی امیہ اس کی پابند چلی آرہی تھی اس کو توڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بہر حال اس کے بعد گورنر نے عربی النسل فقہاء کے مجمع میں امام کو شریک کر کے فتویٰ پوچھا اور یہ پہلا موقعہ تھا جس میں نہ صرف اجتہاد و تفسیر بلکہ امام ابوحنیفہ کی وسعت معلومات کا اندازہ حکومت کو بھی ہوا۔ اور ان عربی النسل علماء کو بھی ہوا جو عجمی لوگوں کو آنکھ نہیں لگاتے تھے

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) یزدجرد کے بیٹے فیروز کی بیٹی تھی اور فیروز کی ماں کا نسلی تعلق کچھ ساسانیوں سے ہی کچھ قیصر سے ہی اور کچھ خاقان ترک سے بھی تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتا تھا وا اسفا کا و احسنا تاکتے کہتے دم یزید کا نکل گیا۔ پھر ابراہیم بیٹا چار مہینے میں اس کی خلافت ہی ختم ہو گئی تب آخری اموی حکمران مروان گدی پر آیا مروان کو کہنے کی حد تک پانچ سال کچھ اور حکومت کرنے کا موقع ملا۔ لیکن خود اپنی قبر اپنے ہاتھ سے یوں کھودی کہ اس کے باپ دادا تو صرف عربی تھے۔ غیر عربی مسلمانوں کی ہمت شکنی ان کا عام شیوہ تھا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح ایک موالی (آزاد کردہ عجمی غلام) سے کیا اور اپنی ایک عجمی لونڈی کو آزاد کر کے خود اس سے عقد فرمایا اس پر عبدالملک نے بڑے طعن و تشنیع کے خطوط حضرت کو لکھے کہ تم نے قریش کی ناک کٹوا دی۔ حضرت نے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونوں کو لکھ کر بھیجا کہ ایک یہودن عورت کو آزاد کر کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا یعنی صفیہ بنت جہی ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور زید اپنے غلام کو آزاد کر کے اپنی بیٹی زینب زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔ لیکن جو بیت کا غور بنی امیہ سے نہ نکلا۔ اور مروان نے تو صد کردی کہ یمن کے قحطانی النسل عربوں کی ہی اس نے تحقیق شروع کی اور یہی چیز اس کی اور اس کی حکومت کی زیادتی کی آخری وجہ بن گئی۔ امام کے چند برگزیدہ تلامذہ میں ان کا شمار ہے۔ اگرچہ بعد کو ہی انہوں نے قاضی ابو یوسف اور زفر سے استفادہ کیا۔ مگر ان کے مدد تو انہی نے ہی۔ اتباع سنت کا غلبہ اس درجہ تھا کہ اپنے غلاموں کو وہی کھانا کھلاتے جو خود کھا اور وہی کپڑے پہناتے جو خود پہنتے تھے۔ انہیں وقفا ہونی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ملنے کیساتھ ہی عربی قبائل سے تعلق رکھنے والے جتنے سربراہ اور وہ افراد تھے وہ سیاست (بقیہ صفحہ آئندہ)

میرے نزدیک یہ پہلی خوراک تھی جو امام ابوحنیفہ کے سامنے بنی امیہ کی حکومت کی طرف سے پیش کی گئی اس سے اور کچھ ہوا یا نہ ہوا لیکن ایک غیر اسلامی رسم اس راہ سے ٹوٹی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا بنی امیہ کی حکومت پیہم انقلابات کے حکروں میں اس وقت مبتلا تھی۔ دمشق میں خلفا پر خلفاء بدلتے چلے جا رہے تھے اور اس کا اثر صوبجات کے ولایہ اور گورنروں پر بھی قدرتا پڑ رہا تھا۔ ہشام اور ولید تک تو کوفہ کی حکومت یوسف بن عمرو ہی کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن ولید جب قتل ہوا۔ اور اس کی جگہ زید تخت نشین ہوا تو یوسف بن عمرو پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا اور مرنے سے پہلے اپنے اعمال کے خمیازوں کو کھبت کر دنیا سے روانہ ہوا۔ یوسف

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ موالی یعنی عجم کے نومسلموں کا حکومت سے چوں کہ زیادہ تعلق آس تھا اس لئے دین اور علم میں ترقی کرنیکا فرخ میدان ان کو مل گیا مشہور فقہ ہے کہ ہشام ہی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے دربار میں عطا پونچے ہیں اس نے پوچھا کہ عطا اسلامی شہروں میں اس وقت جو علماء ہیں ان سے تم واقف ہو۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ ہشام نے دریافت کرنا شروع کیا کہ تباؤ مدینہ کا فقیہ آج کل کون ہے بولے نافع یعنی ابن عمر کے مولی۔ اس نے پوچھا اور مکہ کے؟ کہا کہ عطا ابن ابی رباح۔ اس نے کہا کہ یہ عربی میں یا مولی عطا نے کہا کہ مولی۔ ہشام نے پوچھا کہ اور یمن کا فقیہ عطا نے کہا کہ طاووس ابن کیسان۔ ہشام عربی میں یا مولی۔ عطا۔ مولی۔ ہشام اور ہمام کے؟ عطا نے بھی بن کثیر ہشام عربی میں یا مولی۔ عطا۔ مولی۔ ہشام اور ہشام کے؟ عطا نے لکھول ہشام عربی میں یا مولی؟ عطا۔ مولی۔ ہشام الجزیرہ (موصل وغیرہ) کا فقیہ کون ہے عطا نے میمون بن ہیران ہشام عربی یا مولی ہشام خراسان کا فقیہ کون ہے؟ عطا نے سخاک بن فرام۔ ہشام عربی میں یا مولی؟ عطا۔ مولی۔ ہشام بصرہ کے؟ عطا نے الحسن البصری و ابن سیرین۔ ہشام دونوں عربی میں یا مولی؟ عطا۔ مولی۔ ہشام کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ عطا نے ابراہیم النخعی۔ ہشام عربی یا مولی؟ عطا نے نہیں یہ مولی نہیں ہیں عربی النسل عالم ہیں۔ ہشام اس گفتگو کے بعد بے اختیار ہو کر بولا۔ قریب تھا کہ میری روح پر واز کر جائے اگر آخر میں تم ایک عربی النسل عالم کا نام نہ لے دیتے (موفق ص ۱) اس سے دونوں چیزوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک تو عربی النسل لوگوں کی علم سے کنارہ کشی اور دوسرے ہشام کے نسلی جذبہ کی شدت کہ اس خبر سے شدت رشک و حسد سے خود کہتے ہیں کہ میری روح نکل پڑتی۔ امام ابوحنیفہ جو موالی سے تعلق رکھتے تھے پہلی دفعہ دربار میں جب بلائے گئے تھے تو اس وقت ہی ایک عجیب پیچیدہ صورت پیش آئی یعنی امام رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ کا جو جواب دیا تھا اور جو پسند کیا گیا تھا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول تھا۔ امام صاحب کا بیان ہے کہ بنی امیہ کے دربار میں حضرت علی کے نام لینے کی اجازت نہ تھی فرماتے ہیں کہ مشائخ اور علماء کا اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب حضرت علی کے ذکر کی ضرورت ہوتی تو کہتے کہ "شیخ نے یوں کہا ہے" اور مراد شیخ سے حضرت کی ذات ہوتی جن بصری کا قاعدہ تھا کہ بجائے علی کے کہتے کہ ابو زینب کا یہ قول ہے۔ امام صاحب کے آخری الفاظ حسن بن زیاد کے یہ ہیں۔

من کان یدکر باسمہ یعاقبہ مروان ص ۱۱۱ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جو نام لیتا مروان اسے سزا دیتا تھا۔

۱۲۵



کے بعد منصور بن جہور کو کوفہ کی ولایت سپرد ہوئی۔ لیکن بہت جلد اس کو بھی رخصت ہونا پڑا۔ بظاہر ان شورشوں کے دبانے میں منصور ہی کامیاب نہ ہو سکا جن سے کوفہ لبریز ہو رہا تھا۔ لکھا ہے کہ یزید نے آخر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو بلا کر کہا کہ :

س ا لى العراف فان اهلہ یمیلون  
 تم ہی عراق کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ جا کرے لو  
 وہاں کے باشندے تمہارے باپ کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

لیکن کوفہ میں انقلاب کی آگ بھڑک چکی تھی۔ عبداللہ بن عمر کو بھی مختلف فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑا جس میں سب سے بڑا فتنہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا تھا۔ بڑے مقابلہ اور مقابلہ کے بعد یہ فتنہ فرو ہوا۔

اس عرصہ میں کل پانچ بیٹے کچھ دن حکومت کر کے یزید بن الولید بھی مر گیا۔ تخت کے چند مذعیوں میں قتال و جدال کا بازار خوب گرم رہا۔ چند آدمیوں کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی اور توڑی گئی بالآخر مروان بن محمد بن مروان غالب آیا اور آخری خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہی بنی امیہ کی گدی پر قابض ہو گیا۔ لیکن خاندانی جھگڑوں سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی مختلف گوشوں سے خوارج اہل پڑے۔ اسی سلسلہ میں ضحاک نامی خارجی بھی تھا جس نے عبداللہ بن عمرو الی کوفہ کو شکست دیکر کوفہ پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی امام ابوحنیفہ کو گرفتار کر لیا حکم دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا ہے کہ امام کے سیاسی رجحانات اب پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ اسی نے خارجیوں نے امام کی گرفتاری غالباً ضروری قرار دی۔ لکھا ہے کہ جب امام خارجیوں کے قائد کے پاس آئے تو لوگوں نے توجہ دلائی کہ ہذا تشیخہمد (یعنی کوفہ کے مسلمانوں کا یہ مذہبی پیشوا ہے) یہ سن کر بیان کیا جاتا ہے کہ

(بقیہ سلسلہ گزشتہ)

چادر کے کناروں پر بیٹھی ہوئی تھیں گویا ایسا باور کر رہی تھیں کہ غلو نہ کی کسی ڈھیری پر چادر اڑا کر یہ عورتیں بیٹھی ہیں۔ مگر واقعہ کا لوگوں کو علم تھا نہ ٹانگ پکڑ کر چادر کے نیچے سے گھسیٹا گیا اسی وقت اس کی ڈاڑھی جو غیر معمولی طور پر بہت بڑی تھی نوچی گئی اور یزید کے سامنے اسی حال میں پیش ہوا۔ لکھا ہے کہ بدحواسی میں یزید کے سامنے ڈاڑھی پکڑے کھڑا رہا اور کہا رہا تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں نے میری ڈاڑھی اکھاڑ دی ایک بال ہی باقی نہ رکھا تھا ج ۴

۱۵ حضرت جعفر طیار جو حضرت علی کے بڑے بھائی تھے۔ ان کے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے زمانہ میں شیعوں نے یہ قرار دیکر کہ یہ ہی تو اہل بیت ہی کے خاندان کے آدمی ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت شروع کی۔ بڑے جھگڑے پیش آئے۔ کوفہ چھوڑ کر یہ ایران چلے آئے اور ایران سے خراسان کی طرف بھاگے وہاں ابو مسلم عباسیوں کا داعی اپنا اقتدار قائم کر چکا تھا۔ چون کہ ابو مسلم اہل بیت ہی کے نام سے کام کر رہا تھا۔ عبداللہ بن معاویہ نے اس سے پناہ چاہی۔ لطیفہ یہ ہے کہ ابو مسلم نے کہا بھیجا کہ تمہارے نسب نامہ میں معاویہ نام کیسے ہے۔ اہل بیت والوں میں آج تک یہ نام نہیں سنا گیا۔ جواب میں انہوں نے لکھا کہ امیر معاویہ نے زبردستی کر کے میرے والد کا نام معاویہ رکھوایا تھا اور میرے دادا جب اس پر راضی ہو گئے تو ایک لاکھ درم انعام بھی دیا تھا۔ اس لئے مجھ پر یہ نام میرے نسب نامہ میں گھس گیا۔ ابو مسلم نے جواب میں کہا کہ تمہارے خاندان والوں نے بہت سے ناموں میں اس نام کو خرید لیا اور ابو مسلم ہی نے گرفتار کر کے ان کو قتل کر دیا۔

ان کے لیڈر نے امام کو سامنے بلوایا اور جیسا کہ خارجوں کا دستور تھا ہر مسلمان سے توبہ کراتے تھے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان بد بختوں نے تباہی کما تبنا تم بھی اسی طرح توبہ کرو جیسے ہم نے توبہ کیا، کا مطالبہ کیا تھا توبہ چاہے امام ابوحنیفہ کس شمار میں تھے۔ ان پر بھی اسی توبہ کرنے کا مطالبہ پیش کیا گیا۔

کہا گیا کہ

تب یا شیخ من الکفر  
بڑے میاں کفر سے توبہ کرو  
کہتے ہیں کہ جواب میں امام نے اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہوئے فرمایا کہ  
انا تائب من کل کفر  
میں ہر کفر سے تائب ہوں

یہ سن کر خارجوں نے امام کو چھوڑ دیا لیکن کسی کو پھر شرارت سے سو بھی۔ اس نے خارجوں کو باور کرایا کہ کفر سے مراد ان کے نزدیک تم لوگوں کے عقائد ہیں انہوں نے ہمارے عقائد سے توبہ کی ہے۔ خارجی گنوار تو تھے ہی۔ پھر امام واپس بلائے گئے اور پوچھا گیا کہ:

”شیخ ہم نے سنا ہے کہ جس کفر سے تم نے توبہ کیا ہے اس سے مراد ہمارے عقائد اور ہمارا طریقہ کار ہے“

خارجیوں نے اپنا اصول یہ مقرر کر رکھا تھا کہ ہر چیز سے الگ ہو کر صرف قرآن کے سامنے جھکنا چاہیے۔ وہی حکم اور فیصلہ ہے حضرت امام نے دیکھا کہ ان جاہلوں سے خلاصی کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ قرآن ہی ہے ان پر الزام قائم کیا جائے آپ نے فرمایا:-

”یہ جو تم کہہ رہے ہو، کیا یہ صرف ظن اور گمان کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ کیا آپ لوگوں کو یقین ہے کہ کفر سے میں نے وہی مراد لیا ہے جسے میری طرف تم منسوب کرتے ہو“

ان کے لیڈر نے کہا کہ

”ہاں! صرف گمان اور ظن ہے یقین سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے“

امام صاحب نے تب قرآن کی آیت ان بعض الظن اثم (بعض گمان گناہ ہوتا ہے) تلاوت کر کے فرمایا کہ بدگمانی کر کے تم نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اور گناہ کے متعلق تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کفر ہے۔ ہر آدمی کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ تقریر کر کے امام نے زور دے کر خارجوں کے اسی لیڈر سے کہا کہ جناب! پہلے آپ اس کفر سے توبہ کیجئے یہ سن کر خارجی لیڈر بولا کہ ہاں! یہ تم نے سچ کہا اور میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ لیکن ابوحنیفہ تم بھی کفر سے توبہ کرو امام نے اس کے جواب میں پھر اپنے پہلے جملے کو دہرایا کہ ”میں ہر قسم کے کفر سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں“

کہتے ہیں کہ خارجیوں نے یہ سن کر امام کو چھوڑ دیا ہے

اسے بطور ظن کے بعض تاریخوں میں امام کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ کفر سے امام ابوحنیفہ کی توبہ کرائی گئی ہے۔ لیکن اس توبہ کی اصل حقیقت یہی ہے لوگوں نے واقعہ کے ان اجزاء کو حذف کر کے صرف یہ مشہور کر دیا کہ ابوحنیفہ سے توبہ کفر سے کرائی گئی۔ دیکھو مرفق مصلح ۱۔



لیکن یہ تو شخصی مصیبت تھی جس سے امام کو نجات ملی۔ خارجی اب شہر کے عام باشندوں کی طرف متوجہ ہوئے یہ طے کر کے کہ کوفہ والے عموماً شیعہ عقائد رکھتے ہیں۔ یا کم از کم خارجی عقائد ان کے نہیں ہیں۔ اس لئے وہ کافر ہیں اور کافروں کا خون بھی حلال ہے اور ان کے بال بچوں کو غلام اور لونڈی بنا لینا ہم سچے مسلمانوں کا دینی حق ہے۔ یہ طے کر کے بیان کیا گیا ہے کہ مرد و ضحاک خارجی کوفہ کی جامع مسجد میں تلواری نکال کر بیٹھ گیا اور عام اعلان اس نے کر دیا کہ۔

”کوفہ والوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ان کی عورتوں بال بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے“

امام ابوحنیفہ کی زندگی میں کوفہ کی تاریخ کا یہ نازک ترین وقت تھا کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ ان وحشی گنوار خاں جیوں کے پاس جا کر کچھ کہہ سکے بہ ظاہر الیہ معلوم ہوتا ہے کہ شخصی طور پر امام کو ایک دفعہ ملنے کا موقعہ ان لوگوں سے چوں کہ مل چکا تھا گفتگو بھی ہو چکی تھی۔ اسی لئے جان پر کھیل کر اس دن ابوحنیفہ ہی آگے بڑھے اور ضحاک کے سامنے پہنچ کر کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اس نے اجازت دی۔ امام نے ضحاک سے پوچھا کہ یہ مردوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنانے کو حلال کس بنیاد پر قرار دیا گیا ہے۔ ضحاک نے کہا کہ یہ لوگ مرتد ہیں۔ اس کی اس تعبیر نے امام کے لئے موقعہ پیدا کیا۔ ضحاک سے آپ نے فرمایا کہ۔

”مرتد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان لوگوں کا پہلے کچھ اور دین تھا۔ اور اس دین کو ترک کر کے مرتد ہونے کے بعد اب کوئی نیا دین انہوں نے قبول کیا ہے۔ یا جس دین پر پہلے سے چلے آ رہے ہیں وہی دین اس وقت بھی ان کا ہے“

ضحاک امام کے ان الفاظ کو سن کر کچھ چو کنا سا ہوا اور بولا کہ

اعدا علی بے۔ تم نے جو بات کہی اسے ذرا پھر دہراؤ۔

امام نے بات دہرا دی کہتے ہیں کہ دیوانے کی سمجھ میں خدا جانے کیا آیا اور زور سے اس نے اخطا انا دہم سے غلطی ہوئی کا اعلان کرتے ہوئے خود اپنی تلواریاں میں کر لی اور اس کے بعد دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

۱۵ اصل یہ ہے کہ سر پھروں اور دیوانوں کے ایک گروہ کا نام خوارج تھا زود فرہی اور زود لغزی ان کی خصوصیت تھی۔ اسی لئے قتل کا فتویٰ ہی بہت جلد سے دیتے تھے اور توبہ پر بھی بہت جلد آمادہ ہو جاتے تھے۔ ورنہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ حضرت امام کے ان الفاظ سے اس کی تفسیر کیسے ہو گئی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیسے کر لیا۔ بجز اس کے کہ مرتد ہونے کا لفظ جو بولتے تھے اس لفظ کے صدق کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی امام نے اس پر واضح کیا کہ یہ بات ان میں نہیں پائی جاتی یعنی کوفہ والوں کا دین بجائے خود کچھ ہی ہو۔ کفر ہو یا اسلام۔ لیکن ارتداد کا الزام ان پر قطعاً غلط ہے کیونکہ ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو قبول کرنا ارتداد کی تعریف تو یہ ہے۔ اور کوفہ والوں نے یہ کبھی نہیں کیا بلکہ جس دین پر ہی ہمیشہ سے ہیں ۱۲

بہر حال کچھ بھی ہو۔ حق تعالیٰ کی رحمت نے کوفہ والوں کو اس دن امام ابو حنیفہ کے ذریعہ سے بچا لیا۔ اسی لئے بطور لطیفہ کے ابو معاذ البلیخی کا یہ فقرہ نقل کیا جاتا ہے کبھی کبھی وہ کہتے کہ:-

اهل الكوفة كلهم موالي اجي  
سارے کوفہ والے امام ابو حنیفہ کے آزاد کردہ موالی  
حنيفة لانه سبب عتقهم صلی اللہ علیہ وسلم  
(غلام) میں کیونکہ اسی ان کے آزادی کے سبب تھے۔

لیکن کوفہ پر خارجیوں کا اقتدار بھی زیادہ دن تک باقی نہ رہا، ضحاک ثقفی بن عمران النخعی کو کوفہ کا حاکم بنا کر خود مروان کے مقابلہ میں پہنچ کر مارا گیا اور ثقفی بن عمران کے مقابلہ میں مروان نے اپنے اس اشر کو مقرر کیا جس کا امام ابو حنیفہ کی سوانح عمریوں میں بکثرت ذکر آتا ہے۔ یعنی یزید بن عمرو بن ہبیرہ ابن ہبیرہ نے عراق پہنچ کر خوارج کا اس علاقے سے استیصال کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ابن ہبیرہ اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے لحاظ سے کچھ بھی ہو۔ لیکن عراق سے خارجیوں کو نکالنے کے بعد ۱۲۹ھ سے ۱۳۲ھ ہجری یعنی کم و بیش چار سال تک اپنے علاقہ میں اس نے امن و امان قائم کر دیا تھا۔ جیسا کہ میرا خیال ہے امام ابو حنیفہ کے متعلق حکومت بنی امیہ نے جو اپنی پالیسی مقرر کی تھی۔ اس پر عمل کرنے کا موقع ابن ہبیرہ کو اپنی حکومت کے زمانہ میں ملا۔ اسی لئے جتنے واقعات اس سلسلہ میں بیان کئے جاتے ہیں ان میں اسی ابن ہبیرہ ہی کا نام لیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ابن ہبیرہ  
امام کے سوانح نگاروں نے اس سلسلہ میں واقعات کو غیر مرتب طور پر بیان کیا ہے۔ لیکن قرآن و قیاسات سے کام لیا جائے تو شاید ہم ان میں ایک قسم کی ترتیب بھی پاسکتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا حکومت کی پالیسی امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ تھی کہ پہلے نرمی سے کام لیا جائے۔ اور نرمی میں جس حد تک مبالغہ ممکن ہے اس میں کمی نہ کی جائے۔ لیکن نرمی سے جب کام نہ چلے۔ تب گرمی کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔

اس سلسلہ میں ہم ابو حنیفہ کو ابن ہبیرہ کے دربار میں اس شان کے ساتھ پاتے ہیں کہ ایک شخص کو ابن ہبیرہ قتل کی دہمکیاں دے رہا ہے اور قریب ہے کہ اس بیچارے کو جلاوٹ کے سپرد کرے۔ اپنا تک امام ابو حنیفہ ابن ہبیرہ کے دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کا ذکر مورخین نے نہیں کیا ہے کہ کیوں آئے تھے۔ خود آئے تھے یا بلائے گئے تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ بلائے ہی گئے۔ پھر یہ بہر حال لکھا ہے کہ

سے زیادہ تر وثائق کی تیاری کے لئے امام کو بلایا جاتا تھا یا کبھی کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا تب آپ کو دعوت دی جاتی کہتے ہیں کہ شروع شروع میں ابن ہبیرہ امام کی قابلیت سے ایک وثیقہ کے کھنڈے کے بعد ہی واقف ہوئے۔ پہلے اس نے شہر کی عربی النسل علماء ابن ابی ملی اور ابن شیرہ سے مسودہ لکھوایا۔ لیکن پسند نہ آیا۔ تب امام کو بلوایا۔ ان دنوں کے مسودہ کو دیکھ کر امام نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے سوا ان میں کچھ لکھا گیا ہے سب غلط ہے تب ابن ہبیرہ نے آپ سے مسودہ لکھنے کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا۔ کیا ابھی چاہتے ہو۔ بولا ہاں ابھی۔ فرمایا کسی کاتب کو بلوایا کاتب آیا اور اسی وقت آپ نے مسودہ لکھوایا اس دن سے امام کی عظمت ابن ہبیرہ کے قلب میں جاگزیں ہو گئی ص ۱۲۹



غریب ملزم کی نظر جو ہی امام ابو حنیفہ پر پڑی بدحواسی میں یا جان بوجھ کر اس نے ابن ہبیرہ سے کہا کہ آپ کو میرے متعلق اگر شبہات ہیں تو یہ صاحب جو آپ کے پاس ابھی آئے ہیں ان سے میرا حال دریافت کر سکتے ہیں اور واقعہ یہ تھا کہ امام صاحب نے اس کو نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے حال سے واقف تھے، لیکن یہ محسوس کر کے کہ اس بے چارے نے مجھ سے گویا ادا چاہی ہے اس مظلوم کو بچانے کی کوئی صورت پیدا کرنی چاہیے۔ خدا نے جس قسم کا ذہن رسا اور ناقب طبیعت آپ کو عطا کی تھی فوراً ایک خیال سامنے آیا یعنی امام کی طرف مخاطب ہو کر ابن ہبیرہ نے جب پوچھا کہ آپ کیا اس شخص کو پہچانتے ہیں؟ جھوٹ تو بول نہیں سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے ملزم کی طرف خطاب کر کے پوچھا کہ ”تم وہی آدمی ہو جو اذان دیتے ہوئے لا الہ الا اللہ کے کلمہ کو خاص طور پر کھینچا کرتے ہو۔ اس نے بھی کہہ دیا جی ہاں! امام نے فرمایا کہ اچھا اذان دو۔ اس بے چارے نے اذان دی۔ اذان جب ختم ہوئی تو امام صاحب نے کہنا شروع کیا یہ تو اچھا آدمی ہے مجھے تو اس میں کوئی بات اعتراض کی معلوم نہیں ہوتی کہتے ہیں کہ امام کے یہ فرمانے کے ساتھ ہی ابن ہبیرہ نے ملزم کو چھوڑ دیا۔ جن لوگوں نے امام کے اس واقعہ کو نقل کیا ہے آخر میں انہوں نے اس کا اضافہ بھی کیا ہے کہ:-

انما کان عرض ابی حنیفہ ان لیجمع  
المرجل یقر بالشہادۃ ین لیتصل بالی  
خلاصہ فاحرہ بالاذان لذاتہ

بات کو کاٹ کر اذان کا قصہ امام نے اس سے چھپا کر اسکی  
تعریف کی گنجائش پیدا ہو جائی یعنی کلمہ شہادت ادا کر کے  
اسکی نماہی کی وجہ امام نے نکال لی اسکو اذان پکارنیکا حکم دیا گیا۔

گویا امام کا مطلب یہ تھا کہ جو آدمی توحید کا مقرب ہے رسالت کو مانتا ہے اس کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو اچھا آدمی ہے یہ جھوٹ نہ ہو گا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اسی کے ساتھ ابن ہبیرہ کو اپنے طرز عمل سے یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ حضرت امام کی اس کے دل میں کتنی عزت اور کتنا احترام ہے۔ گویا محض ان کی معمولی توثیق سے ایسے مجرم کو جو واقع میں مجرم تھا یا نہ تھا، لیکن ابن ہبیرہ تو اس کو واجب القتل قرار دے چکا تھا۔ اس کو چھوڑ دیا اگر یہ سمجھا جائے کہ اس طرز عمل سے نفسیاتی طور پر وہ امام کو متاثر کرنا چاہتا تھا تو بعید نہیں ہے البتہ بجائے قول کے اس دفعہ اس نے صرف عمل سے کام لیا اسی قسم کا ایک قصہ امام کر دی نے بھی ابن ہبیرہ ہی کے متعلق نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے نام سے ایک جعلی سفارش نامہ لکھ کر کسی شخص نے ابن ہبیرہ کے پاس پیش کیا تھا۔ اتفاقاً توڑی دیر بعد امام بھی ابن ہبیرہ کے پاس آئے اس نے پوچھا کہ آپ ہی نے یہ سفارش کی تھی۔ یہ امام کی نیک نفسی تھی کہ دیکھا کہ اس کا کام بنتا ہے ابن ہبیرہ سے کہا جزاک اللہ وہ خوش ہو گیا اور سمجھا کہ امام نے تصدیق کی ہے۔ بہر حال مقصود ان باتوں سے امام کو قابو میں لانا تھا۔

اسی سلسلہ میں چند ہی دنوں کے بعد ایک اور لطیفہ پیش آیا۔ جس میں ابن ہبیرہ کو کھل  
نگینہ کا واقعہ کر اپنے منشا کے اظہار کا موقع فوراً ہی امام کے سامنے مل گیا موفقی نے اپنی مسلسل سند  
کے ساتھ اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے ابتدائی الفاظ سے کی۔

ابن ہبیرہ کے درمیان جانی حنیفہ  
ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہ کو اپنے پاس بلا یا ان  
کی رائے کسی مسئلہ میں لینا چاہتا تھا

لاہر احتجاج الخ رائے ص ۱۴۲

اس سے بھی یہی معلوم ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ خود اس کے دربار میں نہیں جایا کرتے تھے بلکہ اپنی ضرورت سے وہی ان کو بلا یا کرتا تھا۔ بہر حال امام جب ابن ہبیرہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک "نگینہ" اس کے سامنے پڑا ہوا ہے اور کچھ سوچ رہا ہے امام نے دریافت کیا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ اس نے کہا مجھے یہ نگینہ پسند آگیا ہے میں اس کو چاہتا ہوں کہ استعمال کروں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس پر دوسرے آدمی کا نام کھدا ہے۔ امام صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ اسے مجھے دیکھئے کیا لکھا ہوا ہے دیکھو تو نگینہ امام صاحب کو دیا گیا امام نے دیکھا کہ اس میں "عطاء بن عبد اللہ" کے الفاظ کندہ ہیں۔ ان کا ذہن فوراً منتقل ہوا۔ ابن ہبیرہ سے انہوں نے اجازت لی اور سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ حکاک کے پاس لے جا کر صرف اتنی ترمیم اس میں کرو کہ "بن" کے لفظ کو وہ "من" بنا دے یعنی بن کے ب کے ذرا زیادہ گھس کر میم کا منہ بنا دے اور عبد اللہ کے ب کے نقطہ کو مٹا کر اس کے اندر نون کا نقطہ لگا دے۔ وہ گیا اور فوراً اس ترمیم کو کرا واپس لے آیا۔ امام نے ابن ہبیرہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ اب اس کو آپ اطمینان سے پہن سکتے ہیں۔ تعجب سے اس نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ فرمایا اب پڑھیے۔ پڑھا تو عطاء بن عبد اللہ کی جگہ "عطاء من عبد اللہ" لکھا ہوا تھا خدا کی طرف سے دی ہوئی چیز ہے۔ اب اس کا یہ مطلب ہو گیا امام کی اس ذہنی انتقال کی اس غیر معمولی تیزی و برعزت پر ابن ہبیرہ اچھل پڑا جوش مہرت، اسی وقت نگینہ سونار کے یہاں بھیجا گیا کہ انگوٹھی میں جڑ کر فوراً واپس کرے خیر یہ تو لطیفہ تھا لیکن اسی لطیفہ کے ساتھ ابن ہبیرہ جو اپنے عہد کا ممتاز ترین سیاستوں میں تھا یہ پا کر کہ حکومت کی پالیسی کو امام کے سامنے پیش کرنے کا یہ بہترین موقع ہے لکھا ہے کہ امام جب اٹھنے لگے تو اصرار کر کے بیٹھا لیا۔ اور کہنا شروع کیا۔

ایہا الشیخ لو اکثرت غشیا نسا  
وزیارتنا لاخذتنا ونفعتنا ص ۱۴۲

اے شیخ! اگر آپ اپنی آمد و رفت کو ہمارے یاں  
ذرا بڑھادیں تو آپ ہم فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ  
سے نفع پہنچے۔

آج ان بے جان الفاظ کا ظاہر ہے کہ وزن محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن ذرا اپنے خیال کو ماضی کی طرف منتقل کر کے یہ سوچتے ہوئے کہ اس زمین میں زمین کی سب سے بڑی طاہرہ حکومت کا سب سے بڑا گورنر ایک معمولی خوش باش شہری سے آرزو کی شکل میں اس استدعا کو پیش کرتا ہے جس کے خیال سے بھی بدن پر لوگوں کے جھرجھری طاری ہو جاتی ہے ابن ہبیرہ کے ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے سوار اور وہ بھی جیسا کہ میں نے عرض کیا خود ابن ہبیرہ ہی کی ضرورت سے امام اس کے دربار میں کبھی کبھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ کھل کر پتنگ بڑھانے کی درخوا جو اس کی حکومت کی پالیسی تھی اس کو پیش کرتا ہے امام نے انتہائی سنجیدگی اور مشائرت سے ہنر



جواب اس وقت دیا تھا وہ آج بھی امیروں کے قرب تلاش کرنیوالوں کے لئے ہمایہ عبرت و بصیرت ہے فرمایا کہ ۔

ما صنع عندك ان قربتني فنتي  
وان اقصيتني اخزيتني ص ۱۴۳

تمہارے پاس آکر میں کیا کرونگا، اگر مجھے تم نزدیکی اور  
قرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے اور اگر تم نے

دور رکھا دیا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ کے غم میں مجھے مبتلا کرو گے۔  
اگرچہ یہ مختصر الفاظ ہیں لیکن سیاسی اقتدار رکھنے والوں کی مجلسوں میں آمد و رفت رکھنے والوں  
کی یہ صحیح تصویر ہے پہلا فقرہ کہ قرب بخشی کی صورت میں تم فتنہ میں مجھ کو مبتلا کرو گے اس کا مطلب یہ ہے کہ  
اولاً دربار کے دوسرے ارکان عموماً ایسی حالت میں اس بیچارے قرب حاصل کرنے والے کیساتھ رقابت  
کے تعلقات پیدا کر کے ہمیشہ اسے زک دینے کی فکروں میں داؤں پہنچ کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ فتنہ تو  
دوسروں کی طرف سے ہوتا ہے نیز قرب حاصل کرنے والا ان امکانات کو محسوس کر کے جو اس قسم کے اقتدار  
والوں کی نزدیکی کے بعد آدمی کے دل میں قدرتاً جہانگنہ لگتے ہیں بجا خود یہ ایک مستقل فتنہ ہوتا ہے جو اسی کے  
سینے سے اٹھتا ہے اور اسی پر شب و روز فوارے کی طرح گرتا رہتا ہے ماسوا اس کے سلاطین و امراء و  
حکام کی نگاہوں کی ہلکی ہلکی سی بے اتفاقیوں قرب حاصل کرنے والوں کے جگر کو جس طرح خون بنانا کر  
پگھلاتی رہتی ہیں اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہیں اس راہ کے کچھ تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ یہ تو امام  
کی حقائق شناس فطرت ہی تھی جس نے تجربے سے پہلے اس قرب کے نتائج ان پر واضح کر دئے تھے۔ خیر  
یہاں تک تو ایک واقعہ کا اظہار تھا۔ اور گواہ اپنے علاقے کے مطلق العنان حاکم اعلیٰ کے سامنے اتنا کہنے  
کی جرأت بھی آدمی کو مشکل ہی سے ہوتی ہے لیکن اس کے بعد امام نے جو فرمایا وہ ان کی بے لاگ اور  
بے باک طبیعت کی ایک زندہ شہادت ہے فرمایا کہ

ولمیں عندك ما ارجو ولا عندى  
ما اخافك عليه

تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکی مجھے آرزو ہو اور  
میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسکی وہ مجھ سے ڈروں

مطلب یہ تھا کہ تمہارے پاس مال ہے یا جاہ مال کے لحاظ سے خدا نے حضرت امام کو ان امراء  
کے آگے ہاتھ پھیلانے سے پہلے ہی مستغنی کر دیا تھا رہا جاہ کا مسئلہ تو عام دنیا داروں کی نگاہوں میں  
جو چیزیں سرمایہ عزت و ابر و سمجھی جاتی ہیں امام پر اگر ان کی حقارت واضح نہ ہوتی تو کس پر ہوتی۔  
رہا دوسرا جملہ کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وہ مجھ سے تمہارا ڈر میرے دل میں پیدا ہو۔  
میرے خیال میں تو یہ ان شکوک و شبہات کے ازالہ کی طرف اشارہ تھا جن سے حضرت زید کی خفیہ  
معاشرت کے بعد حکومت حضرت امام کو تہم کر رہی تھی۔

بہر حال مطلب جو کچھ بھی ہو الفاظ جو مورخین نے نقل کئے ہیں وہ یہی ہیں۔ یہ نہیں بیان کیا  
گیا ہے کہ ابن ہبیرہ نے اس کے جواب میں کیا کہا یا کیا کیا بہ ظاہر اس نے گفتگو ختم کر دی اور معاملہ کو کسی



دوسرے موقع کے لئے اس نے ملتوی کر دیا۔

ترقی کے بعد گرجی کی ابتدا۔ اگرچہ امام کے ان الفاظ کو سن کر ابن ہبیرہ خاموش ہو گیا لیکن اس سے جو اثر مرتب ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ گو امام نے یہ فرما کر جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے اس کو مطمئن کرنا چاہا لیکن اسی چیز نے جہاں تک میرا خیال ہے اس کو اور غیر مطمئن کر دیا ہو گا۔ ان جراثیم کا اس کو پتہ چل گیا ہو گا۔ جو امام کی فطرت میں پوشیدہ تھے اور سیدنا زید شہید کے ایام خروج میں وجود کا انہوں نے خواہ جس درجہ بھی مخفی شکل میں ہو ثبوت دیا ہی تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے ۱۲۹ ہجری میں ابن ہبیرہ کو فتنہ عراقین کے والی ہونگی حیثیت داخل ہوا اور یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم خراسان کے باشندوں کی اکثریت کو عباسیوں کی بیعت میں داخل کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل کرتا چلا جا رہا تھا خراسان

سے موثق وغیرہ میں لکھا ہے کہ ان ہی الفاظ کو لوگوں نے امام کی طرف اس وقت بھی منسوب کیا ہے۔ جب اسی قسم کی گفتگو کے بعد امام نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور اور اس کے والی عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ امام صاحب کا کا یہ طے شدہ فیصلہ تھا جو سیاسی اقتدار والوں کی ساتھ تعلق قائم کرنے کے متعلق انہوں نے طے کر لیا تھا۔ اور کوئی تعجب نہیں جیسا کہ مرفق نے بھی لکھا ہے کہ ان چھاطب بھلا لکل ۱۲۹ ہجری کا سال ہے جس میں خراسان کے مشہور تجربہ کار لیکن آخر میں ناکام والی نصر بن سیار نے بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کے نام عباسیوں کی خراسان میں جو اندرونی کامیابیاں ابو مسلم کے زیر قیادت حاصل ہو رہی تھیں ان کی تفصیل کرتے ہوئے مشہور اشعار لکھے تھے۔

ارحی بین الدواد و منیض جہرا ۛ وانحشی ان لکون لہ ضراہ  
میں راکھ کے ڈھیر کے نیچے چنگاریوں کی چمک پارہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آگ بن کر بھڑک اٹھے  
اور بھی چند اشعار کے بعد ایک شعر تھا۔

اقوال من التعجب لیت شعری ۛ ایقاظ امیہ اہ نیام  
میں نے تعجب سے کہا کہ ہو کیا گیا ہے۔ کیا امیہ والے سب سو گئے۔  
کہا جاتا ہے کہ آخر میں نصر نے یہ ہی لکھا تھا۔

فصری عن رحالک ثم قرخی ۛ علی الاسلام والعرب السلام  
پس لے عورت اپنے ڈیرے سے بھاگ اور کہتی جا کہ اسلام اور عرب پر سلام ہے۔

آخری مصرعہ اسلام اور عرب پر سلام ہے بہت پر معنی ہے۔ اسلام کا لفظ تو خیر یونہی داخل کیا گیا ہے اسلام اور اسلامی قوانین کی پروا بنی امیر کی کرتے تھے تو پھر عباسیوں سے اسکی کیا تکایت۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دولت بنی امیہ جو عربی عصبیت پر قائم تھی عباسیوں نے بنی امیہ کو تو ڈسٹسکے لئے عربوں کو بھی ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا عباسیوں کا (باقی صفحہ آئندہ)



کا والی نصر بن سیار مسلسل ابن ہبیرہ کو حالات کی اطلاع دیتے ہوئے فوجی امداد طلب کرتا تھا لیکن حالاً ایسے تھے کہ پایہ تخت خلافت سے مدد نہیں مل رہی تھی اور ابن ہبیرہ بھی ایسی مقامی الجھنوں میں گرفتار تھا کہ اس سلسلہ میں وہ ہی نصر کی زیادہ پشت پناہی نہ کر سکا عبدالقادر بن معاویہ بن عبدالقادر بن جعفر کے خروج کی وجہ سے وہ ایرانی علاقوں میں الجھا ہوا تھا تاہم اس کے آخر میں اپنے بیٹے داؤد کو اصغر کے مقام پر عبدالقادر بن معاویہ سے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور یہ فتنہ کس طرح فرو ہوا اس کے بعد ابن ہبیرہ نے نصر بن سیار کی امداد کے لئے نباتہ ابن حنظلہ کی سرکردگی میں ایک فوج خراسان کی طرف بھیجی لیکن جرجان کے مقام پر عباسیوں کے مشہور جنرل حسن بن محمد کے مقابلہ میں خود نباتہ اور اس کے ساتھ ابن ہبیرہ کی بھیجی ہوئی فوج جس کی تعداد دس ہزار تھی اس میں بھی دس ہزار آدمی مارے گئے ابن ہبیرہ کے لئے یہ بدترین ذلت اور کوفت کی خبر تھی اور اب ابن ہبیرہ عباسیوں کے ساتھ آخری مقابلہ کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ نصر کو اسی زمانہ میں اس نے ایک تاریخی خط لکھا جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ایک لاکھ فوج تمہاری امداد کے لئے عنقریب روانہ کرتا ہوں۔ تھوڑے عرصہ اور استقلال سے کام لو۔ سمجھا جاتا ہے کہ اسی زمانہ میں ابن ہبیرہ نے کوفہ کے تمام سربراہوں کو جمع کیا۔ یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندر اندر عباسیوں کے کارندے خود خوارق میں بھی کام کر رہے تھے اور لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے گریز کر رہے تھے صاحبِ محم نے نقل کیا ہے کہ

دقیقہ سدا گزشتہ پہلے امام ابراہیم نے ابو مسلم کو جب خراسان کے بعض سربراہوں کو اس نے چھوڑ دیا تھا سخت سست لکھتے ہوئے آئیں لکھا تھا کہ ان لایید خ یجھا سمان نمکلیا بالعربیۃ الاقلہ (کامل ج ۳ ص ۴۰) یعنی خراسان میں جو بھی عربی بولتا ہو اسے قتل کرو۔ اللہ اللہ کچھ ہی دن بعد منصور عباسی کے زمانہ میں یعنی کل سات آٹھ سال بعد محمد نفس زکیہ کے خلاف جو فوج مدینہ منورہ پر چڑھانی کرنے کے لئے عباسیوں نے بھیجی تھی اور محمد نفس زکیہ کا ایک سپاہی ابن خصیر جو بے جگر رٹنے والا تھا جب عباسی فوج کی طرف پلٹتا تو متفقہ آواز آتی ابن حنفیہ آمد ابن خصیر آمد (دیکھو طبری وغیرہ)

لے کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر نصر نے ابن ہبیرہ کو لکھا تھا کہ  
 بہانی! ایک لاکھ فوج تو بند کر بھیجنا۔ ارے کم از کم دس ہزار آدمی تو سر دست روانہ کر دو۔ خراسان والوں کے سچے سامنے میں جھوٹا بنا جا رہا ہوں اگر اس وقت تم دس ہزار آدمی بھی نہ بھیج سکتے تو آئندہ ایک لاکھ والی فوج کچھ نہ کر سکیگی۔  
 لیکن بجائے جواب دینے کے ابن ہبیرہ نے نصر کے خط اور مقاصد کو روک لیا۔ گھبرا کر نصر بن سیار نے پایہ تخت خلافت کی طرف آدمی دوڑایا۔ مروان صلیف سے ابن ہبیرہ کے اس نفاق اور بے رحمی کی شکایت لکھی۔ اسی خط میں نصر نے لکھا تھا۔ میرا حال اس شخص کے مانند ہو گیا ہے جسے اپنی کوٹھری سے نکال کر لوگ والان میں لے آئے ہوں اور والان سے سائبان میں سائبان سے صحن میں اور صحن سے نکل کر اب وہ مکان کے آخری احاطہ میں گھڑا ہے۔ اگر اس وقت اس کی مدد کی گئی تو ممکن ہے کہ پھر اسے گھر میں دہن ہو جاتے۔ ورنہ احاطہ سے نکال کر اگر لوگوں نے اسے باہر راستے کی طرف کھدیر دیا تو اس مکان میں وہ ایسی اس کے لئے نامکن ہو جائے گی۔ نہ اس کے لئے گھر ہی باقی رہے گا اور نہ احاطہ سے نکلے گا۔



ان ابن ہبیرہ کا کان والیا بالعراق  
من بنی امیہ فظہرت الفتنة بالعراق  
جمع فقهاء العراق فولى كلا منهما  
شيئا من عمله ۱۷۱

بنی امیہ کی طرف سے عراق کا والی دگورنزا ابن ہبیرہ تھا  
عراق میں جب فتنوں نے سر اٹھایا تو اس نے عراق کے فقہاء  
کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کے مختلف شعبوں میں سے  
ایک ایک شعبہ ہر ایک کے حوالہ کیا۔

میرے خیال میں یہ وہی فتنہ ہے جو ۱۱۱ھ میں پیش آیا۔ ابن ہبیرہ بڑی تیاریوں میں مصروف تھا  
اور عباسیوں پر آخری فیصلہ کن ضرب لگانے کا انتظام کر رہا تھا۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ عوام کی لیڈری جن  
جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان سب کو حکومت میں شریک کر کے عوام کی ہمدردی حاصل کی جائے ابن ہبیرہ  
کا ایک بڑا معتمد علیہ جس کا نام عاصم بن ربیع تھا اسی کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ کو راضی کر کے لانے کے لئے ابن ہبیرہ  
نے ججی کو مقرر کیا تھا امام کو ربیع کے ذریعہ یہ پیغام دیا گیا تھا کہ۔

يكون علي خاتمة ولا ينفذ كتاب  
ولا يخرج شئ من بيت المال الا من  
تحت يده كما مبعم ۱۷۱ ج ۲

(دگورنزا کی ہر ان کے سپرد کی جائے گی تاکہ جو کوئی حکم  
نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور  
خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب امام ابوحنیفہ ہی کی نگرانی میں  
ہو اور ان ہی کے ہاتھ کے نیچے سے نکلے)

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ امام کو صرف اپنی ولایت کے خزانہ ہی کا وزیر نہیں بنانا  
چاہتا تھا۔ بلکہ امام کی خدمت میں اس نے اپنی پیشی کی وزارت بھی پیش کی تھی۔ آخر اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے  
کہ بیت المال ہی سے نہیں بلکہ جس قسم کا کاغذ ابن ہبیرہ کے پاس سے نکلے امام کے دستخط کے بغیر وہ نافذ نہیں  
ہو سکتا۔ میرے خیال میں گورنری کے بعد جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا یہ آخری عہدہ تھا جو کسی کو دیا جاسکتا  
تھا خصوصاً ایسے گورنری وزارت مطلقہ جو عراق، ایران و خراسان جیسے عظیم صوبوں کا مطلق العنان  
حاکم تھا لکھا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں یہ امتیاز یعنی العراقین کی گورنری زیاد بن ابیہ کو ملی تھی۔ یا آخر  
میں یہ امتیاز ابن ہبیرہ کو حاصل ہوا تھا البتہ کا بیان ہے۔

وهو معدود من جملة من جمع له  
العراقان فكان اوله زياد بن ابية  
استخلفه معاوية و آخرهم يزيد  
المذكور ولهم جميعا لاحد بعد الا  
الباقى ۱۷۱

ابن ہبیرہ کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے لئے دونوں  
عراق (عراق عربی و عراق عجم) کی گورنری جمع کی گئی اس  
اس طبقہ میں پہلا آدمی زیاد بن ابیہ ہے جس کا امیر معاویہ نے  
اس عہدہ پر تقریر کیا تھا اور دوسرا آدمی ہی یزید بن ہبیرہ  
ہے ان دونوں علاقوں کی گورنریاں کسی ایک شخص کے سپرد  
ان دونوں کے سوا کسی کے نہیں ہوئیں۔

۱۔ اہل اہل اسلام کی چند خاص شخصیتوں میں زیاد بھی ہے امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اپنا بھائی بنا لیا تھا جس کا قصہ  
طویل ہے کہتے ہیں کہ ایک ایرانی "دہقان" بیمار ہوا تھا۔ طائف کا طبیب حارث بن کلدہ نے اس کا علاج کیا تو انعام میں ایک  
ایرانی لونڈی اس نے عطا کی جس کا نام حارث نے سمیر رکھا تھا حارث نے سمیر سے اولاد ہی پیدا کی اور ان میں ایک (بقیہ صفحہ آئندہ)



بہر حال کچھ بھی ہو امام کے پاس ایک عمدہ پیش ہوا اور ایک ایسی عرب پرست متعصب حکومت کی طرف پیش ہوا جو معمولی مسلمانوں کو پوچھنے میں بھی دیکھ لیتی تھی کہ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ عرب ہے یا غیر عرب اور آج وہ کچھ ایسے حالات میں اپنے آپ کو پار ہی ہے کہ بادشاہ اور حکمران کے بعد اس زمانہ میں اموی دولت کی جو سب سے بڑی ذمہ دار تھی یعنی ابن ہبیرہ وہ اپنی نیابت اور اپنا سارا خزانہ امام کے سپرد کرتا ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے تو اس واقعہ کا پڑھ لینا آسان ہے لیکن امام ابو حنیفہ کی تقلید پر ناز کرنے والوں کے لئے سوچنے کا مقام ہے تقلید کے ساتھ ساتھ اگر یہی صورت حال ان کے سامنے پیش آجاتی یا آج بھی پیش آجائے تو ان میں کتنے ہوں گے جو امام کی اس منت کے اقتدار پر آمادہ ہوں۔ اور آج ہی کیا اگر امام کے حنفی سوانح نگاروں کے اس بیان کی بلاوجہ تردید نہ کی جائے یعنی ان لوگوں نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ نے امام کے ساتھ اور جن فقہاء کو حکومت کی کسی نہ کسی خدمت کو قبول کرنے کے لئے مدعو کیا تھا تو لکھا ہے۔

جمع فقہاء العراق بابہ فیہما ابن  
 ابن لیلیٰ و ابن شبرمہ و داؤد بن ابی  
 اپنے دروازے پر عراق کے فقہار کو ابن ہبیرہ نے جمع  
 کیا جن میں ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند  
 اور ہی ان ہی میں سے چند لوگ تھے۔

دھند و عداوت منہد ص ۲۳ ج ۲۔

ابن ابی لیلیٰ کو تو خیر جانے دیجئے محمد شین کو ان سے کچھ شکایت ہے، لیکن ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند تو صحاح کے راویوں میں ہیں لیکن واقعہ کیا پیش آیا۔ کوفہ کے ایک خباز یا خزانے کے رٹکے کو

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) رومی غلام بن کا نام عبید بننا سمیہ کا عقد کر دیا تھا۔ لیکن سمیہ ایک بدصلین عورت تھی کہتے ہیں امیر معاویہ کے والد ابوسفیان کفر کے زمانے میں طائف کسی ضرورت سے گئے تھے وہاں کے بھٹی خانہ میں شراب پی اور بھٹی خانہ کے کلاں جس کا نام ابو مریم تھا اس سے عورت کی خواہش کا برکی ابو مریم نے سمیہ کا نام لیا بیان کیا گیا ہے کہ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا دھا تھا علی طول تدبیرھا و ریم ابطیھا (اسی کو سہ آؤ خواہ اس کی چھاتی دراز ہی کیوں نہ ہو اور بغل سے اس کے بدبو ہی کیوں نہ آتی ہو) یوں ابوسفیان نے سمیہ سے مقاربت کی اور کہتے ہیں کہ اسی کے کچھ دن بعد زیاد پیدا ہوا۔ چون کہ سمیہ باضابطہ عبید رومی کی بیوی تھی اسی لئے زیاد بن عبید ہی کے نام سے مشہور تھا لیکن زیاد جب جوان ہوا تو اس سے غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار ہونے لگا۔ حضرت عمر ہی کے زمانہ میں اس کے ہوش و گوش خطابت و نظم و تدبیر کی شہرت ہو چکی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب زیاد کی تعریف کرنے لگی تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے بوڑھوں کے مجمع میں زیاد کا ذکر ہوا تھا اس وقت ابوسفیان نے کہا انی لاعرف اباجا و من وضعہ فی رحمہ امہ دین زیاد کے باپ کو جانتا ہوں جس نے اس کی ماں کے رحم میں اس کو ڈالا ایسے ہی جانتا ہوں اور یوں بھی ابوسفیان کے اشارے کنائے کیے کبھی بھی زیاد کے باپ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے جب حضرت علی اور امیر معاویہ میں جنگ ہوئی اور زیاد حضرت علی کے طرفداروں میں تھا امیر معاویہ نے اپنے والد کے ان کنایوں اور اشاروں سے نفع اٹھاتے ہوئے آخر زیاد کو اپنا بھائی بنا کر اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اس کے بعد لوگ زیاد کو زیاد بن ابی سفیان کے نام سے موسوم کرنے لگے۔ ابن عمر وغیرہ زیاد بن ابیہ کہتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز زیاد صاحب البصرۃ کے نام سے موسوم کرتے تھے اسی زیاد کے بیٹے عبید اللہ کے حکم سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کر بلا میں ہوئی۔ بہر حال زیاد کی شخصیت (بقیہ صفحہ آئندہ)



اتنا بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بالاتفاق راویوں کا بیان ہے دوست اور دشمن سب کی شہادت ہے کہ  
 ابی و امتنع" یعنی امام ابوحنیفہ نے دولت بنی امیہ کے اس جلیل منصب کے قبول کرنے سے انکار اور قطعی طور  
 پر انکار کر دیا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چانس کی تاک میں رہنے والوں کو امام کی سبک مغزی پر کتنی حیرت ہوتی  
 ہوگی سمجھانے والے نے کیا کیا نہ سمجھایا ہوگا اور کس کس طرح کن کن پہلوؤں کو نہ پیش کیا ہوگا۔ ایسے زرین مواقع  
 کیا ہمیشہ ہاتھ آتے ہیں؟ اس سوال کو کس کس رنگ میں امام کے سامنے پیش کرنے والوں نے نہ پیش کیا ہوگا۔  
 قصہ کیا صرف رغبت ہی کا تھا ان ہی سواغ نگاروں نے لکھا ہے کہ جن جن فقہا کو بلا کر ابن ہبیرہ نے خدمتیں سپرد  
 کی تھیں ہر ایک کو جو عا یا کر یا یعنی رضامندی کے ساتھ یا جبراً قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ علاو  
 دوسروں کے ان ہی فقہا کا ایک وفد بھی حضرت امام کے پاس آیا اور بالاتفاق لوگوں نے سمجھانا شروع کیا کہ  
 انا نشتدک للہ ان تہلک نفسک فاننا  
 اخوانک وکلنا کارۃ لہذا الہم و لہم  
 نجد جد امن ذلک ص ۲۲ ج ۲ مرقی  
 ہم لوگ خدا کی تمہیں قسم دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو تم تباہی  
 میں نہ ڈالو ہم لوگ آخر تمہارے بھائی ہیں اور حکومت کے  
 اس تعلق کو ہم میں ہر ایک ناپسند ہی کرتا ہے لیکن کوئی چارہ کا

اس وقت قبول کر لینے کے سوا نظر نہیں آتا (پس چاہیے کہ تم ہی انکار پر اب اصرار نہ کرو)۔  
 جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار کی صورت میں ابن ہبیرہ نے اپنے تمام اختیار کے استعمال کی  
 طرف اشارہ کر چکا ہوگا۔ ورنہ لہ نجد جد امن ذلک دہم لوگوں کو کوئی چارہ کار بجز قبول کر لینے کے نہ پایا  
 کا مطلب کیا ہوگا۔ کوئی ایسی ہی مجبوریاں ہوں گی کہ داود بن ابی ہند اور ابن شبرمہ جیسے بزرگوں کے

رقبہ سلسلہ گذشتہ) وچند شخصیت ہے اس کی خطابت اور سیاست اس کی مستحق ہے کہ کوئی مستقل مقالہ اس پر لکھ سکتا ہے  
 ابن عمار نے تاریخ دمشق میں اس کے حالات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے ص ۱۹ ج ۵۔  
 یہ بھی سلف کے ان ہی اکابر میں ہیں جنہوں نے حکومت کی امداد سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھنے کے لئے خیاطی کا پیشہ اختیار  
 کر لیا تھا۔ تہذیب میں لکھا ہے کہ کان بن جابطا ابن سعد نے ان کا عجیب تجربہ نقل کیا ہے زندگی کے ابتدائی زمانہ میں کہتے تھے کہ  
 طاعون کا ان پر حملہ ہوا غشی طاری ہو گئی۔ اسی حال میں کہتے ہیں کہ دو شخص میرے پاس آئے۔ ایک نے زبان کا کنارہ پکڑ لیا  
 دوسرے نے تلوے کے درمیانی حصہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے سے پوچھا کیا پاتے ہو۔ جواب میں کہا کہ کچھ تکبیر کچھ تسبیح اور کچھ  
 مسجدوں کی طرف آمد و رفت اور کچھ تہوڑا بہت قرآن بھی۔ داود کہتے ہیں کہ اس وقت تک میں نے قرآن یاد نہیں کیا تھا اسی بیماری  
 کے زمانہ میں ان کا بیان ہے کہ قضا حاجت کے لئے جاتا ہوں تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ کاش! یہ وقت جلد ختم ہو تو ذکر کا موقع  
 ملے۔ بیماری سے نفع پایا ہونے کے بعد داود بن ابی ہند نے پہلا کام قرآن یاد کرنے کا کیا ص ۲۱ ج ۷ حصہ دوم۔

۵۲ قاضی ابن شبرمہ بن کا نام عبداللہ قبیلہ ضبہ سے تعلق رکھتے تھے حکومت کی ملازمت ہی میں ان کی زندگی گذری  
 بنی امیہ کے عہد میں بھی یہ اور قاضی ابن ابی بلی قاضی رہے اور بنی عباسیہ کا دور جب آیا جب بھی دونوں اس عہدے پر رہے  
 ابن سعد نے قاضی ابن شبرمہ کے متعلق مشہور رہنی محدث معمر کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ معمر کہتے تھے کہ ابن شبرمہ عین کے  
 والی تھے اس عہدے سے جب معزول ہوئے اور گھر جانے لگے تو رخصت کرنے کے لئے میں بھی کچھ دوران کے ساتھ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)



کے سامنے بھی گریز کی راہ باقی نہیں رہی لکھا ہے کہ علماء کا یہ وفد ناصحان مشفق کی شکل میں امام کے پاس  
جب آیا تو آپ نے اس وقت فرمایا کہ

یہ ملازمت تو غیر بڑی بات ہے اگر یہ شخص مجھ سے چاہے کہ واسطہ شہر کی مسجد کے دروازے  
صرف گنا کروں تو میں یہ بھی نہیں کروں گا

آخر میں امام نے فرمایا کہ

پھر خیال کرنا چاہیے کہ میں اس کی پیش کردہ اس خدمت  
کو کیسے قبول کر سکتا ہوں جس میں وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم  
دیگا اور میں اس حکم پر ہر لگاؤں گا

فکیف وهو یرید منی ان یکتب  
بضر بعتی رحل و اختصر علی ذلک

اور بار بار اس جملہ کو دہراتے

فواللہ لا ادخل فی ذلک ابداً  
خدا کی قسم میں اس میں اپنے آپ کو کبھی شریک نہیں کر سکتا،

گویا امام نے قسم کھائی علماء حیران تھے۔ اس انکار کے عواقب اور خطرناک نتائج ان کے  
سامنے تھے۔ لیکن جناب امام نے قسم کھائی تو سب چپ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے صرف اتنا کہا کہ  
دعوا صاحبکد فہو المصیب وغیرہ

چھوڑ دو اپنے رفیق کو حق پر وہی ہیں ان کے سوا دوسرے  
غلط راستہ پر ہیں

المخطی ص ۲ ج ۲

دقیقہ سلسلہ گذشتہ) گیا۔ لوگ جب چھٹ گئے اور میں ہی ان کے پاس تنہا رہ گیا تو میری طرف دیکھ کر انہوں نے کہا کہ "میں خدا  
کا شکر کرتا ہوں کہ جس قبضے کو پہن کر میں آیا تھا اس کے بدلے کا موقع نہ ملا یعنی دوسری قبضے میں نے نہیں بنوائی۔" مگر کہتے ہیں  
کہ یہ کہہ کر چپ ہو گئے پھر کہنے لگے کہ میں یہ حلال کا ذکر کر رہا ہوں باقی حرام کی تو گنجائش ہی نہ تھی ص ۲ ج ۲ ابن سعد۔  
یہ تھا تقویٰ ان لوگوں کا جنہوں نے حکومت کی ملازمت اختیار کر لی تھی ۱۲

۱۲ روایتوں میں واسطہ ہی کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہبیرہ نے آخر دفعہ فقہار عراق کو حج کر کے حکومت کے  
مختلف شعبے ان کے سپرد کر نیک جاوارا وہ کیا تھا اور ان ہی میں امام ابو حنیفہ بھی تھے یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ نہ چھوڑ کر مختلف ممالک  
میں شکست کھاتے ہوئے بالآخر ابن ہبیرہ شہر واسط میں محصور ہو گیا تھا یہ حصار کی یہ مدت کافی طویل ہے۔ گیارہ مہینے کے قریب  
قریب عباسیوں کی فوج واسط کا محاصرہ کئے پڑی رہی آخر میں سفلیح نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور سے کو ابن ہبیرہ کے مقابلہ میں  
بھیجا تھا بڑے طویل قتلے پیش آئے دجلہ اور فرات کے آبی راہوں سے ابن ہبیرہ کے پاس امداد اور مدد آتی تھی عباسی کشتیوں میں  
نکڑی بھر کر آگ لگا دیتے تھے اور جو چیزیں دریا کی راہ سے آتیں ان کو جلا دیتے تھے ابن ہبیرہ اس کے مقابلہ میں ایک خاص قسم  
کی جنگی کشتی حراقات میں زنجیر اور قلابے وغیرہ لگا کر دریا میں چھوڑتا تھا آگ سے بھری ہوئی عباسیوں کی کشتیوں کو وہی کھینچ کر ساحل  
پر پہنچا دیتے تھے آخر میں ابن ہبیرہ نے ابو جعفر منصور کو کہلا بھیجا کہ آو اہم دونوں شخصی طور پر مقابلہ کر کے فیصلہ کریں لیکن ابو جعفر  
تیار نہ ہوا کہلا بھیجا کہ تمہاری مثال تو جنگلی سور کی ہے جو شیر سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے مارے گئے تو ایک سوزرا اور جہرہ پر غالب آئے تو  
میری سخت بکلی ہوگی کہ سور کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر صلح کا پیغام دیا گیا صلح ہو گئی۔ لیکن بعد کو عباسیوں نے ابن ہبیرہ سے عہد شکنی کی اور بیچارے  
کو بے دردی کسانچہ قتل کر دیا گیا جو وقت قبل مور ہا تھا کہتے ہیں کہ گو وہیں اس کے اس کا ایک بچہ تھا اس کو آگ کیا اور خود سجدے میں گر گیا کل دہ سال کی

بعضوں کا بیان ہے کہ اسی انکار کے بعد ابن ہبیرہ امام کو تازیانے کی سزا دینے پر آمادہ ہو گیا  
لیکن جہاں تک قرآن کا اقتضار ہے ابن ہبیرہ نے غالباً عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ بعض ارباب مناقب نے  
جو یہ لکھا ہے کہ

فجسہ صاحب الشرطة جمعین  
ولہ نصیرہ ص ۲۰ ج ۲  
پولیس کے افسر اعلیٰ آتے تو جمعہ تک ابو حنیفہ کو جیل میں رکھا  
اور مارا نہیں۔

اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ تازیانے کا حکم اس انکار کے فوراً ہی بعد ابن ہبیرہ نے نہیں  
دے دیا تھا بلکہ قید کر کے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں پندرہ دن تک ابن ہبیرہ نے کوشش کی کہ یہ خدمت  
نہ سہی کوئی اور خدمت حکومت کی وہ قبول کر لیں اس سلسلہ میں چند خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ترتیب  
کا لحاظ بیان کرنے والوں نے نہیں رکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ خنز کی تجارت کی وجہ سے ممکن ہے کہ اس عہدہ  
کے بعد غالباً ابن ہبیرہ نے اس خدمت کو پیش کیا جس کا ذکر مورخین نے ان الفاظ میں کیا ہے۔  
ادارہ ابن ہبیرہ ات يدخل فی الطراز ص ۲۰ ج ۲ ابن ہبیرہ ان سے خواہش کی کہ "طراز" کی نگرانی قبول کریں۔  
موفق نے خدا جانے کس بنیاد پر "الطراز" کی شرح میں لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد بیت المال ہے  
گویا طراز والی خدمت اور جو خدمت پہلے پیش کی گئی تھی موفق کے نزدیک ایک ہی ہے۔ لیکن میرے نزدیک  
اس سے وہی مراد ہے جو عام تاریخوں میں اس سے مراد لیتے ہیں یعنی شاہی خانوادے اور بڑے بڑے  
حکام و ولایہ کے خصوصی لباس فرش و فرش خیمے وغیرہ جس کارخانے میں تیار ہوتے تھے اسی کو "الطراز"  
کہتے تھے۔ منہی الارب میں لکھا ہے:

"طراز عرب است جا بافتن جاہاے نیکو و جید و گستر و فی و جامہ است کہ برائے سلطان بافتند"

اور مسلمانوں میں آخر آخر وقت تک عام دستور تھا کہ نہ صرف سلاطین بلکہ عام امراء کے لوازم  
میں چند کارخانے ہوتے تھے مثلاً آبدارخانہ جہاں پانی کی تیاری کا کام ہوتا تھا اسی طرح ایک متقل کارخانہ  
ہر امیر کے پاس کپڑوں کے بننے اور شانے کا بھی ہوتا تھا ہر حال میں خیال یہی ہے کہ کوفہ میں جو "الطراز"  
تھا ابن ہبیرہ نے چاہا ہوگا کہ اسی کی نگرانی قبول کر لیجے۔ کیوں کہ کپڑوں کی تجارت تو آپ کرتے ہی ہیں  
لیکن امام نے اس سے ہی انکار کر دیا۔ آخر میں کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے اہل علم کا جو عام پیشہ تھا یعنی قضا  
پیشہ کیا گیا۔ لیکن امام تو طے کر چکے تھے کہ کسی قسم کا کام ہو دینی ہو یا دنیوی میں اس کو قبول کر کے اس  
ظالم حکومت کے ساتھ موالات کا تعلق نہیں قائم کروں گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ دن جیل میں امام  
کے جو گذرے ان میں یہی رد و بدل اور گفتگو ابن ہبیرہ اور امام کے درمیان ہوتی رہی۔ لکھا ہے کہ جب  
قضا کی خدمت قبول کرنے سے ہی امام نے ہتاف انکار کر دیا تب ابن ہبیرہ کے عرصہ کی حرارت اپنے  
آخری درجہ پر پہنچ گئی سننے کے ساتھ ہی انتہائی غیظ میں معمور ہو کر قسم بکھاتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ  
ان لم یفعل لبصرینہ بالسیاط

اگر اس خدمت کو بھی اس نے قبول نہیں کیا تو میں ان کے

سر پر کوڑے مار کر رہوں گا



سننے کے ساتھ لوگ کانپ اٹھے۔ امیر نے قسم کھالی اب وہ یہ کرگزیب کا اسی کا لوگوں کو اندیشہ تھا جو سامنے آگیا امام تک ابن ہبیرہ کی اس ہولناک قسم کی خبر پہنچائی گئی خدا جانے لوگوں کا کیا خیال تھا کہ امام پر کیا حال طاری ہوگا مگر آپ نے سن کر اطمینان کے ساتھ فرمایا۔

ضریبہ فی الدنیا اسهل علی من  
مقام الحدید فی الاخرۃ  
دنیا میں اس کے مار لینے کو آخرت کے آہنیں گرزوں  
کی مار سے میں اسان خیال کرتا ہوں

اور جیسے ابن ہبیرہ اپنی امارت کے گھمنڈ میں قسم کھا بیٹھا تھا اسی طرح جو دین کے نشہ میں مخمور تھا اور ابن ہبیرہ کے تازیانے سے زیادہ آخرت کی آہنیں گرز کی چمک جس کی یقین آنکھوں کے سامنے کوند رہی تھی اس نے بھی اسی لب و لہجہ میں کہا کہ

واللہ لافعلت ولو قتلنی  
امام کی اس قسم کی خبر ابن ہبیرہ کو پہنچائی گئی سننے کے ساتھ ہی غصے سے اس کا منہ تمٹھا اٹھا اور کہنے لگا

بلغ من قدرک ان یعارض عینی یمینہ ص ۲۲  
اب اس کا ر ابو حنیفہ کا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ میری  
قسم کا مقابلہ وہ اپنی قسم سے کرتا ہے۔

وہ اس وقت اپنے آپ کو اونچا سمجھ رہا تھا اتنا اونچا کہ کرہ زمین پر اس کے آقا مروان کے بعد اسی کا درجہ تھا امام کی جوابی قسم اس کی رفعت کے مینارے کی کلہاڑی تھی وہ اپنی بلندی کی محفوظ کرنے کے لئے اب امام کے گرانے پر آمادہ ہوا لیکن تاریخ مسکرا رہی تھی چند ہی سالوں کے بعد دنیا جسے بھولنے والی تھی وہ اس سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا جس کی یاد کا قیامت تک کے لئے کروہا کروہا انسانوں کے قلوب میں مزنگز ہونا مقدر ہو چکا تھا ابن ہبیرہ کے احساس برتری پر یہ ایسی چوٹ تھی کہ تلملا اٹھا اسی وقت اس نے امام کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا جیل سے وہ ابن ہبیرہ کے سامنے لائے گئے۔ ابن ہبیرہ کے سپاہی امام کو اس کے سامنے لئے کھڑے ہوئے تھے اور وہیں کھا کھا کر ان کے منہ پر کھہر ہا تھا۔

ان لم یصل لیضرب علی راسہ  
حتی یموت  
اگر اس نے حکومت کی خدمت قبول نہ کی تو اس کے سر پر  
اس وقت تک کوڑے لگائے جائیں گے جب تک کہ اس کا دم  
نہ نکل جائے اور مردہ جائے۔

لیکن امام کی سکینت و استقامت میں کسی قسم کی کوئی جنبش نہیں پیدا ہوئی۔ ابن ہبیرہ جہنم کی  
طرح بھڑک رہا تھا۔ اپنے اختیارات کی وسعتوں کو اس نے موت تک پہنچا دیا تھا لیکن سننے ہو سکتی  
بے نیازی سے امام اس سے فرما رہے تھے۔

انما ہی میتة واحدة  
صرف ایک ہی موت تک (اس کا اقتدار ہے)

ابن ہبیرہ ان کی اس ادا اور اس جواب پر جس کا اس سے پہلے اسے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا  
آپنے سے باہر ہو گیا جلو از جلو از کے ساتھ پیچھے لگا۔ یہ کوڑے مارنے والوں کو کہتے تھے جو تازیانہ  
بدست حکام کے سامنے کھڑے رہتے تھے جلو از دوڑ پڑے۔

”نہیں کوڑے اس شخص کے سر پر مسلسل لگائے جائیں“

یہ حکم ابن ہبیرہ نے ان کو دیا

امام کا سر کھلا ہوا تھا اور ایک دو تین کوڑے تھے جو پے درپے اس سر پر پڑ رہے تھے جس میں خدا کی بڑائی کچھ اس طرح سما گئی تھی کہ کسی مخلوق کی بڑائی کی گنجائش ہی اس میں باقی نہیں رہی تھی چند کوڑوں تک امام خاموش رہے آخر میں یہ تاریخی فقرہ زبان مبارک سے نکلا جو اب تک نقل کیا جاتا ہے۔ ترجمہ جس کا یہ ہے ابن ہبیرہ کو خطاب کر کے فرما رہے تھے۔

یاد کر! اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائیگا اور آج تیرے سامنے میں جتنا ذلیل کیا جا رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ ذلت کیساتھ خدا کے دربار میں پیش کیا جاوے گا۔ ابن ہبیرہ! مجھے تو وہم کاتا ہے۔ حالات کہہ دیکھ میں شہادت دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اقرار کرتا ہوں کہ۔

(لا الہ الا اللہ)

”دیکھ! میرے متعلق تو بھی پوچھا جائے گا اس وقت بجز یہی بات کہ کوئی جواب تیرا سنا نہیں جائیگا۔ کوڑے پڑ رہے تھے اور امام کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہتے ہیں کہ آخری فقرہ کو سن کر ابن ہبیرہ کا چہرہ فق پڑ گیا اور اشارہ سے جلا دہ کی طرف اشارہ کیا کہ

”بس“

لکھا ہے کہ پولیس (شرط) والے امام کو جیل خانے پھر واپس لے گئے رات وہیں جیل خانہ میں گزری صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ منظر امام کا چہرہ سو جا ہوا تھا اور سر پر شیئر نکلے ہوئے ہیں لکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں جب امام کو جیل لیجا رہے تھے یا جیل پہنچنے کے بعد امام رحمۃ اللہ علیہ پر گریہ کی حالت طاری ہوئی لوگوں نے دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ

”اس مار کا مجھے خیال نہیں بلکہ مجھے اپنی ماں کا خیال ہے میرے اس حال کو دیکھ کر ان بیچاری کا کیا حال ہوگا“

کہتے ہیں کہ ابن ہبیرہ کا غصہ اب کچھ وہیما پڑا۔ لیکن راج بہت جس کا ترجمہ اس زمانہ میں ”وقار حکومت“ کے الفاظ سے کیا جاتا ہے وہ اس پر اب بھی سوار تھا۔ آخر گھبرا کر اس نے کہا کہ

الافاصم لہد الرجل المحبوس  
ادن لیستاجلنی فاجلہ فینظرنی اصر

کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اس قیدی کو یہ سمجھائے کہ مجھ سے یہ ہمت چاہے تاکہ میں اس کو اپنے معاملہ میں غور کرنے کا موقع دوں۔ (ص ۲۴ موثق ج ۲)

بیان کیا گیا ہے کہ امام تک ابن ہبیرہ کی اس خواہش کی خبر پہنچائی گئی اس پر اپنے فرمایا کہ:-

۱۲ الفاظ کی کمی پیشی کے ساتھ یہ روایت امام کی عام سوانح عمریوں میں درج ہے میں نے امام موثق کے مناقب ص ۲۴ سے نقل کیا ہے ۱۲



” اچھا! مجھے چھوڑ دیا جائے میں اپنے احباب اور اپنے بھائیوں سے مشورہ کرتا ہوں اور جیسا کہ اس نے کہا ہے غور کرتا ہوں“

یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ یہ رہائی ضمانت اور چمکے کے ساتھ ہوئی یا بغیر چمکے اور ضمانت کے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام کی طرف سے اس منظوری کی خبر ابن ہبیرہ تک جوں ہی پہنچائی گئی۔ اتنی سی خوراک بھی امام جیسی کردار والی شخصیت سے اس کے کبر کے لئے کافی ہوئی رہائی کا حکم اسی وقت اس نے دے دیا۔

رہا ہونے کے بعد امام نے کیا کیا۔ اگرچہ امام کے عام سوانح نگاروں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن اکثر درسی کے مناقب سے معلوم ہوتا ہے کہ جیل سے نکلنے کے بعد جب وعدہ امام نے اپنے اخوان و احباب سے مشورہ فرمایا اور قاضی ابو یوسف کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے امام کو آخر میں مشورہ دیا کہ جب والی قسم کھا چکا ہے تو صرف اس کی قسم کی تکمیل کے لئے کوئی سی ہی خدمت قبول فرمائیے ورنہ قسم ہی کا جہاد کر کے پھر وہ گرفتار کرے گا۔ اور جیسا کہ وہ حلیفہ اعلان کر چکا ہے کہ اس وقت تک پٹواتا رہوں گا جب تک کہ موت نہ آجائے اسی کو پیش کر کے امام سے لوگوں نے عرض کیا کہ

لا تعن علی قتل نفسا صلا  
اپنی خودکشی پر اس کی اعانت نہ کیجئے۔

مگر سوال یہ تھا کہ کس قسم کی خدمت قبول کی جائے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انحر ازین کے عریف ہونے کا عہدہ بھی پیش کیا گیا۔ لیکن اس سے ہی امام نے انکار کیا بالآخر بحث و مباحث کے بعد امام صاحب اس پر راضی ہو گئے کہ شہر میں اطراف و جوانب سے انجیرانگور وغیرہ فواکہ جو آتے ہیں ان کے گننے کی خدمت اگر میرے سپرد کی جائے تو خیر اس کو قبول کر سکتا ہوں۔ ابن ہبیرہ تک امام کی اس منظوری کی خبر پہنچائی گئی وہ خود تنگ آ گیا تھا۔ محض ”وقار حکومت“ کا پاس امام کو بالکل چھوڑ دینے میں مانع آ رہا تھا۔ آخر بات اس کی رہ گئی اور امام کو اس کے پنچہ استبداد و ظلم سے رہائی ملی۔ امام چھوڑ دے گئے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس خدمت کو کوفہ سے حرم محترم کی طرف وقتی ہجرت کب تک امام نے انجام دیا لیکن بالاتفاق آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ کے اس جور و تعدی ظلم و ستم کے بعد

۱۷۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ ابن ہبیرہ اپنے کسی خواب سے بھی متاثر ہوا لیکن جس خواب کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے دل راضی نہیں کہ اتنی دولت بیداد سے وہ مشرف ہوا ہو یہ میرا ذاتی احساس ہے مگر ہو سکتا ہے کہ عالمیں کی جس کی ذات والا رحمت تھی اپنے دین کے ایک وفادار خادم کے طفیل میں اس کو سرفراز کیا گیا ہو دل یہ بھی کہتا ہے کہ تقدیر تجرت واسما (تو نے بڑی وسیع رحمت کو مخقر کر دیا) واللہ اعلم ۱۲  
۱۸۔ اسی روایت میں قاضی ابو یوسف سے مروی ہے کہ کوفہ کی بار سے امام کے جسم سے گوشت کے ٹکڑے کٹ کر گرے تھے

فہر باب الحی مکة واقام بها فی سنة  
 مائة وثلاثين سنة كوردی

امام رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ کی طرف بھاگ گئے اور ۱۳  
 تک مکہ معظمہ ہی میں آپ کا قیام رہا۔  
 بعض روایتوں میں ہے کہ "رکب درجہ" یعنی اپنی سواریوں پر لد کر امام مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے  
 میرا خیال ہے کہ غالباً اس وقتی ہجرت کا ارادہ اور حرم محترم میں پناہ لینے کا ارادہ امام پہلے ہی  
 کر چکے تھے اور شاید اسی مصلحت سے انہوں نے ایک ایسی خدمت قبول کی کہ شہر سے باہر آنے پر لوگوں  
 کو تعجب نہ ہو گیا ایک طرح سے کروڑ گیری کے محکمہ کی یہ ملازمت تھی اور اس محکمہ کے ملازموں کا ظاہر ہیکہ  
 شہر کے ناکوں اور راستوں ہی سے تعلق ہوتا ہے امام نے سواریوں کا انتظام کر لیا ہو گا۔ یوں جس قدر بھی  
 ساز و سامان کی ضرورت ہوگی اس کو اونٹوں اور گدھوں پھروں پر لدوا کر حجاز کی طرف روانہ ہو گئے ہوں گے  
 خود ابن ہبیرہ بھی چاہتا ہو گا کہ اس قسم کے سخت و کڑخت آدمی سے شہر جہاں تک جلد خالی ہو بہتر ہے خطرہ  
 ہوتا ہو گا کہ اس کو دیکھ دیکھ کر دوسرے نہ بگڑ جائیں۔ اور یہ خطرہ کچھ بے جا بھی نہ تھا، میں تو سمجھتا ہوں کہ آج  
 اعلیٰ معیاری کردار کے نمونوں کے لئے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے غیر اقوام کے ابطال (ہیروز) کی مثالیں  
 پیش کی جاتی ہیں۔ حالاں کہ اسلامی تاریخ کا ورق ورق صفحہ صفحہ اس قسم کے اعلیٰ اخلاقی اسباق کے مواضع سے بھرا ہوا  
 خود امام ابوحنیفہ ہی کی زندگی اپنے اندر کن کن نمونوں کو نہیں رکھتی؟ کام کرنے والے زندگی کے سرور میں امام کی  
 سوانح عمری کو اپنے لئے شمع راہ اور حوصلہ کی بلندی و قوت کا ذریعہ بنا سکے ہیں آخر یہ لوگ بھی آدم زاد ہی  
 تھے جنوں یا فرشتوں کی اولاد تو نہ تھے۔

بہر حال بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ امام کی کش مکش کے متعلق جو واقعات تاریخ میں بیان کئے گئے  
 ہیں ان کا اختتام اسی ابن ہبیرہ کے واقعہ پر ہو جاتا ہے اس کے بعد جیسا کہ امام کے سوانح نگاروں نے امام کی ہجرت  
 کے تذکرے کے بعد عموماً یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ۔

اقام بمكة حتى صارت الخلفة  
 للعباسية سنة ۲۰۰ ج ۲

مکہ معظمہ ہی میں وہ اس وقت تک مقیم رہے جب تک کہ  
 خلافت پر عباسیوں نے قبضہ نہ کر لیا  
 انقلاب حکومت کا یہ واقعہ ظاہر ہے کہ اسلامی تاریخ کا بڑا اہم باب ہے یوں بھی تفصیلات سے  
 لوگ ناواقف نہیں ہیں کہ اس انقلاب میں سب سے بڑا ہاتھ ابو مسلم خراسانی عباسیوں کے داعی کا تھا جس نے عربوں  
 میں پھوٹ پیدا کر کے بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ تمکک جس سال امام ابوحنیفہ  
 کو فہ چھوڑ کر حجاز کی طرف ہجرت کر گئے اسی سال یعنی ۱۳۰ میں ابو مسلم مرو میں داخل ہوتا ہے اور بہت سی  
 سازشوں کے بعد آخر میں اس نے اپنی جماعت جسے وہ شیعہ اہل بیت کہتا تھا۔ یہ مشرودہ سنایا کہ۔

ان یبئوا المساکن فقد اغناهم  
 من اجتماع کلمة العرب علیهم  
 اب اطنیان سے اپنے گھر بناؤ اور آباد ہو جاؤ۔ اب  
 یہ بات کہ عرب پھر مسئلہ حکومت میں کسی ایک لفظ  
 پر جمع ہوں گے خدا نے اس سے فارغ البال بنا دیا۔  
 کامل ابن اثیر ط ۲ ج ۲

۱۳۳

۱۳۳



اس کا تو کوئی ثبوت اس وقت تک نہیں ملا ہے کہ دولت بنی امیہ کے خلاف جس سازش کا جال اندر اندر ابو مسلم سارے مالک اسلامیہ میں پھیلارہا تھا۔ اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ شرکت تھی لیکن ابراہیم بن میمون جن کا مختلف حیثیتوں سے ذکر گذر چکا ہے اور آخر میں ابو مسلم ہی کے حکم سے ان کو شہید بھی ہونا پڑا ہے ان کے متعلق ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

کان هو و محمد بن ثابت العبدی  
صدیقین لابی مسلم المداعیۃ  
بجھاسان یجلسان الیہ و لسمعان  
کلامہ دضلع ج۲ حصہ دوم

ابراہیم بن میمون الصانع اور محمد بن ثابت عبدی  
یہ دونوں ابو مسلم کے دوست تھے جو عباسیوں کا خراسان  
میں داعی تھا دونوں کی ابو مسلم کے پاس نشست و برخاست  
تھی اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے

چوں کہ ابراہیم بن میمون اور امام ابو حنیفہ میں خاص تعلقات تھے خود امام صاحب سے ابن المبارک  
یہ روایت نقل کیا کرتے تھے کہ ابراہیم بن میمون میرے پاس آیا کرتے تھے دونوں میں تنہائی کی ملاقاتیں بھی  
ہوتی تھیں امام صاحب پر بھی ان کا بہت اثر تھا آخر میں جب ابراہیم نے ابو مسلم کے ظالمانہ حرکات کو دیکھ کر اس  
سے مقابلہ کا ارادہ کیا تو اس باب میں انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نہ صرف مشورہ ہی لیا بلکہ امام کے ہاتھ پر  
ابو مسلم کی مخالفت کے سلسلہ میں باضابطہ بیعت کرنی چاہی۔ اور جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ امام نے  
اس کو خلاف مصلحت قرار دیتے ہوئے بیعت سے انکار کیا۔ لیکن اس سے ابراہیم اور امام کے باہمی سیاسی  
تعلقات کا پتہ چلتا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ جیسے ابراہیم، ابو مسلم کی مخالفت میں امام سے مدد کے طالب  
ہوئے تھے۔ اسی طرح جب ابو مسلم سے ان کی موافقت تھی۔ اس معاملہ میں کوئی گفت گو نہ ہوئی  
ہوگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جب اس کی صراحت نہیں ملتی، اس لئے قطعی طور پر نہیں  
کہا جاسکتا کہ عباسیوں کی تحریک میں امام نے بھی عملاً کوئی حصہ لیا تھا جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف اس قدر  
ہے کہ ٹھیک جن دنوں میں عباسیوں کی اندرونی تحریک اندر سے باہر آگئی اور ملک کے مختلف حصوں میں بنی امیہ  
کے خلاف عباسیوں کے اشارے سے ابو مسلم نے بغاوتیں برپا کرانی شروع کیں حضرت امام نے ان ہی دنوں  
میں مجاورت حرم کی زندگی اختیار کر لی اور اس وقت تک جب تک کہ عباسی تحریک بنی امیہ کی حکومت کا  
خاتمہ کر کے تخت خلافت پر عباسیوں کو قبضہ دلانے میں کامیاب نہ ہوئی امام حرمین ہی میں گھومتے رہے  
باوجود تلاش کے کوئی ایسی چیز بھی نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ امام کو کسی زمانہ میں عباسیوں کی تحریک  
سے مدد دی رہی تھی۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اس تحریک کی ابتداء ہی جن غیر اسلامی بنیادوں سے ہوئی تھی ان کے  
نتائج کا دوسروں کو اندازہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسریں نگاہوں سے وہ  
کیسے اوجھل رہ سکتے تھے۔ بہر حال کچھ بھی ہوا امام کو الگ تھلگ حجاز میں زندگی گزارنے سے ہونے ہم اس وقت  
تک پاتے ہیں جب تک کہ عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح کوفہ میں پہنچ کر اپنی خلافت اور حکومت کا

اعلان جمعہ کی نماز کے بعد بحالت بخارا اپنے مشہور تاریخی خطبہ کے ذریعہ سے کرتا ہے۔  
اس عرصہ میں کوفہ میں بیسوں انقلابات آتے ہوئے بالاخر ابن ہبیرہ کوفہ چھوڑ کر واسط میں

۱۷ تاریخوں میں ابوالعباس کی اور اس کے بعد اسکے چچا زاد بھائی داؤد بن علی کی تقریریں لوگوں نے نقل کی ہیں جن سے اس زمانہ کے مسلمانوں کی خطابت اور قوت بیانی کا ہی اندازہ ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ لوگوں نے ان تقریروں کو یاد کیسے رکھا ممکن ہے کہ الفاظ میں کچھ رد و بدل ہوا ہو۔ لیکن پھر بھی مختصر نویسی کا زمانہ جب نہ تھا پوری پوری تقریروں کے نقل کرنے کا مسلمان موزن میں خاص ذوق پایا جاتا ہے۔ ابن اشیر کے تقریباً دو صفحے میں یہ تقریریں درج ہوئی ہیں اسی سے ان کی طوالت کا اندازہ کیجئے پوری تقریریں تو کتابوں میں پڑھیں بعض خاص فقروں کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ ابوالعباس نے تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

شکر ہے اس خدا کا جس نے اسلام کو اپنے لئے شرف و عظمت کے لئے انتخاب فرمایا اور اسلام کو پھر ہمارا دین قرار دیا یہی ہے ہماری خدا سے مدد کی اور اس کا محافظ اس کا قلعہ اس کی پناہ گاہ ہم لوگ بنائے گئے ہمارا فرض قرار دیا گیا کہ اسلام کو سیکر کھڑے ہو جائیں اور جو اس پر حملہ کرے اس کی مدافعت کریں تقویٰ کے کلمہ کو ہمارے لئے لازم کیا گیا اور ہم لوگوں کو تقویٰ کا سب سے زیادہ حقدار بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے شرف سے ہیں نوازا ہم لوگوں کو ایک ہی آبا و اجداد سے پیدا کیا۔ جس رحمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اسی سے ہم بھی چھوٹے۔ رسول اللہ کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کیا۔ ان پر وہ چیزیں گراں تھیں جن سے ہم لوگوں کو دکھ پہنچتا ہو وہ ہم لوگوں کے فلاح و بہبود کے چاہنے والے تھے۔ عام ایمان والوں پر نہرمان اور روف و رحیم تھے۔ خدا نے ہم لوگوں کو اسلام میں اور اسلام والوں میں بلند مرتبہ عطا کیا اور خود قرآن میں اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں ابوالعباس نے اس کے بعد قرآن کی ان آیتوں کی تلاوت کی جن میں اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقربا کا ذکر ہے۔ پھر اس نے کہا کہ

نی اور غنیمت کو ہمارے لئے مختص فرمایا۔ یہ خدا کی ہم لوگوں پر مہربانی ہے اور خدا بڑے فضل والا ہے۔  
آخر میں بنی امیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے کہا کہ۔

گمراہ شامیوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ ریاست سیاست اور خلافت کے حقدار ہم لوگ نہیں بلکہ ہمارے اختیار میں پھر خدا نے ان کے منہ کاٹے گئے لوگوں گمراہی کے بعد خدا نے ہدایت کی راہ تم لوگوں کو ہمارے ذریعے کھولی ہے۔ جہالت کے بعد لوگوں میں اب سوجھ واپس آئی تباہی کے بعد نبوت ان کے سامنے آئی ہے حق ہمارے ذریعے واضح ہوا باطل پھیل کر گر پڑا جو باتیں بگڑا گئی تھیں ہمارے ذریعے وہ سب گھٹیں بکھرنے کے بعد لوگ ہم پر سمٹ گئے اب ہم سب بھائی بھائی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہو رہی ہے۔  
پھر خلفاء راشدین اور ان کے طرز عمل کو سراہنے کے بعد اس نے کہا۔

جن راہ سے تم پر بھلائی آئی ہے اسی سے اب برائی نہ آئے گی ہم رسول اللہ کے گھرانے والوں کا بہرہ و  
بس صرف اللہ پر ہے۔ (باقی برصو آئندہ)



محصور ہو جاتا ہے۔ اور عباسیوں کے شیعہ کو فخر پر اپنا کامل اقتدار قائم کر لیتے ہیں۔ اسی زمانہ میں یعنی ۱۳۲ ہجری میں ابو العباس کوفہ میں داخل ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے باشندگان کوفہ کے سامنے مشہور تاریخی تقریر کرتا ہے عام تاریخ کی کتابوں میں لوگ ابو العباس اور اس کے بعد ابو العباس کے چچا داؤد بن علی کی تقریر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن ابو العباس نے آیا کوفہ کے فقہا اور علما کو بھی علیحدہ جمع کر کے کوئی علیحدہ تقریر کی تھی اس کا ذکر ہم ان عام تاریخی کتابوں میں نہیں پاتے لیکن امام ابو حنیفہ کے حنفی سوانح نگاروں نے معمولی سند سے نہیں بلکہ قاضی ابو یوسفؒ داؤد طائیؒ کے حوالہ سے یہ نقل کرنے کے بعد کہ جب ابو العباس السفاح کوفہ پہنچا تو اس نے علما شہر کو جمع کرنے کا حکم دیا علیاً جب جمع ہو گئے تو ان کے سامنے بھی ابو العباس کھڑا ہوا اور حسب ذیل تقریر کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

آخر یہ چیز (خلافت) تمہارے پیغمبر کے گھر والوں تک پہنچ گئی خداوند تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ صادر ہو گیا حق کو خدا آخر کھڑا کر کے رہا۔

ابو العباس نے ان تہبیدی فقروں کے بعد علما کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) کوفہ والوں کو خطاب کر کے اس نے کہا

کوفہ والو! ہماری محنت کے تم ہی مرکز ہو۔ تم ہمارے ساتھ وفادار رہو اگرچہ ظلم والے ظلم کرتے رہے  
آخر ہماری دولت سامنے آگئی تم میں ہر ایک کے وظائف میں میں نے توازن و درم کا اضافہ کیا۔

بخاری وجہ سے السفاح بیٹھ گیا اس کا چچا داؤد منبر پر پہنچا اور ایک لمبی تقریر اس نے کی جو السفاح کی تقریر سے زیادہ بہت زیادہ طویل بھی ہے اور فصیح و بلیغ بھی۔ المسعودی نے لکھا ہے کہ بنی امیہ کی بدعتوں میں ایک بدعت یہ بھی تھی کہ بجائے کھڑے ہونے کے جمو کا خطبہ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ السفاح نے پہلی دفعہ سنت کے مطابق کھڑے ہو کر خطبہ شروع کیا۔ لوگوں نے بڑی تعریف کی کہ ایک مردہ سنت کو پہلی دفعہ اس نے زندہ کیا السفاح نے جمو کے خطبہ کو مختصر طور پر پڑھ کر نماز پڑھانی اور اس خطبہ کو جس کا ترجمہ کیا گیا ہے نماز کے بعد دیا تھا۔

۱۵ ابن ہبیرہ کے حالات میں واسط کے محاصرے کا اور اس کے قتل ہونے کے واقعات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۱۶ داؤد طائی کا شمار اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہے۔ یہ امام کے قدیم تلامذہ میں تھے۔ ابتداً خراسان سے کوفہ نزد رنگ کی عبا پہن کر آئے تھے کوفہ والے اس پر بیٹھتے تھے۔ مگر تدریج اس زمانے کے مدارے علوم میں کمال حاصل کیا۔ عربیت۔ قرآن حدیث سے فارغ ہونے کے بعد امام کے پاس فقہ کی تعلیم مدت تک حاصل کرتے رہے۔ ایک دن امام صاحب نے کہا کہ داؤد آلات تو تمہارے کمل ہو گئے۔ داؤد نے کہا تو پھر کچھ چیز باقی رہی فرمایا کہ علم پر عمل کرنا باقی رہ گیا ہے۔ اسی وقت اٹھے اور وراثت میں کچھ زمین کوفہ میں ملی تھی اس کو چار سو درم میں فروخت کر کے دنیا سے الگ ہو گئے تیس سال اسی چار سو درم پر گزارے۔ جماعت اور عام مسلمانوں کی راہوں سے بچنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے فضیل بن عیاض ملنے آئے دروازہ نہ کھولا فضیل باہر بیٹھ بیٹھے روئے گئے۔ داؤد انڈر بیٹھے رو رہے تھے فضیل نے کہا کہ آخر کہاں جاؤں مجھے آدمی کی تلاش ہے فرمایا یہی تو وہ گم گشتہ شی ہے جو نہیں ملتی۔ انکا تذکرہ تفصیل سے کتابوں میں کیا گیا ہے ۱۷

اور آپ لوگ جو علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس حق کی اعانت کیلئے آگے بڑھیں اعلان کیا جاتا ہے کہ اس کے صلے میں آپ کے ساتھ داود و ہش کی جائے گی اور یہ حق بڑی جلدی جائے گی اور اللہ کے مال سے آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق جہان نوازی کی جائے گی۔ پس چاہیے کہ اس کی ذمہ داری کے لئے جس کا انتخاب ہوا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کیجئے ایسی بیعت جو آپ لوگوں کے امام دہلیفہ کے سامنے حجت و دلیل کا کام دے۔ یہ بیعت حجت ہوگی آپ لوگوں کے حقوق کی ہی اور آپ کے فرائض کی ہی یعنی تم لوگوں پر ہی حجت ہوگی اور تمہارے لئے ہی حجت ہوگی (اسی میں آپ لوگوں کے انجام اور امن کی ضمانت ہے) آخرت میں اسی سے آپ کو نیا ہلے گی چاہیے کہ تم میں خدا سے جو بھی ملے وہ امام دہلیفہ کے بغیر نہ ملے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو تم لوگ ان لوگوں میں سے پیدا ہو گے جو اپنے پاس اپنے متعلق کوئی وثیقہ نہیں رکھتے۔

آخر میں یہ جملے لکھے ہوئے ہیں کہ یہ بیعت اخلاص کی بیعت ہونی چاہیے محض خوف اور ہمت کی وجہ سے نہ ہو کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

”اور دیکھو! محض خوف اور ہمت کہا کر کوئی مجھے امیر المؤمنین نہ کہے اور نہ حق کے کہنے سے ڈرے۔“  
 قاضی ابویوسف داود طائی کی زبانی اسی روایت کو نقل کرنے کے دوران ہی کی زبانی ناقل ہیں کہ علماء کی جس جماعت کو ابوالعباس نے اس وقت خطاب کیا تھا اس میں ابوحنیفہ بھی تھے اور مورخین کا جب یہ اتفاق بیان ہے کہ ابوالعباس ۳۲ھ میں کوفہ پہنچا تو اس کے پہیے معنی ہوئے کہ جہاز سے حضرت امام ابوحنیفہ ۳۲ھ میں ہی کوفہ واپس آچکے تھے۔ قاضی ابویوسف کی اسی روایت میں اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابوالعباس جب اپنی تقریر سے فارغ ہو چکا تو علماء کی نگاہیں امام ابوحنیفہ کی طرف اٹھیں امام نے اس حال کو دیکھ کر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کی اگر خواہش ہو تو میں اپنی طرف سے بھی اور آپ لوگوں کی طرف سے بھی جواب دوں۔ لکھا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے لوگ خاموش رہے آخر میں بالاتفاق علماء کی طرف سے امام ہی کو جواب دینے کی وکالت سپرد کی گئی۔ امام کھڑے ہوئے اور حسب ذیل تقریر جواب میں آپ نے فرمائی :-

”جیسا کہ مختلف طریقے سے اس کا ذکر کرتا چلا آ رہا ہوں کہ عباسیوں کے متعلق ممکن ہے کہ ابتداء میں لوگوں کو خود رضا اور بیعت ہوتے سے قریب کی وجہ سے حسن ظن ہو لیکن جوں ہی کہ اقتدار کا کچھ ہی حصہ ان کے ہاتھ میں آیا انہوں نے ہی ان ہی حرکات کا اعادہ شروع کر دیا جس کی وجہ سے لوگ بنی امیہ سے بیزار ہو رہے تھے۔ سنائیوں اور خونریزیوں کے اسی منظر کو انہوں نے ہی سرگرمی سے پیش کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ابوالعباس کا لقب ہی السفاح (خون ریز) یا خون کا بہانے والا شروع ہو گیا بلکہ اسی کوفہ والی تقریر کو ختم کرتے ہوئے کامل میں لکھا ہے کہ ابوالعباس نے خود اعلان کیا کہ انا السفاح البلیغ والتائب البلیغ یعنی میں ہی خون بہانے والا اور لوگوں کی جان و مال کو حلال کرنے والا ہوں۔ میں ہی پرانے پھیلانے والا اور خوب داؤد و ہش کرنے والا ہوں۔ کامل ابن اثیر ۵۴۵ ج ۲



الحمد للہ کہ حق ان لوگوں تک پہنچ گیا جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ظالموں کے مظالم کا گلا گھونٹ دیا اور ہماری زبانوں کو اب اس کی گنجائش ملی کہ ہم حق کا اظہار کریں۔

ان تمہیدی فقرات کے بعد امام نے بیعت کے متعلق یہ دو محقر فقرے فرمائے ہوئے۔  
 قد بايعناك على امر الله والوفاء لك  
 بعهدك الى قيام الساعة  
 آخر میں بطور دعا کے کہا کہ

پس خدا سے دعا ہے کہ اب اس معاملے (خلافت) کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خالی نہ رکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا رشتہ رکھتے ہیں۔

بس ان ہی چند جہلوں پر امام اپنی تقریر کو ختم کر کے بیٹھ گئے ابو العباس نے امام کی تقریر سن کر کہا کہ  
 علما کی طرف سے تمہارے ہی جیسے آدمی کو تقریر کرنا چاہیے تھا علما نے بہت اچھا کیا جو تمہارا  
 انتخاب کیا۔ تم نے خوبی کے ساتھ اپنے مقصد کو ادا کیا، ص ۱۵۱ ج ۱

مجلس ختم ہو گئی جب ابو العباس کے سامنے سے اٹھ کر علما باہر نکلے تو سبھیوں نے امام کو  
 چاروں طرف سے گھیر لیا اور پوچھنا شروع کیا کہ  
 "قیام الساعة تک وفادار رہیں گے"

تمہارا مقصد اس سے کیا تھا۔ امام نے فرمایا کہ :-  
 تم لوگوں نے بات میری حوالہ کی پس میں نے خود اپنے لئے ہی ایک راہ نکال لی اور تم لوگوں کو  
 بھی سعیت سے بچا لیا۔

لکھا ہے کہ اس جواب کو سن کر لوگ چپ ہو گئے اور باہم کہنے لگے کہ امام نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا  
 اگر یہ موفق نے اس قصہ کو نقل کر کے آگے کسی تشریحی اضافہ کا ذکر انہوں نے نہیں کیا ہے لیکن انگریزی  
 جن کے مناقب امام موفق ہی کے مناقب سے ماخوذ ہیں انہوں نے اسی قصہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے۔

يحتمل ان يراد به الى قيام الساعة  
 من المجلس فحذف الباء واكتفى  
 بالكسرة اولى قيام الساعة  
 اس کی یہی گنجائش ہے کہ امام ابو حنیفہ نے قیام الساعة  
 کے الفاظ کا بیعت میں جو اضافہ کیا تھا ان سے مقصد  
 ان کا یہ ہو کہ اس مجلس کی گھڑی تک ہم تمہارے وفادار رہیں گے درگاہ  
 نے خودی قاعد سے الفاظ میں یہ گنجائش نکالی ہے اسکی آگے توجیہ یہی کی  
 (انگریزی صفحہ ج ۱)

مقصد یہ ہے کہ ابو العباس کو امام نے جو جواب دیا اس کا مطلب کیا تھا؟ یہ ظاہر ان کے  
 کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انہوں نے اپنی طرف سے بھی اور علما کی طرف سے بھی جن کے وہ دلیل  
 تھے ابو العباس کی بیعت قبول کر لی لیکن بعد کو امام اور دوسرے کوئی علما کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے  
 کہ بنی عباس نے ظہور کے بعد جن مظالم کا اعادہ مسلمانوں کے ساتھ شروع کیا اور مسلمانوں کے مال کیساتھ

جس طرز عمل کو بنی امیہ نے اختیار کر لیا تھا اسی طرز عمل کو انہوں نے بھی اپنے عہد میں جاری رکھا ان چیزوں کو دیکھ کر عباسیوں سے بھی وہ اسی طرح ناراض رہے جیسے بنی امیہ سے ناراض تھے حضرت امام کے متعلق تو آئندہ جو کچھ بیان کیا جائے گا۔ زیادہ تر وہ اسی کش مکش کی داستان ہی ہوگی جو ان میں اور عباسی حکومت میں آخر وقت تک جاری رہی سوال ہوتا ہے کہ جب صورت حال یہی تھی تو انہوں نے اتنے واضح اور موکد الفاظ میں بیعت کیسے قبول کر لی۔

بہ ظاہر اسی کا جواب کروری نے دینا چاہا کہ امام رحمۃ اللہ نے اس وقت ایک خاص طریقہ عمل کو اختیار فرمایا جس کی اجازت ایسے حالات میں اسلام میں دی گئی ہے یعنی ایک صحیح مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اگر بعض ایسی وسیع لفظی تعبیروں سے کام لیا جائے جس کے چند پہلو ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مقابلہ یہاں السفاح جیسے خوشخوار کا تھا جس میں مخالفت کے برداشت کرنے کی تاب نہیں تھی۔ بلاوجہ ان علماء کی گردن اڑا دینے کا حکم دیدیتا اگر اس لفظی تعبیر سے امام فائدہ نہ اٹھاتے یعنی السفاح نے تو سمجھا کہ وفاداری کا یہ معاہدہ قیامت تک کے لئے کیا گیا ہے لیکن امام کی غرض یہ تھی کہ اس مجلس سے اٹھنے تک ہم لوگوں کا تم سے یہ معاہدہ ہے الفاظ میں دونوں کی گنجائش تھی ابو العباس نے اپنے منشا کے مطابق مطلب لیا اور امام نے اپنے مطلب کے موافق لیا۔

بہر حال امام کی تقریر کے اس فقرے کا جو مطلب بھی ہو زیادہ تر اس واقعہ کے ذکر سے میرا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے حجاز سے اپنے وطن کو فدا امام ابوحنیفہ ابو العباس السفاح کے زمانہ ہی میں واپس آگئے تھے۔ لیکن امام کے جن سوانح نگاروں نے السفاح کے

لئے عام طور پر لوگوں نے اس کی تعبیر "اجیل" کے لفظ سے مشہور کر دی ہے۔ لیکن ائمہ احناف نے شدت سے اس لفظ کا انکار کیا ہے لکھا ہے قال ابو سلیمان کذبوا علی محمد لیس لہ کتاب الجیل (اتحاف البصائر والابصار خلاصہ اشباہ ۲۶۵) جن لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ امام محمد نے کتاب الجیل نامی ہی کوئی کتاب لکھی ہے یہ ان پرانترار ہے البتہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تم کے قصے میں قرآن نے جو یہ بیان کیا ہے کہ جائے تنہو لکڑیوں کے تنہو لکڑیوں کے گٹھے سے ایک دفعہ مار دینے کو تم کی تکمیل کے لئے کافی قرار دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فنا ہی قانون کی تکمیل کے لئے حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو روک لینے کیلئے جو تدبیر کی قرآن میں جس کیلئے کذلت کرنا یوسف کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان نظر کو پیش نظر رکھ کر اس کی اجازت دی گئی ہے کہ کسی صحیح مقصد کے حاصل کرنے میں اگر اس قسم کی تدبیروں سے مدد مل سکتی ہو تو مسلمانوں کو اس قسم کی امداد سے محروم نہ کرنا چاہیے۔ لیکن کسی غیر شرعی حرام و باطل مقصد کے لئے قانون سے ناجائز نفع اٹھانا بالاتفاق یہ حرام ہے اگروری نے لکھا ہے: المفتی الذی یعلم الناس الجیل فهو الماحق الذی یستحق الجحیم علیہ فی جمیع المذاهب یعنی شریعت اور قانون کے ساتھ تمسخر کرنے والے مفتی اس قسم کی تدبیریں تمانے والے قرار دے سکتے ہیں۔ واجب ہے کہ قانون اس قسم کے مفتیوں کو فتویٰ دینے سے روک دیا جائے اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے ۱۲



اس مکالمہ کو نقل کیا ہے مشکل یہ ہے کہ بالاتفاق ان ہی لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ  
 قد مر ابو حنیفۃ لکوفۃ فی  
 ذمہ ابن جعفر المنصور صک مؤمن وغیرہ  
 یعنی سفاح کے بعد جو عباسیوں کا جو دور خلیفہ تھا  
 جس کا مطلب یہی ہوا کہ سفاح کی حکومت کا پورا زمانہ (چار سال نو چھتے) یہ بھی امام نے  
 کوفہ سے باہر حجاز ہی میں بسر کئے۔ ایسی صورت میں سفاح کے مکالمہ کی مجلس میں امام کے پاس جانے کی  
 کیا صورت ہو سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں منتقل قیام کے لئے تو امام صاحب  
 منصور کے زمانہ میں آئے اور اس سے پہلے ضرور آمد و رفت ان کی ہوتی رہتی ہوگی سفاح جب  
 کوفہ پر آکر قابض ہوا تو اتفاقاً امام وہاں موجود تھے البتہ امام موفقی نے ابو حفص اکیبر البخاری کے حوالہ  
 سے ان کی ایک طویل روایت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کرنے کے بعد

امام ابو حنیفہ ابن ہبیرہ کے ظلم سے تنگ آکر کج چلے گئے تھے تو ان کا قیام مکہ معظمہ میں  
 اس وقت تک رہا جب تک کہ ظاہر ہوا کہ ہاشمیوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور اسی کے بعد  
 یعنی ہاشمیوں کے ظہور اور حکمران ہونے کے بعد امام کوفہ واپس تشریف لائے

لکھا ہے کہ

فارس علی الیمہ ابو جعفر یحییٰ الہی  
 پھر ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ کے پاس آدمی بھیجا کہ  
 بغداد ۱۶۷  
 ان کو بخدا دے آئے

اگر اس روایت کو سامنے رکھ لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ پہلی روایت میں لوگوں نے بغداد  
 کی جگہ غلطی سے کوفہ کا لفظ استعمال کیا ہو یعنی وہاں بھی یہی صحیح تھا کہ ابو جعفر منصور نے کوفہ سے بغداد  
 اپنے زمانہ میں امام کو بلایا ورنہ حجاز سے کوفہ امام عباسیوں کی حکومت کے قائم ہونے کی بات تھی آگے تھے  
 کچھ ہی ہو امام کی واپسی کوفہ کسی زمانہ میں ہوئی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ عباسی حکومت سے امام  
 کے تعلقات کی ابتداء ابو جعفر منصور ہی کے زمانہ سے ہوئی ہے۔ سفاح کی حکومت جس کی مدت کل چار  
 سال نو چھ تھی اس میں بجز مکالمہ کے اس واقعہ کے جس کا ذکر ابھی گذرا مورخین نے امام کے متعلق اس سلسلہ  
 میں اور کسی چیز کا ذکر نہیں کیا ہے۔

میر ذاتی خیال تو یہی ہے کہ منتقل طور پر سفاح کے زمانہ تک امام کوفہ قیام کرنے کے لئے  
 تشریف نہیں لائے۔ سفاح کے مکالمہ کا واقعہ اگر صحیح ہے اور چون کہ قاضی ابو یوسف اور اووطانی  
 جیسے بزرگوں کی طرف اس روایت کو لوگوں نے شوبہ کیا ہے اس لئے بلاوجہ اس کو متروک بھی ہم مشکل ہی  
 سے کر سکتے ہیں اس لئے مناسب یہی ہے کہ دونوں روایتوں میں تطبیق کے لئے یہی کہا جائے کہ سفاح  
 کے زمانہ میں اتفاقاً امام کسی وجہ سے کوفہ آئے ہوئے تھے۔ اور مکالمہ کے اس واقعہ کے بعد پھر حجاز  
 تشریف لے گئے صورت حال کا اقتضا یہی کچھ ہی ہے سفاح کے زمانہ تک یہ یو چھپے تو عباسی  
 حکومت کی جڑیں جیسا کہ چاہیے مضبوط بھی نہیں ہوتی تھیں وقتی طور پر سفاح نے انبار کو اپنا مستقر بنا لیا



تھا عموماً وہ بیمار رہتا تھا۔ کہہ چکا ہوں کہ حکومت کا پہلا خطبہ جامع کوفہ کے منبر سے اس نے بحالت بجا دیا تھا پوری تقریر اسی لئے کر بھی نہ سکا۔ اور تھک کر بیٹھ گیا جس کی تکمیل بعد کو اس کے چچا داؤد بن علی نے کی کچھ عمر بھی السفاح کی زیادہ نہ تھی السعودی نے تو لکھا ہے کہ کل (۲۹) سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا اور عام مورخین بھی (۳۳) سال سے زیادہ اس کی عمر نہیں بتاتے۔

بس صحیح یہی ہے کہ عباسیوں کا پہلا حقیقی خلیفہ ابو جعفر منصور ہی ہے اسی نے چین چین کر

لے ابو العباس سفاح بڑا خوش رو حسین و جمیل آدمی تھا ہشام بن عبد الملک کی بیوہ ام سلمہ جو ابو جہل کے بھائی کے خاندان کی رڑکی تھی خلافت سے پہلے سفاح پر فریفتہ ہو گئی اور نکاح کر لیا۔ سفاح نے ساری زندگی اس ایک عورت کے ساتھ گزار دی اسلامی سلاطین میں اسکی مثالیں کم ہیں خلافت کے بعد کچھ دن تو لوگوں سے ملتا جلتا رہا لیکن سال بھی گزرے نہ پایا کہ بعض ایرانی سلاطین اور شیر کی اتباع کرتے ہوئے پس پردہ رہنے لگا تو اتنی تک پردے کے پیچھے سے سناؤ وہیں سے واو تیا۔ تو انوں مہینوں کو خوب لیتا دیتا تھا اور کھانے کا خاص طور جیسا کہ گذر چکا ہے عدشوقین تھا سب سے زیادہ ہشام رہے کا وقت السفاح کے دسترخوان ہی کا وقت تھا۔ انبار ہی میں بیجا رہے کو چپک ہوئی اور صبح۔

روئے گل سیر ندریم بہار آخر شد ۲۶ سال میں ختم ہو گیا۔ اسی کے بعد ابو جعفر منصور نے عباسی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور اسی نے اس حکومت کو دنیا کی مایہ ناز حکومتوں کی شکل میں بدل دیا۔ جو کسی نہ کسی شکل میں تقریباً پانچ سو سال تک دنیا میں قائم رہی تا تاریخوں کے ہاتھ خاتمہ ہوا اگرچہ عباسیوں کا خیال تھا کہ اپنی قائم کردہ حکومت کا جائزہ وہ قیامت کے قریب حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی دیں گے کا بل بن اشیر وغیرہ میں ان کے اس عجیب و غریب خیال کا تذکرہ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۳۔ نہ صرف سلاطین اسلام بلکہ دنیا کے بادشاہوں میں ابو جعفر منصور نے ایک خاص امتیازی مقام حاصل کر لیا ہے السعودی نے لکھا ہے کہ منصور کی ماں جس کا نام سلامہ تھا یہ بیان کرتی تھی کہ جب میں منصور سے حاملہ ہوئی تو خواب میں میں نے دیکھا کہ میرے اندر سے شیر نکل پڑا اور جیسے دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر شیر بیٹھا ہے وہ بیٹھ گیا اور دہڑکے لگانے لگا۔ دم بھی ٹپکتا جاتا تھا۔ اتنے میں دیکھا کہ ہر طرف سے نکل نکل کر بہت سے شیر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے لیکن جو ہنی میرے اندر جو شیر لکھا تھا اس کے قریب آئے سب سے میں گر جاتے پھر پوچھے تو ابو جعفر منصور کی پوری زندگی کی یہ تصویر ہے۔

لوگوں نے منصور کو بجاالت میں بہت بدنام کیا ہے طرح طرح کے لہجے اس سلسلہ میں مشہور ہیں۔ تاہم اگر یہ صحیح ہے کہ مرنے کے بعد ابو جعفر کے خزانے سے چھ ارب درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ اشرفیاں برآمد ہوئیں جو دوسرے ساز و سامان کے سوا بقیں تو ظاہر ہے کہ جرہی کے بغیر اتنی بڑی دولت خصوصاً کوئی بادشاہ مشکل ہی سے جمع کر سکتا ہے۔ الدوانیٹی کا لفظ جس کے نام کے پیچھے اسی بجاالت کی وجہ یاروں نے اضافہ کیا ہے۔ دو اہنق و انق کی جمع ہے مراد جہ یعنی پیسہ ہے۔

شاید دانہ سے دانہ سبب ہوا اسی سے اس کی جرہی کا اندازہ کیجئے کہ شاہی سلطنت کے لئے جتنے جانور ذبح ہوتے ان کی کھالیں اور سری پایہ تم لے لیا کرو اور ان کے سواض میں تو اہل دینی مال سالہ روغن وغیرہ کا ہبیا کرنا یہ تمہارے ذمہ ہوگا۔ السعودی نے لکھا ہے کہ ابو جعفر کا محل زیادہ کے اس قول پر تھا کہ تنوا دنٹ ہی میرے پاس ہوں اور ان میں کوئی اونٹ بیمار ہو جائے تو اس بیمار اونٹ کی لگھداشت میں اس شخص کی طرح کر دوں گا جس کے پاس اس بیمار اونٹ کے سوا کوئی دوسرا اونٹ نہ ہو جس کو سفر میں جاتے ہوئے



اپنی حکومت کی راہ کے ایک ایک کانٹے کو صاف کیا یہی بغداد اور مدینہ السلام کا بانی ہے حکومت کرنیکا وقت بھی اس کو کافی ملاحظہ و نظم کے سلسلہ کو اسی نے مستحکم بنیادوں پر تمام ملک میں قائم کیا اور میرے نزدیک کیا۔ تمام مورخین کے نزدیک دولت عباسیہ کا شمار اول یہی ابو جعفر اللہ وایتی ہے اور اسی کے ساتھ امام ابو حنیفہ کی کشمکش دراصل امام کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے میں جہاں تک خیال کرتا ہوں کو نہ چھوڑ دینے کے بعد کامل امن و امان نظم و ضبط کے قیام سے پہلے امام نے حجاز سے واپسی غیر مناسب خیال کیا ہوگا یہ ممکن ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں بہ ضرورت وہ کوفہ آتے جاتے رہتے ہوں اور اسی سلسلہ میں سفاح کی مجلس مکالمہ میں شرکت کا موقع آپ کو مل گیا۔ لیکن متعلق قیام کے لئے غالباً ابو جعفر مفسور ہی کے حکمراں ہونے کے بعد ہی کوفہ واپس تشریف لائے جس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہجرت کے بعد حجاز میں قریب قریب چھو سال امام صاحب نے گزارے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں امام حجاز میں کیا کرتے رہے یہ تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کے استاذ و حماد بن ابی سلیمان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے امام کو مجبور کیا کہ حماد کی جگہ افتادہ اور دوسرے کام انجام دین تہوڑی روک کے بعد امام نے اس خدمت کو قبول کر لیا لکھا ہے کہ پہلے تو لوگوں نے حماد کے صاحبزادے اسماعیل کو ان کا جانشین بنانا چاہا لیکن بجائے تفقہ کے تجربہ سے ثابت ہوا کہ ان پر شعر اور افسانہ و تالیف کا ذوق غالب ہے اس لئے ان کو ترک کر کے حماد کے چند دوسرے تلامذہ ابو بکر نخشی ابو بردہ محمد بن جابر الجعفی کا نام لیا گیا لیکن بعض بڑے بوڑھوں نے مشورہ دیا کہ۔

ان هذا الحزن از حسن المعرفه وان كان حدثاً  
 لوگوں کا یہ حسن ظن سچا ثابت ہوا۔ اور حماد کی صحیح نمائندگی امام کرنے لگے۔ لیکن امام کی زندگی کا یہ پہلا دور تھا اس دور میں اور حجاز سے واپسی کے بعد امام کے خدمات کا سلسلہ نئے انداز میں جو شروع ہوا، دونوں میں بڑا فرق تھا۔ مشہور امام فن رجال یحییٰ بن سعید القطان کا یہ تاریخی فقرہ خاص طور پر لائق توجہ ہے یعنی امام ابو حنیفہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتے کہ:-

كان في اول امر الاسلام كل ذلك  
 ثم استغنوا امره بعد ذلك وعظم  
 امام ابو حنیفہ کا یہ حال جواب دیکھتے ہو پہلے یہ کچھ نہ تھا اس شخص کی گرم بازاری بعد کو ہوئی اور بات بہت بڑی ہو گئی، (ص ۲ ج ۲ ص ۲۷)

یہ ایک عینی شہادت ہے اس بات کی کہ امام کے خدمات کا دو مختلف دوروں سے تعلق ہے ابتدائی دور کی زیادہ سے زیادہ حیثیت صرف یہ تھی کہ حماد بن ابی سلیمان کی وفات سے کوفہ میں جو کمی محسوس ہو رہی تھی اس کمی کی تلافی حضرت امام کے خدمات سے ہو گئی تھی اور ان ہی خدمات کی شہرت نے ابن ہبیرہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا تھا لیکن ابن ہبیرہ کے پنجہ ستم سے آزاد ہونے کے بعد امام جب

لے خود ان الفاظ سے کہ اگرچہ ابھی وہ جوان نوجوان ہے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ امام کی زندگی کا یہ ابتدائی زمانہ تھا

جواز پہنچے تو اس میں شک نہیں کہ اصل مقصود تو آپ کا حریم حرم میں پناہ لینا ہی تھا نہ صرف "البدلان" جس میں پناہ لینے والوں کے امن و امان کی ضمانت قرآن میں لی گئی ہے۔ بلکہ ابن ابی فدیک سے جو یہ قصہ کتابوں میں منقول ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ میں نے امام مالک کو دیکھا کہ امام ابو حنیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسجد نبوی کی طرف جا رہے ہیں جوں ہی کہ دونوں حضرات مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچنے میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ "بسم اللہ" کے ساتھ ساتھ

هذا هو وضع الامان ص ۲۱ موف ۲۳ یہہ امان کا مقام ہے

کہتے ہوئے مسجد کے اندر داخل ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محبوب پیغمبر کے دامن اقدس میں امام امان ہی کی نیت سے داخل ہوئے تھے دنیاوی مصائب سے ہی امان اور آخرت کے مصائب سے امان کی جگہ بیت اللہ الحرام کے بعد ان کے نزدیک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مسجد تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مومن کے لئے "پناہ گاہ" دنیا میں ہو یا آخرت میں اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اور کہاں ہے؟ بہر حال سوال یہی ہے کہ پناہ گزینی کے سوا چھ سال کی اس طویل مدت میں امام نے حجاز میں کیا کیا؟

**حجاز میں امام کے مشاغل** اور محدثین کے حلقوں میں شریک ہونے کا یہ معتزم موقع مل گیا تھا۔

نظاہر ہے جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا۔ امام کے لئے حجاز کے علماء کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ امام اس سہرے موقع سے نفع نہ اٹھاتے بلکہ امام ابو حفص الکبیر انجاری کی طرف اس روایت کا انتساب اگر صحیح ہے۔ یعنی ایک موقع پر ان کو ضرورت پیش آئی کہ امام ابو حنیفہ کے مشائخ اور اساتذہ کا شمار کیا جائے تو کہا جاتا ہے۔

قالوا انہم بلغوا اربعة الاف شيخ بعجم ۲ امام کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچی ہے اور حافظ ابن حجر کی کتاب خیرات الحسان کے حوالہ سے صاحب معجم نے اس پر مزید اضافہ کیا لوگوں کا قول یہ بھی ہے کہ :-

بہ اربعة الاف شيخ من التابعين فما بالك بغيرهم (بعجم ص ۲۸ جلد ۲)

یہ چار ہزار اساتذہ تو امام ابو حنیفہ کے تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی صحابہ کے دیکھنے والے اور صحابہ کے تلامذہ تھے۔ پھر کسی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ تابعین کے علاوہ ان کے اور کتنے استاد ہوں گے۔

لوگوں نے حروف "ہجاء" کی ترتیب سے امام صاحب کے ان ہزار ہا ہزار اساتذہ کی فہرست ہی دی ہے مطلوبات میں جس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

جس کی علمی جستجو اور تشنگی کا یہ حال ہو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حرمین کے اساتذہ سے استفادہ میں اس نے کیا کمی کی ہوگی لیکن ظاہر ہے کہ امام اپنی اس ہجرت کے سفر میں حجاز نہ صرف عالم بلکہ معلم ہونے کے بعد گئے تھے اسی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف عوام بلکہ حرمین کی مرکزی ہستیوں میں امام کا علمی وقار بہت جلد قائم ہو گیا۔ امام کا جو مقام تھا وہ پہچان لیا گیا انتہا یہ ہے کہ حجاز کے ایسے اساتذہ جن کے اساتذہ



بنانے پر امام کو بھی لگا تھا مثلاً عطابن ابی رباح جن کا امام جب نام لیتے تو کہتے کہ :-

ما لقیتم افضل من عطابن ابی رباح سے بہتر آدمی سے میری ملاقات نہ ہوئی  
کبھی یہ بھی فرماتے کہ

فاریت اجمع لجمع العلور من عطابن ابی رباح ص ۲۹  
ان کی جامعیت جیسی عطابن ابی رباح نے پائی کسی میں نہیں پائی

ان کا یہی حال یہ تھا جیسا کہ ان کے شاگرد حارث بن عبدالرحمن ناقل ہیں کہ

ہم لوگ جب عطابن ابی رباح کے پاس بعض بعض کے  
پیچھے بیٹھتے پھر جب ابوحنیفہ آجاتے تو عطابن ابی رباح  
والوں کو پھیل جانیکا حکم دیتے اور ابوحنیفہ کو اپنے قریب  
بلا کر بیٹھاتے۔

اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ استفادے کے ساتھ حجاز میں بھی لوگوں نے امام کو افادہ کی مجلس کے قائم  
کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر بن عبدالقہر کا بیان ہے کہ

سمعت باسین الزیات بکفة و عندہ  
جماعة عظيمة و هو یصیب با علی صوتہ و یقول  
یا ایہا الناس اختلفوا الی ابی حنیفة  
واختلفوا عما لستہ و هذا من  
علیہ فانکم لم تجالسوا مثله و  
لن تجدوا اعلم بالحلل و الحرام  
منہ فانکم ان فقدتموه فقدتم  
علماً کثیراً حرق ص ۳۸

اسلام کے اس سب سے بڑے مرکز میں جہاں مشرق و مغرب شمال و جنوب کے مسلمان جمع ہوتے  
ہوں ایک ممتاز و مشہور عالم و محدث کی طرف سے اس قسم کے اعلان کا جو اثر مرتب ہو سکتا تھا ظاہر ہے

۱۰ حضرت عمر یا حضرت عثمان کے عہد میں پیدا ہوئے، حضرت عائشہ ابوہریرہ ابن عباس وغیرہ صحابہ کرام کے تلامذہ سے سرفراز  
ہیں مفتی اہل مکہ و محدثین ان کا خطاب جلتی تھی مگر عربی فصیح بولتے تھے، ابن ہشام ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ بیس سال تک مسجد کا فرش  
ان کا فرش تھا، علم و فضل کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے صحابہ کرام مثلاً ابن عباس سے کوئی مکی مسئلہ پوچھتا تو کہتے کہ میرے پاس کیوں آ  
ہو کیا تمہارے پاس عطا نہیں ہیں ابن عمر ہی یہی کہتے کہ میرے پاس کیوں آئے ہو کیا عطابن ابی رباح نے کافی نہیں دیکھا تاہم میں ان کا  
شمار نہیں دیتی ہیں کہ ان کی مشعل سوانح عمری لکھی جائے

۱۱ یہیں الزیات الزہری کے تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ یا یہ ان کا اتنا بلند تھا، لیکن مشرب حدیثانہ ہی کہتے  
تھے ان کا پہلے قول تھا کہ ابی رباح اللہ کے سنت کے دشمن ہیں لیکن امام ابوحنیفہ کی باتیں سن کر اتنے مسرور ہوئے کہ (بغیر ہرگز)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام پر کہیں دنیا ٹوٹ پڑی عمار بن حجر کے حوالہ سے امام الموفق نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ

كان ابو حنیفة جالساً فی المسجد الحرام  
وعلیہ زحار کثیر من کلہ الافاق  
قد اجتمعوا علیہ من کل جانب  
فیجدہم ولقیتمہم ضکاً

جوں جوں امام کے حجر و احاطہ تفسقہ کے تجربہ کا ذکر حجاز میں پھیلتا جاتا تھا لوگوں کی توجہ بھی بڑھتی چلی گئی تھی کہ آخر میں نہ صرف عوام بلکہ ابن مبارک نے کمر معطلہ میں اس تماشے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ہے ان الفاظ میں وہ خوب بیان کیا کرتے تھے کہ

ریت ابو حنیفة جالساً فی المسجد الحرام  
ولقی اهل المشرق و المغرب صیغہ مو  
ابن المبارک نے اس کے بعد یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ امام کی اس مجلس میں کس قسم کے لوگ شریک رہتے تھے آخر میں یہ اضافہ بھی کرتے تھے

والناس یوہنن الناس صیغہ مو  
اور تہ زما یہ تھا جب لوگ لوگ تھے

الموفق نے ابن المبارک کے ان الفاظ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ  
یعنی الفقہاء اکبار وھیاء الناس حنفوس  
بڑے بڑے فقہاء اور چید و برگزیدہ نفوس ابو حنیفہ کی  
اس مجلس میں موجود رہتے تھے

گویا خدا کی طرف کی بات تھی کہ امام ابو حنیفہ جن کے استفادے اور افادے کا دائرہ صرف کوفہ یا زیادہ سے زیادہ کوفہ کے قرین بصرہ تک محدود تھا اچانک ابن ہبیرہ کے پیدل کئے ہوئے ایک شہر سے اس خیر سے متعلق ہوئے کا موقع ان کو مل گیا جو حجاز کے سوا نہیں اور کسی جگہ سیر نہیں آسکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ امام حج کے لئے بکثرت حجاز آتے جاتے رہتے تھے لیکن سا لہا سال تک مستقل قیام کا موقع ان کو حجاز میں یقیناً ابن ہبیرہ کے ظلم ہی کی بدولت سیر آیا اسلام کے مختلف علاقوں کے مسلمانوں کی ضروریات ان کے یاں کے مقامی خصوصیات کا علم جہاں تک میں سمجھتا ہوں زیادہ تر ان کو حجاز ہی میں ہوا اور آئندہ جو کام قدرت ان سے لینے والی تھی اس میں ان منلوامات سے جو غیر معمولی فائدہ امام کو پہنچا اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے حنفی فقہ کی جامعیت اور احتوائت کو پیش نظر رکھ کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔

بقیہ سلسلہ گذشتہ) کہنے لگے کہ امام ابو حنیفہ کی رائے تو سنت سے ماخوذ ہے ص ۲ ج ۲ مو۔ اسی کے بعد امام کے متعلق جو کچھ ہم میں یہ اطلاع کرنے لگے ۱۲



جہاں مختلف علماء یہی نہیں بلکہ جہاں تک واقعات سے پتہ چلتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں مختلف ممالک اقطار کے اہل علم و اجتہاد کے نقاط نظر اور ان کی سے مکالمہ و مناظرہ حد پرواز کے اندازہ کرنے کا بھی براہ راست موقعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہی میں

ان کو ملا جہاں فقہاء و ائمہ تو خیر جہاں ہی میں رہتے تھے اور دوسرے ممالک کے علماء و مجتہدین حج کے لئے یہاں آتے تھے۔ قیام کی مدت چوں کہ کافی تھی اس لئے اس زمانہ کے اکثر اہل علم سے امام کی ملاقات ہوتی اور جیسا کہ قاعدہ ہے اہل علم کی اہل علم سے ملاقات صرف خشک ملاقات نہیں ہوتی امام کی ملاقاتیں بھی صرف رسمی اور خشک نہیں تھیں بلکہ معظمہ کے مشہور امام ابن جریر کے متعلق الموفق نے لکھا ہے کہ

بینہ وبين ابی حنیفۃ مناظرات ص ۱۶۷ ان میں اور ابو حنیفہ میں مناظرے ہوتے رہے

ان مناظرات کا امام کے سوانح نگاروں نے تذکرہ بھی کیا ہے۔ تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کیجئے اور جس طرح مکہ کے اس امام بلا مدافع سے امام کے متعدد مناظرے نقل کئے جاتے ہیں اسی طرح امام طحاوی کی سند سے موفی نے امام مالک کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن وراوردی کہتے تھے

رئت مالک و ابی حنیفۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلوات العشاء الاخریۃ وھما یتذکران ویدارسان - میں نے مالک اور ابو حنیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک میں دیکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد دونوں باہمی علمی مذاکروں میں اور مباحثوں میں مصروف ہیں

اور مذاکرہ و مدارسہ "کا یہ سلسلہ جو عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا تھا کب تک جاری رہتا تھا

ابن الدراوردی ہی کا بیان ہے کہ

فلم یزالا کذلک حتی صلیا العداۃ فی مجلسہما ذلک ص ۱۶۲ ج ۲

یہ سلسلہ (مناظرے و مباحثے) کا مسلسل جاری رہتا تا انکے صبح کی نماز پہنچتی وہیں پر ادا کرتے جہاں پر عشاء کی نماز بعد دونوں بیٹھ کر بحث و مباحثہ میں مشغول ہوتے۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جب مکہ کے امام ابن جریر اور دارالہجرت کے امام مالک سے امام کے مناظروں کا یہ حال تھا۔ تو جہاز کے دوسرے علماء کے ساتھ امام کے مباحثوں کی نوعیت کیا ہوگی اس روایت

۱۵ ان کا نام عبدالعزیز تھا والد کا نام عبدالملک تھا موالی را آزاد کردہ غلاموں سے تعلق تھا لکھا ہے کہ وہ رومی تھے یعنی یورپ کے کسی علاقہ کے تھے جریر شامد ہاراج کے لفظ ہی کی کوئی صورت ہے ابن جریر پہلی صدی ہجری کے ان علماء میں ہیں جن کے ہاتھوں میں علم و حدیث و فقہ قرآن تفسیر کی بنیاد قائم کی۔

۱۶ مالکی مذہب کے مشہور مورخ قاضی عیاض بن جن کی طبقات مالکیہ میں سب سے پہلی اور بڑی معتبر کتاب "مدارک" ہے اس سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ امام مالک اور ابو حنیفہ میں مناظرے اور مباحثے جو ہوتے تھے تو مصر کے امام لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے امام مالک کو پیچھے سے شرابور دیکھا جب مجلس سے اٹھے میں نے کہا کہ آپ تو پیچھے پیچھے ہو رہے ہیں امام مالک نے یہ سن کر کہا کہ انہ فقہیہ یا مصری (یعنی امام ابو حنیفہ فقہ آدی ہے مصری) بلوغ الامانی ص ۱۵۱ اس سے ان مباحث کی گہرائیوں کا اندازہ ہوتا

کے راوی اگرچہ واقدی ہیں لیکن تاریخی روایات میں بھی اگر واقدی بے چارے پر لوگ اعتماد نہ کریں گے تو پھر تاریخ کا کتنا حصہ قابل اعتماد باقی رہے گا۔ بہر حال واقدی امام مالک کی زبانی یہ فقرہ نقل کیا کرتے تھے یعنی امام مالک 7۔ واقدی سے براہ راست ایک دن امام ابو حنیفہ کے ذکر پر فرمانے لگے

رمتہ یکلمہ فقہا من فقہائنا  
حتی ردی الی رای نفسہ ثلاث  
حرات و قال هذا ایضا خطأ صلا  
میں نے ابو حنیفہ سے اپنے یہاں کے فقہار یعنی حجازی  
فقہار میں سے) ایک فقیہ کو بحث کرتے ہوئے دیکھا کہ تین  
دنہ حجازی فقیہ کو ابو حنیفہ نے اپنی رائے کے ماننے  
پر مجبور کیا اور اخیر میں تیسری رائے جس کے ماننے پر اس کو مجبور کیا تھا ابو حنیفہ نے ثابت کر دیا کہ یہ بھی درست نہیں ہے۔

اگر واقدی کی یہ روایت صحیح ہے تو اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان مناظروں سے امام  
ان لوگوں کی حد پر واز کا بھی اندازہ کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں میں شرعی فتویٰ دینے کا کام کیا کرتے  
تھے۔ امام مالک کی طرف ابو حنیفہ کے متعلق یہ فقرہ جو منسوب کیا گیا ہے کہ مسجد کے اس ستون کے متعلق  
ابو حنیفہ اگر دعویٰ کریں کہ وہ سونے کا ہے تو اس کو بھی وہ ثابت کر کے رہیں گے شاید ان ہی مشاہدین  
نے ان میں اس اعتقاد کو پیدا کیا تھا اور جو خیال حجاز کے علما کا تھا حجاز کے سوا اور دوسرے اسلامی ممالک  
کے علماء سے بھی ہم امام کو علمی مباحث میں مشغول پاتے ہیں شام کے مشہور امام فقہ و حدیث امام اوزاعی  
کے متعلق ابن مبارک کا بیان ہے

التقی ابو حنیفہ والاوزاعی بمسکة  
وکان بینہما اجتماع فریتہ یجاری  
ابا حنیفہ ص ۲ ج ۲

مکہ معظمہ میں امام ابو حنیفہ کی ملاقات اوزاعی (شام کے  
امام) سے ہوئی دونوں جب اکٹھے ہوئے تو میں نے دیکھا کہ  
اوزاعی ابو حنیفہ سے بحث و مباحثہ کر رہے ہیں۔

امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ کے بعض باہمی مناظروں کا کتابوں میں لوگوں نے تفصیلی ذکر بھی  
کیا ہے ابن مبارک ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اوزاعی کا خیال امام کے متعلق پہلے کچھ اچھا نہ تھا لیکن اس  
ملاقات کے بعد جب اوزاعی سے میں ملا تو کہتے تھے کہ

مجھے تو اس شخص کے علم اور عقل پر رشک سا ہوا میں خدا سے اپنی غلط فہمی کی معافی چاہتا ہوں  
میں فاش غلطی میں مبتلا تھا بلا وجہ اس شخص کو الزام دیتا تھا واقعہ یہ ہے جو باتیں ان کی مجھ  
تک پہنچائی گئی تھیں میں نے ان کو اس کے برعکس پایا ص ۱ ج ۱

اسی طرح مصر کے اس زمانہ میں جو امام لائٹ تھے یعنی لیث بن سعد ان سے بھی متعدد طریقوں سے  
یہ قصہ نقل کیا گیا ہے کہ امام جن دنوں مکہ معظمہ آئے۔ لیث بن سعد نے حاضر کر کے ان سے ملنے کے لئے  
سفر حج کیا لیث کا بیان ہے کہ۔

”میں نے دیکھا کہ لوگ ان کو گیرے ہوئے ہیں“

مختلف سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا لیث کہتے ہیں کہ ایک مشکل سوال اس سلسلہ میں پیش  
کیا گیا۔ امام نے اتنی آسانی کے ساتھ بہترین جواب اس کا دیا کہ میں حیران ہو کر رہ گیا ان کے الفاظ ہیں۔



واللہ ما اعجبنی صوابہ کیا اعجبنی

صرعہ جوابہ ص ۱۶۳

مجھے ان کے صحیح جواب پر اتنی حیرت نہیں ہوئی

جتنا تعجب ان کی زود جوابی پر ہوا

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے امام سے مختلف ابواب مثلاً جنایات قتل خطا مشہور حدیث کے متعلق سوالات کے لئے اس سلسلہ میں لوگوں نے واقعات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے میری عرض ان مثالوں کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ امام کو دوسرے تجربات کے ساتھ ساتھ حرمین کی اس طویل زندگی میں اس بات کا اندازہ کرنے کا بھی موقع ملا کہ حجاز میں ہویا حجاز کے باہر شریعت اسلامی پر کام کرنے والے جس طرح کام کر رہے ہیں یہ کام نہ صرف ناکافی ہے بلکہ مختلف وجوہ سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفرت رساں بھی ہے امام کے اقوال لوگوں نے جو جمع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں ان کو بڑی شکایت ان محدثین سے تھی جو اپنا فرض صرف

نہن مروی کہا سمعنا

ہم تو جیسا سنتے ہیں اسی کو روایت کر دیتے ہیں

قرار دیتے تھے یعنی گرد و پیش کے حالات اور یہ کہ ان حدیثوں میں مقدم کون ہے مؤخر کون ہے کس وقت کئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا تھا الغرض ناسخ و منسوخ اور اسی قسم کے دوسرے اہم مباحث سے بے تعلق ہو کر بڑے بڑے حلقے قائم کر کے لوگوں کو جو حدیثیں سنایا کرتے تھے امام سے مروی ہے کہ ان کے اس حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے

فویح لہم ما اقل اھتما مہم باھرا

عاقبتہم حیث ینتصبون للناس

فیحد ثونہم ص ۹۹ ج ۱ مو

افسوس ہیکہ ان لوگوں پر اپنے انجام کی ان لوگوں میں بہت کم اہمیت پائی جاتی ہے کہ عوام کے سامنے کھڑے ہو جائیں (اور بے سوچے سمجھے) حدیثیں بیان کرنا شروع کر دینے میں

لہ اس موقع پر کہتے ہیں کہ امام کی زبان سے وہ مشہور فقرہ نکل گیا تھا جس میں ان کی عہدیت پر اعتراض کیا گیا ہے یعنی قتل عمر کے لئے امام کے نزدیک آلہ جارح کا ہونا ضروری تھا اسی کو سمجھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ غیر جارح آلہ سے کوئی کسی کو اگر ارڈاے خواہ "سرہا کا بابا قبیس" یعنی ابو قبیس پہاڑی اٹھا کر کیوں نہ مارے جب بھی قانوناً وہ قتل عمد نہ ہوگا جو عربی زبان کی ابتدائی واقفیت ہی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بجائے بابا قبیس کے بابی قبیس کہنا چاہیے تھا لیتنے ان قصہ کو جب بیان کیا تو امام کے حاسدوں کو موقع مل گیا اور ایک سر سے دوسرے سر تک اسلامی مالک میں اس کو پھیلا دیا گیا۔ حتیٰ کہ آج تک کتابوں میں لوگ اس کا ذکر کرتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ اس قسم کی غلطی جو سبقت سانی کی غلطی ہوتی ہے بڑے بڑے آدمی سے ہو سکتی ہے۔ امام موفق نے سچ لکھا ہے کہ اس واقعہ کا تذکرہ اور چرچا خود اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کو اس ایک غلطی کے سوا امام کے کلام میں کوئی غلطی نہیں ملی یقیناً یہ قدر نہیں بلکہ ابو حنیفہ کی مدح ہے بعض لوگوں نے اس کی تصحیح کی ہے کوشش کی ہے کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ہی دستخط کرتے ہوئے لکھا تھا اللہ اللہ علی بن ابوطالب ہمارا دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو جو کتبہ خندق کے سلسلہ میں ملا ہے یہ عجیب بات ہے کہ اس میں ہی علی بن ابوطالب ہی لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ یہ تحریر مشہور ہے جس کے قریب قریب کی ہے ۱۲

ہر اہل عالم ابورجارجن کا شمار امام کے تلامذہ میں ہے اور ان ہی کے متعلق مشہور ہے کہ  
 امام کی میت کو غسل دیتے ہوئے پانی بھی ڈال رہے تھے۔ وہی کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ عموماً فرماتے کہ  
 حدیث کو تفقہ کے بغیر جو حاصل کر رہے ہیں ان کی مثال اس عطار کی ہے جو صرف دو تھیں  
 جمع کرتا ہے لیکن کس مرض میں کونسی دوا کام آتی ہے اس سے ناواقف ہے ج ۹ ص ۹۱  
 ایک صاحب جن کا نام حجر تھا اور حدیث کے طلب کا ذوق ان پر غالب تھا۔ امام صاحب نے  
 ایک حدیث کا مطلب ان سے پوچھا جسے صحیح طور پر نہ بتا سکے امام نے صحیح مطلب کو بیان کرنے کے بعد  
 ان کو سمجھانا شروع کیا۔

مگر جو لوگ صرف حدیث کی طلب میں مشغول ہیں لیکن اس کی تفسیر اور حدیث کا جو  
 مطلب ہے اس کی تلاش سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں تو یقین کرو کہ اپنی کوشش کو وہ  
 ضائع کر رہے ہیں۔

آخر میں تو یہاں تک اپنی رائے کی شہرت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ

وصار فلک العلیہ وبالاعلیہ ص ۱۶۱ اور یہ علم ان کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ صرف حدیثوں کے جمع کر لینے کو چنداں اہمیت نہیں دیتے  
 تھے اور واقعہ یہی ہے کہ آثار و احادیث کا وہ ذخیرہ جس کا تعلق مسلمانوں کے روزمرہ کے اعمال و  
 افعال عبادات و معاملات سے ہے اس کی حیثیت خصوصاً جس زمانہ میں امام ابوحنیفہؒ تھے۔ قریب قریب  
 ان اخباری خبروں کی تھی جن کا تعلق اس زمانہ کے کسی اہم حادثہ یا وقت کے کسی خصوصی مسئلہ سے ہوتا  
 ہے تقریباً ہر اخبار میں ان خبروں سے جیسے عموماً لوگ واقف ہوتے ہیں کچھ ہی حال حدیث و آثار کے اس  
 ذخیرے کا تھا کہ خواص تو خواص عوام میں دین داروں کا جو طبقہ تھا مشکل ہی کوئی ایسی چیز اس سلسلہ  
 کی ہوگی جس سے وہ واقف نہ ہوتے تھے اس قسم کی باتوں کے باور کرنے والے یا کرانے والے کہ  
 امام ابوحنیفہؒ کی رسائی حدیث کے اس عام ذخیرہ تک بھی نہ تھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو گروہ پیش کے  
 حالات سے بے تعلق ہو کر چیزوں کو سوچا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک دلچسپ مسئلہ ہے جس کی تفصیل انشاء  
 تدوین فقہ والی کتاب میں کی جائیگی۔ بروست مجھے تو یہ کہنا ہے کہ حدیثوں سے زیادہ ان حدیثوں  
 کی تاریخ کو وہ اہمیت دیتے تھے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو قول یا فعل منسوب کیا گیا  
 ہے اس کے متعلق یہ پتہ چلانا چاہیے کہ کس زمانہ میں کس وقت کن لوگوں میں کن حالات میں آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تھی یا اس فعل کو کیا تھا بتانے والوں نے امام کی جو یہ خاص عبادت  
 بتائی ہے کہ :-

کانت شد ید الفحص عن التامیخ حدیثوں میں ناسخ و منسوخ کی تلاش میں ابوحنیفہؒ سخت  
 من الحدیث والمسولم ص ۱ ج ۱ سرگرداں رہتے تھے

وراصل اس کا یہی مطلب ہے۔ امام کا خیال تھا کہ جن لوگوں نے تاریخی ترتیب سے آثار و احادیث



کا مطالعہ نہیں کیا ہے وہ اسلامی شریعت کی صحیح ترتیب و تدوین پر ہی قائل نہیں ہو سکتے۔  
مشہور محدث و نقیہ یحییٰ بن آدم سے لوگوں نے جو یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی  
خصوصیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بڑی خصوصیت اس کی ترتیب کی جستجو و قرار دینے تھے  
اور کہتے کہ :-

آخری بات جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی امام ابو حنیفہ کی نظر اسی  
پر رہتی تھی اور اسی کو وہ اختیار کرتے تھے ص ۹۳ ج ۱

**واقع سے پہلے شرعی حکم** ایک اور خیال جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ حجاز کے تجربات نے  
اس کو امام میں اور سچہ کر دیا۔ وہ یہ تھا کہ اس زمانہ تک لوگوں کا  
عام دستور یہ تھا کہ واقعہ ہو جانے اور اس کے متعلق پوچھنے والوں کے پوچھنے کے بعد یہ سوچا  
کرتے تھے کہ شریعت کے رو سے اس کا حکم کیا ہونا چاہیے۔ فتویٰ دینے والوں کا بھی یہی حال تھا اور حکومت  
جن لوگوں کو قضا کے عہدے پر مقرر کرتی وہ بھی یہی کیا کرتے کوئی مدون قانون جو قرآن و حدیث آثار  
صحابہ وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو لوگوں کے پاس نہیں تھا نتیجہ اس کا یہ ہوتا تھا کہ عین وقت  
پر سوچنے کی وجہ سے اطمینان سے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کا لوگوں کو موقع نہیں ملتا تھا البتہ  
اوقات اس کی وجہ سے اچھے اچھوں سے لغزشیں ہو جاتیں مشہور ہے کہ بصرہ کے مشہور امام قتادہ امام  
ابو حنیفہ کے ابتدائی زمانہ میں کوفہ آئے ان کے علم کی شہرت سن کر اوروں کی طرح امام ابو حنیفہ بھی  
آئے۔ باتوں بات میں ایک مسئلہ کا ذکر چھڑا۔ امام ابو حنیفہ نے مسئلہ کی وقتوں کو قتاوہ پر واضح  
کیا۔ بجائے اس بات کے قتاوہ دشواری کو حل کرتے امام سے پوچھنے لگے کہ بھائی! ایسا ایسی صورت کوئی  
پیش ہی آئی یا یونہی ایک فرضی بات پوچھ رہے ہو امام صاحب نے کہا کہ نہیں ابھی پیش تو نہیں آئی ہے یہ سن کر  
قتادہ نے کہا کہ

”مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو ابھی واقع نہیں ہوئی ہیں“

اس موقع پر امام نے اپنے جس خیال کو ظاہر کیا تھا اس سے بھی ان کے فطری رجحان کا اور اس  
بات کا کہ یہ خیال ایک زمانے سے ان کے دماغ میں گردش کر رہا تھا۔ اپنے قتاوہ سے فرمایا۔

علم والوں کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کو مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کے حل کیلئے وہ پہلے سے  
آگاہ ہو جائیں واقعہ ہونے سے پہلے ان سے بچنے کی جو صورتیں ہیں ان کو سوچ لینا چاہیے اور خدا نخواستہ  
اگر واقعہ ہی ہو جائے تو اس کو کوئی ایسی چیز نہ ہونا چاہیے جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان  
امور میں کسی کو مبتلا ہی ہونا پڑے تو شرعاً ابتداء کے وقت کیا کرنا چاہیے۔ اور مبتلا ہونے کے بعد شریعت نے

اس سے خلاصی کی کیا صورت بتائی ہے ص ۱۶ ج ۱ مو

قتادہ کی وفات چونکہ ۱۱۵ھ یا ۱۱۶ھ میں ہوئی اس لیے میں یہ تسلیم کر لیتا چاہیے کہ امام نے ان کے سامنے  
اپنے اس خیال کو اس زمانہ میں ظاہر کیا تھا جب جماد بن ابی سلیمان کے حلقہ میں وہ ابھی طالب علمی ہی کر رہے



تھے اور اسی سے ان کے جہلی رجحان کا پتہ چلتا ہے سچ پوچھیے تو یہی دو باتیں یعنی ایک تو احادیث و آثار کی تاریخی جستجو کی اہمیت اور دوسری یہی چیز یعنی اپنا تک مسئلہ کے پیش آجانے کی صورت میں نہیں بلکہ وقوع سے پہلے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سوچنا اور ہر پہلو کے لحاظ سے ممکنہ پیش آنے والے واقعات کے متعلق وقوع سے پہلے کتاب و سنت کی روشنی میں احکام پیدا کرنے کی کوشش ان ہی وہ باتوں نے نہ صرف اپنے وقت کا بلکہ آئندہ ہر زمانہ کے لئے مسلمانوں کا ان کو امام بنا دیا۔

قیس بن ربیع جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے۔ الذہبی نے اپنے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو بھی جگہ دی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے متعلق ان سے جب پوچھا جاتا کہ ان کی خصوصیت کیا ہے تو جواب میں یہی کہتے ہیں کہ ان کے متعلق وہ جو حادثات ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ہیں ان کے متعلق احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔

جہاں تک میرا خیال ہے ان دونوں ضرورتوں کا احساس تو امام میں ابتداء ہی سے تھا لیکن حجاز میں مختلف اقالیم اور علاقوں کے اہل علم اور عام مسلمانوں کے ساتھ میل جول نے اس احساں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیز سے تیز تر کر دیا۔

کوئٹہ کی واپسی اور مجلس اور شاید احساس کی اسی شدت کا نتیجہ تھا کہ نبی امیہ کی حکومت کے اختتام کے بعد حضرت امام جب متقل قیام کے لئے پھر دوبارہ کوئٹہ واپس آئے تو ہم ان کو ایک جدید مشغلے میں مصروف پاتے ہیں ایسا مشغلہ جس کی نظیر اسلام تو اسلام شاید غیر اسلامی تاریخوں میں بھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے اور سچ پوچھیے تو اسی چیز نے امام کی زندگی کے پچھلے دور کو جیسا کہ کبھی بن سعید القطان کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں۔

پچھلے دور سے ممتاز کر دیا۔ پہلے دور میں امام کے کام کی نوعیت قریب قریب وہی تھی جو دوسرے کر رہے تھے لیکن حجازی تجربات کے بعد جس نظام کو کوئٹہ میں آکر انہوں نے قائم کیا سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ خیال ان کے دماغ میں کہاں سے پیدا ہوا۔ بجز اس کے اس کو ایک "لاہوتی الہام" کا نتیجہ سمجھا جائے۔ کم از کم میرے نزدیک تو اس کی کوئی دوسری معقول توجیہ آسان نہیں ہے میرا اشارہ اس مشہور مجلس شوریٰ کی طرف ہے جسے امام نے جہاں تک میرے تیج و تلاش کا نتیجہ ہے عباسیوں کے دور میں بمقام کوئٹہ کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین کے لئے قائم کیا امام کی اس "مجلس شوریٰ" کا ذکر مجھ سے پیشتر ارباب و زبان کے مصنفین امام ابو حنیفہ کی سوانح عمریوں میں کر چکے ہیں تھوڑے بہت حالات

لہ ابن سعد نے نوکوی ہے کہ لوگ ان کو قیس الجوال کہتے تھے کثرتاً سمعہ و علمہ یعنی حدیث و آثار کی تلاش و جستجو میں اسے گھومے اور پھیرے تھے کہ لوگوں نے جوال (گردش کرنے والا) ان کا نام ہی رکھ دیا تھا۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ انہوں نے حکومت کی ملازمت کر لی تھی اور مجرموں کو سزا دینے میں حد سے زیادہ سخت تھے۔ انہما سمعیٰ کی یہ تھی کہ عہدوں کو چھاتیوں کے ساتھ حکایت تھے اور مجرموں کو بھڑوں سے کٹواتے تھے ان کے اسی قسم کے طرز عمل سے لوگ ان کے شاکی تھے ۱۶۱



جن کی اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ضرورت ہے میں یہاں بھی کروں گا لیکن قبل اس کے کہ اس مجلس کے خصوصیات کا ذکر کیا جائے چند چیزوں کا ذکر اگر پہلے ہی کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقصد تو اس مجلس کے قائم کرنے سے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے محدثین جن باتوں کی اشاعت مسلمانوں میں کر رہے تھے۔ ان میں تاریخی ترتیب قائم کر کے مسلمانوں کو عمل کے لئے آخری فیصلہ کی صورت میں مسئلہ کو منہیں کر دیا جائے۔ یہ تو پہلا مقصد تھا اور دوسری بات وہی تھی کہ حوادث و نوازل جو ابھی پیش نہیں آئے ہیں ان کے متعلق عین وقت پر کتاب و سنت سے حکم پیدا کرنے کے بجائے ممکنہ حد تک پہلے ہی سوچ سمجھ کر تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے احکام لگائے جائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ عمومی طور پر اس پیمانے پر تو نہیں جو امام کی مجلس کے کام کا پیمانہ تھا لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک ان دونوں شاخوں پر کچھ نہ کچھ کام کرنے کی ابتداء ہو چکی تھی اگرچہ زیادہ تر اس کام کو لوگ انفرادی طور پر انجام دے رہے تھے۔ خود امام کے معاصرین سفیان ثوری، امام اوزاعی، ربیعہ الزاہی اور ان کے بعد امام ہی کے ہم عصر امام مالک کے خدمات کی نوعیت بھی یہی تھی۔ لیکن جہاں تک تاریخ کی شہادت ہے ان لوگوں کے خدمات کی حیثیت بالکل انفرادی خدمات کی تھی۔

امام کے دل میں پہلی دفعہ یہ خیال آیا کہ انفرادی طور پر اتنے بڑے کام کو کامیابی کے حدود تک صحیح معنوں میں پہنچانا ناممکن ہے صرف یہی نہیں کہ اس کے لئے اجتماعی سعی کی ضرورت انہوں نے محسوس کی بلکہ میں تو یہ پڑھ کر حیران رہ گیا۔ یعنی ایک دفعہ امام ابو حنیفہ سے اگر ایک شخص نے بیان کیا کہ "فلاں مسجد میں حلقہ بنا کر لوگ فقہی مسائل کے متعلق بحث و مباحثہ کر رہے ہیں" کہتے ہیں کہ جواب میں امام نے فرمایا۔

السریر اس کیا ان کا کوئی سر بھی ہے یعنی صدر مجلس بھی کوئی ہے

جواب میں کہا گیا کہ نہیں حلقہ کا صدر کوئی نہیں ہے۔ یہ سننے کے ساتھ ہی امام نے فرمایا اور عجیب لہجہ میں فرمایا یعنی کہا کہ

لا یفقیہہ لہو لاء ابداً ص ۹۱

قریب لوگ کہی فقیہ نہیں بن سکتے

ذرا اندازہ کے لفظ کے زور کا اندازہ کیجئے کہ ایک طرف بجائے "الفراد" کے "اجتماع" کے فوائد اگر امام پر رہتے تھے تو اسی کے ساتھ غیر منظم اجتماع کے انجام کا بھی کتنا صحیح علم ان کے سامنے گویا کھڑا ہوا تھا کہ دو ٹوک فیصلہ کن الفاظ میں اس کی ناکامی کا آپ نے اعلان کر دیا۔

نظم کے ساتھ سوال کی آزادی اجتماعی سعی اسی وقت بار آور ہوتے ہیں جب ضبط و نظم کے تحت ان کو انجام دیا جائے۔ امام پر جہاں یہ راز واضح ہو چکا تھا اسی کیساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مجلس کے تمام اراکین کو جب تک کامل آزادی اپنے خیالات کے اظہار میں نہیں دی جائے گی اجتماع کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا آزادی کے اس دائرے میں امام نے



کتنی وسعت سے رکھی تھی اس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کو امام کے مختلف سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے۔ الجرح جانی کہتے ہیں کہ میں امام کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک نوجوان جو اسی حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا امام سے اس نے کوئی سوال کیا تھا جس کا امام صاحب نے جواب دیا لیکن جوان کو میں نے دیکھا کہ جواب کو سننے کے ساتھ ہی بے تحاشا وہ امام کو مخاطب کر کے ان خطاات دا آپ نے غلطی کی کہہ رہا ہے جرح جانی کہتے ہیں کہ جوان کے اس طرز گفتگو کو دیکھ کر میں توجیران ہو گیا اور حلقہ والوں کی طرف خطاب کر کے میں نے کہا کہ

”بڑے تعجب کی بات ہے کہ استاد (شیخ) کے احترام کا تم لوگ بالکل لحاظ نہیں کرتے“

جرح جانی ابھی اپنی اس نصیحت کو پوری کرنے بھی نہ پاسکتے تھے کہ وہ من رہے تھے خود امام

ابو حنیفہ فرما رہے ہیں

دعہد خانی قد عود تہمد ذلک من نفسی صحتہ المعجم

تم ان لوگوں کو چھوڑ دو میں نے خود ہی اس طرز

کلام کا ان کو عادی بنایا ہے

جس سے معلوم ہوا کہ اس آزادی کا قصداً و اراداً امام نے اپنی مجلس کے اراکین کو کہنے یا تلاذہ کو عادی بنا رکھا تھا اور یہ جان کر بنا رکھا تھا کہ جو مقصد ہے اس آزادی کے بغیر وہ حاصل نہیں ہو سکتا بہر حال جیسا کہ معلوم ہے کہ امام نے شریعت اسلامی کو باضابطہ قانون کے قالب میں ڈھالنے کیلئے وضع قوانین کے لئے ایک منظم مجلس شوریٰ قائم کی تھی جس کے راس (صدر) وہ خود تھے اس مجلس کے تفصیلات جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں مجھ سے پیشتر مختلف مصنفین اردو زبان میں بیان کر چکے ہیں اسی لئے بجز چند اجمالی اشاروں کے اس مجلس کے متعلق میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا اس سلسلہ میں ضرورت ہو تو مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النعمان اور پچھلے دنوں میرے برادر عزیز ڈاکٹر حمید اللہ نے جو مقالہ اسی عنوان پر لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے کتاب تدریس فقہ جو زیر ترتیب ہے اگر اس کی تکمیل کا جیسا کہ ارادہ ہے مرقوم میرا آیا تو اس میں اس مجلس کی پوری تفصیل اور اس کے سائے خط و خال نمایاں کئے جائینگے والاہم بنیدہ سبحانہ تعالیٰ

بہر حال میرا خیال ہے کہ اس مجلس کی تاسیس امام نے ہجرت حجاز سے واپسی کے بعد اس زمانہ میں

فرمانی جب عباسیوں کی حکومت کا دور شروع ہو چکا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک سلسلہ امام کے درس و تدریس کا تو وہ تھا جو حماد بن ابی سلیمان اپنے استاد

کی جانی کے ساتھ ہی انہوں نے شروع کر دیا تھا۔ داؤد طائی جن لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے کہ

طبع الطبقة العليا یہ ظاہر بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ علیا کی تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو ان کے اساتذ

حماد کا یا ان کے معاصرین کا تھا لیکن امام کے سوانح نگاروں نے یہ لکھتے ہوئے کہ

فوضع ابو حنیفہ مذہبہ شوریٰ بینہم

پھر امام نے اپنے مذہب کو شوری (باہمی مشورہ) پر مبنی کر دیا یعنی

لم یستند فیہ بنفسبہ و نہم مروجہ

مجلس شوری کے اراکین سے الگ ہو کر فقہ کی تدوین کو خود اپنی



انفرادی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں کیا

اور جس کے متعلق طریقہ بحث کی تفصیل کو بیان کرتے ہوئے ان لوگوں نے لکھا ہے

ایک ایک مسئلہ کو پیش کرتے اور لوگوں کے خیالات کو اٹھتے پٹتے جو کچھ مجلس کے اراکین کے پاس معلومات ہوتے انہیں سنتے اور جو علم امام کا ہوتا اسے ظاہر کرتے اور مجلس والوں سے مناظرہ کرتے یہ مناظرہ کسی ایک مسئلہ پر (ہینہ ہینہ بھر یا اس سے بھی زیادہ زمانہ تک جاری رہتا تا انیکہ مسئلہ کا کوئی پہلو متعین ہو جاتا

کان یلقى مسئلۃ مسئلۃ یقلبہم و یسمع ما عندہم ویقول ما عندہ ما یناظرہم تنہراً او اکثر من ذلک حتی یستقر احد الاقوال فیہا ص ۱۳۳ ج ۲

اور جس مجلس شوری کے اعضا و ارکان کے متعلق و کعب بن ابراج لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے

امام ابو حنیفہ کے کام میں غلطی کیسے باقی رہ سکتی ہے جبناقہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف زفر محمد جیسے لوگ قیاس و اجتہاد میں ادو دینے والے موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ حفص بن غیاث حبان و مندل (علی کے بیٹے) جیسے ماہرین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے اور لغت و عربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے حضرات شریک تھے اور داؤد بن نصیر الطائی فضیل بن عیاض جیسے لوگ تقوی و طہارت و زہد اور پرہیزگاری رکھنے والے موجود تھے

کیف یقدر ابو حنیفہ ان یخطی و معہ مثل ابی یوسف و زفر و محمد بن قیاس و اجتہاد ہمد و مثل یحییٰ بن ابی زائدہ و حفص بن غیاث و حبان و مندل ابنا علی فی حفظہم للحدیث و معرفتہم بہ و القاسم بن معن یعنی ابن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی معرفتہ باللغۃ و العربیۃ و داؤد بن نصیر الطائی و فضیل بن عیاض فی زہد ہما و زفر علیہما ص ۱۳۳ جامع السانید

اور ان ناموں کو گناہ کے بعد و کعب کہتے

جس کے رفتار کارا و رسم نشین اس قسم کے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ یقیناً واپس کر دیتے

من کان اصحابہ ہولاء و جلسائہ لہم لکن یخطی لانہ ان اخطأ ردوہ الی الحق

کہتے ہیں کہ و کعب نے یہ فرمانے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مدونہ قوانین پر اعتراض کرنیوالوں کے متعلق یہ فیصلہ بھی صادر کیا تھا۔

ان کی طرف اس قسم کی باتیں منسوب کرنے والے دینی فقہ ابی حنیفہ بے بنیاد ہے، جانور میں یا ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

والذی یقول مثل ہذا کالانعام جبل ہمد اصل ص ۱۳۳ جامع

وضع قوانین کی اس مجلس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کو مجاز سے واپسی کے بعد امام نے شروع کیا کیوں کہ عموماً اس مجلس کے اعضا زیادہ ترویجی حضرات ہیں جن کی شرکت کا امکان خصوصاً

اس حیثیت سے جس کا ذکر ان لوگوں نے کیا ہے اسی زمانہ میں ممکن ہے جب امام نے حجاز سے واپس آکر دوبارہ کوفہ میں نئے طور سے وضع قوانین کا کام شروع کیا۔ وضع قوانین کی اس مجلس کے خصوصیات کا امام کے سوانح نگاروں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن نمیر کے حوالہ سے موفی نے لکھا ہے کہ:-

امام جب بیٹھے تو ان کے ارد گرد اصحاب بیٹھ جاتے جن میں قاسم بن معن عافیہ بن یزید و اودطائی زفر بن ہذیل اور اسی قسم کے لوگ ہوتے۔ اس کے بعد کسی مسئلہ کا ذکر چھیڑا جاتا پہلے امام کے تلامذہ اپنے اپنے معلومات کے لحاظ سے بحث کرتے اور خوب بحث کرتے یہاں تک کہ ان کی آواز بلند ہو جاتی۔ جب باتیں بہت بڑھ جاتیں تب آخر میں امام اپنی تقریر شروع کرتے امام کی تقریریں وقت شروع ہوتی لوگ خاموش ہو جاتے اور جب تک امام تقریر فرماتے رہتے۔ کوئی کچھ نہیں بولتا ص ۱۵۱ ج ۲

اسی قسم کی رپورٹ ابوسیلیمان جوزجانی سے بھی منقول ہے وہ کہتے تھے کہ:-  
جب ابوحنیفہ اپنی تقریر شروع کرتے تو سب چپ ہو جاتے ایسا معلوم ہوتا کہ گویا کوئی اس مجلس میں موجود ہی نہیں ہے حالانکہ اس مجلس میں ربوت (بڑے بڑے گھاگ) حاضر رہتے امام محمد بن حسن الشیبانی امام کی اس مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے

ابوحنیفہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے تلامذہ سے مناظرہ کرتے تلامذہ کبھی تو امام کی بات مان لیتے اور کبھی امام کے دلائل کے مقابلہ میں اپنے دلیلیں پیش کرتے ص ۱۵۱ ج ۱

گذر چکا کہ اعتراض کرنے کی یہ آزادی امام ابوحنیفہ نے خود ان لوگوں کو عطا کی تھی۔ خود ہی فرماتے کہ میں ہی نے ان کو اس کا عادی بنا دیا ہے۔

علی بن مسہر جو امام کی اسی مجلس وضع قوانین کے ممتاز منبروں میں ہیں۔ ان ہی کا بیان ہے۔ امام کی مجلس میں چند حدیثوں کے متعلق بحث ہو رہی تھی کہ ان کے اسناد کیا ہیں مسر کا بیان ہے کہ اتفاق سے ان کے اسناد مجھے معلوم تھے میں نے عرض کیا۔ امام اس سے

بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

احسنات یافتی بجلد ص ۲۱۸ ج ۲ شاباش بجلد کے جوان (بجدان کے قبیلہ کا نام تھا)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر رکن کو جیسے آزادی کے ساتھ رائے دینے کا اختیار تھا اسی طرح ہر شخص کی اس کوشش کے مطابق حوصلہ افزائی بھی کی جاتی تھی اور خواہ اسے حوصلہ افزائی خیال کیجئے یا امام کی اس احتیاط و انصاف کا نتیجہ قرار دیجئے کہ اسی جلقہ کے ایک رکن جن کا نام عافیہ بن یزید تھا اور بعد کو مشاہیر قضاة میں شمار ہوئے ان کے تذکرے میں بالاتفاق لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ وضع قانون کی اس مجلس سے اتفاقاً کسی دن قاضی عافیہ گنائب ہوتے تو گو مسئلہ پر بحث جاری رہتی تھی اور مجلس کسی نتیجہ پر پہنچ بھی جاتی لیکن امام ارشاد فرماتے کہ ابھی یادداشت کی کتاب میں اس فیصلہ کو درج نہ کیا جاسے جب تک عافیہ کی



نظر سے گزر نہ جائے مورخین نے لکھا ہے کہ

ماذا حضر عافیه و وافقہ قال

اشتوھا جو اس پر بیضیہ ۲۶ ج ۱

مذکورہ بالا اجمالی خصوصیتوں سے اندازہ کیجئے کہ ان حالات میں جو نتائج بھی اس مجلس میں

منع ہوتے ہوں گے ان کی کیا اہمیت ہوگی ابن مبارک کے حوالہ سے موفق نے نقل کیا ہے کہ خود ان کے

سامنے کی بات ہے کہ مسئلہ پیش آیا اور

فخاضوا فیہا ثلثہ ایام ص ۲۵

تین دن تک ارکان مجلس اس میں غور و خوض کرتے رہے

بحث و مباحثہ کے اس طریقے سے قوانین کی تدوین اگرچہ اس زمانہ کی ایک عام بات ہے لیکن

اس تہذیب کے حساب سے سوچنا چاہیے جب امام نے وضع قوانین کی یہ نئی راہ نکالی تھی کہ وہ کے مشہور محدث

اعمش نے امام کی اس مجلس اور اس کے خصوصی طریقہ کار کو بیان کرتے ہوئے کتنے اچھے الفاظ میں تصویر

کھینچی ہے۔

اذا وقعت لہم مسئلۃ یدیرونہا

جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو باہم یہ لوگ اس مسئلہ

کو گردش دیتے ہیں اور یوں گردش دیتے ہوئے بالآخر اس کو

روشن کر لیتے ہیں۔

جہاں تک میرا خیال ہے حجاز سے واپسی کے بعد امام کی زندگی کے آخری سالوں تک وضع قوانین کا

یہ کام جاری رہا ہے گو اس عرصے میں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا امام کو مختلف حوادث سے گزرنا پڑا۔ لیکن یہ

کسی روایت سے نہیں معلوم ہوتا کہ امام نے اس کام کو کسی زمانہ میں بند کر دیا ہو بلکہ محدث جلیل عبداللہ بن

المبارک کے حوالہ سے یہ الفاظ موفق نے جو نقل کئے ہیں کہ

کتبت کتب ابی حنیفہ غیر ہر تہ کان

میں نے ابو حنیفہ کی کتابیں ایک سے زیادہ دفعہ نقل کی ہیں

یقع فیہا زیادات فاکتبہا ص ۶۸ ج ۲

ان کتابوں میں اضافے ہو جاتے تھے۔ تو ان کو بھی لکھ لینا پڑتا تھا

ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے مرتبہ قوانین کی کتاب کو لکھوا کر کام نہیں بند کر دیا

گیا تھا بلکہ اس پر اضافے بھی ہوتے رہتے تھے اور اضافہ کا یہ کام برابر جاری رہا امام کی وفات کے بعد

بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن المبارک امام کے حلقہ کے مشہور رکن زفر سے جاریتہ ان کی کتابیں لیکر نقل کیا

کرتے تھے عقیل بن اسباط جو ابن المبارک کے بھتیجے تھے یہ ان ہی کا بیان ہے وہ کہا کرتے تھے کہ کتبہمارا

دینی متعدد مرتبہ نقلیں ابن مبارک نے کی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ امام کی اس مجلس میں جتنے قانونی و فرائض

مرتب ہوئے تھے ان کی تعداد کے متعلق پانچ لاکھ والی روایت مان بھی لی جائے کہ مبالغہ ہو اور صحیح وہی

۱۶۶



ہو جو خوارزمی سے منقول ہے کہ

وضع ثلاثة آلاف وثمانين الف

کہ (۸۳) ہزار سیکڑے اس مجلس میں طے کئے گئے

مسئلة مناقب قاری ص ۲۷

تو اس کے لئے بھی پندرہ سے بیس سال کی مدت اسی وقت کافی ہو سکتی ہے جب امام اور ان کے تلامذہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کو ان میں وخیل پایا جائے بے چارے عوام خوفہ کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اس میں کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ جیسے ابواب ہی کے صرف مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ اس کام کی صحیح نوعیت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو کیا معلوم کہ آج دنیا کے بڑے بڑے مستقل فنون مثلاً معاشیات و سیاسیات و منزلیات وغیرہ وغیرہ ان سارے علوم کو فقہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور ان علوم کے متعلق جو قوانین مدون کئے گئے ہیں یہی نہیں کہ ان کی بنیاد صرف کتاب و سنت اجماع و قیاس و استحسان ہی پر مبنی ہے بلکہ قانون سازی کے اس مرحلے میں لغت نحو صرف حساب وغیرہ علوم سے بھی کافی مدد لی گئی ہے موفقت نے بالکل سچ لکھا ہے کہ امام کے مدونہ قوانین کا مجموعہ

مشتملة على دقائق النحو والحساب

ما تبعت في استخراجها الى اهل

العلم بالعربية واهل العلم

بالجبر والمقابلة ص ۱۳۸

اور ایک عربیت یا جبر و مقابلہ ہی کیا واقعہ یہ ہے کہ فقہ کہیں یا قانون اور وہ بھی مسلمانوں

کا یہ فقہی قانون اس کے مرتب کرنے والوں کو تو اور بیسوں ہی طرح کے معلومات کی ضرورت ہوتی ہے

۱۰ قرآن کی فقہی تفسیر کے مصنف امام ابو بکر حصاص نے شرح جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے کہ میں نے مدینہ السلام

دبنداد میں ایک بہت بڑے بخوی کو اس کتاب کے بعض مسائل سنائے بخوی کا نام حسن بن عبدالغفار تھا حصاص نے

لکھا ہے کہ جیسے جیسے وہ مسائل سنتے جاتے تھے حیرت سے میری طرف دیکھتے آخر میں بوسے ان نتائج کو دہی پیدا

کر سکتا ہے جو علم نحو میں خلیل و سینیو یہ کا ہم رتبہ ہو ۱۲

۱۱ قاضی ابویوسف کے تذکرے میں ایک لطیفہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ خلفاء (سیاہ کپڑا جو راتوں کو روشنی پر گرتا ہے) لکھا

ہے کہ ہارون رشید کے دربار میں جو فرش بچھا ہوا تھا اس پر رنگ رہا تھا غالباً ہارون کا حکم تھا کہ فرش پر کیرے مگڑے

اگر دیکھے جائیں گے تو فراشوں کو سخت مزاسے گی ہارون کی کیرے پر جو نظر پڑی تو اپنے سے باہر ہو گیا فراش غریب بزرگ

عتاب میں مبتلا ہوا قاضی ابویوسف موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین اس قسم کے کیروں کی عادت ہے کہ لاکھ

ان کو دوڑ کیا جائے پھر ہلپٹے کر آجاتے ہیں اور کہا کہ آپ خود تجربہ کر لیجئے تجربہ کیا گیا بات صحیح ثابت ہوئی جس سے معلوم

ہوا کہ فراش نے صفائی میں کمی نہیں کی تھی اس کیرے کی عادت ہی یہ ہے کہ پلٹ پلٹا کرتا ہے۔ ہارون کا غصہ دہما ہوا

اور قاضی صاحب کا بہت ممنون ہوا کہ اس فراش کو اس کے غصے کی آگ میں جلنے سے انہوں نے روک لیا ص ۱۴۳ ج ۱ (باقی صفحہ آئندہ)



خوارزمی نے امام ابو حنیفہ کی مجلس کے مرتبہ قوانین کے دفاتر کی جو گزشتہ بالا تعداد بتائی ہے ان ہی کا بیان ہے کہ

ان (۸۳) ہزار دفاتر میں صرف (۳۸) ہزار مسائل کا تعلق عبادات (یعنی خالص دینیات) سے ہے اور باقی یعنی (۴۵) ہزار دفاتر کا براہ راست معاملات یعنی انسان کے دنیاوی کاروبار کے متعلقہ آئین و دستور سے تعلق ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے معاملات کے اس لفظ کے نیچے وہ سارے معاملات درج ہیں جن کا آدمی کے انفرادی عائلی قومی عام انسانی مسائل سے تعلق ہے اور حقیقت اس سلسلہ میں فقہ کا ہر باب صرف مستقل کتاب ہی نہیں بلکہ مستقل فن ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا جب مسلمانوں کے صد ہا سال کی ان محنتوں کی جانچ پڑتال جہان میں کر گئی تو انسانی زندگی کے بے شمار مشکلات کا پائے گی کہ پہلے ہی سے ان کا حل ان میں موجود ہے۔

خیر امام کے وضع قوانین اور اس کی مجلس کے اس قصے کو تو سر دست یہیں چھوڑیے یہ بات کہ اپنے اس کام کے سامنے امام کا نصب العین کیا تھا؟ کن محرکات نے ان کو اس ہم کی سرانجامی پر آمادہ کیا تھا؟ اب میں اس پر بحث کرنا چاہتا ہوں اگرچہ فقہنا کچھ اشارے ان کی طرف مختلف حیثیوں سے مختلف مقامات میں کرتا چلا آ رہا ہوں لیکن بجائے اشاروں کے وقت آ گیا ہے کہ جو کچہ کہنا چاہتا ہوں اسے اب کھل کر کہوں۔

اس کے تو شاید کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ سب سے بڑا مقصد جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا اور امام جیسی ہستیوں سے اس کے سوا اور کسی بات کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ سب سے بڑا مقصد ان کا اپنے مالک کی خوشنودی تھی ان کے شاگردوں سے سوا کسے نگاروں نے نقل کیا ہے کہ

امام کا دستور تھا کہ مجلس میں جس وقت بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو بار بار بیچ

بیچ میں ان کی زبان پر قرآنی آیت فبشر عباد الذین یتمون القول بتبیین

احسن البین بشارت سنا دو میرے ان بندوں کو جو بات کو سنتے ہیں اور سب سے اچھی بات

کی پیروی کرتے ہیں، جاری ہو جاتی تھی۔ قاری وغیرہ

اور اصل یہی ان القول (یعنی تمام بھلوؤں میں سب سے بہتر پہلو قرآن و حدیث کی عبارتوں کا جو کل سکتا ہو وہی پہلو کی جستجو اور تلاش ہی ان کی اس خدمت کا سب سے بڑا نصب العین تھا اور یہی مطلب ہے ان کے اس مشہور قول کا جو اپنے اجتہادی مسائل کے لیے مستعمل فرمایا کرتے تھے۔

هو احسن ما قدرنا علیہ ص ۲۷۲ قاری سب سے بہتر پہلو جہان تک پہنچا میرے بس میں تھا وہ یہی ہے۔

یہ سلسلہ گزشتہ ان ہی باتوں کی بنیاد پر لوگوں نے لکھا ہے کہ فقہا کو اس قسم کے عام معلوما کی بھی ضرورت ہوتی ہے مثلاً ہر علم حیوانات کا مسئلہ ہے لیا اوقات قانون ان ہی معلومات کو پیش نظر رکھ کر منایا جاتا ہے۔

امام کی اس مجلس کے اختتام کا یہ دستور جو نقل کیا جاتا ہے کہ ہر مجلس کے ختم پر تلاذہ کو خطاب کر کے ان کا قاعدہ تھا کہ ان الفاظ کے ساتھ رخصت فرماتے

خدا تم لوگوں کی باہمی اخوت اور برادری کو ایمان کے رشتے سے مضبوط فرمائے اور تمہاری باہمی محبت و الفت میں اپنی رحمت شریک فرمائے اور تمہارے دلوں کو علم اور قرآن سے صحت مندی عطا فرمائے" موفی ص ۲۵ ج ۱

اس سے بھی ان کے نقطہ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ عبداللہ بن المبارک نے اسی مجلس کا یہ عجیب دستور بھی جو بیان کیا ہے یعنی جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بحث و تمحیص کے بعد آخری فیصلہ کی صورت اختیار کرتا تو وہ فرماتے ہیں کہ

کبروا جملیعا قالوا اللہ اکبر ص ۲۷ ج ۲۔ سب لوگ تکبیر بلند کرتے یعنی اللہ اکبر کہتے

گویا موجودہ زمانے کے مجالس کا جو دستور ہے کہ پسندیدگی اور اطمینان کا اظہار تصفیعی چیز کی تالیفوں سے کیا جاتا ہے امام کی مجلس جس کا کاروبار لامہیت پر مبنی تھا اس میں بجائے چیز کے تکبیر کا رواج تھا۔

پہر حال جیسا کہ میں نے کہا یہ مسئلہ تو شاید قابل بحث ہی نہیں ہو سکتا بھلا جو علانیہ اپنے تلاذہ کو کہتا ہو

ان لہد تریدا والہذا العلم بخیر اگر علم سے آخرت کی بھلائی تمہارے سامنے نہیں ہے تو لہد توفقوا ص ۲۷ ج ۲۔ نہیں توفیق نہیں بخشی جائے گی۔

بعض لوگ جنہیں ان کے کام کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ تھا کبھی ان پر معترض ہوتے تو اس وقت فرماتے۔

بھائی اس سے بڑی نیکی اور کیا ہوگی کہ حلال و حرام کا فیصلہ کیا جائے خدا کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنے والے نہ منسوب کر دیں اور خدا کی مخلوق لا علمی کی وجہ سے خدا کی نافرمانیوں میں نہ مبتلا ہو جائے، اس کا ذریعہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ص ۹۳

امام کے لصری شاگرد خالد سمعی کہا کرتے تھے کہ بکثرت امام کی زبان مبارک پر بے ساختہ عموماً یہ شعر جلدی رہتا تھا جس کا حاصل یہ ہے

عم و الم کے لئے یہ دو باتیں کافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی آدمی کی ناخوش گوار گزرے

اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پچھلے چند دنوں سے تصفیق کی جگہ ایسے مواقع پر تکبیر کے نوسے کا جو طریقہ مسلمانوں کے عوام نے اختیار کیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ قدیم دستور ہے جس کا رواج جاتا رہا تھا اور پھر کسی طرح وہ زندہ ہو گیا ہے ۱۲

۱۳ اصل عربی شعر یہ ہے۔ کفی حزنان ان لا حیاة ہینة ولا عمل یرشع بہ اللہ صالح



اور دوسری یہ کہ انسان ایسے عمل میں مشغول ہو جس سے خوشنودی حق مطلوب ہو چاہے نو

لیکن سوال یہ ہے کہ علاوہ اس علمی کام کے کوئی دوسری غرض بھی امام صاحب کے اس قانونی کاروبار کے پیچھے کیا پوشیدہ تھی؟ میں واقعات پیش کرتا ہوں نتائج خود بخود آپ کے سامنے آجائیں گے لیکن واقعات کے پیش کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عباسی حکومت کے قائم ہوجانے کے بعد حجاز سے امام رحمۃ اللہ علیہ جب کوفہ واپس ہوئے اور وضع قوانین کی مجلس کے اس کاروبار کو اپنے شروع کردیا ان ہی دنوں میں اچانک ایک بڑی سیاسی آزمائش پیش ہوئی جو انکو مبتلا ہونا پڑا تھا اس کا ذکر کریں

**ابراہیم بن میمون اور امام** یعنی وہی ابراہیم بن میمون بن الصالح المرزبی کا واقعہ جس کا مختلف تفصیلاً آئندہ اس واقعہ کو بیان کروں گا۔ قصہ یہ ہے کہ مروان بن الحکم نے اپنے بھائی کے ساتھ ناعاناً اندیشا نہ اعمال کا ارتکاب کر کے اپنی قبر آپ کھود لی تھی ضرورت صرف کسی ایسے بے جگر آدمی کی تھی جو ذرا ہمت کر کے انہیں ان کی بنائی ہوئی قبروں میں ڈھکیل دے جیسا کہ معلوم ہے عباسیوں کے داعیہ المسلم خراسانی نے اس کام کو انجام دیا یہ ایک عجیب و غریب طلسمی شخصیت عباسیوں کو خوش قسمتی سے مل گئی اور بنی امیہ کی حکومت کی بچہ بچہ تکفین بلکہ تدفین کے کام کو اسی نے پورا کیا ہے

اسے نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ غالباً دنیا کی سیاسی تاریخ میں ابوسلم کا وجود خاص اہمیت کا مالک ہے مامون الرشید کے دربار میں دنیا کے چند جلیل القدر فاتحوں کا ذکر آیا تو لکھا ہے کہ خود مامون نے ابوسلم کا نام بھی پیش کیا تھا۔ خدای جانتا ہے کہ اس کی پراسرار ہستی کیا تھی اگرچہ بعد کو اس کے متعلق بڑے بڑے افسانے تراشے گئے کہی وہ عربی النسل قرار دیا گیا اور کبھی عجمی النسل قرار دینے والوں نے اسکے نسب نامے کو مشہور ایرانی دانشور حکیم بزرجمبر سے ملا دیا تھا تاہم جہاں تک واقعات کا تعلق ہے وہ عجمی النسل ہی تھا اس کا باپ دراصل مروہی کے قریب قصبہ ماخوان کا رہنے والا مشیوں کی پھیری کا کام کرتا تھا اسی سلسلہ میں کوفہ بھی کبھی کبھی آیا آخر زمانے میں رستاق (تعلقہ فریدین جو عراق کا تعلق تھا اس کے گاؤں سحر میں زمین لیکر کاشتکاری شروع کر دی لیکن مال گذاری حکومت کی اس پر باقی رہ گئی ادا کرنے کی استطاعت نہ تھی و شبکہ ناجی جو اس کی عورت تھی اس کو لیکر اذربائیجان کی طرف بھاگ گیا عورت حاملہ تھی ابوسلم اپنے باپ کے مرنے کے بعد پیدا ہوا بعض فارغ البال اسلامی خاندانوں میں اس کو پناہ دی گئی جہاں اچھی تعلیم و تربیت کا اس کو موقع ملا وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا غیر معمولی خطیب تھا رنگ گورا آنکھیں بڑی بڑی چوڑی پیشانی گھٹا مو ابدن و کھنکر اس کی شخصیت ہی سے لوگ متاثر ہوتے تھے کہتے ہیں کہ ابتدائی جوانی ہی سے اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات موج زن رہتے تھے ان ہی دنوں میں بعضوں نے دیکھا کہ رات رات بھر ٹھٹھا رہتا ہے مینہ نہیں آتی پوچھا گیا کہ کیا حال ہے اس نے کہا کہ کیا پوچھتے ہو میرا دماغ ہر وقت شدید تگ و آؤ میں مبتلا رہتا ہے حد سے زیادہ میرا ذہن ضا ہے نتیجے تک فوراً پوچھ جاتا ہے ارادے میں حد سے زیادہ بلندی پیدا ہو گئی ہے جو میں گھنٹے (بقیہ صفحہ آئندہ)



ابو مسلم نے اپنے کام کا آغاز ۲۹ھ میں مرو اور خراسان کے مشہور شہر سے کیا جو اس کا آبائی وطن تھا یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ کل صدی ڈیڑھ صدی کے اندر دور دراز ممالک اور شہروں میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہو چکے تھے۔ مرو جو عرب سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن غیر معمولی ایمانی اور علمی و عملی

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) یہی جذبہ دماغ پر مسلط رہتا ہے کہ کوئی بڑا کام مجھے کرنا چاہیے لیکن سادہ زندگی کے ساتھ یہی خیال مجھے بے چین رکھے ہیں جانتا ہوں کہ صرف بیداری سے دل کی بے چینی کا ازالہ نہیں ہو سکتا لیکن آخر کروں کیا؟ کہا گیا کہ توجو جی میں تیرے آ رہا ہے اسے کر گذر بولا سلطنت کے حصول کے بغیر مجھے تسلی نہیں مل سکتی کہا گیا کہ تو اسی راہ میں کوشش کر بولا ہاے ہاے یہی تو مشکل ہے یہ میری بد بخت عقل مجھے آگے بڑھنے نہیں دیتی خطرات میں گھسے بغیر حکومت مل نہیں سکتی اور عقل خطرے میں اپنے آپ کو ڈالنے سے مانع ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بھائی تو پھر یوں ہی گھٹ گھٹ کر تو مر جائے گا۔ تب اس نے کہا کہ میں اس کی تیاری کر رہا ہوں کہ اپنی عقل کے کچھ حصہ کو جبل و ناعاقبت اندیشی سے بدل دوں اور جس نصب العین کی تکمیل جہالت اور مصلحت سوزی کے بغیر نہیں ہو سکتی اس کو میں اسی جبل سے حاصل کر کے رہوں گا اس کے بعد پھر عقل سے ان چیزوں کو سلجھاؤں جو عقلی تدبیروں کے بغیر سمجھ نہیں سکتیں آخر میں اس نے کہا کہ میں ایک ایسی زندگی گزارنا چاہتا ہوں جو موت نہ معلوم ہو گنما می اور نیستی ایک ہی چیز ہے اور عالم کا باپ وہی ہے جس نے شہرت حاصل کی (ذہری) ابو مسلم اس کے بعد تیار ہوا اور عباسی جو نبی امید کے زوال سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے ان سے ملتا ہے عباسیوں نے تو سمجھا کہ وہ ہمارا آلہ کار ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ابو مسلم عباسیوں کو اپنے آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا تھا مختلف حالات سے گذرتے ہوئے اپنے آبائی وطن مرو پہنچا اور وہیں سے سارے خراسان میں اس نے آگ لگا دی ابتداء میں اپنے حین و جمیل چہرے فصیح و بلیغ گفتگو سے لوگوں پر اس نے یہی ظاہر کیا کہ نبی امید کے ظلم سے نجات حاصل کر کے پیغمبر کے خاندان والوں میں اسلامی حکومت کا لانا یہی میرا مقصد ہے لیکن اقتدار پر قابو پانے کے ساتھ ہی اس نے بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا فوجی مقابلوں کے سوا انفرادی طور پر اپنے سامنے کھڑا کر کے جن لوگوں کو اس نے قتل کیا ہے بالاتفاق مورخین ان کی تعداد پانچ لاکھ بتاتے ہیں حالت یہ تھی کہ مرو ہی میں کسی نے اس کے سیاہ لباس کے متعلق پوچھا کہ اس رنگ کو اپنے کیوں اختیار کیا ہے جو اب تو اس نے دیدیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر تاج مکہ کے وقت سیاہ عمامہ تھا لیکن صرف اس جرم میں کہ پوچھا کیوں اضراب یا غلام خونخوار یعنی اے غلام پوچھنے والی کی گردن اڑا دے (خطیب ص ۱۰۸ ج ۱۰ غریب پوچھنے والا ختم کر دیا گیا یہی نہیں بلکہ عربیت کے مقابلہ میں عجمی عصبیت کی پرورش میں پوری طاقت اس نے خرچ کر دی اور آخر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اسٹاکر حکومت ہی پر قبضہ کرنے کا بخت ارادہ کر چکا تھا منصور عباسی خلیفہ نے اس کو قتل کرنے سے پہلے خود اس کے مندرجہ ذیل الزامات لگائے تھے ان میں یہ الزامات بھی تھے چونکہ تحریری تھے اس لئے اس نے انکار بھی نہیں کیا صرف ساقی چاہتا تھا یعنی اپنے آپ کو عبد اللہ بن عباس کے صاحبزادے سلیط کی اولاد سے ہونے کا مدعی ہوا تو سنے میری پھوپھی زاوہ بن آسیہ سے نکاح کا پیغام خود مجھے لکھ کر بھیجا تو اپنے خطوط میں ہمارے نام سے پہلے اپنے نام کو



شخصیتوں سے معمور تھا ان ہی شخصیتوں میں ایک بڑی ہستی ابراہیم بن میمون کی بھی تھی امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ میمون ابراہیم کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں تھے حافظ بن حجر کا بیان ہے کہ یہی میمون تھے جن کا نام ہران بھی بتایا جاتا ہے چند خاص حدیثوں کے میمون زاوی بھی ہیں بہر حال ابراہیم نے مرو کو وطن بنا لیا تھا ان کے نام کے ساتھ الصالح کے لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے اس سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زرگری کا کام کرتے تھے اسی لئے صالح کے نام سے مشہور ہوئے حافظ ابن حجر نے ان کے حالات میں جو یہ فقرہ ابن عیین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

كان اذا رفع المطرقة فسمع النداء  
ليريد هاتجا اہتذیب

ان کا حال تھا کہ مٹھوڑی اٹھائے ہوئے ہیں کہ اذان کی آواز آئی تو اس مٹھوڑی کو پھر دوبارہ نہیں واپس کرتے (یعنی کام ختم کر دیتے اور نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے تھے)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زرگری ان کا معاشی شغل تھا۔ لیکن مسی کے ساتھ حدیث میں بڑے بڑے جلیل امہ مثلاً عطار بن ابی رباح نافع ابو اسحاق ابو زبیر سے روایت کرتے تھے۔ نسائی ابو داؤد صحیح کی کتابوں میں ان کی حدیثیں ہیں تصبیحا صحیح بخاری میں بھی ان کی روایت پائی جاتی ہے اور یہی حال ان کا فقہ میں بھی تھا حنفی طبقات کی کتابوں میں ان کا نام مرو کے نام کی ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے موقوف نے ابو حمزہ اسکری کے حوالہ سے نقل کیا ہے ،

دقیقہ سلسلہ گذشتہ (درج کرنے لگا) ابن خلکان (منصور نے ان چیزوں کو دیکھ کر سب سے بڑا دشمن اپنا اور اپنی حکومت کا یقین کو کے انتہائی دانش مندی سے اگر اس کو ختم کر دیا تو اس کے سوا وہ اور کیا کرنا چاہا تک معلوم ہوتا ہے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ کر بھی حکومت کے تخت کو بھانے کی مختلف کوششیں جو ہوتی رہی ہیں ان میں سب سے بڑی کامیاب کوشش ابو مسلم سی کی تھی لیکن ابو جعفر منصور پر اور جتنے الزامات بھی ہوں مسلمانوں پر اس کا یقیناً ایک بڑا احسان ہے خواہ اس کی نیت میں کچھ ہی ہو و اللہ اعلم بالی الصدور ابو مسلم سے کتابوں میں بڑے عجیب و غریب مدبرانہ فقرے منقول ہیں جنی امید کے زوال کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی بیان کرتا تھا کہ دوستوں پر اعتماد کر کے انہوں نے دہر دراز علاقوں میں ان کو بھجودیا اور دشمنوں کو مانوس کرنے کے لئے اپنے پاس رکھا لیکن دشمن دشمن ہی رہے اور دور ہونے کی وجہ سے دوستوں کی بھی نیت بدل گئی دشمن بن گئے کسی نے اس سے پوچھا کہ بہادر قوم کون ہے؟ اس نے کہا کہ ہر وہ قوم جو برسر اقبال آتی ہے بہادر ہو جاتی ہے اب اس کا فیصلہ کون کرے کہ بہادری اقبال کو پیدا کرتی ہے یا اقبال سے بہادری پیدا ہوتی ہے ۱۷

۱۸ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ احمد بن سبیر نے مرو کی ایک متقل تاریخ لکھی ہے مسلمانوں کی کتابوں کا یہ سلسلہ ہی عجیب تھا یعنی قریب قریب ہر بڑے مرکزی شہر کی انہوں نے تاریخ لکھی مگر انہوں نے بلا د و ہمسار کی ان تاریخوں میں اس وقت تک صرف خطب اور ان کی تاریخ بغداد اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق کا خلاصہ طبع ہوا ہے۔ ابن عساکر کی اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ اسی جلدوں میں ہی بقرہ کو نہ بخارا سمرقند مرو اصفہان نیشاپور وغیرہ وغیرہ سب سے ہی کی متقل تاریخیں لکھی گئی ہیں۔

۱۹ یہ وہی ابو حمزہ اسکری ہیں جن کی ایک روایت ابو حنیفہ کے اجتہاد کی بنیاد کی حقیقت سے عام طور پر مشہور (بقیہ صفحہ آئندہ)



ابراہیم صالح نے مجھے امام ابو حنیفہ کے پاس کچھ پونجی (یعنی زادراہ دسے کر ایک ہزار  
فقہی سوالات کے ساتھ روانہ کیا تاکہ میں امام سے ان کے جوابات حاصل کر کے ان تک پہنچا دوں۔  
اس سے ابراہیم کے فقہی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس شخص کے مشعلق عبداللہ بن  
المبارک جیسے ثقہ حجت محدث امام ابو حنیفہ کے یہ الفاظ نقل کیا کرتے تھے کہ

کان شديدا لورع شديدا ليدالمدل  
لنفسه في طاعة الله  
یعنی امام ابو حنیفہ ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ  
وہ بڑے سخت پرہیزگار اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں  
۲۹ جواہر وغیرہ اپنی جان چھڑکنے والوں میں تھے۔

تو ان کے تقویٰ اور ربانی قوت کی بلندی میں شک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے عبداللہ بن المبارک  
کی اسی روایت میں امام صاحب کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں  
"کہ وہ میسر پاس آیا کرتے تھے اور مجھ سے پوچھا کرتے تھے"

جس سے معلوم ہوا کہ ابو حمزہ اسکرلی کے ہزار سوالات کے علاوہ براہ راست ابراہیم صالح  
کو بھی امام سے استفادہ کا موقع ملا تھا اس روایت میں یہ بھی ہے کہ امام ابو حنیفہ کہتے تھے  
ابراہیم کے تقویٰ کا حال یہ تھا کہ جب میسر پاس آتے تو میں ان کے سامنے کچھ کھانے کی  
چیز پیش کرتا وہ مجھ سے پوچھتے (یہ غایت تقویٰ کی بات تھی کہ امام ابو حنیفہ سے ہی پوچھا  
جائے کہ یہ کھانا کس ذریعہ سے آیا ہے) پھر کبھی ناپسند کرتے اور چکھتے ہی نہیں یوں ہی واپس  
کرویتے اور کبھی پسند کرتے تو کھا لیتے ص ۲۹ ج ۱

شاید شدت تقویٰ کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے معاش کے لئے زرگری کے پیشے کو اختیار کر لیا تھا  
ورنہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ بڑے سے بڑا عہدہ حکومت کا ان سے زینت حاصل  
کر سکتا تھا۔

بہر حال ابو مسلم جس وقت اپنی دعوت لے کر مرو پہنچا تو جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے  
سارع اليه الناس وجعل اهل  
مرو ياتونه ص ۱۳ ج ۵  
لوگ اس کی طرف پل پڑے اور مرو کے باشندوں  
کی آمد و رفت اس کے پاس شروع ہو گئی  
جس کی وجہ وہی تھی کہ کان یدعو الی خلع مروان (یعنی نئی امید کا حکم) اس زمانے میں  
مروان تھا اس کو تخت خلافت سے اتارنا اسی نصب العین کو لوگوں کے سامنے ابو مسلم پیش کرتا تھا

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) ہو گئی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے براہ راست امام سے یہ سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے  
صحیح حدیث جب مجھے مل جاتی ہے تو اس کو میں اپنا مذہب بناتا ہوں اور جب صحابہ سے مختلف اقوال نقل کئے جاتے ہیں تو ان میں سے  
کسی کو ترجیح دیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ صحابہ کے فتووں سے باہر نہ جاؤں لیکن جب صحابہ کے بعد ولے لوگ یعنی تابعین کے اقوال  
کا مرحلہ آتا ہے تو زائد امام (تو پھر ہم ہی مقابلہ کرتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال میں خود ہی اجتہاد کی کوشش کرتا ہوں ص ۲۵ ج ۱۰



نبی امیہ کے مظالم سے دنیا تنگ آچکی تھی اتنی تنگ آچکی تھی کہ کھلی بناوت کی ابو مسلم حالانکہ لوگوں کو دوست  
دے رہا تھا لیکن لکھا ہے کہ

”اپنے خیمہ میں ابو مسلم بغیر کسی پیرے اور دربان کے رہتا تھا“  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں میں ابو مسلم کے متعلق یہی مشہور ہو گیا تھا یا کرا دیا گیا تھا  
چہا کہ کامل ہی میں ہے کہ

نبی ہاشم سے ایک آدمی ظاہر ہوا ہے جو بڑے وقار و وزن والا بھاری پھر کم آدمی ہے ص ۱۳ ج ۵  
اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے علم و فضل کا چرچا بھی عوام میں پھیلا دیا گیا تھا کامل ہی میں ہے کہ  
”مزو کے توجوان ابو مسلم کے پاس فقہ اور دینی مسائل کا علم حاصل کرنے کیلئے حاضر ہونے لگے“  
لیکن جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو کہتا کہ

”بھائیو! یہ وقت مسئلوں کے پوچھنے کا ہے، ضرورت تو اس کی ہے کہ پہلے معروف  
و شرع کے مطابق قوانین کو نافذ کرنے کی اور منکر و خلاف شرع امور کو روکنے کے ذریعہ  
چہا کئے جائیں“

آخر میں کہتا کہ

”اس وقت آپ کے ان مسئلوں سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ مجھ کمزور کی جو حق  
کو قائم کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہے مدد فرمائی جائے“

کبھی کبھی لوگ اس کے نسب کے متعلق بھی پوچھ بیٹھے جو اب میں کہتا کہ

”میری زندگی میرے نسب سے زیادہ غالباً آپ لوگوں کے سامنے میری خوبیوں کو ظاہر کر سکتی ہے“

خلاصہ یہ ہے کہ کچھ ایسے انداز سے مرو میں اس نے اپنے آپ کو نمایاں کیا تھا کہ بڑے بڑے لوگ  
اس کے مجال میں گرفتار ہو گئے ان ہی لوگوں میں یہ بے چارے ابراہیم الصالح بھی تھے میں نے کسی موقع  
پر طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم صالح اور ابو مسلم میں دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے  
اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم اور ایک دوسرے محدث محمد بن ثابت ابو مسلم کے خاص لوگوں میں تھے  
ابن سعد کی روایت میں ہے کہ

بجلسان الیہ و یسمعان کلامہ

یہ دونوں (یعنی ابراہیم صالح اور محمد بن ثابت) ابو مسلم کے

پاس بیٹھا کرتے تھے اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے۔

ص ۱۳ ج ۲، رقم دوم

لیکن ظاہر ہے کہ اس کی شاطرانہ کارروائیوں کا راز کب تک چھپا رہتا جوں ہی کے اقتدار کی باگ  
اس کے ہاتھ میں آنے لگی جو کچھ اس کے اندر تھا وہ باہر آ گیا کھل گیا کہ یہ بھی شمال کا بھائی سگ زردی ہے گویا  
چو از چنگال گرم در ربودی و ندانم عاقبت خود گرگ بودی

کا قصہ لوگوں کے سامنے پیش آ گیا

از باب اخلاص و دیانت میں ہے جو اس کے مخالفوں کے شرکار ہو گئے تھے حقیقت جب بے نقاب



مہکران کے سامنے آئی تو اپنے اپنے طرف اور ایمانی ذکاوت حسی کے لحاظ سے ہر ایک پر اپنی اس غلطی کا رد عمل ہوا۔

ابراہیم صالح جس طبیعت کے آدمی تھے ان کے تھوڑے بہت حالات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اسی سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنی اس فاش غلطی کی ندامت کا ان پر کیسا کچھ اثر مرتب ہوا ہو گا البرو التقویٰ کی نیت سے جس تعاون کو انہوں نے پیش کیا تھا اب معلوم ہوا کہ یہ تو بالکل لیبہ الاثم والعدوان پر میں نے اس کے دست و بازو کو قوت پہنچائی پھر اس غلطی کی تلافی کیسے کی جائے جہاں تک ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی طرح ان کے اندر اس سوال کا شعاع بھڑکنے لگا۔

یہ عجیب بات ہے کہ اسی کے بعد ہم ابراہیم کو بچائے مرو کے کوفہ میں پاتے ہیں یعنی امام ابو حنیفہ سے ابو مسلم کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں ابراہیم اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اس مسئلہ میں جو گفتگو ہوئی اس کا ذکر تو خیر آہی رہا ہے لیکن یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ مرو سے نیکر کوفہ تک کے درمیانی علاقے میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں ماسوا اس کے باہر ہی کے کسی آدمی سے اگر ابراہیم کو اس مسئلہ میں مشورہ کرنا تھا تو اسلامی دنیا کے طویل و عریض علاقے میں ان کی نظر انتخاب ابو حنیفہ ہی پر کیوں پڑی؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کے سیاسی رجحانات ہی نے اتنے لمبے چوڑے سفر پر ان کو آمادہ کیا اس زمانے میں جب مسلمانوں کی سیاست میں ارباب اغراض نے عام طور پر تشیع کے کارنگ بھرویا تھا دوسرے خیال کے لوگ یعنی جو مسلمانوں کی حکومت کو شوری اور رائے عامہ سے وابستہ سمجھتے تھے بہت کم پائے جاتے تھے ابن سعد نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ ابو مسلم سے ابراہیم کی مخالفت کی ابتداء اسی وقت سے شروع ہوئی جب اس نے

تشیع سے یہاں مراد وہ نہیں ہے جو آج کل سمجھا جاتا ہے بلکہ ابتداء ہی سے مسلمانوں میں سیاسیات کے دو مکتب خیال جو پیدا ہو گئے تھے ایک گروہ تو یہ سمجھتا تھا کہ سیاسی اقتدار جس کی تعبیر امامت اور خلافت کے الفاظ سے کی جاتی ہے یہی خاص خاندان کا مورد حق ہے مگر کس خاندان کا ہے اور اس خاندان میں کس کا حق ہے اس باب میں اتنے خیالات اور ساک بنتے چلے گئے کہ شانڈان کا شمار کرنا ہی مشکل ہے کسی خاندان پر متفق ہو جانے کے بعد آگے کی شاخوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا ابو مسلم نے حضرت عباس اور ان کے خاندان کو مسلمانوں کی سیاسی امامت کا حقدار ثابت کرنا چاہا تھا کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصبہ (چچا) وہی تھے اسی لئے وہی حقیقی وارث تھے لیکن اسی کے مقابلہ میں شروع ہی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا جن کا خیال بقول المسعودی یہ تھا کہ "سیاسی امامت یہ خود امامت کے اختیار کی چیز ہے یعنی مسلمانوں کی رائے کے حوالہ اس مسئلہ کو کر دیا گیا ہے اس لئے قرآن میں کسی شخص یا خاندان کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ مسلمان جس کا چاہیں انتخاب کر سکتے ہیں صرف اس میں امامت کے صفات ہونے چاہئیں ۱۶۵ ہجری کا مکمل لیکن جس زمانہ کا یہ قصہ ہے اس میں ارباب اغراض نے پہلے خیال ہی کو زیادہ تر پھیلا دینے کی کوشش کی "تشیع" سے اس وقت میری مقصود ہے

عوام جو ایک زمانہ سے موروثی بادشاہوں کی عادی تھے اس قدیم ذہنیت کے لئے اسی کا ماننا زیادہ آسان تھا یہ تو اسلام کے بعد تدریج دنیا اس نقطہ پر پہنچی ہے کہ حکمرانوں کا انتخاب ان ہی لوگوں کا حق ہے جن پر حکومت کی جاتی ہے دنیا کا (یقیناً برصغیر میں)



ظہر الدعوة بخراسان و قباہ کبلا لامر اس نے عباسی دعوت کا اعلان شروع کیا اور اس ہم پر وہ کھڑا ہوا  
بہر حال ابراہیم مرو سے روانہ ہوئے کو فہ پہنچے آگے قصبہ حسن شکل میں پیش آیا ہے عبدالقدیر  
المبارک نے خود امام ابو حنیفہ سے اس کو سنا ہے اور ابو بکر جصاص نے القریشی صاحب طبقات حنیفیہ وغیرہ  
سب ہی نے اس قصے کو نقل کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب ابو مسلم اور ابراہیم صالح میں اختلاف پیدا ہوا تو جہاں تک معلوم ہوتا ہے  
ابراہیم مرو سے روانہ ہو کر سید سے امام ابو حنیفہ کے پاس کو فہ پہنچے یا در کہنا چاہیے کہ یہ عباسیوں  
کی خلافت کا ابتدائی عہد ہے بغداد کا نقشہ زمین پر کیا ابھی دماغوں میں بھی نہیں آیا ہے کیونکہ اس کی تعمیر تو  
منصور عباسی نے کی اور ہم جس زمانہ کا قصہ لکھ رہے ہیں یہ عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کا زمانہ  
ہے گو سفاح نے اپنی زندگی کے آخر دنوں میں انبار کو پایہ تخت خلافت بنا لیا تھا جو کو فہ سے اگر چہ زیادہ فاصلہ  
پر نہ تھا لیکن خود کو فہ نہ تھا مگر انبار سے پہلے اس نے اپنی قیام گاہ ابن امیرہ کے قصر ہی کو قرار دیا تھا جس کا  
مطلب یہی ہوا کہ خود کو فہ ہی میں رہتا تھا اور جہاں تک سنین کے ملائے اور دوسرے قرآن سے یہ چلتا  
ہے امام کے پاس ابراہیم صالح اسی زمانے میں آئے ہیں جس زمانہ میں عباسی خلیفہ اسی ابن امیرہ کے قصر  
یا قصر ہی کے قریب ہاشمیہ نامی گڑھی میں رہتا تھا۔

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) اسلام سے پہلے اس باب میں کیا حال تھا اسی سے اندازہ کیجئے کہ ابو مسلم کے ماننے والوں کا ایک طبقہ  
راوندیہ کے نام سے مشہور ہے ان کا مذہب یہ تھا کہ خلیفہ وقت ابو جعفر منصور رہیم الذی بطیعمہ و یقیمہ یعنی ان کا  
خدا منصور ہے وہی ان کو کھلاتا پلاتا ہے، آخر منصور ہی کے ہاتھوں اس فرقہ کا قلع قمع ہوا میرے خیال میں چنداں تعجب کی بات  
نہیں ہے اس وقت تک ہندوستان میں بڑی اکثریت اپنے راجوں ہراجوں کو ان دانامہراج کے نام سے یاد کرتی ہے ان  
ہندی میں روزی اور رزق کو کہتے ہیں بخندہ ان ہی الفاظ کا ترجمہ ہے جنہیں راوندیہ منصور کی طرف منسوب کرتے تھے ۱۲  
۱۳ حالانکہ مرو میں ابو مسلم شروع شروع میں بعیت لوگوں سے بنی الفاظ میں لیتا تھا ان کا ترجمہ یہ ہے کہ میں اللہ کی کتاب  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عیت کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کی رضامندی و  
فرمانبرداری کا معاہدہ کرتا ہوں اور اپنے حکمرانوں سے کسی قسم کی تنخواہ یا خوراک کا مطالبہ خود میں کروں گا بلکہ وہی جو کچھ  
مناسب سمجھ کر دیں گے اس پر راضی رہوں گا بعیت میں یہ شرط بھی لگا رہتا کہ اس عہد کو اللہ کا عہد سمجھتا ہوں نیز میری بیویوں  
کو طلاق اور بیگہ غلام آزاد ہو جائیں اگر عہد شکنی کروں اور کبھی تک پیادہ پا چل کر تاج پر لازم ہوگا ص ۲۲۲ کال ۵  
لیکن قابو پانے کے ساتھ ہی اس نے عباسی دعوت یہ کہتے ہوئے شروع کی کہ وہ بھی اہل بیت ہی سے ہیں ۱۴  
۱۵ مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ کو ختم کر کے جب عباسیوں نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو قدیم باہر تخت یعنی دمشق  
میں رہنا مصلحت کے خلاف سمجھا گیا اور عراق کو مختلف وجوہ سے ترجیح دی گئی کو فہ میں ابن امیرہ جس کا بار بار ذکر گذر  
چکا ہے ایک مستحکم اور خوب صورت محل اس کا بنا ہوا تھا اسی میں سفاح نے قیام اختیار کیا اور جلد جلد بہت سے مکانات  
کا اس کے ساتھ اضافہ کر کے شامی آبادی کا نام ہاشمیہ رکھا گیا لیکن لوگوں کی زبان پر قصر ابن امیرہ بدلتوں (بقیہ صفحہ آئندہ)



بہر حال ابراہیم امام کے سامنے پہنچتے ہیں جہاں تک معلوم ہوتا ہے سارا قصہ ابتداء سے  
 انتہا تک امام کے سامنے دہرا ہے اور اس خطے کو ابو مسلم اسلام کے سامنے لارہا تھا۔ اس سے آگاہ  
 کرتے ہیں امام کا بیان ہے کہ اس کے بعد اس شخص نے مجھ سے اس مسئلہ پر بحث کرنی شروع کی کہ جو کچھ مورخ  
 نے کیا اس کا مقابلہ مسلمانوں کا فرض نہیں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں اس مسئلہ پر دیر تک  
 بحث ہوتی رہی کیونکہ آخر میں امام کے الفاظ ہیں کہ

الحی ان اتفقنا علیٰ اشد فرضیضۃ ہم دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ (مقابلہ کے لئے)  
 من اللہ تعالیٰ ص کھڑا ہونا، خدا کی طرف سے فرض ہے

کلام کا یہ طرز تبار ہے کہ رو و قدح کا کوئی طویل سلسلہ اس کے پیچھے چھپا ہوا ہے امام  
 فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کو طے کر لینے کے بعد میں نے دیکھا کہ ابراہیم اپنا راتھ بڑھائے ہوئے ہیں اور  
 کہہ رہے ہیں کہ

مدد یدک حتیٰ ابایعک ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں بیعت کروں

یہ مرید ہونے کی بیعت نہیں تھی بلکہ اس وقت کرہ زمین کی کھٹے یا کم از کم اس علاقے میں  
 سے بڑی تہربانی طاقت جس کی حکومت بن چکی تھی ابراہیم اسی طاقت سے ٹکرانے کے لئے امام ابو حنیفہ  
 کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ جب یہ طے ہو چکا کہ خدا کی طرف سے فرض عائد  
 ہو چکا ہے تو اب اٹھے اور خدا کے فرض کو پورا کیجئے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سارا معاملہ کوفہ میں ہو رہا تھا  
 اسی کوفہ میں جس کا ہاشمیہ گویا ایک محلہ تھا اور نئی نئی قائم ہونے والی حکومت کے خلیفہ کارند سے مرگھر  
 میں آنکھیں پھاڑے پھاڑے دیکھ رہے ہیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ زید شہد کے ایام خروج  
 ہی میں سیاسی دلچسپی اور رجحانات کے معاملہ میں کافی بدنام ہو چکے تھے۔ اور نئی قائم ہونے والی حکومت  
 کے متعلق گواہی کے رویہ کا ابھی لوگوں کو تہ نہیں چلا تھا بلکہ سفاح کی تقریر کے بعد امام نے جو الفاظ اعلیٰ  
 کوفہ کی طرف سے فرمائے تھے جن کا ذکر گزر چکا ہے ان کی بنیاد پر ہی حسن ثلثن قائم کیا جاسکتا کہ موجودہ حکومت  
 سے مطمئن میں اور یوں ہی جہاں تک قیاس کا اقتضا ہے بعد گواہی میں طرز عمل کو ہی حکومت عباسیہ کے مقابلہ میں اختیار کیا ہو لیکن اس زمانہ میں ابراہیم

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) پر طحا ہوا تھا لاکھ کوشش کی گئی کہ "ہاشمیہ" کا نام اس کی جگہ چلے مگر جلائیہ ابن ہبیرہ کے قصر کو  
 چھوڑ کر اس کے سامنے کی زمین میں ایک جدید آبادی قائم کی گئی جس میں اپنے لاؤ لشرک کے ساتھ خلیفہ نے بھی اپنا محل تعمیر کیا  
 اور اب اس جدید آبادی کا نام "ہاشمیہ" رکھا گیا۔ تاہم سفاح اسی میں رہا لیکن پھر مناسب معلوم ہوا کہ کوفہ سے ہٹ کر  
 انبار نامی مقامی جو فرات کے ساحل پر تھا اور ایرانی سلاطین کا غلہ خانہ یا انبار خانہ تھا اسی شہر میں پایہ تختہ خلافت کو سفاح  
 نے منتقل کر کے بڑی بڑی عمارتیں اس نے اپنے زمانے میں خود بنوائیں اسی میں اس کا چھپرے انتقال ہوا۔ اس کے بعد منصور  
 جب گدی پر بیٹھا تو کچھ دن وہ بھی انبار ہی کی تعمیر و تجدید میں مصروف رہا۔ لیکن حالات نے اس کو بالکل جدید شہر کی تعمیر  
 پر مجبور کیا لہذا جہاں آبادی آئی زمین کا انتخاب کیا گیا اور مدینہ السلام کے نام سے منصور نے دنیا کے اس شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام عالم  
 کے عاصم میں شاید سے زیادہ دلچسپ ہزار ہا ہزار روایات کا سرچشمہ ہے دس ہزار مزدور بنیاد کی تعمیر میں کام کرتے تھے اور انھیں بطور



کے مقابلہ میں موجودہ حکومت اس ہم کے لئے آمادہ کرنا چاہا جو عباسیوں کی حکومت کا ابتدائی دور تھا اس زمانے میں وہ فرصت کے اوقات کو غنیمت شمار کر کے ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے بہ ظاہر ان کی نیت یہ تھی کہ پہلے وضع قوانین کے مسئلہ سے فراغت حاصل کر لی جائے دل میں ان کے کون کون سے ارادے تھے اس کا پتہ تو بعد کو چلا لیکن مہر دست ہر چیز سے الگ ہو کر معصومانہ ماحول میں ایک ایسے پرامن شہر کی زندگی گزار رہے تھے جو ایک طرف تجارتی کاروبار اور دوسری طرف حلقہ بنا کر طلبہ کو فقہ کی تعلیم دینے میں مصروف نظر آ رہا ہو۔

لیکن ابراہیم الصالح کے حسن ظن اور اپنی روشی طبع نے اچانک ان کو ایک عجب محضے میں مبتلا کر دیا امام پر جو حال ابراہیم کے ہاتھ بڑھانے کے بعد طاری ہوا۔ خود اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا کرتے تھے کہ

فاظلمت الدنيا ببني و بينه  
میرے اور ابراہیم کے سامنے دنیا گویا تاریک ہو گئی۔

کیا جان کے خوف سے امام کی یہ حالت ہوئی؟ میں اس کا خود کیا جواب دیکھتا ہوں جس نے حق ٹروی اور راستبازی ہی کی راہ میں جان دی اسی کے متعلق یہ خیال ظاہر ہے کہ منطقی تناقض ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور جیسا کہ آئندہ امام کے بیان سے معلوم بھی ہوتا ہے کہ اچانک سخت کش مکش کی حالت میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ان پر یہ حالت طاری ہوئی ایک طرف ابراہیم کی صداقت و اخلاص ان کے دلائل کی قوت ضرورت کی شدت کا تقاضا یہ تھا کہ ابراہیم کی درخواست کو بغیر روکد کے فوراً قبول کر لیں اور سب اہل مال میں تھے کھڑے ہو جائیں لیکن اس کا انجام بھی سامنے تھا۔ اس انجام کو دیکھ کر امام خیال کرتے ہوں گے کہ جو پروگرام میں نے بنایا ہے وہ خاک میں مل جائے گا۔ کامیابی نہ اس راہ سے ہوگی اور جو راہ میں نے سوچی ہے وہ بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی دل کی حالت کا جاننے والا تو علام الغیوب علیم بذات الصدور ہی ہے لیکن بہ ظاہر میری سمجھ میں بھی بات آئی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فوری حال تھا جس میں اچانک وہ مبتلا ہو گئے تھے تاہم اپنے آپ کو امام نے سمجھالا اور سنجیدگی کے ساتھ ابراہیم کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ آخر میں تمہاری بیعت کس کو معلوم ہوتا ہے ابراہیم نے پھر کوئی طویل تقریر کی خلاصہ اس کا امام نے اپنے الفاظ میں یہ بیان کیا ہے کہ

و عالی الحق من حقوق الله  
اللہ کے حقوق میں سے ایک حق کی طرف ابراہیم نے

پھر مجھے دعوت دی

جب امام نے ابراہیم کو سمجھانا شروع کیا اس تقریر کے بعض اجزاء کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے اس وقت پوری تقریر نقل کی جاتی ہے امام نے فرمایا کہ

میں نے بیعت لینے سے انکار کیا اور کہا کہ اس حق کو ادا کرنے کے لئے ایک دو آدمی اگر کھڑے

ہوں گے تو قتل کر دے جائیں گے اور مخلوق خدا کے لئے کام کی کوئی بات انجام نہ دے سکیں گے

اس کے بعد اس قسم کی ہم کے لئے جس تنظیمی و اجتماعی قوت کی قدرتی ضرورت ہے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

ولكن ان كان وجد عليه اعوانا  
صالحين ورجل يرتس عليه مامونا  
على دين الله ص

البتہ اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ اچھے صالح لوگ  
مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا کوئی سردہر ایسا آدمی  
ہو جس کے دین پر پھروسہ کیا جاسکتا ہو

یعنی تین چیزوں کی ضرورت امام نے بتائی۔

۱۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ اس قسم کے کام میں افراد کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ اچھے صالح رفقاء  
اور مددگاروں کی ضرورت ہے۔

۲۔ صرف عوام کے غیر منظم گروہ سے بھی کام نہیں چلتا کسی وحدت کے ساتھ کثرت کی شیرازہ بندی  
کے بغیر بھی کامیابی نہیں ہو سکتی ہر شخص دماغ بن جائے یا انجن بن جائے اور اپنی اپنی راستے پر اصرار کرنے  
لیے تو خواہ کتنا ہی بڑا اجتماع ہو کثرتوں کے ایک پراگندہ مجموعہ سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہ ہوگی  
ضرورت ہے کہ دماغ کے ساتھ دوسرے لوگ ہاتھ پاؤں بنیں یا کسی کو انجن بنا کر لوگ اپنے آپ کو  
گاڑی بنا کر اس انجن کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑ دیں

۳۔ ایمانی اور دینی حالت اس کی درست ہو یعنی دین میں منافق یا کمزور نہ ہو راستہ باز اور پختہ ہو  
جس کا حاصل یہی ہو کہ باطل کا مٹانا اور حق کو آگے بڑھانا یا لامر بالمعروف نہی عن المنکر اگرچہ  
ہر مسلمان کا قرآنی فریضہ ہے لیکن تمام فریضے قرآنی کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ آخر نماز بھی فرض ہے  
اور حج بھی لیکن حج کے لئے استطاعت سبیل کی شرط ہے جو نماز کے لئے نہیں ہے امام ہی کے الفاظ ہیں کہ  
بعد یہ بھی ہیں کہ

هذه فريضة ليست كالفرق يقود  
لها الرجل وحده ص

بلاشبہ یہ بھی فرض ہے لیکن ایسا فرض نہیں ہے جس کیلئے  
تنہا ایک آدمی کھڑا ہو جائے۔

پھر ایک خاص شعبہ کا جیسا کہ میرا خیال ہے امام نے جواب دیا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت انبیا علیہم السلام  
کو تو دیکھا گیا ہے کہ باطل کے مقابلہ میں وہ تنہا کھڑے ہو گئے امام کی فہمائش کے یہہ الفاظ

هذا الامر الاصل لو اهدما اطاقته الانبياء  
حتى عقدت عليه من السماء ص

تنہا کسی آدمی کے بس کی بات نہیں ہے پیغمبروں کے لئے یہ صورت  
حال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جب آسمان پر ان کیلئے عہد باندھا گیا

امام صاحب کا یہ ظاہر مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ الوالعزم پیغمبروں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے  
آپ کو باطل کے مقابلے میں تنہا یا کر اس خطرے کو انہوں نے پیش کیا ہے جس کا اندیشہ ہر حال ایسی صورت  
میں کیا جاتا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے مقابلہ میں بھیجا جا رہا تھا حالانکہ بھیجنے والا قادر مطلق تھا  
پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بشری احساس کا اظہار بار بار گاہ رب العزت میں بایں الفاظ فرمایا کہ  
ربنا اننا نحاف ان يضط علينا  
موسیٰ اور ہارون نے کہا کہ پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون

ادلطفی (ط)

ہم پر زیادتی کرے اور مکرشی سے کام لے

جب حق تعالیٰ کی طرف سے بایں الفاظ کہ



قال لا تخافا اننى معكما اسمح  
تم دونوں کسی قسم کا اٹلیٹہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں  
واری سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں

امام کے الفاظ کہ پیغمبروں کے لئے یہی بہ صورت حال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جب آسمان پر ان کے لئے عہد باندھا گیا اس میں میرے نزدیک یہ یا اسی قسم سے دوسرے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے  
امام صاحب کی غرض یہ ہے کہ پیغمبروں کو تو خیر اس کا موقعہ ہی تھا لیکن ایک عامی آدمی جس کے پاس اس قسم کا کوئی آسمانی وثیقہ نہیں ہے۔ کیسے ایسے کام کی جرأت کر سکتا ہے اسی کے ساتھ امام نے ابراہیم کے سامنے وہ باتیں بھی دہرائیں جن کا ذکر امام کے سیاسی مسلک کی ترویج کرتے ہوئے میں پہلے کر چکا ہوں یعنی بغیر تنظیمی قوت کے فراہمی کے اس قسم کے خطرات میں پل پڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بڑا قیمتی سرمایہ (جان عزیز) مفت کسی قیمت کے بغیر ضائع ہو جاتی ہے جب اتنی بڑی قربانی پر آدمی آمادہ ہی ہو گیا ہے تو کچھ قیمت حاصل کر کے مرنا یہ زیادہ مفید ہے عربی کے الفاظ یہ ہیں کہ

وهذا متى اهر به الرجل وحده لا  
اشاط بدمه ص  
اور جب تنہا کوئی آدمی اس کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا تو بے قیمت اپنے خون کو رائیگاں کرے گا۔

اشاط بدمه عربی زبان کا محاورہ ہے منہی الارب میں ہے شاط دمہ درایگاں رفت  
خون اور اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

وعرض نفسه للقتل  
اور اپنے آپ کو خود قتل کے لئے پیش کرتا ہے  
جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے مواقع میں قتل ہو جانے کی وجہ سے گو آدمی خود کشی کا مجرم تو نہیں قرار دیا جاتا ہے بلکہ ہمارے حنفی فقہار کا فتویٰ ہے کہ باطل کے مقابلہ میں تنہائی اور ضعف کی وجہ سے اگر باطل والوں کے مظالم کے سامنے کی صلاحیت ہو اور اپنے دل پر اعتماد ہو کہ جو تکلیفیں اس راہ میں پہنچیں گی ان کی شکایت لوگوں سے کرنا نہ پڑے گی تو ایسی صورت میں مقابلہ کے میدان میں اترنا اور ظالموں کو ان کے ظلم پر ٹوٹنا صرف یہی نہیں کہ جائز ہے بلکہ "ھو مجاہد" سمجھا جائے گا کہ اس نے جہاد کے فریضہ کو ادا کیا ظالم یا شاہ کے سامنے حق بولنا سب سے بڑا جہاد ہے اس حدیث سے جو ترمذی ابو داؤد وغیرہ میں ہے فقہار حنفیہ نے استدلال کیا ہے۔ بلکہ دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ان ہی ابراہیم الصالح کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کی طرف ایک روایت فقہ و حدیث کی کتابوں میں منسوب کی گئی ہے میں نے شاید پہلے ہی اس کو نقل کیا ہے حال میں کا یہی ہے کہ ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس حدیث کو قرار دیتے تھے کہ ظالم حکمران کے سامنے معروف کے امر اور منکر کی نہی کے لئے جو کھڑا ہوا وہ اور حمزہ بن عبد المطلب یہ دونوں شہداء کے سردار ہیں یہ ظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اس ہم میں جو قتل کر دیا جائے گا اس کو شہادت کا وہی مقام حاصل ہوگا جو سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی گفتگو کے موقع پر ابراہیم الصالح نے امام کے سامنے یہ روایت جو عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے انہوں نے سنی تھی پیش کی تھی بہر حال اخروی النعام و اکرام یہ دوسری بات

ہے سورہ یسین میں اس شخص کا جو ذکر ہے جو رسولوں کے پاس شہر کے کنارے (یعنی اقصی المدینہ) سے آیا تھا مفسرین جس کا نام حبیب بخاری بتاتے ہیں ان کے قصے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے قرآن میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے

یا لیت قومی یحلون بما غفرت  
ربی وجعلنی من المکرمین

کاش! میری قوم جانتی کہ خدا نے مجھے بخش دیا اور  
عزت والوں میں مجھے شریک فرما دیا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ بیچارے حبیب بخاری بھی پیغمبر نہ تھے۔ بلکہ ابھی تازہ ایمان لانے والوں میں تھے فرعون نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں جن جادو گروں کو پیش کیا تھا اور حضرت موسیٰ کے معجزے کو دیکھ کر ایمان لے آئے تھے۔ ان کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ قتل پر آمادہ ہو گئے اور ان کی یہ آمادگی قرآن میں عمل ستائش قرار پائی۔

پس بات وہی ہے جو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جہاد کے اسلامی قانون کی بنیاد صرف افادہ سے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ افادے کے ساتھ ابتلاء پر بھی مشتمل ہے ایسی صورتوں میں اپنے آپ کو قتل کر دینے سے فائدہ تو کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن سے جان دی ہوئی اسی کی تھی جو حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا کے نصب العین کی تکمیل کر کے جان دینے والا اخلاص و صداقت کی امتحان گاہ میں یقیناً کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

لیکن امام کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جب جان ہی دینے کی پڑی تو اس کے معاوضہ میں بڑی سی بڑی جس قیمت کا حصول ممکن ہو اس کو حاصل کر کے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ پہونچایا جاسکتا ہے اس کو خواہ مخواہ قتل ہو کر ضائع نہ کرنا چاہیے ابن المبارک سے روایت کے نقل کرنے والوں میں سے بعضوں نے امام کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ خلافت آدم کے قرآنی قصے میں ملائکہ نے انسان پر اعتراض کرتے ہوئے خدا سے جو یہ کہا تھا کہ ”آپ زمین میں کیا اس مخلوق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس میں فساد پرا کریں گے اور خون بھائیں گے“ امام نے ابراہیم کو یہ قرآنی آیت یاد دلائی اگر واقعی امام ابو حنیفہ نے یہ آیت ہی آخر میں تلاوت کی تھی تو یہ ظاہر ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب قتل ہو جائے اور نہ ہو جا سکے دونوں کا شرعاً اختیار دیا گیا ہے تو مذکورہ بالا آیت کی رو سے ہی قتل کے پہلو کو بلاوجہ اختیار کر لینا مناسب نہیں ہے اور گو قریشی کے طبقات میں یہ اضافہ نہیں ہے لیکن علامہ ابو بکر الجصاص نے اپنی تفسیر میں امام کے بیان کو جن الفاظ میں درج کیا ہے ان میں آخری فقرہ یہ ہے ”یہ ہے میں نے پہلے ہی اس کا ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ“

اپنے آپ کو جبارہ سے ملکر قتل کر دینے میں ایک اور مصلحت ہی مانع ہے وہ یہ کہ اس قتل

کے بعد مذبحہ ہے کہ دوسروں کے حوصلے ہی باطل کے مقابلہ میں لپٹ ہو جائیں گے“

بلاشبہ یہ ایک عام نفسیاتی مسئلہ ہے تڑپتی ہوئی لاش اور بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر فطرۃ انسان غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے گویا فائدہ تو الگ رہا امام نے توجہ دلائی کہ اس جبارت بے جاہیں



ایک نقصان کا پہلو بھی مضمر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابو مسلم کے مقابلہ میں ابراہیم کا ایمانی جوش جس خونی تماشے کے پیش کرنے پر ان کو آمادہ کر رہا تھا امام نے اپنی پوری ذہانت اس ارادے سے ان کو باز رکھنے پر خرچ کی لیکن ابراہیم کچھ طے کر چکے تھے امام کی فہمائش ان کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی اسی روایت میں امام ہی کی زبانی یہ بھی منقول ہے یعنی امام فرماتے تھے کہ

وكان يقاضني ذاك كلما قدم علي  
تقاضني الغريم الملعوم كلما قدم علي تقاضاني  
مجھ سے اس ہم میں شریک ہو جانے کیلئے ابراہیم تقاضا کرتے ایسا سخت تقاضا جیسے کوئی فرض خواہ اضرار و تشدد کیساتھ فرضدار سے تقاضا کرتا ہو جب کبھی ابراہیم میرے پاس آتے اسی کا تقاضا کرتے

صاحب طبقات اور علامہ جصاص دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ کو درج کیا ہے ان ہی الفاظ کو دیکھ کر میں تو اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ امام ابو حنیفہ اور ابراہیم الصالح کے درمیان یہ قصہ ایک ہی دفعہ پیش نہیں آیا ہے بلکہ یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے سمجھانے، بھانسنے سے وقتی طور پر ابراہیم کا خیال شاید کچھ بدل جاتا تھا۔ لیکن مروی ہو چکا کہ ابو مسلم کے حرکات پر ان کی نظر جب پڑتی تھی تو پھر آپ سے باہر ہو جاتے ایمانی جوش ان کو پھر اوائے فرض پر آمادہ کر دیتا تھا مروی ہے پھر مشورہ کرنے اور اپنا ہم نوا بنانے کیلئے وہ امام ابو حنیفہ کے پاس آتے تھے چونکہ ابو مسلم نے اپنے کاروبار کا آغاز خراسان میں ۱۲۹ھ رمضان سے شروع کیا تھا کچھ دن تو مخالف قوتوں کو زیر کرنے میں خرچ ہوئے لیکن مادہ لیکھا ہوا تھا نصر بن سیاح جو نبی امیہ کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا شکست کھا کر شہر بشہر مارا پھرتا تھا آخر سے ہو چکا کہ بے چارا مارا گیا اور سارے خراسان کا حاکم مطلق ابو مسلم بن گیا نصر بن سیاح کا انتقال ۱۳۱ھ میں ہوا۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ ابو مسلم بس اسی سال سے سارے خراسان کا حاکم کیا بلکہ بادشاہ بن گیا تھا اور اپنے ان ہی اختیارات کے ساتھ پورے خراسان پر ۱۳۶ھ تک حکمران رہا ۱۳۷ھ میں عباسی خلیفہ اول السفاح کی دعوت پر بڑی مشکلوں سے وہ عراق گیا چھ سائے چھ سال کے بعد واپس ہوا اس عرصے میں گوسمرقت بخازارے اور خراسان کے دوسرے شہروں کا بھی دورہ کرتا رہتا تھا لیکن مستقر اس نے مروی کو قرار دیا تھا جہاں پہلے بھی نبی امیہ کے گورنر رہتے تھے یہی وجہ ہے جو ابراہیم الصالح کو اس کے ظاہری اور باطنی کارروائیوں سے واقف ہو سکا

۱۳۷ھ میں کہ ابو جعفر منصور جس کے ہاتھ سے وہ قتل ہوا ایک دفعہ السفاح کو بھی ابو مسلم کے قتل پر آمادہ کرتے ہوئے السفاح سے کہا تھا کہ ان کامیابیوں میں ابو مسلم کا کوئی کمال نہیں ہے منصور نے کہا کہ ولعنتم ستورا مقام مقامہ دطبری ج ۹ ص ۵۳ یعنی آپ کی بیٹی کو ہی اس موقع پر خراسان بھیج دیتے تو جو کام ابو مسلم نے کیا وہی کام آپ کا بھیجا ہوا بلاشبہ انجام دے لیتا تھا کچھ ہی ہو ابو مسلم کی کامیابیاں خراسان میں غیر معمولی تھیں اپنی گورنری اور حکمرانی کے اس چھ سال میں دور دور کے سرحدی علاقے سے بھی اس کا مقابلہ ہوا حتیٰ کہ چین والوں سے بھی اس کی فوج بڑی کامل میں ہے کہ چینی ظروف جن پر سونا پڑھا ہوا تھا اور چین کے ریشمی تھان فتوحات میں ابو مسلم کے پاس جب پہنچے تو بڑا مسرور ہوا سفاح ج ۵



اور بہت قریب سے موقعہ ملتا رہا اور وہی چیز جس کا احساس بود کو خود عباسی خلفاء (السفاح اور منصور) کو ہوا ابراہیم کی آنکھیں براہ راست اس کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابراہیم امام کے پاس اس مسئلہ کو سہ کر گئی وقتہ اسے لیکن جتنے دفعہ بھی آئے ہوں ان کے بار بار پلٹ کر آنے سے یقیناً اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امام کی طرف سے ایک دفعہ جواب پالینے کے بعد بھی ابراہیم ان سے مایوس جو نہیں ہوتے تھے اس کی وجہ وہی تھی کہ اختلاف دونوں میں جو کچھ تھا وہ صرف طریقہ کار میں تھا اور باطل کے مقابلہ میں فرض کے احساس کی آگ دونوں میں برابر لگی ہوئی تھی موجود حکومت سے بیزار اور مکمل طور پر کٹ گئے تھے۔

مقابلہ کی کوشش میں دونوں کا سیاسی مذاق ایک ہی تھا مذاق اور طبیعت کی یہی وجہ ابراہیم کو بار بار مایوس ہو جانے کے بعد بھی ان میں اس کی امید پیدا کرتی تھی کہ شاید اب ہمیں تو تب امام ابو حنیفہ میری ہم نوائی اور پشت پناہی پر آمادہ ہو جائے جیسے کسی پر قرض باقی ہو اور قرض خواہ اس سے تقاضا کرتا ہے اسی طرح بقول امام ابو حنیفہ ابراہیم کا امام سے تقاضا کرنا یہ بھی اس اعتماد کی دلیل ہے جو نفس مسئلہ کی حد تک ابراہیم کو امام پر رکھتے تھے۔

کچھ بھی ہو اندر دونوں کا سچ پوچھئے تو ایک ہی تھا البتہ بے چارے ابراہیم میں صرف ایمانی جوش تھا اس جوش کو عقل اور تدبیر کی راہ نمائی میں استعمال کرنے سے وہ معذور تھے لیکن امام چاہتے تھے کہ ایمان کی اس حرارت سے اگر کسی چیز کے تیار کر لینے کا امکان ہو خواہ وہ کوئی معمولی ہنڈیا ہی کیوں

۱۔ مطلب یہ ہے کہ دشمنوں اور مخالف قوموں سے خراسان کو خالی کرنے کے بعد ابوسلمہ کو مسلمانوں پر منظم توڑنے کا کھلا میدان مل گیا۔ کے شہزادوں پر الزام لگا کر کہ یہ سب کے سب سفیانی یعنی بنی امیہ کے شیعہ ہیں قتل کیا حتیٰ کہ جو بے چارے حج کیلئے گئے ہوئے تھے۔ ان ملک کی جائداد اراضی اور اموال کے ضبط کر لینے کا حکم دیا جب کہ سے لوٹ کر حاجیوں کا یہ قافلہ کو قہ پہنچا تب ان کو اس عام ضبطی کا حال معلوم ہوا بے چارے کو قہ ہی میں ٹہر گئے یہ ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے السفاح کے پاس ابوسلمہ کے اس ظلم کی وادری چاہی لکھا ہے کہ سفاح کو ان حاجیوں پر رحم آگیا اور ابوسلمہ کے نام نرمان بھیجا کہ حاجیوں کے مال سے ضبطی اٹھائی جائے لیکن اس پر ہی اس نے سفاح کو لکھا بھیجا کہ یہ لوگ قابل رعایت نہیں ہیں مگر سفاح نے جب دوبارہ اصرار کے ساتھ وہی حکم دیا تو قہ اجبراً اس کی تعمیل کا کمال ابن اشیر نے لکھا سفاح کے فرار میں کا مشورہ اڑاتا تھا اٹھا کر پھینکا دیتا تھا آخر عباسی چوٹ کے خود السفاح نے ۱۳۲ھ میں خراسان کے ایک فوجی جنرل زیاد بن صالح کو یہ راز لکھا کہ جس طرح ممکن ہو ابوسلمہ کو قتل کر دو لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی کے بعد السفاح نے اس کو اپنے پاس بلایا ابوسلمہ نے السفاح کو لکھا کہ حج کی اجازت ہو تو حاضر ہو سکتا ہوں اس کا ارادہ تھا کہ فوج کے ساتھ عرب روانہ ہو۔ در خراسان کے فتوحات سے جو دولت جمع کی تھی عربوں میں تقسیم کرے، ان کو اس ذریعے سے ہم نو اٹھایا جائے السفاح نے اس کی بددستی کا اندازہ کر لیا اپنے بھائی منصور کو جو بعد کو خلیفہ ہوا اور اس وقت موصل کا گورنر تھا خط لکھا کہ ابوسلمہ کے پیو بچنے سے پہلے تم حج کا اعلان کر دو تاکہ امیر الحاج بننے کا موقعہ ابوسلمہ کیلئے باقی رہے۔ بہر حال یہی ہوا جس کا ابوسلمہ کو آخر وقت تک صدمہ تھا السفاح نے فوج کو ساتھ لاسنے کی بھی ممانعت کر دی کہتے ہیں کہ ابوسلمہ کو جب معلوم ہوا کہ منصور نے بھی حج کا اعلان کیا ہے تو بار بار کہتا تھا کہ اس سال کے سوا اور کوئی سال حج کیلئے منصور کو نہیں ملتا تھا لاکھوں لاکھ روپیہ کی داد و پیش عربوں کے ساتھ اس نے کی اور سہا حج سے وہی کے درمیان ہی میں السفاح کی وفات کی وجہ سے منصور خلیفہ ہو گیا جس نے ابوسلمہ کا خاتمہ کیا۔



نہ ہو تو اس موقعہ کو کیوں کھویا جائے اسی بیان کی بعض روایتوں میں ہے کہ امام نے ابراہیم کو سمجھانے  
 بچانے کے بعد آخر میں اپنے مسلک کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ  
 ولکنہ لیستظہر لخصاص ص ۱۳۰

لیکن چاہیے کہ انتظار کیا جائے۔  
 جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی آئندہ طرز عمل سے یہ چلتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی  
 کسی باضابطہ اجتماعی تنظیم میں شریک ہو کر مقابلہ کا موقعہ اگر مل گیا تو میں اس میں شریک ہو کر فرض سے سبکدوشی  
 حاصل کروں گا ورنہ انتظار کی ان گھڑیوں میں جس حد تک حق کو آگے بڑھانے اور باطل کو پیچھے ہٹانے  
 کے امکانات ملتے چلے جائیں گے ان امکانات سے نفع اٹھانے کی کوشش کرنے میں زندگی کے اوقات  
 گزاروں گا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ امام کے سامنے دونوں صورتیں امیں جس کی تفصیل ابھی آپ  
 کے سامنے آئے گی۔

لیکن اس سے پہلے بے چارے ابراہیم الصالح کا جو انجام ہوا ہے اسے ہی سن لینا چاہیے اس  
 سلسلے میں ایک روایت تو وہ ہے جو امام ابو حنیفہ کے حوالہ سے کتابوں میں درج کی گئی ہے اور دوسرے  
 اجزاء طبقات ابن سنی کی روایتوں میں ملتے ہیں ساری روایتوں کو ملانے کے بعد واقعہ کی جو ترتیب پیر  
 و مانع میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بالآخر بار بار عرض کرنے کے بعد جب امام رحمۃ اللہ علیہ سے ابراہیم  
 کو مایوسی ہو گئی تو آخری فیصلہ کر کے وہ کو فہ سے مرو روانہ ہوئے اور ابوسلم جو مرو کی آخری اقتدار  
 طاقت کے تامل ہیں وہاں حکمرانی کر رہا تھا ذرا ذرا سی بات پر گردنیں اڑوا رہا تھا ابھی کچھ دیر پہلے  
 کہیں میں نے نقل کیا ہے کہ سیاہ لباس کیوں اختیار کیا گیا ہے؟ صرف اس سوال پر پوچھنے والے  
 کی گردن اڑادی گئی خود ہی سوچنا چاہیے کہ صبراً یعنی فوجی مقابلے میں نہیں بلکہ سامنے کھڑا کر کے  
 اس کے حکم اور ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد با اتفاق مورخین چھ لاکھ تک بتائی گئی ہے ایسے شخص کی  
 جباریت اور قہرمانیت کا کیا حال ہوگا لیکن ایسا یقین کے نشہ میں مست احساس فرض کے جذبہ سے  
 بے چین ابراہیم اپنے طے شدہ ارادے کے ساتھ مرو آکر سیدھے اس کے دربار میں پہنچے ہیں جیسا کہ معلوم  
 ہو چکا ابوسلم اور ابراہیم میں دیرینہ تعلقات تھے ان کے علم و فضل و دیانت و تقویٰ سے خوب واقف  
 تھا اس لئے ابوسلم کے دربار میں ان کا آنا کسی اجنبی و یوانے قبضی آدمی کا اتنا نہ تھا لیکن خلاف معمول  
 پوچھنے کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے ابوسلم کے سامنے ایک تقریر کی افسوس ہے کہ بیان  
 کرنے والوں نے تقریر کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں ابن سعد نے صرف اتنا لکھا ہے

ان ابراہیم الصالح اتی ابا مسلم فوقفہ ابراہیم صالح ابوسلم کے پاس آئے اور اس کو نصیحت

کرنا شروع، قسم دوم کرنے لگا  
 چاہیے تو یہی تھا کہ اسی تقریر کے بعد جس انجام کو سوچ کر انہوں نے تقریر کی تھی وہ سامنے  
 آجاتی یعنی قتل ہو جاتے لیکن ابراہیم کوئی معمولی آدمی نہ تھے ان کے دین و تقویٰ کا سارے خراسان بلکہ اس  
 زمانے کے عام اسلامی ممالک پر اثر تھا لکھا ہے کہ تقریر کو ابوسلم نے بڑے ضبط و سکون کے ساتھ سنا اور



بجائے اپنے اظہار غیظ و غضب کے اس نے ان سے صرف یہ کہا کہ

”آپ کی رائے مجھے معلوم ہوگئی اچھا تو اپنے مکان تشریف لے جائیے“ ابن سعد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ وہ واپس ہو گئے لیکن جیسا کہ امام ابوحنیفہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے وقفہ کے بعد پھر پوچھے اور اس دفعہ کلمہ بکلامہ غلیظہ ذرا تیز و تند لہجہ میں اہل اسلام کو اپنے خطاب کیا اس دفعہ بھی قتل کا حکم ابو مسلم نہ دے سکا۔ بلکہ صرف گرفتار کر لیا امام ابوحنیفہ کا بیان ہے کہ ابراہیم کی گرفتاری کی خبر جس وقت مروا اور اس کے اطراف میں مشہور ہوئی تو

فاجتمع علیہ فقہاء اہل خراسان خراسان کے علماء اور مشائخ ابو مسلم کے پاس جمع ہوئے

و عبادہم

بالآخر اہل علم و دین کے اس مجمع کے اصرار پر ابراہیم کو اس نے اس دفعہ بھی چھوڑ دیا لیکن ہٹ کہ لوگوں کے کہنے سننے سے کچھ دن ابراہیم رک گئے مگر لیکن امام ابوحنیفہ ہی کا بیان ہے کہ پھر پوچھے اور تند و تیز لہجہ میں اس کے حرکات پر متنبہ کرنا شروع کیا واللہ اعلم کیا صورت پیش آئی کہ اس دفعہ ہی ابو مسلم نے صرف ڈانٹ ڈپٹ جھڑکیوں سے کام لیتے ہوئے ان کو چھوڑ دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے حملے کے بعد ابو مسلم کی نیت بدل گئی اور ابراہیم کے متعلق وہ

دوسری فکریں کرنے لگا

ابن سعد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قانونی گرفت میں لا کر ان کے خاتمہ کے لئے اس نے ایک مسودہ تیار کیا گزر چکا کہ اختلاف سے پہلے ابراہیم کے ساتھ محمد بن ثابت العبدی نامی صاحب بھی ابو مسلم کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اب واللہ اعلم ابو مسلم نے ان کو سازش میں شریک کر لیا تھا یا وہ بھی ناواقف ہی تھے بہر حال قصہ یہ ہے ایک آدمی کو ابو مسلم نے تیار کیا کہ خفیہ طور پر تم ان دونوں (یعنی ابراہیم الصالح اور محمد بن ثابت) سے یہ مسئلہ دریافت کرو کہ ابو مسلم کے تنگ کا اگر ارادہ کیا جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے اچانک رورود ہو کر کسی پر قاتلانہ حملہ کرنا اسی کو عربی میں تنگ کہتے ہیں اس زمانے میں بھی سرکاری حکام پر سیاسی دہشت پسندوں کے افراد اس قسم کے قاتلانہ حملے کیا کرتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی اس کا دستور تھا کہتے ہیں کہ اس کی ہدایت کے مطابق ابو مسلم کا گوندرہ دونوں حضرات کے پاس پہنچا اور اسی سوال کو اس نے پیش کیا محمد بن ثابت کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جواب دیا

لا اری ان یفتک بہ لان الایمان قید الفتک ص ۱۰۳

”الایمان“ کے لفظ کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ یہیں کی جمع ہے یعنی قسمی معاہدہ کے بعد جس شخص سے پیمانہ رہنے کا معاہدہ کر لیا گیا ہو اس پر قاتلانہ حملہ کرنا جائز نہ ہوگا یہ محمد بن ثابت نے فتویٰ دیا لیکن دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ بجائے جمع کے اس کو ”ایمان“ یعنی مصدر کا صیغہ قرار دیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ ایمان کا جو دعویٰ کرتا ہو اس کے قتل کی شریعت کیسے اجازت دے سکتی ہے



کچھ بھی ہو محمد بن ثابت نے اس جگہ کو ناجائز قرار دیا۔ لیکن وہی آدمی جب ابراہیم کے پاس آیا اور اسی سوال کو ان پر پیش کیا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ

اری ان یفتک بہ و یقتل  
 لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابو مسلم پر اچانک قاتلانہ حملہ ہی کرنا چاہیے  
 اور اس کو قتل کر دینا چاہیے۔

یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ فتویٰ زبانی لیا گیا آیا تحریری دستخط کے ساتھ ابو مسلم نے اس کو حاصل کیا  
 ابن سعد کا بیان ہے کہ اسی فتوے کو وثیقہ اور سند بنا کر ابو مسلم نے حضرت ابراہیم کے قتل کا حکم نافذ کیا  
 ہو سکتا ہے کہ یہی واقعہ ہوا اور ایمان اگر یمن کی جمع ہے تو ابراہیم کے نزدیک معاہدہ کی پابندی اس لئے  
 ضروری نہ رہی ہوگی کہ جن امور کی پابندی کا اس نے معاہدہ کیا تھا ان کا ارتکاب کر کے معاہدہ کو اس نے  
 توڑ دیا اور ایسی صورت میں مسلمانوں پر بھی معاہدے کی پابندی ضروری نہیں رہتی ہے اور اگر ایمان کا لفظ  
 سمجھا جائے تو ابراہیم پر واضح ہو چکا تھا کہ درپردہ اسلامی حکومت کی اٹٹنے کی فکر میں ہے۔

بہر حال یہ تو جب ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ واقع میں ابراہیم نے یہ فتویٰ دیا تھا لیکن میرا خیال  
 ہے کہ یہ فتویٰ سرے سے جعلی تھا اور صرف ابراہیم کے قتل کے جواز کی قانونی سند حاصل کرنے کے لئے  
 ابو مسلم نے کسی کو آمادہ کر کے ان کی طرف اس فتوے کو منسوب کر دیا اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ  
 امام ابو حنیفہ نے ابراہیم کے قتل کے قصے کو جو بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کی طرف  
 جو فتویٰ منسوب کیا گیا ہے وہ ان کا مسلک نہ تھا امام ابو حنیفہ کا بیان یہ ہے کہ ابراہیم ابو مسلم کے پاس  
 آخری دفعہ جب آئے تو اس نے کہا شروع کیا

”حق تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس وقت سے بڑی چیزیں نزدیک یہ ہے کہ میں تجھ  
 سے جہاد کروں کوئی کام اس وقت اس سے بہتر خدا کو خوش کرنے کے لئے میرے نزدیک  
 باقی نہیں رہا ہے“

اس تمہید کے بعد ان کے آخری الفاظ جو بحسنہ نقل کئے جاتے ہیں یہ تھے کہ

لے خود قرآن کی متعدد آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً وان نکلثوا ایمانہم بعد عہدہم و طعنوا فی  
 دینیکم فقطاتلوا الا لت جس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کرنے کے بعد جب معاہدہ کی پابندی انہوں نے نہ کی  
 تو مسلمانوں! تم پر یہی تکمیل معاہدہ واجب نہ رہا اور ان سے لڑو معاہدے کے بعد قریش نے بنی خزاعہ کے مقابلہ میں نبی بکر کی  
 حقیقت ادا کر کے معاہدے کو چونکہ توڑ دیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر چڑھائی فرمادی علامہ ابو بکر الجصاص  
 مذکورہ بالا آیت کے تحت میں لکھتا ہوں کہ فیہ دلالت علی ان اهل العہد حتی خالفوا شاماً ما عہدوا علیہ  
 و طعنوا فی دیننا فقد نقضوا العہد (یعنی جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوا اگر ان باتوں میں سے جن کی پابندی معاہدے میں  
 لازم کی گئی ہو کسی ایک بات کی پابندی نہ کریں اور ہمارے دین پر طعنہ کریں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاہدہ انہوں نے توڑ دیا  
 جس سے معلوم ہوا کہ معاہدے کے شرائط میں سے ایک شرط کے توڑنے سے معاہدہ ختم ہو جاتا ہے ۱۲

والجاء ذلك بلسان ليس في قوت  
بيدي ولكن يراني الله وانما بالعضد  
فيه (الجصاص والقرشي)

میں قطعاً تجھ سے اپنی زبان سے جہاد کو میں گامیہ سے ہاتھ میں  
(ہاتھ سے فیصلہ) کا اقتدار نہیں ہے مگر میں تو صرف یہہ چاہتا ہوں  
کہ (میرا مالک) مجھے اس حال میں دیکھے کہ محض اسی اللہ کی وجہ سے میں  
تجھ سے نبض رکھتا ہوں (صرف اسی کا ثبوت پیش کرنا مقصود ہے)

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ سے ایسے مواقع پر جہاد اور حملہ کرنا جیسا کہ امام ابو حنیفہ  
کا مذہب ہے یہ عوام کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا کام ہے جو صاحب امر ہوں یہی مسلک ابراہیم کا بھی تھا البتہ  
حرم افادہ اور قتل کے اندیشہ کی وجہ سے امر باللسان (یعنی زبان سے بھی) کہنے کی فرضیت کو ساقط ہو چکی  
تھی لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کے سمجھانے کے باوجود عزیمت ہی پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور حقیقت افادہ  
سے زیادہ اس ایمانی حال کے لحاظ سے جو ان پر طاری تھا ابتلا کے میدان میں کامیابی نے ان کی نگاہوں  
میں زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی وہ اپنے مالک کے قدموں پر اپنی جان نثار کرنا چاہتے تھے اور موت جیسے  
لا اخل عقدے کا حل انہوں نے یہی نکالا تھا کہ خدا کی دشمنی کی تلوار ان کو خدا کے پاس پہنچا دے ان کے  
الفاظ

”میں تو صرف یہہ چاہتا ہوں کہ (میرا مالک) اللہ دیکھے کہ صرف اسی اللہ کی وجہ سے میں  
تجھ سے نبض رکھتا ہوں“

ان ہی الفاظ سے ان کے دل میں جو ازادہ تھا وہ ظاہر ہو رہا ہے پھر کیا ہوا؟ امام ابو حنیفہ کی  
روایت میں تو صرف اسی قدر ہے کہ فقہ تلہ دلس ابو مسلم نے ابراہیم کو قتل کروایا لیکن ابن سعد نے اسی

سے یہ ہدایہ کے متن کا مسئلہ ہے کہ الامر بالمعروف بالیذی الامر باللسان الی غیر ہم ۳۷۲ کتاب العصب جس کا  
مطلب یہی ہے کہ حکومت کا اقتدار جو رکھتے ہیں ان ہی اس حکم کا تعلق ہے کہ بزور لوگوں کو حق پر قائم کرنے اور باطل سے  
ہٹانے کی کوشش کریں لیکن ایک غامی آدمی جو حکومت کے اقتدار سے محروم ہے اس پر صرف زبان سے معروف کا امر اور منکر کی اپنی  
واجب ہے حتیٰ کہ اسی بنیاد پر امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ گانے بجانے کے آلات جو منوعات شرعیہ میں سے ہیں اگر کسی مسلمان کے  
پاس ہوں اور دوسرا مسلمان اس کو غیر شرعی چیز قرار دیتے ہوئے توڑ دلیگا تو اس کو تاوان ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اس نے  
ان حدود میں تصرف کیا ہے جو اس کے فرائض کے دائرہ سے خارج تھے قریب قریب مختلف الفاظ میں مالکی اور شافعی علماء کی  
کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے یعنی مارنے پٹنے پر یا قتل و قتال پر آمادہ ہو جانا یہ عام لوگوں کا کام نہیں ہے دیکھئے احکام القرآن  
ابو بکر بن العربی مالکی اور اجماع العلوم غزالی وغیرہ بہر حال امام ابو حنیفہ کا صحیح مسلک وہی ہے جو جسے صاحبو ایہ نے نقل کیا ہے  
اگرچہ اس قسم کے مواقع میں جہان شدید جہانی اور جانی ضرر وغیرہ کا اندیشہ ہو جہاد باللسان کی فرضیت ہی ساقط ہو جاتی ہے  
اور خاموش رہنے کی ہی اجازت ہے صرف دل سے برا جانا کافی ہے قرآن میں الا ان تتقوا منہ تقاۃ سے جس تعلقہ  
ثبوت ملتا ہے وہ یہی ہے عہد نبوت میں مختلف نظائر ملتے ہیں کہ بعض لوگوں نے تعلقہ سے کام لیا جیسے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
اور بعضوں نے اس موقع پر ہی زبان سے حق کے اظہار پر اصرار کیا تا انیکہ شہید ہو گئے جیسے جنیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیکن (بقیہ صفحہ آئندہ)



واقعہ کو ذرا زیادہ تفصیل سے لکھا ہے یعنی آخری دفعہ یہ سمجھ کر کہ اب کی ابو مسلم مجھے زندہ نہ چھوڑے گا  
تحت خط (یعنی نیت کو جو خوشبو وغیرہ لگائی جاتی ہے) ابراہیم نے اپنے کپڑوں کو ان سے باسا اور تکفن  
رکن کا کپڑا بھی پہن لیا اس کے بعد ابو مسلم کے سامنے اس وقت آئے جب وہ بھرتے دربار میں بیٹھا ہوا  
تھا ابن سعد کے الفاظ اس کے بعد یہ ہیں کہ

توعظه و کلمہ بکلام شدید  
خاص بہ ققتل و طرح فی لبسہم  
ابراہیم نے ابو مسلم کو خطاب کر کے نصیحت و وعظ کہنا شروع کیا اور  
مخت الفاظ استعمال کئے اسی پر ابو مسلم نے حکم دیا بے چارے قتل  
کروئے گئے اور کسی باورٹی میں ان کی لاش پکوا دی گئی۔

اور یوں ہے۔۔ نہ کہیں جوازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔ شاعر کی اس شاعرانہ تمنا کو انہوں نے  
واقعہ بنا کر دکھا دیا فرضی اللہ تعالیٰ اعنه

یہاں دیکھتے کی چیز یہ ہے کہ ابراہیم صالح نے حالانکہ امام کے مشورے کو نہیں مانا اور جو دشمن  
ان پر سوار تھی اس پر ان کا اصرار باقی رہا لیکن آپ دیکھ رہے ہیں اس اختلاف کا ثمرہ کہ عبد اللہ بن مبارک  
اسی راوی ہیں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں کہ جب ابراہیم کا تذکرہ امام کی مجلس اتار دینے لگتے اور کیسا رونما  
یہ شاعر کی نہیں ایک جلیل و ثقہ محدث کی خبر ہے کہ

حتى ظننا انه سيموت ص ۲۹  
ہم خیال کرنے لگے کہ شاید امام ابو حنیفہ عن قریب مر جائیں گے  
بات وہی تھی کہ اختلاف صرف راہ میں تھا منزل و ونوں کی ایک تھی ابراہیم ابتلا کی راہ  
پہنچے اور بالآخر امام ابو حنیفہ اپنے آپ کو اسی منزل تک پہنچا کر رہے لیکن اناروے کی راہ سے اور  
اب آپ کے سامنے اسی کی تفصیل آتی ہے

مگر قبل اس کے ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے اس کے جواب پر بھی غور کر لینا چاہیے میں کہنا چاہتا  
ہوں کہ عباسی حکومت کا اس زمانہ میں جو سب سے بڑا معیار بلکہ اساسی ستون بنا ہوا تھا یعنی ابو مسلم اس  
کے مقابلہ میں ایک دفعہ نہیں بار بار ابراہیم کا ابو حنیفہ کے پاس آنا اور پھر جانا اور آمد و رفت کا یہ سلسلہ  
جاری ہی کہاں تھا کوفہ میں کہہ چکا ہوں کہ قمر بن بھیرہ ہو یا ہاشمیہ جو اس زمانے میں عباسیوں کا مرکزی  
مقام بلکہ پایہ تخت ہونے کی حیثیت رکھتے تھے یہ کوفہ کے مصلاتی محلے تھے زیادہ تر قرینہ یہی ہے کہ  
ابراہیم کی آمد و رفت کے اس زمانے تک ابھی انبار پایہ تخت نہیں بنا تھا اور ان ہی کے انبار ہی ہو تو انبار  
ہی کوفہ سے کتنا دور تھا حیرہ (جو سلاطین منازرہ کا قدیم پایہ تخت تھا) اسی کے مقابل سمت میں دریائے  
فرات کے ساحل پر انبار تھا اور حیرہ کا فاصلہ کوفہ سے کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ کل چھ میل تھا

یہ خیال ہی سہی نہ ہو گا کہ ابو مسلم کے چھ لاکھ بے کس اور گنہگار مقتولوں میں ایک ابراہیم بھی تھے  
جن کی حکومت کی لگاموں میں کوئی اہمیت نہ تھی قطع نظر اپنی ذہنی اور علمی منزلت کے جس کا ادنیٰ

دبقیہ سلسلہ گذشتہ اعمار پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اعتراض نہیں کیا ان ہی کا عمل تقیہ کے حدود کو متعین کرتا ہے ۱۲



ثبوت یہ ہے کہ پہلی دفعہ جب ابو مسلم نے ان کو گرفتار کیا تو امام ابو حنیفہ ہی کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ  
 ما جمع علیہ فقہاء اهل خراسان ابو مسلم کے یہاں خراسان کے علماء اور مشائخ جمع ہوئے  
 و عبادہ حتی اطلقوا ضحی و جصاص جو اہر تا اینکه ابراہیم کو چھڑا لیا

صرف مرو نہیں بلکہ عام طور پر خراسان کے فقہاء اور عباد کا ابراہیم کی رہائی کے لئے جمع ہو جانا خود ظاہر  
 کر رہا ہے کہ اپنے زمانے میں ان کا مسلمانوں میں کیا مقام تھا

علاوہ اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم کی شہادت کے برسوں بعد تقریباً چالیس پچاس سال بعد  
 ایک خراسانی محدث جن کا نام نصر بن باب تھا بغداد پہنچتے ہیں جب دستور لوگ ان سے حدیث سننے کے لئے  
 جمع ہو جاتے ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔

بیان یہ کیا جاتا ہے کہ جب تک دوسرے محدثین کی روایتیں نصر سنانے رہے لوگ سنتے رہے لیکن  
 جوں ہی کے ابراہیم الصالح کے حوالہ سے انہوں نے ایک دو حدیثیں بیان کیں بجز چند خاص لوگوں کے سارا  
 مجمع اٹھ گیا کسی معمولی آدمی کی باتیں بلکہ خود امام احمد بن حنبل کی چشم دید شہادت ہے الذہبی نے ان ہی کے حوالہ  
 سے نقل کیا ہے یعنی لکھا ہے

قال احمد ما كان به ياس انما انكرو  
 عليه حين حدث عن ابراهيم الصالح  
 امام احمد نے فرمایا کہ نصر میں کوئی خرابی نہ تھی  
 بلکہ محض ابراہیم سے جب حدیث نصر نے بیان کی  
 تو لوگ اٹھ کھڑے ہوئے

ذمیران الاعتدال ص ۵۲ ج ۲

یقیناً یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابراہیم صالح کی حیثیت عام مقتولوں کی نہیں تھی جیسا کہ اس وقت  
 ہوا چل رہی تھی ابو مسلم نے سفاکانہ کرتوتوں کا نہیں بلکہ ابراہیم کو یقیناً حکومت عباسیہ کا دشمن مشہور کر دیا ہو گا  
 جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ بنی امیہ کے شیعوں میں وہ بھی شریک کر لئے گئے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ بعد ازیں  
 جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں عمومی طور پر اپنے آپ کو عباسیوں کے شیعہ سمجھتے تھے ان کے لئے بھلا یہ  
 بات قابل برداشت ہو سکتی تھی کہ عباسی شہر میں بنی امیہ کے حامی کی حدیثوں کو بیان کرنے کا موقع دیں اور  
 اطمینان سے ان کو سب سے ایسے لوگ جو اس عہد کے سیاسی شیعہ و تخریب سے جدا رہے اور اس کے رسول کے  
 دوست کو دوست اور ان کے دشمنوں کو دشمن سمجھنے والے ہوں بجز امام احمد جیسے بزرگوں کے بہت کم تھے  
 اور اس زمانہ میں کیا عوام کا حال ہر زمانہ میں قریب قریب ہی رہا ہے

میرا خیال ہے کہ عباسی حکومت سے ابراہیم اور امام ابو حنیفہ کے تعلقات پوشیدہ نہ ہوں گے مگر  
 کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ اس جرم میں امام ابو حنیفہ کی طرف ہی حکومت نے کوئی توجہ کی اور ایک ہی کیا  
 میں پوچھتا ہوں کہ ابھی تو بنی امیہ حکومت ختم ہوئی تھی عباسی ان ہی کے توجہ نشین تھے پھر زید شہید کے  
 زمانہ میں امام نے اپنے جس سیاسی رویہ کا اظہار کیا تھا اس سے عباسی کیا ناواقف ہوں گے جن وجوہ و اسباب  
 نے امام کو بنی امیہ والوں کے مقابلہ میں حضور زید شہید کی حمایت پر آمادہ کیا تھا عباسیوں میں جب وہ ساری  
 باتیں پائی جا رہی تھیں تو امام ابو حنیفہ سے نہ کھٹکے رہنے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی؛ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا



جہاں تک واقعہ کا تعلق سے ایک مدت تک عباسیوں کو ہم امام اور ان کے سیاسی رجحانات سے کچھ بے تعلق سا پاتے ہیں کم از کم السفاح جس نے قریب قریب پانچ سال تک حکومت کی اس پانچ سال کے عرصے میں کسی ایسے واقعہ کا تذکرہ نہیں ملتا جس سے امام ابو حنیفہ اور اس نئی قائم ہونے والی حکومت کا موافقت یا مخالفت تعلق ثابت ہوتا ہو یہ بھی تو نہیں تھا کہ امام حکومت کے کسی دور و راز گوشہ میں مقیم تھے وہ تو کوفہ ہی میں تھے اسی کوفہ میں جہاں سے عباسیوں نے سر اٹھایا اور ایک مدت تک اسی کے آس پاس میں بغداد کی تعمیر سے پہلے اپنے دار الخلافہ کو انہوں نے رکھا بلکہ یہ لطیفہ تاریخ کا اگر صحیح ہے جس کا ذکر متعدد کتابوں میں کیا گیا ہے یعنی لکھتے ہیں کہ

”خلیفہ منصور ابو جعفر کے پاس ایک آئینہ تھا جس میں دوست دشمن سے الگ ہو کر اس کو نظر آجاتے تھے“

مختلف مواقع پر اسی آئینہ میں دیکھ کر منصور نے اپنے دشمنوں کا پتہ چلا یا ہے اس کا بھی اس آئینہ سے پتہ چل جاتا تھا کہ دشمن کہاں مقیم ہے کہتے ہیں کہ بعض قدیم سلاطین کے خزانے سے یہ چیز منصور کو ملی تھی واللہ اعلم بالصواب

میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا چیز تھی؟ جتید کے سائبر جہاں نما کا افسانوی روایات میں جیسے ذکر آتا ہے کچھ اسی قسم کی چیز تھی یا یہ آئینہ کیا تھا؟ بہر حال اگر کوئی ایسی چیز ان عباسیوں کو مل گئی تھی تو امام ابو حنیفہ کیا ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکتے تھے خصوصاً جب ان کے دار الخلافہ کے زیر سایہ ہی بیچارے کا مکان تھا

پھر ایک زمانہ تک امام کے ساتھ بے تعلق کاروبار حکومت نے کیوں قائم کر رکھا تھا؟ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس عہد کی حکومتوں کے اس سیاسی نظریہ کا ذکر کر لیا جائے ایک تاریخی مثال سے اس کو سمجھنے والی مسعودی اور ابن خلکان دونوں میں یہ واقعہ موجود ہے ابو جعفر منصور کے بعد عباسی تخت پر ہمدی نامی خلیفہ متمکن ہوا اسی ہمدی کے زمانہ کا قصہ یہ ہے کہ سفیان ثوری گرفتار ہو کر اس کے دربار میں لائے گئے ہمدی

نے دیکھو کمال ابن اثیر شامی ۵۱۷ھ اس کتاب کے پڑھنے والوں سے گو امکی توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ سفیان ثوری اور اسلامی علوم و حدیث وفقہ وغیرہ میں ان کا جو مقام ہے اس سے ناواقف ہوں گے لیکن پھر یہی عوام کہیں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام کی چند چیدہ اور برگزیدہ ہستیوں میں آپ کا شمار ہے ابن سنیہ کے حوالے سے تو ذہبی نے کہا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ تم سے اگر کوئی کہے کہ میں نے سفیان سے ہی اچھا آدمی دیکھا ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا ابن جوزی نے ایک مفصل مستقل موانع عمری ان کی کہی ہے علم کے ساتھ تقویٰ اور تدین میں اپنی آپ نظیر تھے اسی ہمدی خلیفہ عباسی کے متعلق لکھتا ہے کہ سفیان نے اس سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے حج میں کل بارہ دن بیار خراج کئے تھے لیکن تم ان ہی کی ناشینی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہارا مصارف کا کیا حال ہے اس پر ہمدی بگڑ گیا اور بولا کہ تم کیا یہ چاہتے ہو کہ میں ہی افلاس و فلاکت زندگی کے اسی حال میں اپنے آپ کو دکھوں جیسے تم ہو سفیان نے کہا کہ نہیں یہ تو میں نہیں چاہتا لیکن جس میاں پر اس وقت تم اپنی زندگی گزار رہے ہو اس کو گھٹانے کی ضرورت ہے لہذا میں اپنی دعا ہمدی کے زمانہ میں



نے سفیان کو دیکھ کر کہا کہ

سفیان! تم ہم لوگوں (یعنی حکومت والوں سے) ادھر ادھر بھاگے بھاگے پھرتے ہو اور  
سمجھتے ہو کہ ہم لوگ اگر تم پر مصیبت لانا چاہیں تو اس طریقے سے بچ جاؤ گے، مگر اب بتاؤ کہ  
تم اس وقت میرے قابو میں ہو کہو اگر اس وقت اگر تمہارے متعلق میں کوئی حکم دوں تو اب  
کیا کرو گے سفیان نے جواب میں بے تحاشا کہا کہ تم میرے متعلق اگر کوئی حکم اس وقت دو گے  
تو جو سب سے بڑی قدرت والا ہے اور جو ہر شے سب سے عیاں ہے وہ تم پر ہی حکم  
نافذ کرنے کا اقتدار رکھتا ہے

ہمدی کا درباری امیر ربیع بھی اپنی تلوار پر ٹیک لگا کر ہمدی کے سر پر کھڑا ہوا تھا سفیان  
کے اس بے باکانہ جواب سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے غصہ سے مہو ہوا اور ہمدی  
کو خطاب کر کے کہنے لگا حضور اس گنوار جاہل کی یہ مجال کہ برسرِ دربار آپ کی شان میں آپ کے  
سامنے ایسی گستاخانہ بات کرے مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن مار دوں

اسی موقع پر ربیع کو جواب دیتے ہوئے ہمدی نے جو بات کہی تھی اسی کو میں پیش کرتا چاہتا ہوں ربیع سے  
اس نے کہا کہ

انکلت و یلک ما یرید ہذا و امثالہ  
الا ان نقلہم فمشتی بسنا و لہم  
المسوی ص ۱۲۱ برکاتی

بد بخت چپ رہا یہ اور اس قسم کے لوگ ہی تو چاہتے  
ہیں کہ ہم ان کو قتل کر کے ان کی کامیابی کو اپنی بد بختی اور  
بدنامی کا ذریعہ بنائیں

جس نے معلوم ہوا کہ حسین کے قتل میں ہر زمانہ کے یزیدوں کو اپنی موت کی تصویر نظر آئی ہے  
بلکہ سمجھنے والے اگر سمجھنا چاہیں تو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حکمران (یعنی ہمدی) کی مذکورہ بالا شہادت سے  
یہ نتیجہ ہی پیدا کر سکتے ہیں کہ حسین نے اپنے قتل کی اقتدار کرنے والوں نے ہی برعکس اس کے اپنی موت ہی میں  
اپنی زندگی کی ضمانتوں کو مستور پایا ہے

بہر حال قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی، لیکن ہو سکتا ہے کہ اپنے قیام کے ابتدائی چند  
سالوں تک امام ابو حنیفہ سے عباسی حکومت کی بے تعلقی میں ہی کچھ اسی قسم کے اسرار پوشیدہ ہوں یا یوں  
سمجھیے کہ قدرت کو امام سے اسلام کا ایک کام لینا تھا ایسا کام کہ بقول یزید بن ہارون کے  
فقہ امام ابو حنیفہ کا خاص منہ تھا میں نے نہیں دیکھا کہ فقہ کے متعلق ان سے کسی نے گفتگو  
کی ہو اور امام سے وہ مغلوب نہ ہو گیا ہو

آخر میں انہوں نے کہا کہ

فہو صناعتہ و صناعتہ اصحابہ  
کا لہر حلقوا لہما ص ۶۵ ج ۲

یہ تو ان کا اور ان کے شاگردوں کا خاص منہ اور فن  
ہے گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کام کیلئے یہ لوگ پیدا کئے گئے ہیں  
اور سچ تو یہ ہے کہ حنفی فقہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے پاس فقہ کا آج جو کچھ بھی سراہا ہے وہ



شافعی فقہ ہو یا حنبلی بلکہ مالکی فقہ تک کسی نہ کسی حیثیت سے سب کی بالاخر امام ابو حنیفہ ہی کی ان دیدہ ریزیوں سے آبیاری ہوئی ہے جن کا موقع قدرت نے ان کو عطا فرمایا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حجاز سے واپسی کے بعد وضع قوانین کے اس مشغلہ میں جو منہمک ہوئے تو جہاں تک میرا خیال ہے ۱۲۴ھ تک ابراہیم صالح کی اس آزمائش کے سوا جس کے متعلق ان کا خود اقرار ہے کہ مجھ پر دنیا اندہیری ہو گئی تھی کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا جو ان کے اس اطمینان اور جمعیت خاطر میں خلل انداز ہوتا جس کی ضرورت ایک ایسے عظیم مہم کی میرا بخافی کہنے ناگزیر ہے۔

وقفہ کی اس مدت میں جو تقریباً تیرہ چودہ سال سے کم نہ تھی جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے امام کے سامنے دو ہی باتیں تھیں یعنی مسلمانوں کی کوئی تنظیمی قوت اگر فراہم ہو جائے تو اس میں شریک ہو کر حق کی حمایت اور باطل کے ازالہ کے جس فرض کو وہ ادا کرنا چاہتے تھے اسے ادا کریں اور جب تک یہ ممکن نہ ہو اس وقت تک بجائے ابتدائی راہ کے ممکنہ مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جس حد تک حق کی اقامت اور باطل کے مغلوب کرنے میں آگے بڑھنے کا امکان ملتا جائے بڑے چلے جانا چاہیے کہ یہ خدا کی طرف کی بات تھی کہ عباسی حکومت کے قیام کے ابتدائی سالوں میں یعنی ۱۲۵ھ تک تو ثانی الذی مقصد کے متعلق پورے اہتاک اور توجہ کے ساتھ کام کرنے کا کھلا میدان اٹکولا اور جب کام ایک ایسی حد پر پہنچ گیا کہ دوسرے بھی اس کو آگے بڑھانے میں امام کی نمائندگی کر سکتے تھے قدرت نے امام کو دوسرے حوصلہ کی تکمیل کا بھی موقع عطا فرمادیا۔

میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں اس کے پیش کرنے سے ایک غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے یعنی ۱۲۵ھ تک حکومت سے بے تعلقی کا جو دعویٰ میں نے کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عباسی حکومت اور امام میں کش مکش کے جو تعلقات بعد کو پیدا ہوئے ان مخالفانہ تعلقات سے امام کی زندگی کے یہ چند سال خالی رہے ہیں ورنہ جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہو گا السفاح جس کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی اس کے عہد حکومت میں تو نہیں لیکن سفاح کے بعد جوں ہی کے ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا اس نے اپنی خلافت کے چند ہی دنوں کے بعد امام ابو حنیفہ سے اچھے خاصے خوش گوار تعلقات قائم کر لئے تھے لیکن یہ خوش گواری ۱۲۵ھ تک قائم رہی اس کے بعد تو ہوا جو کچھ ہوا تفصیل خود آگے آرہی ہے۔

امام ابو حنیفہ وقفہ کے اس زمانے میں کیا کرتے رہے اور جو کچھ بھی کرتے رہے کیوں کرتے رہے اس سوال کے جواب کا ایک حصہ تو گذر چکا یعنی وضع قوانین کی مجلس قائم کر کے انسانی زندگی کے ان تمام شعبوں کے متعلق جن کے کلیات اسلام میں پائے جاتے تھے خصوصاً جن کا آدمی کے عملی زندگی سے تعلق ہے اسلامی آئین کی روشنی میں جزئیات پیدا کرتے رہے امام کی خدمت کے اس حصہ کے متعلق اس رسالہ کی کی گنجائش کی حد تک میں بحث کر چکا ہوں دراصل صحیح مقام اس کی تفصیلی بحث کا کتاب تدوین فقہ ہے بڑھنے

سے اس دعوے کو کتاب تدوین فقہ میں انشا اللہ دلائل و شواہد کی روشنی میں پیش کیا جائیگا اس وقت صرف اشارہ کافی ہے



والوں کو اسی کتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

اس وقت اس سلسلے میں اب جن چیزوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مذکورہ بالا سوال کے جواب

کے دوسرے اجزاء ہیں

(۱) سب سے پہلی بات اس سلسلے میں جو نظر آتی ہے وہ قضا کے متعلق اپنے تلامذہ میں خاص قسم کے

جذبات کی پرورش ہے

مطلب یہ ہے کہ امام جس کام کو اپنے تلامذہ کی امداد اور رفاقت میں انجام دے رہے تھے یہ کام ہی ایسا تھا کہ اس میں کمال حاصل کرنے والوں کے لئے حکومت کے سب سے بڑے اور سب سے اہم شعبہ میں داخل ہونے کا قدرتی موقع پیدا ہو جاتا تھا اور کچھ اسی زمانے میں نہیں آج بھی دنیا کی حکومتوں میں اگر کسی کو دیکھا جائے تو پارلیمنٹ سے تختانی تعلقہ واری کچھ یوں ٹانگ میں اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے جسے اسلامی حکومتوں کے زمانے میں قضا اور مفتی وغیرہ انجام دیتے تھے وہی قانون بنانا ان کو حوادث و واقعات پر منطبق کرنا اور ان ہی کی روشنی میں "امن و امان" اور سی جو حکومتوں کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض ہے اب بھی موجودہ زمانہ کی حکومتوں کا سب سے بڑا مشغلہ ہے اور اس زمانے میں بھی یہی تھا بلکہ عربی زبان میں باہمی جھگڑے جو لوگوں میں ہوتے رہتے ہیں ان کے چکے نہی کو حکومت کہتے تھے جس کا مطلب یہی ہوا کہ حکومتوں کا اصلی کام یہ ہے۔

بہر حال امام صاحب چاہتے تھے کہ ان کی مجلس کے اراکین اور شرکاء جس علمی کمال کو اپنے اندر پیدا کر رہے ہیں یہی کمال ان حکومت کے اس شعبہ میں شریک و دخل ہونے کا مستحق بنا رہا ہے چونکہ اسلامی قانون جسکی تدوین کا کام ابوحنیفہ انجام دے رہے تھے صرف قانون ہی نہ تھا بلکہ وہی مسلمانوں کا دین بھی تھا جس کے معنی یہ ہونے کہ دنیا کے دروازے بھی ان لوگوں پر دین کی راہ سے کھل رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ دین کے لئے جس اخلاص اور استقامت و غیرہ کی ضرورت ہے دنیا میں مبتلا ہونے کے بعد دین کے ان اقتضاؤں کی تکمیل پر معمولی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام کو ایک طرف جو دیکھا جاتا ہے کہ اسلامی آئین کے باریک سے باریک دقیق سے پہلوؤں پر اپنے تلامذہ کو متنبہ کر رہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ جب کبھی موقع ملتا ہے تو اس جذبہ کی یعنی اس علم کو حکومت کے محکمہ عدلیہ میں داخل ہونے کا فریضہ نبایا جائے سخت حوصلہ شکنی کرتے ہیں نوح بن وراج جو بزرگ اور عباسیہ کے ممتاز قضاة میں شمار کئے گئے وہ خود اپنا ذاتی قصہ یہ بیان کرتے تھے کہ امام

ابوحنیفہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ نوح کے والد نے علی حاکم تھے یعنی عراق کے دسی نوریان تھے لیکن خدا کی شان چار بیٹے وراج کے قاضی ہوئے لکھا ہے کہ قاضی شریک بن عبداللہ اپنے بچوں کی تربیت اور نگرانی میں زیادہ توجہ سے کام نہیں لیتے تھے جس پر لوگ ان کو ٹوکا کرتے جواب میں جنجلا کر قاضی شریک کہتے کہ وراج نوریان (حاکم) نے کیا اپنے بچوں کی تربیت کی تو اگر بیکے سب عباہی حکومت کی جی کے عہد سے پر سر فراز ہوئے۔



ابو حنیفہ سے میں ایسے بعض خاص مسائل خصوصیت کے ساتھ دریافت کیا کرتا تھا جن کا تعلق قضا سے ہوتا  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں امام ان کے سوالوں کا جواب دیتے رہے آخر ایک دن ان سے نہ رہا گیا اور  
نوح کو خطاب کر کے فرمانے لگے۔

نوح میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم زیادہ تر قضا کے ابواب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہو میں  
دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے اندر قاضی بننے کی آرزو پرورش پاری ہے نوح! دیکھو! تمہاری  
ذکاوت تمہاری سمجھ بوجھ مجھے پسند ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ان خدا داد عطیوں کو تم  
لگاڑ نہ بیٹھو ص ۹

تلامذہ کی اسی مجلس میں کہی فرماتے کہ:-

جو قاضی بنایا گیا سمجھ لینا چاہیے کہ سمندر میں وہ ڈوبا تیرنا بھی اگر کوئی جانتا ہو تو سمندر میں کب تک  
تیرتا رہے گا اور ہاتھ پاؤں پھینکتا رہے گا ص ۹ ج ۲

خالد بن صبیح جو امام کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے ہیں مروی کے باشندے تھے انہوں نے تو ہی سلسلہ  
میں امام صاحب سے یہ عجیب روایت نقل کی ہے یعنی ایک دن امام ابو حنیفہ اپنے اصحاب و رفقاء کا تذکرہ  
کرتے ہوئے فرمانے لگے:-

ان میں سے بہتر تو وہ ہیں جنہوں نے فقہ کے علم کو حاصل تو کر لیا لیکن فتویٰ دینے کے پتے کو اختیار  
نہیں کیا ان کے بعد درجہ ان لوگوں کا ہے جو فتویٰ دینے کا کام بھی کریں گے اور بے کم تردد  
ان لوگوں کا ہے جو قاضی بنیں گے ص ۱۵ ج ۲

امام کے بجنسہ الفاظ یہ ہیں کہ

سے کم تردد رہ ان کا ہے جو قاضی بنیں گے

انحصار القضاة

ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی نہیں تھی جو امام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان شاگردوں میں جو بے بڑے  
تھے یعنی ابو یوسف وہی تو قاضی بنے بلکہ درحقیقت اپنے تلامذہ کی تربیت کا ایک طریقہ تھا مقصود ان الفاظ  
سے یہ تھا جہ امام بھی کہی ان الفاظ میں ادا کرتے ابو شہاب بخا امام کی زبانی یہ نقل کیا کرتے تھے کہ:-

علم کو جس نے دنیا کیلئے سیکھا وہ علم کی برکت سے محروم کر دیا جلتے ایسے آدمی کے دل میں

علم جاگزیں نہیں ہوتا اور اس کے علم سے لوگوں کو زیادہ فائدہ بھی نہیں پہنچتا لیکن جس

نے دین کے لئے علم حاصل کیا اس کے علم میں برکت دی جاتی ہے اور ول میں اس کے

علم راسخ ہو جاتا ہے اور لوگ اس کے علم سے زیادہ نفع اٹھاتے ہیں ص ۹ ج ۲

یہ اور اس قسم کے بیسوں اقوال امام صاحب سے کتابوں میں منقول ہیں امام کو نقطہ نظر کو سمجھنے کیلئے

غالباً یہ چند مثالیں کافی ہو سکتی ہیں

اب ایک طرف امام کے ان اقوال کو رکھیے اور دوسری طرف ان ہی سے اس باب میں جو دوسری

باتیں منقول ہیں وہ بھی سن لیجئے ان کے تلمیذ رشید جن پر محدثین کو بھی اعتماد ہے یعنی قاضی ابو یوسف ہی کی

روایت ہے کہ :-

” امام کی مجلس میں اگر کوئی ادھر ادھر کی باتیں کرتا جب اسکی گفتگو طویل ہو جاتی تو امام سے پھر بڑا نہ جاتا اور اس کی بات کاٹ کر کچھ مسئلہ مسائل کا ذکر چھیڑ دیتے پھر تلامذہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے خبردار! جو بات ناگوار گذرتی ہو خواہ مخواہ اس سے لوگوں کو مطلع کرنیکی ضرورت نہیں (بہ ظاہر لوگ امام تک یہہ تذکرے ہی پہنچاتے کہ فلاں آپ کو یہہ کہتا ہے وہ کہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آخر میں فرماتے کہ بھائی جو میرے متعلق بری باتیں کہتے ہیں خدا ان کو معاف فرمادے اور جو اچھے خیالات رکھتے ہیں خدا ان پر رحم فرمائے

اس کے بعد ”گزر کی بات امام کا یہہ آخری فقرہ ہوا کرتا تھا کہ

تفقہوا فی دین اللہ وذر الناس  
وما صنعوا لانفسہم فیحوجہد الیکم  
ص ۹۵ ج ۲  
تم لوگ اللہ کے دین کی سمجھ پیدا کئے چلے جاؤ اور لوگ جو کچھ کر رہے ہیں ان کو ان ہی کے حوالہ کرو اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا علم لوگوں کو تمہارا محتاج بنا کر رہے گا

” تمہارا علم لوگوں کو تمہارا محتاج بنا کر رہے گا بس امام کے ان ہی الفاظ کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ایک طرف اپنے تلامذہ میں قضا و افتار کی حوصلہ شکنی بھی کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف ان ہی شاگردوں کو اس کے لئے بھی تیار کرتے تھے کہ تم اپنے اندر ایسا کمال پیدا کرو کہ خواہ مخواہ لوگوں کو تمہارا محتاج ہونا پڑے ظاہر ہے کہ جس علم کو ان کے تلامذہ حاصل کر رہے تھے اسی کی طرف احتیاج افتار اور قضا رہے سوا اور کس مسئلہ میں ہو سکتی تھی۔ وہ طب کا علم تو حاصل نہیں کر رہے تھے کہ اپنے جسمانی امراض میں لوگ ان کے محتاج ہوتے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما یا افتار کے باب میں اپنے شاگردوں کی جو ہمت شکنی کیا کرتے تھے اس سے غرض یہی تھی کہ دنیا کے لئے دین کے اس علم کو اس طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے کہ دین کے احترام کا جو اقتنا ہے وہ ہاتھ سے جلتا رہے۔

آخر آپ اس کو کیا لئیے گا امام ہی کے ایک اور بڑے شاگرد سہیل بن مزاحم جن پر امامون الرشید نے

سہ پہلے ہی مفتی اور قاضی کے الفاظ آئے ہیں اور یہاں ہی افتار اور قضا کے الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے عوام کو شاید ان دونوں چیزوں میں جو فرق ہے معلوم نہ ہو گا عام مسلمانوں کو مذہبی زندگی میں جو ضرورتیں پیش آتی ہیں اور مولویوں سے پوچھ کر اپنے مذہب کا حکم معلوم کرتے ہیں اسی کا نام استفعا ہے اور اہل علم کا جو طبقہ عوام کی راہ نمائی اس باب میں کرتا ہے ان ہی کو مفتی کہتے ہیں مفتیوں کا کام صرف مسئلہ بتانا ہے لیکن کسی پر اپنے بنائے ہوئے مسئلہ کو نافذ نہیں کر سکتے بخلاف قضا کے وہ حکومت کا محکمہ ہے ہر فیصلہ جو قاضی کرتا ہے حکومت ذمہ دار ہے اس کے نافذ کرانے کی البتہ اسلامی عدالتوں میں قاضیوں کی مدد کے لئے یعنی ضرورت کے وقت قاضی کو علمی مشورے دینے کے لئے کچھ لوگ ملازم رکھے جاتے تھے۔ ان کو بھی مفتی کہتے تھے مفتیوں کا یہہ گروہ حکومت کا ملازم ہوتا تھا لیکن فیصلوں کے نفاذ کا حق اس کو بھی حاصل نہ تھا



خراسان کی گورنری کے زمانہ میں شدید اصرار کیا تھا کہ قضا کا عہدہ قبول کر لیں لیکن وہ انکا پر مصر ہے جبل کی سزا بھی اسی انکار کی وجہ سے ان کو بھگتنی پڑی لیکن ماموں کی بات نہیں مانی تنگ آکر اس نے ان کو چھوڑ دیا بہر حال وہی راوی ہیں کہ وہ۔

ایک دن امام صاحب اپنے تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میرے اصحاب میں تیس آدمی خاص اہمیت رکھتے ہیں جن میں دن آدمی تو نیک لوگ ہیں اور فقیہ ہیں اور دن ہی ان میں ایسے ہیں جو فتویٰ دینے کے قابل ہو چکے ہیں لیکن دن ایسے ہیں جو قاضی بن سکتے ہیں" ص ۸۹

سہل بن مزاحم نے اس کے بعد امام کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے کہ آخری جماعت جو قاضی بننے کے قابل ہو چکی ہے ان کے ذکر کے بعد امام نے فرمایا کہ :-

وہم احسن اصحابی ص ۸۹  
یہی لوگ ہمارے شاگردوں میں سب سے بہتر ہیں

امام کے اس بیان کو جس میں قاضی بننے والوں کو تیس درجے کا آدمی قرار دیا گیا تھا اس بیان سے ملائے جس میں اپنے ان شاگردوں کو جو قاضی بننے کے قابل ہو چکے تھے اپنے بہترین تلامذہ میں شمار فرمایا ہے یہ بظاہر دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلی گفتگو کی حیثیت ایک نظریہ کی تھی جس کا مال گویا یہ تھا کہ فقہ کی تعلیم قاضی بننے کے لئے جو حاصل کرتے ہیں وہ ادنیٰ درجے کے آدمی ہیں امام کے نزدیک اس سے ذلیل اور کمینہ کوئی نہ تھا جو دنیا کے لئے دین کو الہ بنائے یہ حال تو ہے ان کے پہلے قول کا تھا باقی سہل بن مزاحم نے دوسری بات جو ان سے نقل کی ہے اس میں واقعہ کا اظہار فرمایا گیا ہے آخر وہ کیا کرتے جن لوگوں میں قاضی بننے کی قابلیت پیدا ہو چکی تھی جب وہی ان کے تمام شاگردوں میں اچھے ثابت ہوئے تھے تو اس واقعہ کا انکار کیسے کر دیتے اس روایت پر اس کا بھی تو شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ جن لوگوں نے قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا وہ اپنے طرز عمل کی تصحیح کے لئے امام کی طرف اس قسم کی روایتوں کو منسوب کر دیا کرتے تھے کیونکہ یہ روایت تو بے چارے سہل بن مزاحم کی ہے جنہوں نے عرض کر چکا ہوں کہ ماموں الرشید کے انتہائی اصرار پر ہی اس عہدے کو قبول نہیں کیا اور سہل جانا پسند فرمایا۔

بہر حال کچھ ہی ہوا امام اپنے شاگردوں کو جس کام کے لئے تیار کر رہے تھے اس کا اندازہ ان کے اسی قسم کے اقوال سے ہوتا ہے امام صاحب کے یوستے اسماعیل بن حماد جو اپنے وقت کے مشہور قاضی تھے ان سے بھی قریب قریب اسی قسم کی روایت ہے فرق اتنا ہے کہ بجائے تیس کے حماد کی روایت میں چھتیس آدمیوں کا ذکر ہے امام نے ان کے متعلق فرمایا کہ :-

انہما میں تو ان میں قاضی بننے کے قابل ہو چکے ہیں اور چھ فتویٰ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن دو (یعنی ابو یوسف اور زفر) یہ دونوں قاضی اور مفتی بننے ہی کے نہیں بلکہ دوسروں

کو قضا و افتاء سکھانے کی ہی صلاحیت پیدا کر چکے ہیں ص ۸۹

اب خود ہی سوچنا چاہیے کہ قضا کے متعلق طلبہ کی حوصلہ شکنی ہی اور پھر اپنے جلیل تلامذہ کے



متعلق بہہ احلان بھی کہ فلاں فلاں قاضی و مفتی بننے اور فلاں فلاں قاضی و مفتی بنانے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہیں ان کے دونوں اقوال کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ درحقیقت امام صاحب قاضی اور مفتی بننے کی مخالف نہ تھے بلکہ قاضی اور مفتی بننے کے لئے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی ہمتوں میں بلندی پیدا کرنا چاہتے تھے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ قضا کے اس عہدے کی جو اہمیت امام کی نظر میں اگر اسی قدر تھی جو جسے لوگوں نے ان کی طرف منسوب کیا ہے تو اس کو دیکھتے ہوئے ان کی اس طرز عمل پر تعجب ہی نہیں ہوتا۔  
نوح بن وراج جن کا پہلے ذکر گذر چکا ہے ان کے سوا امام کے متنازع تلامذہ میں نوح ہی نام کے ایک اور صاحب بھی تھے مشہور نوح بن ابی مریم کے نام سے میں عام طور پر کتابوں میں لوگ ان کو نوح الجاحمی ہی کہتے ہیں ان کا مشہور بیان کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے وہ ہی کہتے تھے کہ بعض خاص مسائل کے دریافت کرنے پر مجھے ہی امام نے ڈالتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا نوح تدق باب القضا ص ۲ ج ۲  
نوح تم قضا کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو۔

ان کا وطن بھی مرو تھا کہتے ہیں کہ فارغ ہو کر کوفہ سے جب وطن واپس لوٹا تو قضا کی مصیبت میں مجھے شبلا ہوتا پڑا امام ابو حنیفہ ابھی بقیہ حیات تھے ڈرتے ڈرتے اپنے اس تصور کی اطلاع میں نے امام کو دی۔ جواب میں امام نے ان کو ایک خط لکھا ہے جس کا شمار امام کے تاریخی خطوط میں ہے کتابوں میں عموماً اس خط کو لوگ نقل کرتے ہیں بہر حال اسی خط کی ابتداء امام نے ان الفاظ سے کی تھی  
”ابو حنیفہ کی طرف سے ابو عاصم (یہ نوح کی کنیت تھی) کے نام تمہارا خط پہنچا جو کچھ اس میں تم نے لکھا ہے اس سے واقف ہوا“

اس کے بعد امام کے اصل الفاظ یہ تھے

وقلرت امانة عظيمة يعجز عنها الكبار  
من الناس وانت كالمعزيت فاطلب لنفسك  
مخرجاً ص ۲ ج ۲

تمہارا سپرد بہت بڑی امانت کی گئی ہے۔ اتنی بڑی امانت جس کے اٹھانے سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں تم اب ایک ایسے آدمی ہو جو ڈوب رہا ہو چاہے کہ نجات کی راہ اپنے لئے پیدا کرو

ان الفاظ میں جو قوت بھری ہوئی ہے لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ عہدہ قضا کی ان چند ذمہ داریوں کا ذکر نہ کر لیا جائے جو امام کے نزدیک ضروری تھیں اس قسم کی باتیں مثلاً  
کسی سے قاضی کو مرعوب نہ ہونا چاہیے خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو ص ۱۱ ج ۲

یا عدل و انصاف وغیرہ جیسی عام چیزیں تو ان ہی کے نزدیک کیا انصاف و عدالت کے متعلق سراسر

عالم کا یہی خیال ہے خواہ اس پر عمل ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو لیکن میں تو دیکھ کر دنگ ہو گیا جب اس وصیت نامہ میں جو قاضی ابو یوسف کے نام سے ایک فقرہ امام کا یہ بھی پایا۔

”اگر امام مسلمانوں کے بادشاہ اور حکمران سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جس کا تعلق مخلوق خدا سے

بادشاہ کو تو اس جرم کی سزا اس قاضی کو دینی چاہیے جو اس زمانہ میں بادشاہ سے تریب تر ہو ص ۱۱ ج ۲“



میں نے امام کے الفاظ کا ترجمہ کیا ہے میری سمجھ میں تو اس کا یہی مطلب آیا جو لکھا ہے خود  
 الفاظ کو ہی درج کر دیتا ہوں

وان اذنب ذنبا بینہ و بین الناس  
 اقامہ علیہ اقرب القضاة علیہ  
 مسلمانوں کا حکم کسی ایسے جرم کا اگر تکبیر ہو جس کا تعلق  
 عام لوگوں سے ہو تو اس حکم کو وہی قاضی سزا دے گا  
 جو اس قریب تر ہو۔

اگر امام کے نزدیک قضا کا درجہ اتنا بلند ہے تو اس کے صاف معنی یہی ہوتے کہ حکومت کے اقتدار  
 سے ہی قضا کے اقتدار کو وہ بالاتر یقین کرتے تھے۔

ابوبکر الجصاص نے اپنے تفسیر میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کے جس علاقے میں ان کی حکومت  
 باقی نہ رہے تو مسلمانوں کی جماعت جس شخص کو اپنا قاضی انتخاب کرے گی اس کے فیصلے ہی طرح واجب النفاذ  
 ہوں گے جیسے حکومت کی طرف سے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے واجب التعمیل ہوتے ہیں اس سے یہی  
 سمجھ میں آتا ہے کہ قضا کے اس عہدے کیلئے حنفی مذہب میں حکومت کی بھی چٹاں ضرورت نہیں ہے اور  
 قاضی حکومت کے بغیر ہی اقتدار کا مالک بنایا جاسکتا ہے۔

پس بات وہی ہے کہ یہہ جو کچہہ ہی کیا جا رہا تھا دراصل مسلمانوں کے لئے صحیح قاضیوں کے پیدا کرنا  
 ممکنہ کوشش تھی پہلی ضرورت تو اس کے لئے یہ تھی کہ خود اسلامی قانون کو ممکنہ غور و فکر کے ذریعہ سے  
 بدون کر لیا جائے۔ اس کام کو تو وہ اپنی مجلس وضع قوانین کے ذریعہ انجام دے رہے تھے اور دوسری قدرتی  
 ضرورت یہ تھی کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ قانون دیا جائے وہ صحیح معنوں میں ہر چیز سے بے پروا ہو کر  
 اس کے نفاذ کی ہمت اور جرأت اپنے اندر رکھتے ہوں اپنے شاگردوں کو جیسا کہ ان سے منقول ہے بار بار  
 اس کی تاکید کرتے کہ:-

خدا نے تم لوگوں کو علم کا جتنا حصہ ہی عطا کیا سو خدا کے لئے اس علم کے احترام کو باقی رکھنے  
 کی کوشش کیجیو اور آخر میں فرماتے کہ میں خدا ہی کا حوالہ دے کر تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ کسی  
 امیر کی رضا مندی کی ذلت سے اس کو محفوظ رکھیو عشا

افتخار کا یہ طریقہ  
 کسی شہر کے آدمی کو  
 زیب ہنس دینا۔

آخر ان کی عرض مذکورہ بالا باتوں سے اگر یہہ نہ ہوتی تو پھر امام ہی کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ:-  
 "حکومت کی ملازمت اس وقت تک تم لوگوں کو قبول نہ کرنی چاہیے جب تک کہ تم کو اس کا یقین نہ ہو جا  
 کہ ہم اس عہدے کو اگر نہیں قبول کرتے ہیں تو اس پر اس قسم کے لوگ قبضہ کریں گے جن سے خدا کی

لے الجصاص کے اپنے الفاظ یہ ہیں:- لو ان اهل بلد سلطان علیہم لو اجمعوا علی الرضا بولیة رجل عدل منهم القضا حتی یکنوا  
 احوالہ علی من تنع من قبول احکامہ فکان قضاءہ نافذ اوان لم یکن له ولا یتہ من جہتہ امام سلطان صالح یعنی ایسا علاقہ جہاں  
 کے لوگوں پر کوئی حکم بادشاہ نہ ہو اگر وہاں کے لوگ اپنی رضا مندی سے کسی نیک کردار آدمی کو قضا کا عہدہ سپرد کریں اور اس کے حکم کو جو  
 زمانے تو معذرتاً میں اس کے مددگار بن جائیں پس قاضی کے احکام نافذ ہوں گے خواہ کسی امام اور بادشاہ کی طرف سے یہ عہدہ قاضی کو نہ ملا ہو۔



صاف ظاہر ہے کہ جہاں یہ صورت حال ہو وہاں حکومت میں شریک ہو جانے کا وہ مشورہ دے رہے ہیں اور میرا تو خیال ہے کہ امام کی صلح جو نرم طبیعت کے خلاف ان کی زندگی میں ایک خاص پہلو جو ایسا پایا جاتا ہے جو بظاہر ان کی فطری افتادہ طبع کے مخالف ہے یعنی وضع قوانین کی ہم کے ساتھ تلامذہ میں مذکور بالا جذبات کو پیدا کرتے ہوئے ہم ان کو یاتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے کو ذمہ میں جن قضاة کا تقرر ہوا تھا ان کے متعلق ان کا ایک خاص رویہ یہ تھا کہ ان کے اجلاس میں جو مقدمات فیصل ہوتے تھے امام صاحب ان کو معلوم کر کے چند ایسے سخت اعتراضات کر دیتے تھے کہ بے چارے قضاة حیران ہو جاتے تھے اس سلسلہ میں ایک ہی نہیں بیسیوں واقعات ہیں جن میں زیادہ تر واقعات کا تعلق تو کو ذمہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ہی اور کبھی ابن شبرہ بھی اس پیٹ میں آجاتے تھے۔

امام کے انکسار و تواضع کے جو حالات اب تک عرض کئے جا چکے ہیں وہی اس بدگمانی کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ اس میں امام کی رعوت و نخوت یا خود نمائی جیسے ذلیل صفات کو دخل تھا۔  
علاوہ ان اخلاقی واقعات کے جن کا ذکر مختلف مقامات میں گذر چکا ہے خود اپنے علم کے متعلق امام کے جو احساسات تھے ان کا تپہ خود ان ہی کے بعض بے ساختہ اقوال سے چلتا ہے کہتے ہیں کہ کو ذمہ کے بازار ایک دمی ایہہ پوچھتے ہوئے داخل ہوا کہ ابو حنیفہ فقیہ کی کان کہاں پر ہے؟ اتفاقاً بہرہ سوال خود امام ہی سے اس نے کیا آپ نے فرمایا:-

لیس ہو لفقہ انما ہو مفت متکلف ص ۹ ج ۲ وہ فقیہ نہیں ہے بلکہ زبردستی مفتی (یعنی فتویٰ دینوالا) بن بیٹھا ہے  
جعفر الاحمر ایک بزرگ گذرے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب انہوں نے دیا میں نے عرض کیا کہ جب تک آپ اس شہر میں موجود ہیں اس وقت تک خیر و بہتری سے یہ شہر کبھی خالی نہ ہو گا۔ جعفر ہی کہتے ہیں کہ یہ سن کر بے ساختہ امام کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا  
خلت الدیار فسدت غیر مسود  
آبادیاں اجڑ گئیں تو سردار ہونے کی صلاحیت کے بغیر میں سردار ہو گیا

ہون الشقاء تفردی بالسرود ص ۲ ج ۲ یہ بڑی بدبختی کی بات ہے کیونکہ آج میں تنہا پیشوا اور سردار سمجھا جاتا ہوں  
حکم بن بشام کا بیان ہے میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو جو فتوے دیا کرتے ہیں کیا آپ کو یقین ہے کہ وہی صحیح ہے امام نے سننے کے ساتھ فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ غلط ہو نیکیے سوا وہ اور کچھ نہ ہو ص ۱۵۳  
جن بن صالح جن کا شمار اکابر علماء میں ہے خود اپنا واقعہ لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے کہ شہر کے والی نے مجھے اور ابن ابی لیلیٰ اور امام ابو حنیفہ تینوں کو بلا کر ایک مسئلہ دریافت کیا جن کہتے ہیں کہ میں نے جو جواب دیا وہ امام اور ابن ابی لیلیٰ کے جواب سے مختلف تھا۔ والی نے حکم دیا کہ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ ہی کے فتوے کے مطابق عمل کیا جائے ہم نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ کچھ سوچ میں غرق ہو گئے اور اس کے بعد والی کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں۔

صاحب! میں نے جو جواب دیا تھا صحیح نہیں ہے صحیح مسئلہ وہی ہے جو حسن نے بتایا ہے ص ۲۰۹ مو



اور ایسے متعدد واقعات نقل کئے جاتے ہیں کہ امام صاحب ایک صاحب سے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک اس نے امام سے کہا اتق اللہ (خدا سے ڈر) اس لفظ کا اس کے منہ سے نکلنا تھا کہ امام کا چہرہ زرد پڑ گیا سر جھکا لیا اور کہتے جاتے تھے

بھائی! خدا آپ کو جزا خیر دے علم پر تازہ جس وقت کسی کو ہونے لگے اس وقت اس کا وہ بہت محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اسے خدا یاد دلا دے ص ۹۵ ج ۲

بہلا جس کی ذکاوت حسی کا حال یہ ہو کہ راستہ میں اچانک ان کا پاؤں کسی لڑکے کی ٹانگ پر پڑ گیا لڑکا چلا کر بولا! بڑے میاں! قیامت کے دن اس کا بدلہ جو لیا جائے گا اس سے تم نہیں ڈرے مسعر بن کد ام جو اس وقت امام کیساتھ تھے کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ چکر کر گر پڑے میں کھڑا ہو گیا اور ان کو سنبھالنے لگا جب ہوش میں آئے تو میں نے کہا کہ اس نوڈے کی بات کا آپ نے اتنا اثر لیا امام نے فرمایا کہ بھائی! مجھے خطرہ ہوا کہ خود نہیں بولا ہے بلکہ شاید بولا گیا ہو ص ۱۲۸

اور یہی کیا میں تو کہتا ہوں کہ امام کی پوری زندگی اس بات کی زندہ شہادت بن سکتی ہے کہ ان کے سوانح نگاروں نے یہ واقعہ جو ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ

ما زال ابوحنیفہ یحطی ابن ابی لیلیٰ امام ابوحنیفہ ابن ابی لیلیٰ دکانہ کے سب سے بڑے قاضی کے فی مسائلہ و قضا یا لا ویظہر ذلک مسائل اور فیصلوں میں بیشتر غلطیاں نکالتے رہتے تھے اور لوگوں پر ان غلطیوں کو ظاہر کرتے رہتے تھے ص ۱۲۲ ج

اگر یہ واقعہ ہے اور کوئی ایک ہی بیان کرنے والا ہو یا ایک ہی روایت ہو تو شک کی گنجائش ہی ہو سکتی ہے اجمالاً و تفصیلاً اتنے مختلف ذرائع سے امام کے اس طرز عمل کو لوگوں نے نقل کیا ہے کہ مشکل ہی سے اتنے راویوں کی طرف غلط بیانی کے انتساب کی اجازت عقل دے سکتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ نفسانیت یا خود نمائی وغیرہ کے ذلیل جذبات کے سوا اگر اس کی توجیہ کی کوئی دوسری شکل نہ ہوئی تو امام کی پوری زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے شاید ان روایتوں کو مسترد کرنے کی ایک وجہ نکل سکتی تھی۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ امام کے سامنے جو کام تھا اس کی تکمیل میں درحقیقت اس منزل سے گزرنا ناگزیر تھا انہوں نے ممکنہ حد و جہد فکر و تامل تحقیق و تدقیق کے سارے ذرائع کو خرچ کر کے اسلامی آئین کے تمام شعبوں کو مدقون کر لیا تھا اور ایسے لوگ بھی اپنی صحت اور تربیت میں رکھ کر تیار کر چکے تھے جن میں وہ محسوس کرتے تھے کہ نفاذ کا اختیار اگر ان کے ہاتھ دے دیا جائے گا تو وہ اس بدوہ آئین کے دفعات کو ہر چیز سے بے پروا ہو کر حواشی و واقعات پر منطبق کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

لیکن اسی کے ساتھ قضا، فصل، خصومات کے اس نظم کو جو اب تک حکومت نے قائم کر رکھا تھا اس کے نقائص برسر عام جب تک ظاہر نہ کئے جائیں گے امام کے لائحہ عمل کی طرف حکومت اور عوام کو توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔

اس راہ کا یہی سوال تھا کہ خاموشی اور مروت سے اگر کام لیا جاتا ہے تو امام کو کچھ رہے تھے کہ سارا کیا کرایا یوں ہی دہرا کا دہرا رہ جائے گا اور جن بے تمیز یوں سے اس وقت اس معاملہ میں حکومت کام لے رہی ہے ان کے اصلاح کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی۔

جن میں مروت و سماجت کے جذبات کی نوعیت وہی ہو جو امام میں تھی وہی کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کٹھن منزل کو طے کرنے کیلئے اپنے سینے پر ان کو کتنی بڑی چٹان رکھنی پڑی ہوگی حقیقت تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کی امت مرحومہ کے فلاح و صلاح کا جو بے پناہ دلولہ اور تربیب امام میں تھی اگر وہی ان پر غالب آکر مروت و مدارات کے جذبات پر غالب نہ آجاتی تو میں نہیں سمجھتا کہ ان جیسے آدمی سے یہ جرات تقریباً ناممکن تھی خیال کرنے کی بات ہے کہ جو بچوں کی ڈانٹ سے ڈر جاتا ہوتا ڈر جاتا ہو کہ چکر اکر گر پڑتا ہو بازاریوں کے سخت و سخت سننے کا خاموشی کے ساتھ عادی ہو والی کے بھرے و ربار میں اپنی غلطی کے اعتراف بر جری ہو۔ اسی آدمی کے متعلق یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک اچھے لکھے پڑھے عالم کی غلطیوں کی جستجو میں لگ جائے ایک دو وقت نہیں بلکہ اسی کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور اسی پر بس نہ کرنا بلکہ کوچہ و بازار میں ان غلطیوں کی تشہیر اور سی اجنبی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے ہم شہر ملنے جلنے والے آدمی کے ساتھ یہ معاملہ کیا شدید ترین و نبی ضرورت کی احساس کے بغیر امام ابو حنیفہ جیسے آدمی سے ممکن ہے؟ پس واقعہ وہی ہے کہ یہاں کسی کی شخصیت کا سوال ہی نہیں تھا بلکہ جو ان کا نصب العین تھا اس کی تکمیل کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اس طریقے سے حکومت کو نقص کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جا اور جب وہ متوجہ ہو تو اپنی ساری زندگی اور زندگی کے سارے وسائل کو کھپا کر جو صحیح چیز انہوں نے تیار کی تھی اس کے قبول کرنے پر قدرتاً وہ مجبور ہو جائے

یقیناً ابن ابی لیلیٰ کی شخصیت سے ان کو بخت نہیں تھی۔ اس راہ میں جو بھی ان کے سامنے آتا وہ اس کے ساتھ بھی معاملہ کرتے بلکہ میرا خیال ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی جگہ امام کے اکلوتے صاحبزادے طاہر کیوں نہ ہوتے جب ہی وہ وہی کرتے جو ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ انہوں نے کیا

ابن ابی لیلیٰ کے مسائل اور قضایا جن میں امام سلسل غلطیاں نکالتے رہے میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ قانون کے اصلاحی سلسلے کی وہ عجیب چیز ہوگی لیکن اس کا افسوس ہے کہ امام کے سوانح نگاروں نے جیسا کہ میں نے عرض کیا بیسیوں واقعات نقل کئے ہیں۔ مگر زیادہ تر یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں ہم بجائے قانونی اصلاحات کے گویا گرمی بزم کے لطائف سے زیادہ مشابہ پاتے ہیں ابن ابی لیلیٰ زمانے تک کو فہم قاضی رہے اور امام بھی کو فہم ہی ہیں موجود تھے خدا ہی جانتا ہے کہ یہی قصہ اگر وہاں پھڑ گیا تھا تو کتنے مقدمات اور مسائل ایسے ہوں گے جن پر امام کی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہوگی میرے خیال میں علم کا وہ ایک ذخیرہ ہوگا بہر حال اس سلسلہ میں امام کے سوانح نگاروں نے جن لطائف کا ذکر کیا ہے چند کا تذکرہ تو مجھے کر ہی دینا چاہیے مثلاً وہی دریچہ کا مقدمہ



## روشنندان کا مقدمہ

کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں ایک شخص نے یہ عرضی پیش کی کہ اپنے مکان میں ایک شیعہ یا روشنندان بنا چاہتا ہوں لیکن میرا پڑوسی بنانے نہیں دیتا اور روکتا ہے پڑوسی بلا یا گیا۔ اس نے کچھ وجوہ پیش کئے ابن ابی لیلیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ روشنندان نہ کھولا جائے مسئلہ کو لیکر وہ امام ابو حنیفہ کے پاس پہنچا امام نے کہا کہ تم بجائے روشنندان کے عرضی دو کہ میں اپنے مکان کی ایک دیوار گرا دینی چاہتا ہوں اور جس دیوار میں روشنندان قائم کرنا چاہتے ہو اسی کو گرانے کا ارادہ کرو اس نے یہی کیا ابن ابی لیلیٰ نے فیصلہ کیا کہ ہر شخص کو اپنے مکان کی دیوار کے گرا دینے کا حق ہے تم اس دیوار کو ڈھاسکتے ہو وہ اس فیصلہ کے ساتھ گھر آیا اور امام کی ہدایت سے دیوار کے گرانے کا اعلان کیا پڑوسی گھبرا یا ہوا ابن ابی لیلیٰ کے پاس پہنچا کہ جناب اب تو روشنندان ہی نہیں وہ پوری دیواری کو گرا رہے میرے لئے روشنندان دیوار کے گرنے سے زیادہ آسان تھا ابن ابی لیلیٰ خاموش ہو گئے اور سمجھ گئے کہ ابو حنیفہ کا اس مشورے میں ہاتھ ہے

اسی طرح دوسرا مقدمہ مجنونہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی محلہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی لوگوں نے اس کا ایک خاص نام رکھ چھوڑا تھا جہاں اس نام سے اسے پکارتے تھے مکان نام بیٹے والوں کو گالیاں سنانی شروع کرتی جب عادت کسی نے اسی نام سے بڑھیا کو پکارا اس نے صلواتیں سنانی شروع کیں جن میں اس کے باپ ماں کے نام کی بھی گالیاں تھیں بہ صاحب جنھوں نے بڑھیا کو چھیڑا تھا تھے غضبناک آدمی تھے آپنے فوراً ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں قذف دگالیاں دینا یا ازلاہ حیثیت عربی کا دعویٰ بائیں الفاظ دہر کر دیا کہ میری ماں اور باپ کو اس بڈھی نے گالیاں دی ہیں قذف جیسا کہ معلوم ہے اسلام نے ان جرائم کے ذیل میں اس کو شریک کر دیا ہے ہمیں یہ حد جاری ہوتی ہے یعنی قذف کے مرتکب کو کوڑے لگائے جاتے ہیں ابن ابی لیلیٰ نے تحقیقات کے بعد قذف کے ثابت ہو جانے کی وجہ سے بڈھی پر حد جاری کر دی چونکہ اس نے مدعی کی ماں کو بھی گالیاں دی تھیں اور باپ کو بھی اس لئے بجائے ایک حد کے دو حدوں کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور مسجد جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں امدالت گاہ کہلئے ہی استعمال ہوتی تھی وہیں اس بڈھی پر دونوں حدیں جاری کر دی گئیں واقعہ یہ تھا کہ مدعی کے ماں باپ کو بڈھی نے گالیاں دی تھیں وہ اس وقت تک بقیہ چھپاتے امام تک ابن ابی لیلیٰ کے اس فیصلے کی خبر پہنچائی گئی آپ نے فرمایا کہ ایک ہی نہیں اس مقدمہ میں قاضی نے متعدد غلطیاں کی ہیں پہلی بات تو یہی ہے کہ وہ بڈھی مشہور ہے کہ مجنونہ ہے اس کی تحقیق ہونی چاہیے تھی کہ واقعہ اس کو جنوں ہے یا نہیں دوسری بات یہ ہے کہ جب ماں باپ مدعی کے زندہ ہیں تو قذف کے دعویٰ کے پیش کرنے کا حق اس مدعی کو تھا ہی نہیں بلکہ بہہ حق تو اس کے ماں باپ کا تھا انہوں نے دعوے کو قبول ہی کیسے کیا جب ان لوگوں کی طرف سے دعویٰ پیش نہیں ہوا تھا جن کے ساتھ قذف کا ارتکاب کیا گیا ہے تیسری بات یہ ہے کہ مسجد میں انہوں نے حد لگوانی حالانکہ مسجد سزا دینے کی جگہ نہیں چوتھی بات یہ ہے کہ قانون یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو شریک کر کے ایک ہی جگہ میں اگر کوئی گالیاں دے تو گالی دینے والے کو ایک ہی سزا دی جائے گی نہ کہ ہر شخص کی طرف سے وہ علیحدہ علیحدہ سزائیں



اسی طرح امام نے اور بھی چند تقاضے نکال کر دکھائے جن کی تعداد کافی و راز تھی خطیب بغدادی نے بھی اس واقعہ کا اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے آخر میں یہ اضافہ ہی ان کی روایت میں ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کو جب امام کے ان اعتراضوں کی خبر ہوئی تو اپنے حاکمانہ اختیار سے کام لیکر یہ حکم دے دیا کہ شرعی معاملات میں امام ابوحنیفہ کی قسم کی گفتگو نہ کریں یعنی فتویٰ وغیرہ نہ دیا کریں اس قانون کا نام قانون حجر ہے لیکن کچھ ہی دن کے بعد خطیب لکھا ہے کہ ولی عہد حکومت کی طرف سے چند سوالات کو نہ اسے ولی عہد کا حکم تھا کہ امام ابوحنیفہ سے ہی ان مسائل کے متعلق فتویٰ لیا جائے قاصد نے ان سے دریافت کیا جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ مجھے قاضی شہد نے فتویٰ دینے سے حکماً منع کر دیا ہے قاصد نے ولی عہد کو خبر سنائی فرمان ہوا کہ حجر امام سے اٹھا لیا جائے آئندہ ابن ابی لیلیٰ کے لئے یہ اختیار بھی باقی نہ رہا امام نے آزادی کے ساتھ اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا کتابوں میں ایک ذخیرہ ان اعتراضات اور تنقیدوں کا نقل کیا گیا جو سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر امام کی طرف سے آئے دن ہوتے رہتے تھے سب کا نقل کرنا دشوار بھی ہے اور غیر ضروری بھی ہونے کے لئے غالباً ان چند لطیفوں کا تذکرہ کافی ہے عجیب بات یہ ہے کہ گواہوں پر جرح کے سلسلے میں اعداد و شمار اور محل وقوع کے فاصلہ وغیرہ کے متعلق سوال کر کے شہادت کو کمزور کرنے کی کوشش و کھار کی طرف سے موجودہ زمانہ کی عدالتوں میں جو مروج ہے امام کی سوانح عمری میں بھی ایک واقعہ اسی قسم کا نقل کیا گیا ہے لیکن اس قسم کے لغو جرح کو امام نے مسترد کر دیا تھا کہتے ہیں کہ کسی باغ کا مقدمہ تھا گواہ ابن ابی لیلیٰ کے سامنے جو پیش ہوا۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ باغ میں کتنے درخت ہیں کیا تم بتا سکتے ہو؟ گواہ نے کہا کہ جناب میں نے درختوں کو اسکے گنے کی کوشش نہیں کی ابن ابی لیلیٰ نے محض اسی کو جرح قرار دے کر اس کی شہادت مسترد کر دی قصہ امام تک پہنچا امام نے گواہ کو بہر تعلیم کر کے واپس کیا کہ قاضی صاحب سے جا کر یہ دریافت کرو کہ جناب کو فہ کی جامع مسجد میں اتنے زمانہ سے اجلاس کر رہے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں کیا بتا سکتے ہیں کہ اس کے ستونوں کی تعداد کیا ہے؟ قاضی صاحب نے کہا میں نے تو کبھی ستونوں کو اس کے نہیں گنا گواہ نے کہا کہ تو پھر درختوں کی تعداد نہ بتانے کی وجہ سے آپ نے یہ فیصلہ کیسے کر دیا کہ میں اس باغ سے واقف نہیں ہوں

۱۰ کو فہ کی جامع مسجد کی وسعت کے لحاظ سے یہ معمولی سوال نہیں تھا ۱۱ اس موقع پر باغی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد تقی صاحب نے اللہ عز و جل کا وہ واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ جب شاہ جہاں پور کے قریب ایک ندی کے کنارے میلہ خاشاٹھائی میں پنڈت دیانند مرہوتی نے اسلام کی جنت کی بہروں پر اعتراض کرتے ہوئے پوچھا کہ مولوی قاسم بتا سکتے ہیں کہ جنت کی ان بہروں کا طول و عرض کیا ہے؟ مولانا صاحب جواب کیلئے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ "جنت" تو عالم غیب کی ایک چیز ہے بہر ندی جس کے کنارے کھڑے ہو کر پنڈت جی نے اپنی تقریر فرمائی ہے کیا بتا سکتے ہیں کہ اس ندی کا طول و عرض کیا ہے۔ پنڈت جی چیپ تھے۔ مولانا نے تب تینہ فرمائی کہ اس قسم کے صفات کے نہ جاننے سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ ایسی شے موجود نہیں ہو سکتی محض مخالطہ ہے ندی کے سامنے موجود ہے لیکن طول و عرض کا علم اسکے کسی کو نہیں ہے کیا اس سے بہر لازم آئے گا کہ ندی موجود نہیں ہے یا جو لوگ یہاں موجود ہیں (باقی صفحہ آئندہ)



الغرض یہ اور اسی قسم کے اعتراضات کا ایک سلسلہ تھا جو حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں  
ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرہ پر امام کی طرف سے مسلسل جاری تھا ابن ابی لیلیٰ کی طرف یہ فقرہ جو منسوب کیا  
گیا ہے کہ :-

من هذا الخزاز لا يزال يائتي  
منه الصواعق ۲۲۵

یہ خزانہ (خزبانہ یا خز قروش) کون ہے جس کی طرف سے  
یہ بجلیاں ٹپک رہتی رہتی ہیں

مگر بے چارے بجز اس کے سٹ پٹا کر رہ جائیں اور کر کیا سکتے تھے اعتراضات اور وہ بھی امام  
ابو حنیفہ کے اعتراضات پہلا ان کا جواب وہ کیا دے سکتے تھے زیادہ سے زیادہ یہی کہ "خزاز یا حائک  
(جولہ) وغیرہ الفاظ کا امام کی طرف انتساب کر کے دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے۔  
حائک کا لطیفہ ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ موسیٰ بن عیسیٰ مکہ کا عبادیوں  
کی طرف سے والی تھا حج کے زمانے میں وہاں ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرہ سرکاری  
قضاة ہی ہوئے تھے اور حضرت امام ابو حنیفہ بھی وہیں تھے کسی وثیقہ کے لکھوانے کی ضرورت  
موسیٰ بن عیسیٰ کو پیش آئی پہلے اس نے دونوں سرکاری قاضیوں کو بلوا کر لکھنے کی فرمائش کی لیکن جو  
لکھا دوسرا اس میں نقائص نکال کر رکھ دیا اسی جھگڑے میں وثیقہ تیار نہ ہو سکا آخر یہ دونوں حضرات  
تشریف لے گئے توڑی دیر میں امام ابو حنیفہ بھی کسی ضرورت سے موسیٰ کے پاس ہوئے۔ دیکھ کر بہت  
خوش ہوا اور وثیقہ کا قصہ امام کے سامنے دہرایا امام نے تو اسی قسم کے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے فرمایا کہ  
کاتب کو بلو ایسے میں لکھو آتا ہوں وہ لکھتے ہیں کاتب آیا وہیں بیٹھے بیٹھے امام نے وثیقہ لکھو اویا۔  
اور موسیٰ کے حوالہ کیا جیسا چاہتا تھا ٹھیک اس کی مرضی کے مطابق تھا جب امام صاحب جلد گئے تب دونوں  
سرکاری قاضیوں کو اس نے بلا کر وثیقہ خوڑھ کر سنایا دونوں سختے رہے اور کوئی نقص اول سے  
آخر تک نہ نکال سکے موسیٰ نے بتایا کہ یہ امام ابو حنیفہ کا لکھوایا ہوا وثیقہ ہے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے  
لگے کہہ رہے کہ جب باہر نکلے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ :-

اما تری هذا الحائک جاع عن ساعه  
فکتبه صبا ج

کہہ یا۔

دقیقہ سلسلہ گذشتہ) ان کو اس نذی کا علم نہیں ہے یہ کہہ پرانی فرسودہ جرح اس زمانہ میں کی حدائق میں بھی اب تک مروج ہے  
شاید سمجھا جاتا ہے کہ یہ بھی اس زمانے کے نئے اکتشافوں میں ایک اکتشاف ہے ۱۶

۱۷) ایک واقعہ اس سلسلہ میں جو میراجیم وید ہے اب تک یاد ہے میرے گاؤں "گیلانی" میں ایک بڑے عالم تھے واعظ تھے  
مصنف تھے نام ملا عبد اللہ تھا پنجاب کے تھے گیلانی میں رہ پڑے تھے مسک اہل حدیث کا کہتے تھے مفتی عبداللطیف صاحب  
سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے امام ابو حنیفہ کی سوانح عمری میں ایک مفید اور دلچسپ کتاب تذکرہ عظیم کے نام سے لکھی ہے میں نے اپنے  
چچا صاحب حوم کو یہ کتاب دکھینے کیلئے دی انھوں نے ان ہی اہل حدیث عالم صاحب کے پاس خود مطالعہ کرنے کے بعد بھی یاد باقی برصغیر آئینہ



کہتے ہیں کہ تب دوسرے نے کہا بھائی ابو جولاہہ یہی کہیں اپنی عبارت لکھ سکتا ہے۔  
 الغرض جواب میں بھی "الحراز" الحاکم صاحب الراسے قیاس وغیرہ الفاظ کے سوا بیچاروں  
 کے بس میں کوئی دوسری چیز نہیں تھی اگرچہ بعضوں نے لکھا ہے کہ ابن ابی لیلی نے بعض مقدمات  
 میں امام کو پھینکانا چاہا۔ لیکن میرے خیال میں شاید یہ لہجہ کی بنا ہی ہوئی باتیں ہیں اور اصل واقعات سے  
 جو ناواقف ہیں انہوں نے امام اور ابن ابی لیلی یا کوفہ کے دوسرے قضاة کے ساتھ حضرت امام کی اس طرز  
 عمل کو مولویانہ چھیڑ چھاڑ کی چیزیں قرار دے کر گرمی نرم کھیلے بعض واقعات تراش دیے ہیں ابن ابی لیلی  
 کی طرف سے بعض ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کی شان کے مناسب نہیں اور جو اب امام کی طرف سے بھی ان میں بلا یا نہ  
 مزاج والوں کی جانب سے ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جو میر نزویک تو کسی طرح امام ابو حنیفہ کے منہ پر پھینکتے نہیں  
 کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلی کی طرف سے اس قسم کی چیزیں امام تک پہنچانی جاتیں کہ آپ کو اس قسم کے خطابوں سے  
 وہ مخاطب کرتے ہیں یا درہمکیاں دیتے ہیں تو جواب میں امام نے فرمایا کہ :-

فلیجتهد فانی انا الشیخانی حلقہ ان کو کہو جتنا چاہیں اپنا زور خرچ کر لیں لیکن میں تو  
 اس شخص کے خلق کا کاٹنا بن کر رہوں گا۔ ج ۲۲۶

گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ امام صاحب میں ابن ابی لیلی کے متعلق کوئی ذاتی کاوش پیدا ہو گئی تھی  
 جہاں تک امام کی مجموعی زندگی سے ان کی فطرت اور جبلتی نہاد کا پتہ چلتا ہے اس میں ابن ابی لیلی تو خیر ایک  
 بڑے آدمی تھے کسی معمولی آدمی کے متعلق ذلیل جذبات کی پرورش اپنے اندر وہ کر ہی نہیں سکتے تھے  
 افسوس ہے کہ ان کی پوری زندگی اس وقت میں نہیں پیش کر رہا ہوں تاہم دوسرے مسائل کے ضمن میں جو  
 چیزیں اب تک گزر چکی ہیں پڑھنے والوں کے قلوب خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس قسم کی معمولی ملا یا نہ نفسانیت  
 کی کیا امام صاحب کے سینے میں گنجائش پیدا ہو سکتی ہے۔  
 زیادہ سے زیادہ ان روایتوں میں ایسی باتیں مثلاً کبھی کبھی ابن ابی لیلی کے جملوں کو سن کر امام فراتے کہ

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) یہ میری آنکھوں کی دکھی دینی بات ہے اہل حدیث صاحب نے کتاب کو دیکھ کر ایک رقعہ  
 کے ساتھ واپس کیا جس میں لکھا ہوا تھا سبھی بات ہے کہ ابو حنیفہ جولاہہ تھے بزانتھے فلاں فلاں کتاب میں بھی لکھا ہوا  
 ہے ثناء میری اس کتاب پر وہ رقعہ چپان بھی کر دیا گیا تھا گویا بارہ سو سال تک ایک ہی لفظ ہے جس سے امام پر لوگ حملہ کر رہے  
 ہیں ۱۱۷ سنہ اشدا کہتے ہیں کہ ایک دن بطور میر کے ابن ابی لیلی کسی باغ میں گئے ہونے تھے تھوڑی دیر میں امام ابو حنیفہ  
 ہی پہنچے اتفاقاً باغ میں دوسری طرف کچھ عورتیں تھیں جو گارہی تھیں گاتے گاتے جب وہ گانے کو اپنے انہوں نے  
 ختم کیا تو بے ساختہ امام ابو حنیفہ کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا استن د خوب کیا تم عورتوں نے ماہ ظاہر جس سے معلوم ہوتا تھا  
 کہ امام نے عورتوں کے گانے کی تعریف کی ابن ابی لیلی نے کہا کہ تم پر فرق کے سرائے کا مقدمہ چلا کر میں نہیں مردوا شہادۃ قرار دوں گا  
 امام نے کہا میں نے کیا کیا بوسے تم نے غیر شرعی گانے کی تعریف کی امام نے کہا کہ کس وقت بوسے جب وہ چپ ہوئے امام کے کہا  
 (باقی صفحہ آئندہ)



میسے متعلق یہ شخص ان حدود تک چلا جاتا ہے کہ میں شاید اس کے بٹے اور اس کے گدھے کے متعلق بھی باتیں نہیں کہہ سکتا ص ۱۳ ج ۲۔

اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ اور ان کے ہم پیشہ دوسرے سرکاری قضاة امام کو خواہ کچھ کہہ دیتے ہوں۔ جو لاہہ خزاز۔ خیاز وغیرہ لیکن امام کی شرافت دیکھئے کہ ابن ابی لیلیٰ تو ابن ابی لیلیٰ ہی تھے وہ ان کے بٹے اور ان کے گدھے کے متعلق بھی ایسی باتیں پسند نہیں کرتے تھے یہ سچ ہے کہ امام صاحب میں تمام خوبیوں کے ساتھ جیسا کہ دوسری شہادتوں سے بھی ثابت ہوتی ہے مزاج میں کچھ ظرافت اور مزاج کا عنصر بھی شریک تھا بالکل ممکن ہے کہ بطور مذاق کے انہوں نے کبھی کچھ کہہ دیا ہو۔ بلکہ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے۔

مثلاً کہتے ہیں کہ آخر زمانہ میں تنگ آکر ابن ابی لیلیٰ نے چند آدمیوں کو مقرر کر لیا تھا جو اپنی طرف سے امام ابو حنیفہ سے ان مسائل کے متعلق پہلے ہی رائے دریافت کر لیتے جن کے متعلق ان کو شبہ ہوتا تھا کہ امام ان پر اعتراض کریں گے مگر مسائل کے طرز سوال ہی سے امام صاحب تاڑ جاتے کہ یہ خود سوال نہیں کر رہے بلکہ پس پشت خود قاضی صاحب ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ بے ساختہ اس وقت امام کی زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا کہ۔

جب کوئی کڑی گھڑی اڑتی ہے تب یہ بندہ بلایا جاتا ہے  
اور جب طوبہ مانڈے پر اٹھ پھیرنے کا معاملہ ہوتا ہے تب  
”جذب“ کی طیلی ہوتی ہے

اذا تکلون عظیمة ادعی لہا  
واذا یحاس الحیس یدعی جندب

شاعر نے تو یہ شعر ”جذب“ نامی کے لئے لکھا تھا امام ابو حنیفہ اس کو ابن ابی لیلیٰ پر منطبق کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ امام کے سامنے جیسا کہ بار بار عرض کرتا چلا آ رہا ہوں جہاں تک میرا خیال ہے قطعاً کسی کی شخصیت نہیں تھی حکومت اسلامی میں قضا اور فصل خصوصیات کے مسئلہ کو وہ اس بلندی پر دیکھنا چاہتے تھے جس کا وہ قرار واقعی طور پر سچ تھا۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت تھی وہ اس باب میں اپنی ذمہ داریوں جیسا کہ چاہیے تھا نہیں محسوس کر رہے تھے۔ بعض مثالوں کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں اور گذشتہ واقعات جن کا ابن ابی لیلیٰ کے سلسلے میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ کس قسم کے لوگوں کا انتخاب حکومت اس اہم اسلامی فرض کی تفہیم کے لئے کر رہی تھی یہ حال کسی معمولی گاؤں یا قصبہ تعلقہ کے قاضی کا نہ تھا بلکہ اس وقت مختلف وجوہ و اسباب کی بنیاد پر جو قصبہ الاسلام تھا بلکہ جیسا کہ اب مجھ ہی سے سن چکے کہ بغداد سے پہلے عباسیوں نے اپنا دار الخلافہ ہی کوفہ یا اطراف کوفہ کو بنا رکھا تھا جہاں لاکھوں لاکھ آدمی کی اس وقت آبادی تھی اور بڑے بڑے لوگ جہاں مقیم تھے وہاں کے قاضی صاحب کا تصفیہ مقدمات میں یہ حال تھا اور ان واقعات کی حیثیت تو شاید لطائف کی ہو

دقیقہ سلسلہ گذشتہ میں نے تو اس کی تعریف کی کہ فقہ کے فعل کو ترک کر کے تم نے خاموشی اختیار کی یہ اچھا کام تم نے کیا ابن ابی لیلیٰ کھسیانے سے ہو کر رہ گئے اور یہی بعض واقعات ہیں مگر مجھے ان پر اعتماد نہیں ہے (۱۲)



لیکن ایک مقدمہ تو خود امام ابو حنیفہ کے سامنے کا ہے۔ چونکہ اس واقعہ سے صرف اس زمانہ کے سرکاری قاضیوں ہی کا حال نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ امام اسلامی عدالت میں جن بلندیوں کو پیدا کرنا چاہتے تھے انکی بھی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس قصے کو نقل ہی کروں اس قصے کے راوی کوئی محمد بن آدمی نہیں ہیں بلکہ حسن بن ابی مالک راوی ہیں جو قاضی ابو یوسف کے مشہور تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں غالباً خود قاضی ابو یوسف سے انہوں نے اس واقعہ کو سنا تھا اور حسن سے ان کے تلمیذ رشید محمد بن شجاع ایلمنی اس قصے کو نقل کرتے تھے بہر حال قصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک دن قاضی ابن ابی لیلیٰ کے اجلاس میں پہنچے امام کے ساتھ قاضی ابو یوسف بھی تھے بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ابن ابی لیلیٰ کو اس کا خیال ہوا کہ مقدمات کے تصفیہ میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیتا ہوں امام ابو حنیفہ کو دکھاؤں آدمی کو انہوں نے حکم دیا کہ ارباب معاملہ کو اندر بلا لیا جس کے اتفاق دیکھے کہ اس وقت ہی پہلا مقدمہ پیش ہوا وہ تہذیبی کا تھا مدعی نے دعویٰ دائر کیا تھا کہ فلاں آدمی نے اچھو حاضر تھا اچھے ابن الرزانیہ کہا ہے ابن ابی لیلیٰ نے من کر مدعی علیہ کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ کہو! تم کیا کہنا چاہتے ہو امام ابو حنیفہ نے قاضی صاحب کے اس طرز عمل کو دیکھ کر کہا کہ جناب قاضی صاحب پہلے آپ نے یہ بھی تفتیح کی کہ دعویٰ پیش کرنے والا اس دعویٰ کو پیش بھی کر سکتا ہے یا نہیں انہوں نے کہا کہ کیوں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ زنا کی نسبت مدعی علیہ نے اس کی ماں کی طرف کیا ہے دعویٰ کا حق اس کی ماں کو ہے نہ اس کو آپ کو یہ دریافت کرنا چاہیے کہ اس کی ماں نے اپنی طرف سے کیا وکیل بنا کر آپ کے اجلاس میں اسکو بھیجا ہے؟ مدعی نے کہا کہ نہیں میری ماں نے وکیل نہیں بنایا ہے بلکہ میں نے خود اپنی طرف سے دعویٰ دائر کیا ہے امام ابو حنیفہ نے ابن ابی لیلیٰ کو سمجھایا کہ ایسے موقوف پر آپ کو چاہیے تھا کہ مدعی سے یہ دریافت کرتے کہ اس کی ماں زندہ ہے یا مر چکی ہے اگر زندہ ہے تو ظاہر ہے کہ دعویٰ اس مدعیہ کی طرف سے نکالنے والا ہو سکتا ہے اور اگر مر چکی ہے تو اس کا مسئلہ دوسرا ہے ابن ابی لیلیٰ نے یہ سن کر مدعی کو خطاب کر کے پوچھنا شروع کیا کہ تمہاری ماں زندہ ہے یا مر چکی ہے مدعی نے کہا کہ مر چکی ہے ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ اس دعویٰ کے ثبوت میں کیا تم کوئی شہادت پیش کر سکتے ہو گواہ موجود تھے ان کو اس نے پیش کر دیا۔ اب ابن ابی لیلیٰ پھر مدعی علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اس کا کیا جواب ہے یہ دریافت کرنا چاہا ابو حنیفہ نے پھر ٹوکا اور کہا کہ ابھی بات پوری نہیں ہوئی ہے آپ کو مدعی سے یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اس کی ماں جو مر چکی ہے وارث اس کا صرف مدعی ہی ہے یا اور ورثہ بھی ہیں کیونکہ اگر اس بھائی ہیں تو اس دعویٰ کا حق اس میں اور اس کے بھائیوں میں مشترک ہو گیا اور اگر اکیلا وہی وارث ہے تو یہ دوسری

سے محمد بن شجاع ایلمنی کے استاد اور قاضی ابو یوسف کے شاگرد ہیں امام طحاوی نے ان کے حالات لکھے ہیں کہ ان کے استاد ابن ابی عمران بیان کرتے تھے کہ محمد بن شجاع ایلمنی جب حسن بن ابی مالک سے پڑھتے تھے تو لوگوں کا یہ عام خیال تھا کہ جیسی تدقیق و تحقیق سے کام لیتے ہیں اتنی تدقیق قاضی ابو یوسف ہی مسائل کے چھان بین نہیں کرتے تھے صہیری نے لکھا ہے کہ ثقہ فی روایت روایت کرتے ہیں نقد میں علم ان کا گھر تھا نظر وسیع تھی قاضی ابو یوسف ان کو دیکھ کر کہتے کہ یہ بارشتر کو اٹھائے ہوئے ہے یعنی اپنی طاقت سے زیادہ علم کا بوجھ اپنے اوپر محض اپنی محنت سے اٹھا



بات ہوگی ابن ابی لیلیٰ نے مدعی سے بھی بات پوچھی جو اب میں اس نے کہا کہ نہیں اکیلا میں ہی اس کا وارث ہوں۔ قاضی صاحب سمجھے کہ اب مدعی کی بات صاف ہو چکی اور پھر مدعی علیہ کی طرف متوجہ ہوئے امام ابو حنیفہ نے کہا جناب! آپ کو مدعی سے یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اس کی ماں آیا حرہ (ازاد عورت تھی یا امت شرعی لڑکھی) تھی قاضی صاحب نے مدعی سے یہی سوال کیا جو اب میں اس نے کہا کہ حرہ تھی اس پر یہی شہادت طلب کی گئی جو گزار دی گئی قاضی صاحب نے پھر چاہا کہ مدعی علیہ کو مخاطب کریں مگر امام نے روک کر کہا کہ آپ کو پوچھنا چاہیے کہ اس کی ماں آیا مسلمان عورت تھی یا ذمیہ (یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا تھی) مدعی نے کہا کہ مسلمان عورت تھی فلاں مشہور خاندان سے اس کا تعلق تھا اس پر یہی شہادت طلب کی گئی جو پیش ہوئی امام ابو حنیفہ نے تب ابن ابی لیلیٰ کو خطاب کر کے کہا کہ ان تین بیعتوں کے بعد

شأنك الان اب وقت آیا ہے

کہ مدعی علیہ سے دریافت کیجئے کہ وہ جو اب میں کیا کہتا ہے اس نے انکار کیا مدعی سے شہادت طلب کی گئی اس نے کوفہ کے مشہور لوگوں میں سے چند کے نام پیش کئے آگے مقدمہ جاری رہا امام ابو حنیفہ اٹھنے لگے ابن ابی لیلیٰ نے چاہا کہ ان کو بیٹھائیں لیکن وہ اٹھ کر چلے آئے۔

فقہ حنفی سے تہوڑا بہت ہی جو لگاؤ رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی قانونی روش کا فیوں اور آئینی نکتہ سنجیوں کا جو حال ہے اس کے لحاظ سے اس مقدمہ کے متعلق مذکورہ بالا تنقیحوں کی حیثیت بالکل معمولی ہے لیکن پھر یہی ان لوگوں کے لئے جو فقہ سے ناواقف ہیں ان دونوں باتوں کے اندازہ کرنے میں ایک حد تک مدد مل سکتی ہے یعنی حکومت قاضیوں کے مقرر کرنے میں کتنے مسائل سے کام لے رہی تھی اتنے معمولی تنقیحی سوالات جن کی حیثیت گویا بالکل ابتدائی سوالوں کی کسی مقدمہ کے لحاظ سے ہو سکتی ہے لیکن قانونی مناسبت کے نہ ہونے کی وجہ سے ان تنقیحوں کے پیدا کرنے کی بھی ان میں صلاحیت نہ تھی اسی کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی عدالتوں کو امام ابو حنیفہ کس بلند معیار پر لانے کے خواہش مند تھے اور یہ سارا پاپڑ جو بیل رہے تھے اس کا مقصد کیا تھا؟

اور یہی نہیں قاضی ابن ابی لیلیٰ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے حالانکہ ایک تیار ہی حیثیت کے مالک تھے میرا مطلب یہ ہے کہ ان کے والد یعنی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ تو خیر جلیل القدر تابعی ہیں خود کہتے تھے کہ صرف انصاری صحابیوں کی تعداد جن کو انہوں نے پایا تھا ایک سو بیس تھی حضرت عمر حضرت علی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کرتے تھے اس لحاظ سے بڑے باپ کے بیٹے تھے نام ان کا محمد تھا لیکن جس نام سے والد ان کے مشہور تھے اسی نام سے یہ بھی مشہور ہوئے والد کا کستی ہی میں انتقال ہو گیا تھا خود کہتے تھے کہ اپنے والد کے متعلق اس سے زیادہ یاد نہیں ہے کہ میرے والد کی دو بیویاں تھیں اور دو سبز رنگ کے خم گھر میں تھے جس میں بنیذہبی تھی۔

لہ کبھروں کو پانی میں ڈال کر تھوری دیر کیلئے چھوڑ دیتے تھے مثلاً اس بارہ گھنٹے اس عرصہ میں اسکی مٹھاس پانی میں اباقی رہتی آئندہ



بہر حال گو محدثین کے طبقہ میں ان کے حافظہ کی سخت شکایت پھیلی ہوئی ہے لیکن ان کی سچائی اور کردار پر کسی نے اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ قاضی ابو یوسف کے حوالہ سے مجملہ اور باتوں کے یہی حقیقی القابھی نقل کئے گئے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ لوگوں کے مالیات کے متعلق محتاط کسی کو نہیں پایا۔  
(میزان ذہبی)

مگر مشہور مورخ الیافعی کی یہ روایت اگر صحیح ہے کہ عباسیوں کے طاعنیہ چھ لاکھ مسلمانوں کا خونی سفاک ابو مسلم کا سامنا جب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ہوتا  
فقبل یدلا ص ۲۸ ج ۱ تو اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے

اس پر لوگوں نے ان کو ٹوکا بھی جو اب میں کہنے لگے کہ حضرت عمر کے ہاتھ کو ابو عبیدہ بن جراح بھی تو بوسہ دیتے تھے کہنے والا بھی ذرا دیر تھا اس نے کہا قاضی صاحب ابو مسلم کا نام حضرت عمر کے مقابلہ میں دیتے ہیں۔ جو اب میں بوسے کہ تو پھر تم لوگ بھائی مجھے ابو عبیدہ سمجھتے ہو مطلب یہ ہے کہ ابو مسلم اگر عمر نہیں ہے تو بندہ ابو عبیدہ کب ہے جیسی روح ہے ویسے ہی تو فرشتے بھی ہوں گے۔

اس بحث کو چھوڑیے کہ ابن ابی لیلیٰ کا یہ جواب کس حد تک واقعی جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ مان بھی لیا جائے کہ بے چارے قاضی صاحب نے ابو مسلم جیسے شہر کینہ سیاہ سینہ انسان کے ظلم و زیادتی سے بچنے کے لئے بطور تقیہ یا مدارات کے اس طرز عمل کو اختیار کیا ہو

لیکن یہاں سوال مطلقاً جواز و عدم جواز سے نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہ عہدہ قضا کی ذمہ داریوں کو جس بلند معیار پر پہنچانا چاہتے تھے اس لحاظ سے دیکھئے کہ اس قسم کے مثالوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ بلاشبہ وہ چاہتے تھے کہ دین و دنیا کے سامنے علم جہل کے سامنے انصاف بے انصافی کے سامنے کبھی زچھکے جھکانے کا اگر ارادہ کیا جائے تو خواہ انکار کرنے والے پر کچھ ہی گذر جائے تھکنے سے اس کو قطعاً انکار کر دینا چاہیے وہ اس عہدے کی علمی اور عملی دونوں ذمہ داریوں کو چاہتے تھے کہ جس حد تک بلندی ان میں پیدا ہو سکتی ہے پیدا کی جائے۔ علمی حیثیت سے وہ جو کچھ کر رہے تھے آج بھی اس کے نتائج دنیا کے سامنے ہیں اور کردار و عمل کی راہ میں ان کی تربیت و تعلیم سے جن آثار کا ظہور ہوا ان کا

رقیہ ساند گزشتہ نقل ہو جاتی تھی۔ عربوں کا یہ ایک مرغوب مشروب تھا گویا ایک قسم کا شربت تھا لیکن کبھی اس پینے سے سرور کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی تھی اس لئے بعض لوگوں نے اس کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دے رکھا تھا اور دوسری طرف بے باکوں کا بھی ایک طبقہ تھا جو واقعی نشہ کی کیفیت پیدا کرنے بعد تمام بنیادیں اس کو پیتا تھا حالانکہ نشہ پیدا کرنے کی خاصیت پیدا ہو جانے کے بعد وہ بنیادیں شراب بن جاتی تھیں لیکن نفعی تعبیر سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ کوفہ کے علماء نفس بنید کو حلال کہتے تھے جس میں امام ابو حنیفہ بھی شریک ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کے بارے میں تو لکھا ہے کہ جو بنید کو حلال نہیں سمجھتا تھا اس کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے (دیکھو میزان ذہبی)



اندازہ ان بزرگوں کی سوانح عمریوں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے امام کے بعد قضائے خدمات انجام دی ہیں یہ ایک متقل کتاب کا مضمون ہے لیکن اس وقت قاضی ابن ابی لیلیٰ کے اس قصے کے مقابلہ میں بے ساختہ جی چاہ رہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی تربیت نے جس انقلاب کو پیدا کیا تھا اس کی کم از کم ایک مثال کا ذکر کر ہی دوں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ جس کا ہاتھ چوما گیا وہ خود بادشاہ یا خلیفہ نہیں ہے بلکہ حکومت کا ایک افسر ہے اگرچہ بہت بڑا مطلق العنان افسر ہے لیکن پھر ہی بادشاہ اور فرماں روا تو نہیں ہے۔ دیکھیے اسی کے مقابلہ میں اسی عباسی حکومت کا سب سے بڑا حکمران ہارون الرشید ہے یہ کسی حنفی مورخ کی نہیں بلکہ خطیب بغدادی کی روایت ہے جن کی کتاب میں حنفی ائمہ اور اکابر کے متعلق بمشکل الصفات سے کام لیا گیا ہے لیکن وہی مشہور کتاب الاموال کے مصنف ابو عبیدہ قاسم بن سلام کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ محمد بن الحسن (یعنی امام ابو حنیفہ کے شاگرد) کے ساتھ تھے کہ اتنے میں الرشید (ہارون) سامنے سے گزر رہا تھا رشید کو دیکھتے ہی مجلس میں جتنے آدمی تھے سروقد کھڑے ہو گئے

ابو عبیدہ بن الحسن فائدہ لے رہے تھے لیکن ایک محمد بن الحسن تھے جو نہ کھڑے ہوئے۔

اور جیسے بیٹھے ہوئے تھے بیٹھے کے بیٹھے رہے صرف نہ کھڑا ہونا بھی نہیں بلکہ فقہاء الیہ الناس کلہمہم الرشید کے لئے سب کے سب کھڑے ہو گئے اس واقعہ کے بعد مجلس میں کسی ایک آدمی کا بیٹھے رہنا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ رشید اندر داخل ہو گیا اور تھوڑے سے وقفہ کے بعد الاذن (یعنی باریابی کی اجازت) دینے والا باہر نکلا اور آواز دی کہ محمد بن الحسن یعنی محمد بن الحسن کی خلیفہ کی پیشی میں طلبی ہے ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس آواز کے سنتے کے ساتھ ہی لوگوں کا یعنی امام محمد کے شاگرد جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب کا خون خشک ہو گیا لیکن امام محمد اطمینان کے ساتھ اٹھے خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس ہوئے چہرہ ابتلاش تھا خوش نظر اسے تھے اور خود ہی فرمانے لگے کہ خلیفہ نے بلا کر مجھ سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ تم کیوں کھڑے نہیں ہوئے میں نے کہا کہ مجھے یہ کچھ اچھا معلوم نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے جن طبقہ میں مجھے رکھا ہے اس طبقہ سے نکل کر دوسرے گروہ میں داخل ہو جاؤں آپ نے مجھے اہل علم کی جماعت میں داخل کیا ہے یہ بات مجھے پسند نہ آئی کہ اہل علم کی جماعت سے باہر ہو کر ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں جو آپ کی خدمت کے لئے ملازم ہیں

امام نے اس کے بعد کہا کہ

رشید سے میں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ تھا ہے فرمایا ہے کہ جو اس کی توقع رکھتا ہو کہ اس کی تعظیم کے لئے لوگ کھڑے ہو کرین چاہتے کہ اپنا ٹھکانہ وہ جہنم میں بنا لے

امام محمد کہتے ہیں

میں نے رشید سے یہ سہی کہا کہ ایسی صورت میں جو بیٹھا رہا اس نے سنت کی پیروی  
کی یعنی وہی سنت جو آپ ہی کے خاندان سے منتقل ہو کر ہم لوگوں تک پہنچی ہے  
ان ہی کا بیان ہے کہ رشید میری اس گفتگو کو سنتا رہا اور آخر میں اس نے کہا کہ  
صدقہ یا مچھن مگر تم نے سچی بات کہی

دین اور علم کی ایک شان یہ ہے کہ اور آئی کا دوسرا ہتھیار وہ تھا وہی ہارون جس کی  
زبان پر النطع اور السیف کے الفاظ چڑھے ہوئے تھے اس کے سامنے بھی امام ابو حنیفہ کا چڑھا یا ہوا  
رنگ پھیکا نہیں پڑتا ہے بلکہ ہارون ہی کو امام کے پیدا کئے ہوئے کردار کی سچی نرم پڑ جانے پر مجبور کر دیتی ہے  
حقیقت تو یہ ہے کہ اس معاملہ میں اپنے تلامذہ کے اندر امام نے جس قسم کی حسنی و کاوت پیدا کر دی  
تھی اس کے یہ لازمی نتائج تھے لیکن اس حسنی و کاوت کے پیدا کرنے میں وہ کیسے کامیاب ہوئے بلاشبہ  
ہم اسے ان کی کرامت ہی قرار دیکھتے ہیں۔

یہ سننے کی چیز ہے قاضی عافیہ جن کا ذکر کسی موقع پر آچکا ہے یعنی امام کی مجلس کے طے شدہ  
مسائل جب تک عافیہ نہ دیکھ لیں۔ امام صاحب کا حکم تھا کہ یادداشت نہ کرنا اور نہ کئے جائیں  
ان ہی قاضی عافیہ کا ایک قصہ خطیب ہی نے نقل کیا ہے حال یہ ہے کہ مہدی عباسی خلیفہ نے ان کا تقریر  
عہدہ قضا پر کیا تھا۔ کچھ دن کام کرتے رہے ایک دن خلافت معمول خلیفہ کے دربار میں حاضر ہو کر  
باریابی کی اجازت چاہی مہدی نے بلا لیا یہ دیکھ کر کہ کاغذوں کا بستہ (قلم) بھی نعل میں دبا ہوا ہے  
مہدی نے خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے کسی عہدہ دار یا مہتمم کے رشتہ داروں نے ان پر کچھ دباؤ  
ڈالا ہے اسی کی شکایت کرنے آئے ہیں خود ہی پیش قدمی کر کے بولا کہ کیا کوئی ایسی صورت پیش آئی ہے  
بولے کہ امیر المؤمنین اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ قصہ دوسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوہ دو بیٹے  
سے دو امیر فریقین کا مقدمہ ہمارے پاس چل رہا ہے مقدمہ تھا ڈرا پیچیدہ اور دشوار شہادت اور  
گواہیاں دونوں طرف سے پیش ہو رہی تھیں اور ایسی گواہیاں جن میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے  
کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی میں اس خیال میں تھا کہ دونوں میں صلح کرادوں یا اس عرصے میں خدا  
ترجیح کی کوئی وجہ سمجھا دے اسی میں کچھ تاخیر ہوئی اس عرصے میں فریقین میں سے ایک شخص نے اس کا بیٹہ  
چلایا کہ مجھے تازہ رطب (بجور) سے خاص رغبت ہے حالانکہ ابھی کھجوروں کے موسم کا آغاز ہے لیکن  
خدا جانے اس ہندہ خدا نے کہاں سے ان کو مہیا کیا اور میرے دربار کو رشوت دے کر راضی کیا کہ کھجوروں  
کے طبقے کو دے کر قاضی صاحب کے پاس جانے کی اجازت دے دے خواہ قاضی صاحب میرے ہدیہ کو قبول

یہ نطع چرمی فرش کا نام تھا جس پر قتل ہونے والے کو بٹلا کر قتل کیا جاتا تھا۔ سیف کے معنی تو نثار ہے کہ تلوار میں  
جس عہد کا یہ قصہ ہے غصہ میں عورتا سلاطین اور حکمران کی زبان پر یہ دونوں لفظ چڑھے ہوئے تھے۔



کریں یا نہ کریں بہر حال کھجوروں کو سے کر میسر مکان وہ پہنچا دیکھنے کے ساتھ ہی میں نے اسے واپس  
کیا اور سخت ناگواری کا اظہار کیا اور بان جن نے آنے کی اجازت دے دی تھی اسے بھی میں نے  
نکال باہر کیا وہ کھجوروں کے طبق کو لیکر واپس ہو گیا بات ختم ہو گئی لیکن دوسرے دن جب میں اپنے  
اجلاس پر پہنچا فریقین میں سے ہر دو نے حاضر ہونے تو امیر المؤمنین میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں نہ  
میسر دل کے آگے برابر باقی رہتے تھے اور نہ میری آنکھوں میں دونوں یکساں تھے۔

قاضی عافیہ نے سارے ماجرے کو سنانے کے بعد نہدی سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین ایشوت  
کے نہ لینے کی صورت میں جب میسر نفس کی یہ حالت ہو گئی اسی سے اندازہ کرتا ہوں کہ رشوت کے  
قبول کرنے کے بعد کیا حال ہو سکتا ہے میں ڈر رہا ہوں کہ اس راہ میں اپنے دین کو برباد کر کے خود اپنے آپ کو  
میں تباہ نہ کر دوں آپ دیکھ رہے ہیں امام ابو حنیفہ کے انقلابی تاثرات اور ان کے نتائج کو اور کیا یہ  
کوئی ایسا دو واقعے ہیں جیسا کہ میں نے کہا امام کی تربیت و پرواخت نے جن لوگوں نے پیدا کیا اور پھر ان  
لوگوں کی صحبتوں میں جو لوگ سب سے اسی طرح صدیوں اس کا سلسلہ باقی رہا ایک مستقل کتاب کا وہ مواد ہے۔  
اس وقت گفتگو تو دراصل امام ابو حنیفہ کے اس طریقہ کار کے متعلق ہو رہی تھی جو حکومت کی  
طرف سے مقرر کئے ہوئے قاضیوں کے فیصلوں کے سلسلے میں انہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ کہلی ہوئی بات  
ہے کہ اس قسم کے فیصلوں پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں وہ یوں ہی مشہور ہو جاتے ہیں اور یہاں آپ  
سن چکے کہ اعتراض بھی کرتے جاتے تھے اپنے ان اعتراضوں کو لوگوں پر امام ظاہر بھی کرتے رہتے  
تھے اگر اس کا نتیجہ یہ ہوا ہو جیسا کہ ان کے سوانح نگاروں نے یحییٰ بن آدم جیسے ثقہ ثبت حجت سے  
ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

کو ذفقہ سے معمور تھا اور فقہا کی اس شہر میں کثرت تھی مثلاً ابن شیرہ ابن ابی لیلیٰ ابن من صلیح  
شریک اور ان ہی جیسے لوگ لیکن ابو حنیفہ کے اقوال کے سامنے سب کا بازار مرد و پڑ گیا

ص ۲۱۱ ج ۲

اور امام کو جو اصل مقصود تھا وہ آخر ان کے سامنے اس شکل میں جلوہ گر ہوا جیسا کہ حماد بن سلمہ  
کا بیان ہے۔

کہ گو ابن ابی لیلیٰ اور ابن شیرہ شریک سفیان وغیرہ امام سے اختلاف کرتے رہے  
لیکن بالآخر امام ابو حنیفہ ہی کی بات نے استواری حاصل کی اور امام ابو حنیفہ کے محتاج  
ہونگے خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا ص ۲۱۱ ج ۲

”امرار ابو حنیفہ کے محتاج ہونگے اور خلفاء کے درباروں میں ان کا ذکر ہونے لگا یہی چیز دیکھنے  
کی اور غور کرنے کی ہے امرار سے الگ رہنا حکومت اور حکومت سے استفادے کے سارے ذرائع سے قلعی

طور پر بے نیاز ہو کر زندگی گزارنا موج خون کو سر سے گزرتے ہوئے دیکھتے رہنا لیکن آستان  
 یار سے نہ اٹھنے پر اصرار کو جاری رکھنا اپنی آخری سانس تک جاری رکھنا یہ واقعہ ہے کہ اس حد تک  
 امام ابو حنیفہ کے ساتھ اکابر اسلام کا ایک بڑا گروہ شریک تھا تاریخ کے اوراق میں ان بزرگوں کے  
 اسماء گرامی زین حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔

لیکن یہ بات کہ امراء سے دور بھی رہنا اور ان ہی امراء کو اپنا محتاج بنانے کی کوششوں  
 کو بھی جاری رکھنا خود اپنی مجلس کو خلفاء اور سلاطین کے ذکر سے پاک بھی رکھنا لیکن ان کی مجلسوں تک  
 زبردستی اپنے ذکر کو زور پہنچانا اور صرف ذکر ہی نہیں بلکہ امام نے اپنی تدبیروں سے ایک ایسی صورت  
 حال پیدا کر دی کہ بالآخر بقول عیسیٰ بن آدم

قضى به بخلفاء والائمة والحكام  
 واستقر عليه للاحق  
 خلفاء اور ائمہ (یعنی مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کا طبقہ اور  
 حکام ابو حنیفہ کے مدونہ قوانین سے فیصلہ کرنے لگے اور  
 بالآخر اسی پر سلسلہ ختم ہوا۔

سچ پوچھئے تو ترک موالات کی سبلی کوششوں کے ساتھ حکومت میں شریک و دخیل ہونے کی  
 ایجابی و اثباتی جدوجہد حضرت امام ابو حنیفہ کا ایک ایسا خصیصہ اور علمی و عملی زندگی کا ایسا طغراس  
 امتیاز ہے جس میں جہاں تک میں جانتا ہوں کم از کم ان کے عہد میں ان کا کوئی شریک و ہمیم نہ تھا۔  
 امام کے سوا خ نگاروں نے قاضی ابو یوسف کے نام سے جس وصیت نامہ کو امام ابو حنیفہ  
 کی طرف منسوب کیا ہے بخجندہ دوسری باتوں کے اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ۔

حکومت تمہارے سامنے جب کوئی خدمت پیش کرے تو تم ہرگز اس کو اس وقت تک  
 قبول نہ کرنا جب تک اس کا پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ تمہارے علمی اجتہادات اور تمہارے  
 فیصلوں پر وہ اتنا اعتماد کرتی ہے کہ ان کے بعد وہ کسی دوسری کی طرف اس باب میں توجہ  
 نہ کرے گی ص ۱۱۳ ج ۲

اب اس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے

درحقیقت ایسے حالات ہی انہوں نے پیدا کر دیے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ  
 اپنی مرضی کا تابع بنا کر نہیں بلکہ اہل و علم و دین کی مرضی کے خود تابع ہو کر حکومت ان سے امداد لینے پر  
 کم از کم اس خاص شعبہ (یعنی عدل و انصاف فصل خصوصیات) میں مجبور ہو گئی تھی عثمان بن عفان جو حدیثوں  
 کے بھی راوی ہیں اپنے والد عفان کے حوالہ سے ان کی چشم دید شہادت یہ نقل کی ہے۔  
 ”عراق کا ہمارے زمانے میں یہ حال تھا کہ لوگ مسائل میں ایک دوسرے سے جھگڑتے  
 رہتے اور باتیں کرتے رہتے تھے“

پھر وہی کہتے ہیں کہ آخر میں یہ حال ہو گیا کہ  
 جہاں ابو حنیفہ کی رائے کا ذکر کیا گیا تو اس کے سوا اور کسی دوسری رائے کو قطعی فیصلہ نہیں



سمجھا جاتا تھا لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے ہیں ڈرنے لگے ان کے قلوب ابو حنیفہ کے قول کے سوا اور کسی بات سے مطمئن ہی نہیں ہوتے تھے ص ۱۲۷ ج ۲

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عوام تو عوام جن کی تنقیدی چاندناریوں سے سرکاری قاضیوں کے فیصلے محفوظ نہ تھے بلکہ بقول قاضی ابن ابی سلی الصواعق اگر کتنی ہوئی بچلیوں کی طرح امام ان پر ٹوٹ رہے تھے اور جن قسم کی جاندار تنقیدیں ان کی ہوتی تھیں کسی میں ان تنقیدوں کے روکی تاب بھی نہ تھی امام کے مشہور تلمیذ جو طبقہ صوفیہ کے رئیسوں میں شمار کئے جاتے ہیں یعنی داود طائی امام اوزان کی کوششوں کی روداد بیان کرتے ہوئے آخر میں مجلس وضع قوانین اور اس کے کارناموں کے تذکرے کے بعد کہا

”گو بعض لوگ مثلاً ابن ابی نیلی ثوری شریک و غیرہ نے امام کا کچھ دن مقابلہ کیا اور چاہتے تھے کسی طرح امام کو زک پہنچائیں لیکن ان کے حالات ہی ایسے تھے کہ روز بروز ان کا مقام بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا تلامذہ کا حلقہ وسیع ہو گیا بلکہ کوفہ کی جامع مسجد میں سے بڑا حلقہ آخر میں امام ہی کا ہو گیا تھا“

پھر تلامذہ کے ساتھ امام کے سلوک اور برتاؤ کی جو کیفیت تھی داود طائی نے اس کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہا کہ

بالآخر لوگوں کا رخ آپ کی طرف پھر گیا۔ بڑے بڑے امراء اور حکام آپ کی عزت کرنے لگے مشکلات کے حل میں امام نے ہمیشہ اپنے آپ کو آگے آگے رکھا۔ لوگ آپ کے مداح ہو گئے ایسا کام کر کے امام نے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جو دوسروں سے

جن نہ آیا ص ۱۲۷ ج ۱

اور گو داود طائی نے امام کی ان غیر معمولی کامیابیوں کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے یہ صحیح بات کہی ہے کہ قوی علی ذلت بالصلم الواسع ان کے وسیع علم نے ہی اور تقدیر نے بھی ان کی مدد کی

واسعد فہ المقادیر ص ۷۲

جو اتنی قوت امام کو حاصل ہوئی

لیکن علم واسع عقل و تدبیر اور ان کے سخت بلند کے سوا جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی کامیابیوں کا ایک بڑا راز کچھ اور بھی تھا اور اب میں اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ وقت کے امراء اور حکمرانوں کو جب اپنے اور اپنے علمی کارناموں کی طرف متوجہ کرنے میں خدا ان کو اس حد تک کامیاب کر چکا تھا اور مجھ ہی سے آپ امام کے اس قول کو بھی سن چکے ہیں جو اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حکومت کی بلازمت میں اس وقت تک تم لوگوں کو

مرفق کی کتاب میں بجا دوسروں کے ”عرب“ کا لفظ سے یعنی عربی اسل علماء سے جو کام بن پڑا وہ اس عجمی مسلمان نے انجام دیا لیکن داود کی بھی روایت دوسری کتابوں میں جو پائی جاتی ہے اس میں عرب کا لفظ نہیں ہے میرے نزدیک صحیح روایت ہی بات ہے

شریک نہ ہونا چاہیے جب تک کہ اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اس جگہ پر اگر ہم نہیں قبضہ کرتے ہیں تو غیر  
 تارکے اور نالائق لوگوں سے وہ جگہ بھر جائے گی اور خلق خدا ان کی وجہ سے نکلیں گے اور جہنم  
 جیسا کہ واقعات کی روشنی میں آپ دیکھ چکے کہ صورت حال امام کے زمانے میں قریب قریب یہی  
 ہو چکی تھی پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس کے حکومت کی شرکت انہوں نے جیسا کہ معلوم ہے اور  
 آئندہ تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر آ رہا ہے امام صاحب نے کیوں قبول نہ کی حالانکہ حکومت کی طرف سے ان کے  
 سامنے وہ سب کچھ پیش کر دیا گیا جو کچھ وہ چاہتے تھے یا چاہ سکتے تھے مگر وہ انکار ہی پر اصرار کرتے رہے  
 مگر اسی اصرار ہی انکار کی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

میں نے مضمون کا ابتدائی سوال بھی تھا اب وقت آیا ہے کہ اس سوال کے جواب پر غور کیا جائے  
 لیکن جواب سے پہلے مناسب ہے کہ امام کی زندگی کے آخری مرحلہ یعنی حکومت عباسیہ کے ساتھ ان کے  
 تعلقات کی جو ایک طویل داستان ہے اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا امام نے قسداً ایسے حالات ہی پیدا کر دیے تھے کہ حکومت اپنے  
 تعاون اور اپنے ساتھ اشتراک پر امام کو آمادہ کرنے پر مجبور ہو چکی تھی علاوہ اس کے دوسری عام وجہ  
 یہ بھی تھی خود امام ہی نے اس کا اظہار اپنی اس گفتگو میں کیا ہے جو خلیفہ ابو جعفر سے ایک دفعہ انکی  
 ہوئی تھی۔

کہتے ہیں کہ اپنی مخالفت کی ابتدائی دنوں ہی میں ابو جعفر نے غالباً جب وہ مدینہ میں تھے امام ہا  
 اور ابن ابی ذئب کے ساتھ امام ابو حنیفہ کو بھی دربار میں طلب کیا اور تینوں حضرات کو مخاطب  
 کر کے اس نے پوچھا کہ

”اس امت (یعنی مسلمانوں) کی حکومت کی باگ ہمارے ہاتھ میں خدائے جباری ہے“

آپ لوگوں کا اس کے متعلق کیا خیال ہے آیا ہم لوگ اس کے واقعی اہل ہیں“

اپنے اپنے مذاق کے مطابق ہر ایک نے جواب دیا جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں البتہ  
 امام نے جو جواب دیا تھا اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ آپ نے منظور کو خطاب کر کے ہوسے  
 فرمایا تھا۔

اپنے دین کی بھلائی کے چاہنے والے کو چاہیے کہ غصہ اور غضب اپنے آپکو خالی کرے

اس تمہیدی فقرے کے بعد امام نے کہا کہ:-

اگر آپ اپنے واقعی خواہ ہیں تو آپ یقیناً یہہ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس وقت

آپ نے اپنے دربار جو جمع کیا ہے قطعاً یہہ کام آپ کا اللہ کے لئے نہیں ہے“

اس کے بعد یہہ الفاظ امام کی زبان سے ادا ہوئے کہ

درحقیقت آپ عوام الناس کو یہہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ ہی آپ کے متعلق وہی

خیال رکھتے ہیں جو خود آپ لوگوں کا اپنے متعلق ہے“ ص ۱۶۸



مطلب امام کا یہ تھا کہ مسلمانوں کی حکمرانی کا حقدار اپنے آپ کو جو آپ لوگ سمجھتے ہیں اور  
 بھی دنیا کو باور کراتے پھرتے ہیں چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس مسئلہ میں آپ کی ہمنوائی کریں تاکہ اس ذریعہ  
 سے رائے عامہ کا اعتماد حاصل کریں۔

جس سے معلوم ہوا کہ رعایا کے ممتاز افراد کو ہمنوا بنا کر رائے عامہ کے اعتماد حاصل کرنے کا عام  
 رواج جیسا کہ اس زمانہ میں ہے امام کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومتوں کی یہ بھی پرانی اور قدیم رسم  
 ہے گویا اس سلسلہ میں جو کچھ آج کیا جا رہا ہے کل بھی دنیا ہی کرتی تھی۔

جہاں تک میرا خیال ہے وہ حال جس کا امام کے سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے یعنی امرار وقت کے  
 حکمرانوں کا امام اور امام کے علمی خدمات کی طرف متوجہ ہو جاتا یہ تو بعد کی بات تھی اور ان پیہم مسل کوشتوں  
 سے بہ تدریج پیدا ہوئی تھی جن کے جاری رکھنے کا موقعہ بغیر کسی مزاحمت کے باطنیان تمام سلسلہ تک  
 عباسی حکومت کے قیام کے بعد امام کو ملا۔

لیکن عباسی حکومت سے امام کے تعلقات اس سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے۔ اور اس میں کچھ امام  
 ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ ہر وہ شخص جس کی موافقت اور ہم آہنگی سے عوام متاثر ہو سکتے تھے ان کو مختلف  
 طریقوں سے حکومت اپنے قابو میں لانے کی کوشش شروع ہی سے کر رہی تھی میں نے السفاح کی اس تقریر کا  
 ذکر اسی کتاب میں کسی مقام پر کیا ہے جس میں کوفہ کے سربراہ اور وہ علماء کو بلا کر اس نے تقریر کی اور اپنی  
 وزارتوں اور غنائتوں کا سب کو اس نے امیدوار بنایا تھا۔ السفاح کے بعد جب منصور خلیفہ ہوا تو اس  
 سلسلہ میں اس نے اپنی سرگرمیوں کو نسبتاً زیادہ بڑھا دیا تھا۔ جس کی ایک وجہ ممکن ہے کہ یہ ہی ہو سکتی ہے  
 کہ ایک حد تک اس زمانے کے عروج علوم میں وہ خود بھی دستگاہ رکھتا تھا ہو سکتا ہے اس کے علمی مذاق نے  
 بھی اہل علم کی قدر افزائیوں کی طرف اس کو کچھ متوجہ کیا ہو۔

اور امام کے ساتھ تو دوسرا معاملہ بھی تھا یعنی عباسیوں کی پیش رو حکومت کے ساتھ امام کا جو طرز  
 عمل ہا تھا وہ کوئی پوشیدہ راز نہ تھا۔ زید بن علی کے ساتھ ان کی ہمدردیوں کے قصے کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ  
 حکومت کے کانوں تک نہ پہنچے ہوں گے۔ ماسوا اس کے ابراہیم صالح کا واقعہ تو خود اسی حکومت سے تعلق رکھتا  
 تھا جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے۔ ابراہیم اور امام ابو حنیفہ کے تعلقات ایسے نہ تھے کہ حکومت کے خفیہ  
 گوشوں سے پوشیدہ رہ سکتے تھے امام کے ساتھ دارو گیر اگر نہ ہوئی تو عرض کر چکا ہوں کہ اس کی بنیاد  
 یہی ایک سیاسی مصلحت ہی پر مبنی تھی۔

امام جن سے ایسے خطرناک آثار کا ظہور مختلف شکلوں میں ہو چکا تھا یقیناً یوں بھی اس کے متحق  
 تھے کہ حکومت ان کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرے۔

جیسا کہ چارہ بیٹے گرمی سے پہلے عموماً اس قسم کے مواقع میں پہلے حکومتیں نرمی ہی کی راہ میں اختیار کرتی  
 ہیں اور گو امام ابو حنیفہ اور خلیفہ منصور عباسی کے تعلقات کے قصوں کو بیان کرنے والوں نے بغیر کسی  
 ترتیب کے پراگندہ طور پر بیان کیا ہے۔ ان میں بعض واقعات کا تعلق اس زمانے سے ہی جب نرمی کی راہ سے منصور

امام کو اپنے قابو میں لانا چاہتا تھا۔ اور گرمی کے واقعات کا تعلق ان دونوں سے ہی جن میں حکومت بالآخر امام سے مایوس ہو گئی پھر مایوس ہو جانے کے بعد حکومتیں جو کچھ کر سکتی ہیں امام کو بھی اس کا تجربہ کرنا پڑا۔

**حکومت عباسیہ سے امام** جیسا کہ عرض کر چکا ہوں عباسیوں کے پہلے حکمران ابو العباس السفاح کے بیچ سالہ دور حکومت میں بجز اس ایک واقعہ کے جس کا ذکر گذر چکا ہے

**کے تعلقات کی ابتدا** یعنی علماء کی مجلس میں امام نے خلیفہ کو جو جواب دیا تھا اور کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ حکومت نے امام کی طرف توجہ کی ہو یا امام نے حکومت سے براہ راست تعلق قائم کرنے کا ارادہ کیا اور السفاح کے بعد جب ابو جعفر منصور گدی پر آیا تو اس کی حکومت کی بھی ابتدا ہی چند سالوں میں سکوت اور خاموشی کا وہی عالم قائم رہا۔ میں نے لکھا تھا کہ تقریباً بارہ تیرہ سال کے اس طویل وقفہ میں امام کو ان کارروائیوں کا موقع ملا جن کی داستان سنائی جا چکی۔

باقی یہ سوال کہ خلیفہ ابو جعفر منصور اور امام کے تعلقات کی ابتدا کب سے ہوئی اور کیسے ہوئی میں کہہ چکا ہوں کہ امام کے سوانح نگاروں نے دونوں کے باہمی تعلقات کے قصے غمگین طور پر بیان کر دیئے ہیں کسی قسم کی ترتیب ان میں نہیں پائی جاتی تاہم جہاں تک قرآن و قیاسات کا اقتضا ہے۔ میں نے نزدیک سے پہلی دفعہ ابو جعفر منصور نے امام کو اس وقت بلا یا ہے جب اپنے مدینہ السلام (بغداد) کی تعمیر کے سلسلے میں پہلی دفعہ اپنی حکومت کے ارباب علم و دانش کو اس نے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس واقعہ کا طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے جس کا حال یہ ہے کہ گو مدینہ السلام کی حقیقی تعمیر کی ابتداء اس واقعہ کے بعد شروع ہوئی جسے النفس الذکیہ محمد بن عبداللہ اور ابراہیم بن عبداللہ کے خروج سے تعبیر کرتے ہیں جس کی پوری تفصیل آگے آ رہی ہے لیکن طبری ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصور نے بغداد کی تعمیر کا انتظام اس واقعہ کے ظہور سے پہلے کرنا شروع کر دیا تھا لیکن کام کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ اچانک ان دونوں بھائیوں کے خروج کا واقعہ پیش آیا۔ اسی وجہ سے تعمیر کے کام کو روک دینا پڑا۔

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک ابو جعفر نے سب سے پہلے امام کو اپنے دربار میں باضابطہ طور پر اس وقت بلا یا جب پہلی دفعہ مدینہ السلام کی تعمیر کا کام زمین کے انتخاب کے بعد شروع ہوا تھا طبری نے سلیمان بن محالد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ السلام کی تعمیر کا ارادہ قطعی طور پر طے ہو گیا تو۔

”منصور نے شام موصل جبل کوثر واسط بصرہ وغیرہ شہروں میں اپنا حکم بھیجا کہ ہر قسم کے کاریگر اور کام کرنے والے مزدور اکٹھے کئے جائیں اسی کے ساتھ اس نے یہ حکم بھی صادر کیا کہ ارباب فہم و دانش جن میں امانت اور دیانت کے صفات پائے جاتے ہوں نیز فن ہندسہ (تعمیری ہندسہ) سے جو واقف ہوں ان کا انتخاب بھی ہر شہر سے کیا جائے۔“

سلیمان کا بیان ہے کہ منصور کی اسی حکم کی تعمیل میں جو لوگ طلب کئے گئے ان میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر



بھی تھے

اور یہی میرا خیال ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے منصور نے امام ابو حنیفہ کو اسی تقریب سے اپنے پاس بلایا میں سمجھتا ہوں امام کے متعلق یہ قصہ کہ بنی امیہ کی حکومت کے زمانے میں قضا و غیرہ کے عہدوں کے قبول کرنے سے ابن ہبیرہ کے شدید اصرار کے باوجود انکار کر دیا تھا کوئی وجہ نہیں کہ منصور تک نہ پہنچا ہوگا اور گو مقصود تو اس کا وہی ہوگا جس کا اظہار جیسا کہ گذر چکا خود امام نے اس کے منہ پر کر دیا تھا کہ اس قسم کے لوگوں کے بلانے سے رائے عامہ کے اعتماد کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہو خصوصاً امام نے تو اپنی علمی اور عملی تدبیروں سے ماحول ہی ایسا پیدا کر دیا تھا کہ حکومت میں امام کے اشتراک کا مطالبہ اس زمانے کا ایک عام مطالبہ بن چکا تھا لیکن ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں کسی ایسی چیز کی امام پر پیش کرنے میں منصور نے احتیاط کی جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ انکار کریں گے

اگرچہ مورخین نے واقعات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر کے بیان کیا ہے کہ لیکن ان ہی سلیمان بن مجالد کے حوالے سے ظہری ہی نے چشمہ اور روایتیں جو نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر کا مشورے کی حد تک امام نے منصور کے حکم سے سرتابی مناسب نہیں خیالی کی اور گو سلیمان کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آخر وقت تک امام اس کام میں مشغول رہے لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جہاں تک قیاس کا اقتضا سے خروج کے واقعہ سے پہلے بغداد کی تعمیر کے جسے ابتدائی مراحل طے ہوئے تھے امام کی شرکت ان ہی کی حد تک محدود تھی اور سلیمان کے الفاظ

شہر کی تعمیر کا نظم اور اینٹ کی ڈھلائی ان کا گنا کام کرنے والوں کے کام کی نگرانی یہ سارے کام ابو حنیفہ کے سپرد ہوئے۔

فولاد القیام بناد المدینہ و ضرب اللین وعدة واخذ الرجال بالعل ۲۷۱

اگر صحیح ہیں تو اس کا مطلب میرے نزدیک یہی ہے کہ قبل خروج نفس ذکیہ میں حد تک مدینہ السلام کی تعمیر کا کام ہو چکا تھا اس میں نکلن سہت کہ امام نے کچھ دن کے لئے ان ذمہ داریوں کو قبول کر لیا ہوگا

۱۔ یہاں یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ نفس ذکیہ کے خروج سے پہلے مدینہ السلام کی تعمیر کا سلسلہ اس حد تک پہنچ چکا تھا جیسا کہ کمال بن اثیر نے لکھا ہے کہ قد آدم کے برابر فضیل کی دیوار زمین سے اوپر اچھی تھی کہ اتنے میں محمد بن عبداللہ کے خروج کی خبر پہنچی اسی لئے تعمیر کا کام روک دیا گیا ص ۲۰۸ کمال جلد ۵ اس میں لکھا ہے کہ کام کے التواء سے پہلے منصور ان تمام چیزوں کو مہیا کر چکا تھا جن کی ضرورت اس شہر کی تعمیر میں ہو سکتی تھی یعنی لکڑیاں اور ساگوں کے تختے وغیرہ یہ ساری چیزیں اس سرزمین تک پہنچی تھیں جہاں بغداد تعمیر ہو رہا تھا بلکہ اسی سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی لکھا ہے کہ اس سارے ساز و سامان کو چھوڑ کر خود تو منصور مقابلہ کھیلے کہ وہ کی طرف بھاگا اور ان تعمیری چیزوں کی نگرانی کے لئے اپنے غلام اسلم نامی دلقیبہ پر صفحہ آمیدہ

ایک دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ کا یہ ہے جسے امام کے حنفی سوانح نگاروں نے اگرچہ بیان نہیں کیا ہے لیکن طبری وغیرہ میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی اینٹوں کے گنتے کا کام امام نے اپنے ذمہ جو لیا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مدنیہ السلام کی اینٹوں کا قصبہ تھا جب معمولی معمولی شخصی مکانوں میں اس میں لاکھ اینٹیں خرچ ہو جاتی ہیں تو اسی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ مدنیہ السلام کے لئے کتنی اینٹوں کی ضرورت ہوگی یقیناً کروڑ ہا کروڑ سے بھی ان کی تعداد اگر متجاوز ہو تو تعجب نہیں ہے اتنی اینٹوں کا شمار کرنا آسان نہ تھا آخر وہی عقل حنیفی جو مسائل شرعیہ کی گتھیوں کے سلجھانے میں تہہ نہ تکتے نکالا کرتی تھی اس وقت بھی کام آئی لکھا ہے کہ

امام نے ایک بانس منگوا یا اور جس نے حنیفی اینٹیں ڈھالی تھیں ان کو اسی بانس سے تاپ دیتے تھے۔

گویا پیمائش کے اس عمل سے اینٹوں کی تعداد معلوم ہو جاتی تھی اگرچہ بعد کو یہ طریقہ خشت شماری کے سلسلہ میں عام ہو گیا لیکن ان ہی مورخین کا بیان ہے کہ

وکان ابو حنیفہ اول من عد اللین  
اینٹوں کو بانس کے ذریعے گنتے کا طریقہ سب سے پہلے  
امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا

بالقصب طبری ج ۹  
اگر یہ صحیح ہے تو اس کے یہ منہ ہوئے کہ تعمیر نبی دنیا پر امام کا یہ احسان قیامت تک کے لئے رہ گیا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ بعد کو اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی عددی چیزوں کی مقدار کا پیمائش کے ذریعے یہ جیسا ہے کا دنیا میں جو عام رواج پایا جاتا ہے۔ علمی اصطلاح میں جس کی تعبیر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ کم منفصل کو کم متصل کے قالب میں لا کر اس کی نوعیت سے واقفیت حاصل کرنے کا یہ عجیب رواج امام

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) کو اس نے وہیں چھوڑ دیا کہتے ہیں کہ جب یہ خبر اسلم تک پہنچی کہ منصور کی فوج کو ابراہیم بن عبد اللہ کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی تو ان ساری چیزوں میں جو اس کی نگرانی میں دی گئی تھیں اس نے آگ لگا دی سب کچھ جل کر بھس ہو گیا منصور کو جب اس کی خبر ملی تو اپنی فطری خصوصیت کی بنیاد پر اس کو سخت تکلیف پہنچی۔ اسلم کو اس نے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا ہے چاہئے جو اب دیا کہ دشمن اس پر قبضہ کر لیں گے اس خوف سے میں نے یہی مناسب خیال کیا منصور دم سادھ کر رہ گیا۔ منصور کی فطری خصوصیت سے میری مراد اس کا مشہور عالم بخل ہے وہ اپنے اس عیب کو چھپاتا بھی نہیں تھا بغدادی کی تعمیر کے تھنوں میں لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب اس سرزمین کو دیکھ کر جس پر بغداد تعمیر کیا گیا منصور نے کہا کہ خوب ہی موقوفے گویا وجہ کے پانی سے چین تک ایک کھلا راستہ میرے سامنے رہے گا اور اسی راہ سے ہندوستان ہمرالقرض ہر مقام کی چیزیں میرے دار الخلافہ تک باسانی پہنچتی رہیں گی پھر چند راہیوں کی خالقاہیں اسی میدان میں جو کھیں ان میں داخل ہوا ایک راہ ہے اس نے پوچھا کہ یہاں کوئی مشہور تعمیر ہو تو کیا اچھی راستہ ہو اس نے کہا ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہاں ایک شخص جس کا نام ابوالدین ہو گا شہر بسا بیگا یہ شہر منصور زور سے ہنسا اور یوں کہ یہ تو میرا ہی نام ہے مسئلہ یہ تھا کہ دو اینٹ جو دانت کی جمع ہے جس کے منہ سے پیسے کے ہیں عربی ہیں اسی کی نسبت سے بخل آدمی کو ابوالدین یعنی پیسوں کا باپ کہتے ہیں دلیلیہ صفحہ آئندہ



ابو حنیفہ ہی نے گویا دنیا میں قائم کیا۔

البتہ یہاں یہ سوال جو پیدا ہوتا ہے کہ بنی امیہ کی حکومت سے امام نے جن وجوہ و اسباب کی بنیاد پر ترک موالات کا طریقہ اختیار کیا تھا جب عباسی حکومت نے ان چیزوں کے اعادے میں کمی نہیں کی تھی ابراہیم صانع کے قصہ میں گزر بھی چکا کہ اس نئی قائم ہونے والی حکومت کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کو امام فرض قرار بھی دے چکے تھے ابراہیم سے آپ کا اختلاف صرف اس میں تھا کہ مقابلہ کی صورت کیا اختیار کی جائے۔

بہر حال تفنیا یہ سوال پیدا ہوتا ہے طبری نے بعض روایتیں اس موقع پر جو درج کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عباسی خلیفہ منصور نے بھی دراصل آپ سے بھی چاہا تھا کہ اس کی حکومت میں قضا کی ملازمت قبول کریں امام نے جب انکار کیا تو پھر مذکورہ بالا خدمت (یعنی خشت شماری اور مزدوروں کی نگرانی) وغیرہ ان کے سپرد کی گئی ہیں کہ امام کے انکار پر منصور قسم کھا بیٹھا تھا کہ ضرورتاً کو مقرر کر کے رہونگا لیکن جب دیکھا کہ قاضی ہونے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے تو اپنی قسم پوری کرنے کے لئے امام کے حوالہ اس کام کو کیا طبری کی اسی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

انما فصل المنصور ذلت لیخرج

عن عینہ ص ۹ ج ۹

یہ کام منصور نے اس لئے کیا کہ اپنی قسم سے وہ باہر ہونا چاہتا تھا یعنی جو قسم کھائی تھی اسے اس تدبیر پوری کرنا چاہتا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قسم اگر منصور نے کھائی تھی تو قضا کی خدمت کے قبول کرنے پر پھر یہ خشت شماری وغیرہ کے کام کے قبول کر لینے سے اس کی قسم کیسے پوری ہوگی علاوہ اس کے جو قضا کے قبول کر لینے پر انکار کر سکتا تھا وہی باسانی اسی دوسری ذمہ داری کے قبول کرنے سے بھی انکار کر سکتا تھا کہ بھلا میں بے چارا ایک ملا آدمی قرآن و حدیث کے مسائل کا بتانے والا اس کام کو کیا جانوں۔ اسی لئے میرا خیال ہے کہ پہلی مرتبہ امام سے منصور نے قضا کا قصہ چھیڑا ہی نہیں گودل میں ارادہ ہو کہ آئندہ بھی کام ان سے لوں گا لیکن شروع شروع میں مانوس کرنے کے لئے یا تو اس قصے کو اس نے چھیڑا ہی نہیں جس کے متعلق اس کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ قبول کرنے میں بنی امیہ کی حکومت ناکام ہو چکی ہے یا کچھ کہا بھی ہو تو بھائیٹھے کے لئے اشارے کئے ہیں کہا ہو لیکن امام کے تیور نے اس کو فوراً دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ کر دیا یہ ظاہر خیال گذرتا ہے کہ اس نے امام کے سامنے یہ پیش کیا ہو گا کہ مسلمانوں کی دار الحکومت کا زمین کے اس کرہ پر پھلا شہر تعمیر ہو رہا ہے میں نے ہر قسم کے ہنرمندوں اور ارباب دانش و فہم کو اپنی امداد کے لئے بلا یا ہے اس معاملہ میں آپ بھی میری مدد کیجئے عباسیوں کے متعلق امام کے جو احساسات تھے ان کا اقتضا تو یہی تھا کہ اس خدمت سے ہی انکار کر دیتے لیکن کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ

بقیہ سلسلہ گذشتہ منصور سمجھ گیا کہ وہ بخیل آدمی تو میں ہی ہوں بعد کو یوں بھی لوگوں نے اس کو اسی بخل کی وجہ سے دوہنی کہا کہنا شروع کیا تھا یعنی ایک ایک پیسہ کا حساب لیا کرتا تھا بغداد کی تعمیر سے جب فارغ ہوا تو اپنے ایک بہت بڑے افسر کو صرف اس جرم میں اس نے قید کر دیا تھا کہ چند آنے اس غریب پر حساب کے رو سے باقی رہ گئے تھے ۱۲



پیش ہونے کے بعد امام ابوحنیفہ نے منصور کی تعمیری امداد سے انکار کیا۔ اس سلسلے میں امام کے سوانح نگاروں نے یاد دہروں نے مختلف الفاظ اور مختلف پیرایوں میں جو کچھ بھی نقل کیا ہے۔ وہ صرف یہی ہے کہ جب کبھی قضا کی خدمت آپ پر پیش کی گئی اس سے انکار کرتے رہے۔

واللہ اعلم بالصواب اس کے قبول کرنے میں امام کے سامنے کیا مصلحتیں تھیں خوش اعتقادی سے اگر کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بغداد کے مستقبل کی تالیخ ان کے سامنے تھی جس سے لاکھوں اولیاء اقطاب علماء فقہاء محدثین مفسرین اسلامی دنیا کو ملے گا یا بغداد کی تعمیر ان سارے فضائل و کمالات کی تعمیر تھی جن کا بالآخر وہ سرچشمہ بنا پھر ایسے نیک کام کی شرکت سے محرومی اپنے لئے انھوں نے پسند نہیں کی کیونکہ یہ ظاہر تعمیر کی ابتداء ابو جعفر منصور کے ہاتھوں سے ہو رہی تھی لیکن بغداد منصور یا منصور کے بال بچوں ہی کا بغداد نہ تھا بلکہ وہ معروف و سری سقطی جنید شہلی سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلی شہاب الدین السہروردی جیسے اقطاب اسلام کا بھی بغداد تھا وہ امام احمد بن حنبل اور خود امام ابوحنیفہ جیسے آئمہ کی خواجگاہ ہونے کا شرف حاصل کرنے والا تھا بلاشبہ الیسا شہر اس شاہنشاہی تھا کہ اس کی ابتدائی تعمیر کے نگران کاروں میں ابوحنیفہ ہی جیسے لوگ ہوں

لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ توجیہ قابل قبول نہیں ہو سکتی البتہ حکومت کے مقرر کردہ قاضیوں کے ساتھ امام نے اپنی نظرت اور طبعی اقتدار کے خلاف جس طرز عمل کو اختیار فرمایا تھا اگر اس کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ وہی غرض اس خدمت کے قبول کرنے میں ان کے پیش نظر رہتی ہو

میرا مطلب یہ ہے کہ جیسے مسلمانوں کیلئے صحیح اسلامی قانون سے استفادہ کے مواقع اپنے اس طریقہ عمل سے ہمیا کرنا چاہتے تھے سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر نکتہ چینیوں کا سلسلہ جو امام نے قائم کیا تھا تفصیلاً عرض کر چکا ہوں کہ مقصود اس سے خود نمائی یا خود ستانی کے جذبات کی تسکین نہیں تھی بلکہ حکومت کو اپنی مجلس وضع قوانین کے کارناموں کی طرف متوجہ کرنا تھا۔

پس کیوں نہ سمجھا جائے کہ بغداد کی تعمیری خدمات کے قبول کرنے میں کچھ اسی قسم کے مصالح امام کے پیش نظر تھے؟

میرا تو خیال ہے کہ امام خوارزمی نے جامع المسانید کے دیباچہ میں اپنے تین تین استادوں سے جن میں ایک ابن جوزی بھی ہیں۔ متصل یہ روایت جو درج کی ہے یعنی خلیفہ ابو جعفر منصور کے حکم سے کوفہ کے والی (گورنر) عیسیٰ بن موسیٰ نے جب امام ابوحنیفہ کو منصور کے دربار میں حاضر کیا تو امام کو پیش کرتے ہوئے عیسیٰ نے کہا کہ

یا امیر المؤمنین ہذا عالم الدنیا الیوم امیر المؤمنین! آج دنیا کے یہ سب بڑے عالم ہیں قرآن کا اقتضائے ہے کہ یہ اسی وقت کا واقعہ ہے جب منصور نے اپنے مالک محرو کے ممتاز علماء اور دانش مندوں کو دریا سے دجلہ کے کنارے بغداد کی تعمیر میں مشورہ اور مدد دینے کے لئے بلایا تھا



گذر چکا امام ابو حنیفہ بھی دوسروں کے ساتھ اس موقع پر حاضر کئے گئے تھے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں  
 امام کی منصور سے یہ پہلی ملاقات ہے یا کم از کم ذاتی طور پر امام اور منصور کے باہمی تعارف کا پہلا موقع  
 یہی ہے اسی لئے عیسیٰ بن موسیٰ نے جو کوفہ کے گورنر ہونے کی وجہ سے امام صاحب کے علمی مرتبہ سے  
 بخوبی واقف ہو چکا تھا خلیفہ کے سامنے تعارف کے بالا الفاظ کے ساتھ پیش کیا اگے خوارزمی کی اس  
 روایت کا دوسرا جز یہ ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے ان الفاظ کے بعد منصور امام کی طرف متوجہ ہوا اور اس  
 نے دریافت کیا کہ نعمان! تم نے علم کس سے حاصل کیا حالانکہ سوال کا سادہ جواب یہ ہو سکتا تھا کہ حماد بن  
 ابی سلیمان سے یعنی ابو حنیفہ اپنے استاد کا نام لے دیتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بحال کے خلاف  
 دستور امام نے اپنی مجلس کے مدونہ قوانین کی بنیادوں پر خلیفہ کے سامنے تفصیلی گفتگو شروع کی انہوں  
 نے کہا جس کا حال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ممتاز صحابیوں یعنی عمر بن الخطاب  
 علی بن ابی طالب عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس کے اصحاب اور شاگردوں سے میرا علم ماخوذ ہے  
 جاننے والے جانتے ہیں اور میں نے اپنی کتاب "مدونہ فقہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ  
 کو بیان کیا ہے کہ اسلامی فقہ کی بنیاد درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی چار  
 صحابیوں پر ختم ہو جاتی ہے۔

پہر حال یہ دوسرا مسئلہ ہے مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ بجائے اجمالی جواب کے امام نے اپنے  
 مدونہ قوانین کی بنیادوں کو ابو جعفر منصور کے سامنے جو واضح کیا تو ظاہر ہے کہ اپنی مجلس کے قانونی خدمات  
 کی اہمیت خلیفہ وقت کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے اس کے سوا اور کوئی دوسری غرض ان کی اور کیا ہو سکتی  
 تھی، ابو جعفر چونکہ خود طالب العلم رہ چکا تھا اور شریعت اسلامی کی بنیادوں سے واقف تھا۔ سننے کے ساتھ

(۱) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام کے سواخ نگاروں نے بعض واقعات ایسے بھی درج کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ  
 کا تعارف ابو جعفر منصور سے اس واقعہ سے پہلے ہو چکا تھا مثلاً سہبانی کے حوالہ سے کردری نے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن نصر القرظی  
 کا بیان ہے کہ ابو جعفر منصور کو ضرورت ہوئی کہ ایک "بیج نامہ" لکھوائے اور غالباً وقف نامہ کا بھی ایک وثیقہ لکھوانا چاہتا  
 تھا اس کام کیلئے ابن ابی لیلیٰ اور قاضی ابن شہرہ کو بھی اس نے دربار میں طلب کیا جس نے مسودہ پیش کیا منصور کو پسند نہ آیا تب لوگوں  
 نے کہا کہ جنیس ہم جانتے ہیں وہ سب تو یہی تھے البتہ کوفہ میں ایک اور فقہ میں جن کا نام نعمان ہے اس قسم کے کام وہ خوب انجام دیتے ہیں تب  
 ڈاک کی چوکی پر امام ابو حنیفہ حاضر کئے گئے اور منصور نے ملاقات کر کے دو ہنہ کا وقفہ اور کہا کہ تم کیا اتنے دن میں یہ دو وثیقے تیار  
 کر دو گے امام نے جواب میں کہا کہ دو ہنہ کی ضرورت نہیں اور دو دن میں تیار کر کے مسودے پیش کر دے بہوں نے خوب غور سے پڑھا  
 انگلی رکھنے کی کوئی جگہ نظر نہ آئی اس پر منصور نے دس ہزار انعام منظور کیا لیکن امام نے قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی اجازت  
 لیکر کوفہ چلے گئے کردری ص ۲۰ قریب قریب اسی روایت کو خابن جمیح کے حوالہ سے بھی کردری نے نقل کیا ہے اضافہ  
 صرف اتنا ہے کہ جب طالب کئے ہوئے فقہاء کے مسودے منظور کو پسند نہ آئے تو اس کو پڑا دکھ ہوا اور بولا کہ علم و آفتاب ہو گئے تب  
 ایک شخص نے کہا کہ کوفہ میں ایک جوان عالم ہے وہ ان کے مطالب کے مطابق کام کر لیا امام بگاڑے اور فوراً اسی مجلس میں وثیقہ (یعنی صرفہ) پیش



ہی اس نے کہا کہ تم نے بڑی مستحکم راہ اپنی لیے اختیار کی صلہٴ فیما مع المسانید بعض روایتوں میں ہے کہ  
منصور نے یہ بھی کہا کہ بلاشبہ علم وہیں ہے علم وہیں ہے کروری ص ۲ ج ۲

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین کی صحیح ترین شکل امام کے نزدیک جو تھی ان کی تدوین کے بعد  
ان کی آخری کوشش بھی تھی کہ مسلمانوں کی آئینی زندگی کے نئے حکومت قوانین کے اس مجموعہ کو کسی طرح  
قبول کرے اسی لئے سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر اعتراض کا سلسلہ انہوں نے شروع کیا تھا اور آج  
حکومت کی سب سے بڑی اقتداری طاقت کے سامنے ان قوانین کی بنیادوں کو جو واضح کر رہے تھے اس کا  
مقصد بھی یہ ظاہر ہی تھا اور اسی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بغداد کی تعمیری خدمات کے جس حصہ  
کو قبول کیا تھا اس سے بھی بالکل ممکن ہے کہ خلیفہ پر یہ اثر قائم کرنا مقصود ہو کہ ان قوانین کی تدوین میں  
صرف دینی معلومات ہی سے مدد نہیں لی گئی ہے بلکہ جو کاروباری مہارت امام کو حاصل تھی اس کی راہ نمائی  
بھی اس خدمت میں شریک و شیل تھی گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ علماء دین کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا  
ہے کہ دنیاوی معاملات اور ان کی نزاکتوں یا پیچیدگیوں سے وہ عموماً ناواقف ہوتے ہیں بسا اوقات  
ان کے دینی مشوروں کو لوگ اسی بنیاد پر مسترد کر دیتے ہیں کہ دنیا کو نہیں سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسی  
غلط فہمی کا ازالہ اپنی علی شہادتوں سے امام صاحب کرنا چاہتے ہوں نہ صرف بڑے بڑے کام بلکہ امام  
نے منصور کو دکھا دیا کہ معمولی معمولی ادنیٰ کام حتیٰ کہ نشت شمارے تک میں بھی اپنی اجتہادی خصوصیتوں کو  
ظاہر کر سکتے ہیں۔

منصور نے اس موقع پر جو کام امام کے سپرد کئے تھے گو طبری نے چند الفاظ میں اسکو ادا کیا ہے یعنی  
(۱) شہر کی تعمیر کی عام نگرانی (۲) اینٹوں کی ڈھلائی کی نگرانی (۳) پیر اینٹوں کا شمار (۴) کام کرنے والوں  
کے کام کی دار و گیر

طبری کے عربی الفاظ کا بھی ترجمہ ہو سکتا ہے ممکن ہے دیکھنے میں اس کی اہمیت محسوس نہ ہو لیکن  
اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ کسی شخصی مکان یا محل کی تعمیر کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ بغداد کا شہر بن رہا تھا سو چنا  
چاہیے کہ ان چار کاموں کی نگرانی کا مطلب ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے ان کاموں کی نگرانی میں کامیاب  
ہونے والے کے لئے کتنی بیدار مغزئی انتظامی قوت، صبر و ثبات کی ضرورت ہے۔ اسی زمانے میں نہیں بلکہ  
میں تو کہتا ہوں کہ اس وقت بھی امام کا میدان عمل کے اس امتحان میں شریک ہو جانا حنفی فقہ کی عملیت کی  
دلیل بن سکتا ہے یقیناً ان لوگوں کو جو علم و دین کو پیشہ بنا لینے کے بعد یہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ

(بقیہ سلاہ گزشتہ) لکھ کر دید یا جو پسند کیا گیا لیکن مختلف قرآن ایسے میں جن سے مجھے اس روایت میں شبہ ہے منصور جس زمانہ میں  
تخت نشین ہوا ہے اس وقت امام کی شہرت کا آفتاب ہمیشہ الہ اس پر چمکا رہا تھا خصوصاً منصور جو کوفہ یا اطراف کوفہ میں رہتا تھا  
اس کا امام سے ناواقف رہنا جیسا کہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے محل تعجب ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اجتماعی طور پر حکومت کی طرف سے علماء  
کے پیروی کا کام کیا گیا ہو اور ابوحنیفہ کا مسودہ پسند کیا گیا ہو منصور کے متعلق جو بعض روایتوں میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے کہا آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟



عمل اور دنیا سے ہمارا کوئی تعلق باقی نہ رہا امام کا یہ طرز عمل بصیرت و عبرت کا سبق ان کو دیر پا ہے  
 واقعہ یہ ہے کہ اور کسی دینی علم میں ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن فقہ ایک ایسا دینی علم ہے جس میں  
 صداقت اور ہنارت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ دین کے ساتھ دنیا اور مواد کے ساتھ  
 محاش کے سمجھنے اور برتنے کا بھی سلیقہ آدمی میں نہ ہو۔

بہر حال میرے لئے ان سارے قرآن اور وجوہ کا پیش کرنا تو مشکل ہے کیونکہ بات بہت طویل  
 ہو جائے گی لیکن یہ پنجابوں میں اسی نتیجے تک کہ بغداد کی ابتدائی تعمیر کے زمانے میں خلیفہ ابو جعفر منصور  
 نے وجہ کے ساحل پر اپنے حدم و حشم خیمہ و خرگاہ کے ساتھ جو شاہی کیمپ قائم کیا تھا اسی کیمپ میں  
 محمد النفس الذکیہ کے خروج تک زیادہ وقت خود بھی گزارتا تھا اور اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی  
 رکھے ہوئے تھا جنہیں اپنے اس محبوب شہر کے بنانے اور آباد کرنے میں مشورہ اور امداد کے لئے ملک  
 کے مختلف گوشوں سے چین چین کر اس نے طلب کیا تھا ان ہی میں ایک امام ابو حنیفہ بھی تھے ایسا معلوم  
 ہوتا ہے منصور کے اس شاہی کیمپ میں امام کے قیام کی مدت کافی طویل تھی یعنی ہفتہ دو ہفتے نہیں  
 بلکہ چند مہینے امام نے منصور کے ساتھ اسی کیمپ میں گزارے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ وقت

اسے مطلب یہ ہے کہ جس سرزمین پر اس وقت بغداد کا شہر آباد ہے جب منصور نے شہر کی تعمیر کا ارادہ اسی قطعہ ارضی پر کر لیا اور  
 تعمیری ساز و سامان کام کرنے والے مشورہ سینے والے نگرانی کرنے والے لوگ اطراف ملک سے جمع کر لئے گئے تو خود  
 ایک اچھے خاصے شہر کی حیثیت اس نے اختیار کر لی جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے بغداد کی تعمیر میں دس ہزار مزدور کام کرتے تھے ظاہر ہے کہ  
 یہ تو بعد کا قصہ ہے لیکن جبکہ انتہا دش ہزار پر ہوئی ابتدا میں کم از کم ہزار بارہ سو مزدوروں سے کیا کم ہوگی پھر خود منصور کے حدم حشم  
 اور محافظ فوج وغیرہ سے یقیناً اس مقام نے اچھی آبادی کی شکل اختیار کر لی ہوگی اگرچہ منصور نے بڑے بڑے لوگوں کو اپنی  
 امداد اور مشورے کے لئے جمع کر لیا تھا لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر سے ذاتی دل چسپی اس کو ایسی تھی کہ خود بھی  
 اس نے اسی مقام پر قیام کر لیا تھا اور مختلف راتوں میں خود اور اپنے حاشیہ نشینوں کو مختلف مقامات میں سلا یا کرتا تاکہ اندازہ ہو سکے  
 کہ پھروں اور لپیوں وغیرہ کی حالت اس علاقہ میں کیا ہے دلچسپی کا اس کے یہ حال تھا کہ تعمیر سے پہلے اس نقشے کو جو شہر کا  
 بنایا گیا تھا مختلف طریقوں سے اس کے حن و قبح کو خود جانچتا تھا کبھی راکھ چھنٹ کر پورے شہر کی عمارتوں محلوں تصور  
 اور محلات کا اندازہ کرتا یہ تماشے تو دن کو ہوتے اور رات کو اس نے حکم دیا کہ بنوے کے واسطے جمع کئے جائیں ان ہی  
 نشانوں پر جن پر دن کو راکھ چھڑکی گئی تھی بنوے کے روغنی دانوں کو چھڑکوا کر آگ لگا دینے کا حکم دیتا اس تدبیر سے پورا  
 شہر آتشین نشانوں کے ساتھ سامنے کھڑا ہو جاتا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ بانس کے ٹھکڑوں سے ہی اس نے پورے شہر  
 کو کھڑا کر کے دیکھا الغرض شب و روز کا یہی مشاہدہ تھا ہر سے بہتر تعمیری چیزیں کہاں مل سکتی ہیں منگوائی جاتی تھیں اسی سلسلہ  
 میں اس نے قصر مدائن کو بھی توڑنا چاہا تھا لیکن حساب سے نقصان کا پتہ چلا چوڑو یا پھر ہی واسطے سے چار انہیں دروازے او  
 تمام سے فرائض کے زمانے کا ایک فولادی پھاٹک اپنے شہر میں لگانے کے لئے اس نے منگوا یا وجہ کے ساحل پر توڑے تھوڑے  
 فاصلے سے عیسائی راہبوں کی جو مختلف خانقاہیں تھیں کبھی منصور ان میں بھی جا کر دن یارات کو آرام کرتا تقریباً (بقیہ صفحہ آئندہ)



کے اس قرب سے بھی اپنے نصب العین میں امام نے فائدہ اٹھانا چاہا جیسا کہ میں نے عرض کیا تعمیر کی نگرانی  
 خشت شماری وغیرہ کے کام کو بھی اسی سلسلہ میں انہوں نے قبول کیا تھا اور اپنی طبیعت کے خلاف خلیفہ کے  
 سامنے اپنی علمی خصوصیتوں کا مختلف طریقے سے اظہار فرماتے تھے جس کی ایک نظیر خوارزمی کے حوالہ سے گذر  
 چکی ایک واقعہ کا ذکر قاضی ابویوسف کیا کرتے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن دنوں قاضی القضاة کے عدلے  
 پر وہ سرفراز تھے کہتے ہیں کہ ان ہی دنوں میں ایک دفعہ جب خلیفہ کی ڈیوٹی میں تھا کہ سامنے سے ایک آدمی  
 گذرا اس کو دیکھ کر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ بہت بڑا حسابی آدمی ہے میں نے دیکھا کہ  
 غیر معمولی طور پر لوگ اس کے اس کمال کی وجہ سے اس کا احترام کر رہے ہیں قاضی ابویوسف کہتے ہیں کہ ایک  
 حسابی مسئلہ میں مجھے دشواری محسوس ہو رہی تھی یہ سن کر حساب میں اس شخص کو غیر معمولی کمال ہے  
 میں اس سے ملا اور جو مسئلہ تھا اس پر پیش کیا اس نے مجھے مشورہ دیا کہ فلاں فلاں طریقے سے اس کو حل کرو  
 میں نے حل کیا لیکن جواب صحیح نہ نکلا تب اس نے کہا کہ بس اب ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے جو مجھے امام ابوحنیفہ  
 نے بتایا تھا پھر اس نے امام کے بتائے ہوئے حسابی طریقے کا مجھ سے ذکر کیا عمل کر کے میں نے دیکھا تو اب کے  
 جواب بالکل صحیح تھا جو دشواری تھی حل ہو گئی ہے

میرا خیال ہے کہ اس درباری محاسب کو امام نے حساب کے اس نکتے سے غالباً ان ہی دنوں میں  
 مطلع کیا ہو گا جب منصور کے ساتھ اس شاہی کیمپ میں وہ مقیم تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اور خلیفہ  
 کے ماحول میں رہنے والوں پر امام صاحب یہ اثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ صرف دینی ہی نہیں بلکہ کسی تانوں

(فقہ سلسلہ گزشتہ) ایک سال کے قریب قریب یہ مدت جس میں روز روز عید اور شب شب برات تھی منصور گزار رہا تھا کہ  
 ٹھیک اس وقت جس وقت وہ شدید گرمی کی تپش سے بچنے کے لئے ایک راہب کی خانقاہ میں فیولہ کر رہا تھا  
 اچانک محمد نفس زکیہ کے خروج کی خبر اس کو ملی اور اسی وقت دہوپ ہی میں بھاگا ہوا کوفہ پہنچا اور جب تک اس فتنے  
 کا قلع قمع نہ ہو گیا قصر ابن ہبیرہ میں مقیم رہا ۱۲

سے طبری نے لکھا ہے غالباً ان کے زمانہ کی بات ہے یعنی منصور سے کئی سو سال بعد بغداد کی نصیب کا ایک حصہ کسی  
 وجہ سے منہدم ہوا اسی میں دیوار کے اندر سے خونگلیں تو لوگوں نے دیکھا کہ ہرائیٹ پر گوند سے اس اینٹ کا وزن  
 (۱۱) رطل لکھا ہوا تھا جب اینٹ تولی گئی تو ٹھیک اس وقت بھی یہی وزن اس کا ثابت ہوا میرا خیال ہے کہ ہر  
 اینٹ پر گوند سے وزن کا لکھنا ناممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کی جدت ہو لکھا ہے ہرائیٹ ایک ہاتھ چڑی اور ایک  
 ہاتھ پلنی ہوتی تھی اب اسے منصور کی جڑ سے کاٹتے خیال کیجئے یا امام ابوحنیفہ کی فطری بیدار مغزی کا ثمرہ قرار دیجو  
 کہ اتنے بڑے عظیم شہر کی تعمیر میں جو کچھ خرچ ہوا تھا ایک ایک پیسہ کا حساب لکھا ہوا بعد کو شاہی خزانے سے رآمد ہوا  
 مورخین نے اس پر اسے کو اپنی کتابوں میں نقل بھی کیا ہے اب اسے میری خوش اعتمادی قرار دیجئے یا اور کچھ لیکن غالب  
 خیال یہی ہے کہ حساب کتاب کے استنباط واضح طریقہ کی بنیاد بھی کچھ عجیب نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے رکھی ہو اور بعد کو اسی اصول  
 پر سیاہی درج ہونا رہا لکھا ہے کہ ستر یوں یعنی استادوں البیان کو روز کی مزدوری چاندی کی ایک قیراط (فقہ سرفراز آئینہ)



کی تدوین میں جن عقلی اور ذہنی علوم کے مسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں اور مطلب وہی تھا کہ کسی طرح حکومت کا اعتماد ان کے مدونہ قوانین پر قائم ہو جائے اور ایسا اعتماد قائم ہو جائے کہ مسلمانوں کے انصاف اور فضل خصوصاً ان کا مسئلہ ہر مدعی علم کے جو سپرد کر دیا جاتا ہے اس بری رسم کا انسااد ہو جائے کیسے کی محدود آبادی میں خلیفہ کے ساتھ میل جول اور حاضر باشی کے مواقع بکثرت پیش آتے تھے اور ان ملاقاتوں میں امام کو اپنی خدا داد ذہانت اپنے کردار اپنی گفتار اپنی وسعت علمی سے متاثر کرنے کا کھلا میدان مل گیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب منصور خالی ہوتا تو امام کو دوسروں کے ساتھ اپنی مجلس میں بلا لیا کرتا تھا امام خوب کھل کھل کر باتیں کیا کرتے تھے بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی کرتے جن سے ان کے انتقال ذہنی کی سرعت کا پتہ چلتا اسی سلسلہ میں ایک لطیفہ کا ذکر مورخین کرتے ہیں حاصل جس کا یہ ہے کہ منصور کے دربار میں اتفاقاً قاضی ابن ابی لیلیٰ بھی کسی ضرورت سے یا منصور کی طلبی پر حاضر ہوئے تھے امام بھی بلائے گئے یہ نہیں معلوم کہ مسئلہ کس نے چھڑا لیکن ایک سوال یہ اٹھایا گیا کہ سو داگر اپنے مال کے متعلق گا ہک سے اگر یہ کہدے کہ جس سو دا کے کو آپ نے رہے ہیں میں اس کے عیوب اور نقائص سے بری ہوں اس کے بعد بھی آپ اگر لیتا چاہتے ہوں تو لے سکتے ہیں سوال یہ تھا کہ اس کے بعد سو دا سے میں اگر کسی قسم کا عیب یا نقص نکل آئے تو خریدار کو واپسی کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں امام ابو حنیفہ یہ کہتے تھے کہ سو دا اگر اس اعلان کے ساتھ بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ سو دا میں جو عیب ہو جب تک ہاتھ رکھ کر سو دا اگر اس کو متعین نہیں کرے گا اس وقت تک صرف لفظی برأت کافی نہیں ہے دونوں میں مسئلہ پر بحث ہونے لگی منصور دونوں کی گفتگو دلچسپی سے سن رہا تھا آخر میں امام نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا کہ فرض کیجئے کسی شریف عورت کا ایک غلام ہے وہ اس کو بیچنا چاہتی ہے لیکن غلام میں یہ عیب ہے کہ اس کے عضو مخصوص پر برص کا داغ ہے فرمائیے کیا آپ اس شریف عورت کو یہ حکم دیں گے کہ عیب پر ہاتھ رکھ کر خریدار کو مطلع کرے قاضی ابن ابی لیلیٰ نے اپنی بات کی تیج میں کہا کہ ہاں ہاتھ ہی مقام پر اس کو رکھنا ہو گا ظاہر ہے کہ ان کے اس فتوے کا اثر حاضرین مجلس پر کیا پڑا ہو گا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ ابو جعفر قاضی ابن ابی لیلیٰ پر بہت برہم ہوا ص ۱۶۷ موقوف

بہ ظاہر اسی قسم کی باتوں نے بہ تدریج منصور کے سامنے امام کو جبری بنا دیا تھا اس سلسلہ میں امام نے بعض ایسی باتیں بھی منصور کے کہنے سے کیں کہ شاید اپنی غرض ان کے سامنے نہ ہوتی تو ہرگز نہ کرتے مثلاً کہتے ہیں کہ منصور سے ملنے کے لئے حضرت امام جعفر صادق تشریف لانے ولے تھے جن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو بلا کر یہ آرزو ظاہر کی کہ لوگ جعفر صادق کے علم سے بہت

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) ملتی تھی اور عام مزدور جنہیں اس زمانے میں "روزگاری" کہتے تھے دو جہت سے تین جہت تک ملتے تھے عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقوں مثلاً بہار وغیرہ میں تعمیری مزدوروں کو اس وقت تک "ریزہ" کہتے ہیں بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی "روزگاری" کی مخفف یا رسم شکل ہے ۱۲ ۱۹۹۱ ج ۱



مرعوب ہو رہے ہیں کیا کچھ ایسے علمی سوالات تیار کرے سکتے ہیں جن کے جواب میں ان کو بھی دشواری پیش آئے امام ابوحنیفہ جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے ان بزرگوں سے گہری عقیدت رکھتے تھے خصوصاً ان ہی امام جعفر صادق کے متعلق تو امام سے یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ ان سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ نے جن جن علماء کو دیکھا ہے ان میں سے بڑا فقیہ کس کو پایا کرتے ہیں کہ امام نے جواب میں فرمایا کہ

مارت افقہ من جعفر بن محمد صادق میں نے جعفر صادق سے زیادہ سمجھ والا فقیہ

ص ۵۳ ج ۱ آدمی نہیں دیکھا

امام کے اساتذہ کی فہرست میں لوگوں نے امام جعفر صادق کا نام بھی درج کیا ہے یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ امام جعفر صادق کسی ضرورت سے کوثر تشریف لائے تو امام ابوحنیفہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے گئے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ

قد ابوحنیفہ کا استوفی معظالم یعنی بیٹھے امام جعفر صادق کے سامنے امام ابوحنیفہ ایک

بے چین مرعوب آدمی کی طرح ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی

ص ۱۳۲ عقلت سے ان کا دل مہر ہے

بہر حال کچھ بھی ہو باوجود ان تمام عقیدت مندیوں کے بہ ظاہر یہی خیال گذرتا ہے کہ منصور پر اپنی ساک قائم کرنے کے لئے امام نے چند ایسے مشکل سوالات مرتب کئے کہ منصور بھی پھٹک اٹھا۔ کہتے ہیں یہ چالیس سائل شاد تھے میں سمجھتا ہوں کہ منصور کی علمی پرواز کے لحاظ سے ان سوالوں کی نوعیت خواہ کچھ ہی ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ چونکہ جعفر صادق کی علمی گہرائیوں اور وسعت معلومات سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کیا کہ حضرت کے سامنے ان سوالوں کو پیش کیا جائے بلکہ اندرونی طور پر ممکن ہے کہ اس کو بھی امام جعفر صادق کی رفعت قدر کا ذریعہ بنانا چاہتے ہوں جیسا کہ بعد کو ہوا بھی۔

۱۰ خطیب نے اپنی تاریخ میں امام ابوحنیفہ کے پوتے قاضی اسماعیل بن حماد کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دادا امام کے والد کو جن کا نام ثابت تھا چین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے گئے تھے رضی اللہ عنہم نے ثابت کیلئے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ خدا ان کی آئندہ نسل کو برکت عطا کرے اسماعیل اس روایت کو بیان کر کے کہا کرتے تھے کہ خدا سے یہی امید ہے کہ حضرت علی کی یہ دعا رنگال نہ ہوگی یہ ہو خطیب ہی نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے جدا مجد نے حضرت علی کی خدمت میں بیرون کے دن فالوہ بطور ہدیہ کے پیش کیا تھا ہی وقت اپنے فرمایا تھا کہ نور روزنا کل یوم ہمارا بیرون ہے تاریخ بغداد ۱۲۷۱ ج ۳ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت سے امام ابوحنیفہ کے موروثی تعلق تھے ایک دوسری روایت امام جعفر صادق اور امام ابوحنیفہ کے باہمی مکالمے کے متعلق لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں بار بار یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب جعفر صادق کو امام خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جلت فداک (میں حضور پر قربان کیا جاؤں) واقتدا علم انہ اہل بیت سے اس زمانہ میں یہ گفتگو (تیسری صفحہ آئندہ)



امام جعفر صادق ابھی منصور کے پاس نہیں پہنچے تھے حیرہ ہی میں تھے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو ان کے پاس روانہ کیا امام کا بیان ہے کہ میں نے ان مسائل کو جوں ہی ان کی خدمت میں پیش کیا جیسا کہ توقع تھی ہر سوال کا جواب انتہائی بسط و تفصیل کے ساتھ سننے کے ساتھ دیتے چلے جاتے تھے یہی نہیں کہ اپنی رائے صرف ظاہر کرتے بلکہ یہ بھی کہ اس مسئلہ میں عراق والوں کا فتویٰ یہ ہے مدینہ والے یہ کہتے ہیں خود بہار اخیال ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ :-

حتی ایت علی الاربعین مسئلہ  
ما اخل منها بمسئلة صحیحہ

چالیسوں مسئلہ انہوں نے اس طور پر بیان کر دیا کہ کسی مسئلہ کے بیان میں کسی قسم کا خلل پیدا نہ ہوا

منصوب کی جو غرض تھی وہ تو پوری نہیں ہوئی لیکن امام ابو حنیفہ کا مطلب پورا ہو گیا یعنی ان مشکل سوالوں کو سن کر امام کی علمی عقیدت اس کے دل میں اور بڑھ گئی

الغرض یہ اور اسی قسم کے مسلسل تجربات تھے جو امام ابو حنیفہ خلیفہ ابو جعفر منصور کو اپنے متعلق صبح سے شام تک دیتے رہتے تھے ایسی صورت میں بیان کرنے والوں نے اگر یہ بیان کیا ہے جیسا کہ مرفق نے عمر بن الحسن الہرزی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آخر میں منصور کا یہ حال امام کے ساتھ ہو گیا تھا کہ

یری من المنصور من تفصیله و  
تقدیمہ واستشارتہ فیما ینوبہ  
و ینوب رجعتہ وقضائہ وحکامہ

یعنی دیکھو اجارہ تھا کہ منصور امام کو دوسروں پر ترجیح دیر با  
ہے ہر معاملہ میں ان ہی کو پیش پیش رکھتا ہے ان ہی سے  
مشورہ لیتا ہے ان معاملات میں بھی جو ذاتی طور پر اسی سے تعلق  
رکھتے تھے یا اہل کی رعایا برائے یا اس کے قاضیوں اور حاکموں  
سے تعلق ہوتا۔

تو اس پر مستعجب نہ ہونا چاہیے ان تجربات کے یہ لازمی نتائج تھے واقعات سے تو معلوم ہوتا ہے امام کو اس معاملہ میں ابو جعفر کے یاں اتنا سوخ ہو چکا تھا کہ اس کی ملکہ خاص پاشاہ بیگم اور خود منصور کے درمیان خانگی جھگڑوں میں بھی منصور امام پر اعتماد کرنا اور منصور کی ملکہ بھی امام کو ثالث مقرر کرتی تھی ایک قصہ ہی اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے حسن بن ابی مالک اپنے والد ابو مالک کی زبانی اس قصے کو بیان کیا کرتے تھے خلاصہ جس کا یہ ہے منصور اور اس کی زوجہ الحیرہ (آزاد بیگم) میں کچھ سو مزاجی پیدا ہو گئی بیگم کو منصور سے شکایت تھی کہ جس قدر و منزلت کی وہ حقدار ہے خلیفہ اس میں کوتاہی کرتا ہے لیکن منصور کو اس سے انکار تھا آخر طے ہوا کہ کسی تیسرے کے سامنے مقدمہ پیش ہو جو وہ فیصلہ دے دے یا مانا جائے منصور نے بیگم سے پوچھا کہ تم کس کے فیصلے پر اعتماد کرو گی؟ کہتے ہیں کہ معاً اس نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا جو کہیں میں وہاں موجود ہی تھے منصور نے امام کا نام سن کر کہا کہ

(یقیناً سلسلہ شریف) کا نام ملتا ہے تھا یا امام صاحب کی خصوصیت تھی کہ پھر مرفق ص ۱۳۴

ہاں! ان کے فیصلے پر میں بھی راضی ہوں امام صاحب بلائے گئے درمیان ستر یعنی پردہ چھوڑ دیا گیا چلمن کے پیچھے بیگم تھی اور باہر امام صاحب اور خلیفہ تھے۔ خلیفہ نے امام کو خطاب کر کے کہا کہ میری بیوی بیوی جو پس پردہ بیٹھی بیٹھی ہیں ان کو مجھ سے بے انصافی کی شکایت ہے میں آپ ہی کے سپرد اپنا انصاف کرتا ہوں پوچھتا ہوں کہ شرعاً مرد کو کتنی بیویوں سے نکاح کرنے کا حق ہے امام نے فرمایا چار اور شرعی امام (نونڈیوں) کی بھی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ امام نے فرمایا ہاں اجازت ہے منصوص ہے کہ تو ایسی صورت میں کیا کسی کو اس کا حق ہے کہ ایک بیوی سے زیادہ عورتوں کے رکھنے پر معترض ہو امام نے فرمایا نہیں امام سے سوال وجواب کے منصوص ہے بیگم کو خطاب کر کے کہا کہ

اسمعی یا ہذا اجماع سن رہی ہو (بیگم کیا کہ رہے ہیں)

بیگم نے جواب دیا کہ ہاں! سن رہی ہوں۔ اب امام ابو جعفر کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے لگے۔

امیر المؤمنین! سنئے ایک بیوی سے زیادہ عورتوں کی اجازت شریعت نے ایک شرط کیسا دی ہے یعنی ان ہی لوگوں کے لئے اجازت ہے جو انصاف اور عدل سے کام لے سکتے ہوں

اور اس کے بعد آخر میں فرمایا کہ

فن لمد عدل او خاف ان لا عدل  
 فیغنی ان لا یجاوہر الواحدۃ قال  
 اللہ تعالیٰ فان خفتن ان لا تعدوا  
 فواحدۃ

لیکن جو انصاف سے کام نہ لے یا جسے اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرنے یا بیگم تو اس کو چاہیے کہ ایک عورت سے آگے نہ بڑھے خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرو گے تو پھر ایک ہی عورت

بیگم ارشاد فرماتے کے بعد امام منصوص سے کہتے لگے کہ

”ہمیں چاہیے کہ اللہ کے پیچھے ادب کو اختیار کریں اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کریں“

ان آخری الفاظ سے امام کا اشارہ تھا کہ عدل کا برتاؤ جب تم نہیں کر رہے ہو تو بلاشبہ تم خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو اور شریعت کے قانون سے ناجائز نفع اٹھا رہے ہو

اسے تعداد ازدواج کے مسئلہ میں امام کا جو نقطہ نظر تھا دوسری جگہ نوگوں نے اس کو بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم غالباً منجھ کے متعلق امام صاحب نے کسی نے بیہوشی سے کہا کہ کسی نے ہدایت گویا کہ پڑا ان کی خدمت میں پیش کیا لیکن نیسے سے انہوں نے انکار کیا اس نے کہا کہ خرید لیجئے بولے کہ میاں چار سو درہم میرے پاس اگر ہوتے تو دوسری بیوی نہ کرتا جو تمہارا کپڑا خریدتا۔ اس نے کہا کہ ایک بیوی کیا آپ کے لئے کافی نہیں بولے کہ ان حاضرت حنفیہ جب اس کے ایام کا زمانہ آتا ہے تو میں بھی گویا ایام ہی میں بیٹھ جاتا ہوں، امام صاحب نے اس قصے کو سن کر کہا کہ بھائی مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک بیوی والا مرد میں ہوتا ہے دو بیویوں والا مرد کا شمار بناتا ہے یعنی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ سنا کر امام صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ جیسے اتفاق نہ ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے یا شاید جابر ہی کا یہ قول نقل کیا اور کہا کہ ابراہیم کو شاید تجربہ کا (بقبر صفحہ آئینہ)



چونکہ امام کے بیان کے اس آخری حصہ سے بیگم ہی کی تائید ہو رہی تھی کہتے ہیں کہ وہ بہت خوش ہوئی اور بہت کچھ انعام و اکرام کے ساتھ شکر یہ ادا کرنے کے لئے اپنا آدمی امام صاحب کے پاس بھیجا جو اب میں امام نے بیگم کو سلام کہلا بھیجا اور کہا کہ ان سے کہہ دیجیو کہ ان کے خاطر سے میں نے کوئی بات نہیں کہی تھی اپنا دینی فرض میں نے ادا کیا خدا ان کو برکت دے اور جو کچھ اس نے بھیجا تھا شکر یہ کیساتھ واپس فرمادیا ص ۱۲ موج ۱

چونکہ میرے نزدیک یہ سارے واقعات جہاں تک قرآن و قیاسات سے ہیں سمجھ سکا ہوں تعجب و غبار کے ابتدائی گھپ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ پہلا واقعہ ہے جس میں امام کو منصور کے منشا کے خلاف حق کے اظہار پر مجبور ہونا پڑا ممکن ہے کہ منصور نے اس کا زیادہ اثر نہ لیا ہو لیکن جو انجام امام اور منصور کے تعلقات کا آخر میں ہونے والا تھا اس کی بنیاد گویا اسی واقعہ سے پڑ گئی اور شاید اسی کے بعد منصور کے بعض حاسد و درباریوں کو اپنے جذبہ حسد کی تسکین کے مواقع مل گئے مثلاً کہتے ہیں کہ سب سے منصور کی غیر معمولی دلچسپیوں اور توجہ کی وجہ سے جو امام ابو حنیفہ سے منصور کی درباریوں میں جلتا تھا وہ اس کا مشہور حاجب ربیع تھا یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کیمپ ہی کی ان ہی مجلسوں میں ایک دن ربیع نے منصور کو خطاب کر کے کہا کہ آپ ان کے علم و تحقیق کے اتنے مداح اور معترف ہیں۔ اور میں نے علماء سے سنا ہے کہ آپ کے جد امجد عبداللہ بن عباس صلوات اللہ علیہ کے خلاف یہ ہفتوی دیتے ہیں۔ منصور نے پوچھا کہ کس مسئلہ میں؟ ربیع نے کہا کہ قسم کھا کر آدمی مجلس سے اٹھ جانے کے بعد اگر اس قسم سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے تو آپ کے جد امجد کا فتویٰ تھا کہ استثناء کا یہ عمل صحیح ہے اور اس پر عمل کرنے سے قسم نہیں ٹوٹتی لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ قسم کھانے کے ساتھ ہی استثناء کا عمل موثر ہوتا ہے اختتام مجلس کے بعد استثناء لغو ہے اور جو اس پر عمل کریگا قسم اس کی ٹوٹ جائے گی

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) موقع ملا اور اس کے بعد کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو برتاؤ عدل و انصاف کا اپنی بیویوں کے ساتھ تھا جو اس برتاؤ کو نہ کر سکے تو وہ ظالموں میں لکھا جائے گا پھر وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ دو بیویوں کے ساتھ نہ انصاف کرنے والا قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ ایک شق اس کے بدن کا سا قہ ہوگا امام نے اس پر اور اضافہ کیا کہ ایک ہی بیوی پر قناعت اپنے لئے تو میں نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ بھائی! بے فکری اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں ہے پھر عورتوں کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے ان الفاظ کو دہرایا کہ یہ عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی ہیں پس ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہنا راوی کا بیٹا ہمیکہ ویر تک امام صاحب اس مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لیکن مجھے پس اس قدر یاد رہ گیا کاش! امام کی پوری تقریر راوی کو یاد رہ جاتی تو تعداد ازواج کے مسئلہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے امام کا نقطہ نظر دنیا کے سامنے آجاتا اور پہلی صدی تک کے مسلمانوں کے مذاق کی وہ ایک تاریخی شہادت ہوتی جو سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں یورپ کی نکتہ چینیوں کے بعد مسلمانوں نے ثانی شروع کی ہیں ان کا بہترین جواب امام کا یہ بیان ہو سکتا تھا اور میرے خیال میں تو جو کچھ راوی کو یاد رہ گیا ہے وہ ہی اس کے اثبات کے لئے

منصور نے امام صاحب کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟ امام نے فرمایا کہ امیر المومنین با آپ  
 سمجھے ہی یہ کیا کہہ رہا ہے کہنا یہ چاہتا ہے کہ آپ کی فوج وغیرہ آپ کے ہاتھ پر وفاداری کی قسم کھا کر جو بیعت  
 کرتی ہے تو یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس بیعت کو غیر موثر بنا دیں یعنی بیعت کرنے کے بعد بیعت کرنے والوں کو  
 گویا اختیار دیا جاتا ہے کہ گھر جا کر استثنائاً کر لیں یعنی فلاں فلاں حال میں وفاداری کو اپنے لئے غیر ضروری  
 قرار دیں تو شرعاً بیعت کی پابندی ان کے لئے غیر ضروری ہے۔ آپ خیال کر رہے ہیں کہ یہ کتنے بڑے فتنے  
 کی بات ہے

کہتے ہیں کہ امام کی اس تقریر سے تو ربیع کا خون خشک ہو گیا گویا فوج کے اغوار کا الزام ایک  
 طرح سے اس پر قائم ہو گیا لیکن خیر گذری منصور سمجھ گیا کہ درباریوں کی باہمی نوک چوٹک سے اس کا تعلق  
 ہے امام کا جواب سن کر صرف ہنسنا اور ربیع سے کہا

لا تعرض لابی حنیفۃ ص ۱۱۰ ابو حنیفہ کو مت چھیڑا کرو نہ تیری جان پر بن جائے گی

دربار سے نکلنے کے بعد ربیع نے امام صاحب سے کہا کہ آج تم نے میرے خون سے کھیلنے ہی کا ارادہ  
 کر لیا تھا امام نے فرمایا کہ بھائی تم نے بھی تو یہی چاہا تھا بعضوں نے اس قصے کو محمد بن اسحاق مشہور امام  
 السیر والمغازی کی طرف بھی منسوب کیا ہے یعنی بجائے ربیع کے محمد بن اسحاق نے امام پر الزام لگایا تھا لیکن  
 میرے خیال میں ربیع والی بات زیادہ صحیح ہے

اسی طرح منصور کے درباریوں میں ایک اور صاحب ابو العباس طوسی تھے امام کی روز افزوں  
 مقبولیت ان کو بھی نہیں بھاتی تھی ایک دن برسرِ دربار آئے بھی امام سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ  
 ابو حنیفہ بتائیے اگر امیر المومنین ہم میں سے کسی کو یہ حکم دیں کہ فلاں آدمی کی گردن مار دو  
 اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس شخص کا قصور کیا ہے تو ہمارے لئے اس کی گردن مارنی کیا جائز ہوگی  
 برجہ نام نے فرمایا کہ ابو العباس! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ امیر المومنین صحیح حکم دیتے ہیں  
 یا غلط طوسی نے کہا کہ امیر المومنین غلط حکم کیوں دینے لگے امام نے فرمایا تو صحیح حکم کے نافرمانی میں  
 تردد کی گنجائش کیا ہے! طوسی امام سے یہ جواب پا کر کھسیا تا سا ہو کر رہ گیا۔

ایک اور دل چسپ واقعہ اسی سلسلے میں لوگ جو نقل کرتے ہیں وہ اس لئے زیادہ دلچسپ ہے  
 کہ امام ابو حنیفہ کی قدر و منزلت منصور کے دربار میں کس حد تک بلند ہو چکی تھی اس کا ہی اس سے اندازہ  
 ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ عام درباریوں کا ایسی صورت میں امام سے رشک و حسد چنداں محلِ تعجب نہیں۔

یہ مطلب یہ ہے کہ پہلے بھی کہیں ذکر آچکا ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں بیعت لینے کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ بیعت کرنیوالا قسم  
 کھاتا تھا کہ اگر میں عہد کی پابندی نہ کروں گا تو میری بیویوں کو طلاق ہو جائے غلام نوٹھی آزاد ہو جائیں اور حج کعبہ پیدل اپنے  
 گھر سے مجھے کرنا پڑے اب اگر ان سب باتوں کی قسم کھا کر آدمی گھر آئے اور صرف اتنا بڑھاد کہ مگر اس وقت تک پابندی ضروری ہے کہ جب  
 میرا جی چاہے لیجئے سارا کیا وہ ختم ہو گیا استثنائاً کا یہ مسئلہ اصول فقہ کا ایک معرکہ الارارہ مندرجہ امام اس کو تو کیا جہا (بقیہ صفحہ آئندہ)



لیکن معمولی نوکر چاکر خدام اور شاگرد پیشہ والے کسی سے جلنے لگیں تو اس کے بیٹے نے کہا کہ بادشاہ مجھ سے  
 مجالس عامہ ہی میں نہیں بلکہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس شخص کے فضل و کمال کا ذکر کرتا رہتا ہے  
 بہر حال قصہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ راوی اس کے قاضی ابو یوسف ہیں کہ منصور کا ایک بڑا منہ چڑھا  
 غلام تھا منصور اس کو بہت مانتا تھا اس شخص کے دل میں بھی امام صاحب کی طرف سے حسد پیدا ہوا جب  
 منصور امام صاحب کی تعریف کرتا تو وہ منہ چڑھا لیتا اور جھوٹے سچ باتیں اور براہی کی ان کی طرف منسوب کرتا  
 اپنے اس جاہل غلام کو منصور منع بھی کیا کرتا تھا کہ تجھے ان سے کیا تعلق ہے مگر خلیفہ سے وہ آشنا شوخ تھا  
 کہ باوجود بار بار ممانعت کے امام کے بدگوئیوں سے باز نہیں آتا۔ منصور نے ایک دن جب ذرا اصرار کے  
 ساتھ ڈانٹ کر منع کیا تو اس نے کہا کہ آپ ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں میں جاہل آدمی ہوں بھلا میرے  
 سوالوں کا جواب دے دیں تو میں جانوں منصور نے کہا کہ اچھا بھائی تو بھی حوصلہ نکال لے وہم کیا بھی  
 اگر ابو حنیفہ نے تیری باتوں کا جواب دیدیا تو پھر تیری خیر نہیں مگر اس جاہل کو اپنے سوالوں پر ناز تھا  
 حنیفہ سے اجازت مل ہی چکی تھی امام صاحب کسی وجہ سے منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے غلام نے خطاب  
 کر کے کہا آپ ہر بات کا جواب دیتے ہیں میرے سوالوں کو حل کیجئے تو میں جانوں۔ امام صاحب کیا بولتے  
 یہی کہا ہوگا کہ پوچھ بھائی! کیا پوچھتا ہے اس نے گہرا فشانہ شروع کی کہ جناب بتائیے! دنیا کے ٹھیک  
 بیچ میں کون سی جگہ ہے؟ اس جہالت کا جواب کیا ہو سکتا تھا۔ امام نے فرمایا کہ وہی جگہ جہاں تو بیٹھا  
 ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تردید وہ کیا کر سکتا تھا چپ ہو گیا۔ اور دوسرا سوال پیش کیا کہ خدا کی خلقت میں  
 زیادہ تعداد سروالوں کی ہے یا پاؤں والوں کی امام نے اسی انداز میں فرمایا کہ پاؤں والوں کی اس نے کہا  
 کہ دنیا میں سروالوں کی تعداد زیادہ ہے یا مادوں کی امام نے فرمایا کہ تر بھی بہت سے ہیں اور بادہ کی کمی نہیں  
 اچھا تو بتا کس میں ہے چونکہ وہ خسی غلام تھا جھینپ گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ شاہی دربار کے جو بچے ہیں امام صاحب کو ناگوار تو گزرا ہوگا لیکن جس مقصد سے  
 وہ سب کچھ انگیز کر رہے تھے اس جہالت کو اپنے برواشت فرمایا کہتے ہیں کہ امام کی خاطر سے منصور نے  
 غلام کو پٹوایا اور کہا کہ آئندہ تم ان کے متعلق اپنے اس برے رویے سے تو باز آ جا صلیح ج ۱۶  
 اگرچہ یہ ایک جہل سابی معنی قصہ ہے لیکن اگر صحیح ہے تو اس سے جیسا کہ میں نے عرض کیا اس

د بقیہ سلسلہ گزشتہ) ایک علی ہوشواری دکھا کر خلیفہ کو سبھا دیا کہ کتنا خطرناک مسئلہ ہے ۱۶

لیکن مجھے اس قصے میں ایک کلیہ مل گیا یعنی اس قسم کے جہل سوالوں کا بہترین جواب یہی ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسی باتیں جواب میں  
 کہدی جائیں جن سے سوال کرنے والا خود مشکلات میں مبتلا ہو جاوے اور خود سوچے کہ امام کے اس جواب پر کہ جس جگہ تو بیٹھا ہے  
 وہی وسط و نیا ہے ایک ایسا دعویٰ ہے جسکی تردید کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ پیدہ ساری دنیا کی بیانیہ کیجئے بغیر کہ  
 امام کے اس دعویٰ کی تردید کی کیا شکل ہو سکتی ہے طوسی نے جو سوال امام سے کیا تھا اس کا جواب جو دیا گیا بعض روایتوں میں  
 ہے کہ امام اپنے جواب کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے اپنے استاد حاد بن ابی سلیمان سے یہ سہرا تو آیا ہے کہ ایسے (باقی صفحہ آئندہ)



اثر اور نفوذ عام کا پتہ چلتا ہے جو امام کو اندر باہر الغرض منصور کی درباری اور خانگی زندگی میں ان کو حاصل ہو گیا تھا اسی کے رد عمل کی یہ مختلف شکلیں ہیں جنہیں مورخین نے بیان کیا ہے اور یہ تو رد عمل کی ہلکی شکلیں تھیں اصل واقعات تو بعد کو پیش آئے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ منصور کے شاہی کیمپ میں پہنچ کر امام اگر اس فکر میں تھے کہ جس طرح ممکن ہو منصور کو قابو میں لانے کی جو ممکن صورت ہو اس کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا جائے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مختلف راہوں سے منصور کو اپنی گرفت میں لانے کی کوششوں میں وہ مصروف ہیں اس پر اپنا اور اپنے قانونی خدمات کا ایسا غیر معمولی اثر قائم کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اپنی حکومت کا آئین ان ہی کے مدونہ قوانین کو بنانے پر وہ مجبور ہو جائیں جن کے متعلق ان کو اطمینان تھا کہ کتاب و سنت سے قریب ترین شکل یہی ہو سکتی ہے مسلمانوں کی اپنی زندگی حتیٰ اوسع اشد اور رسول کی مرضی کے تحت گذرے گی اگر ان کے خصوصیات اور باہمی جھگڑوں کا فیصلہ ان ہی کی روشنی میں کرنے پر حکومت آمادہ ہو جائے، وہ جو کچھ کر رہے تھے اسی کیلئے کر رہے تھے لیکن جہاں وہ اپنی اس فکر میں تھے ظاہر ہو سیکے دوسری طرف ابو جعفر منصور بھی اپنی فکر میں لگا ہوا تھا امام اس کو اپنے قابو میں لانے کی جدوجہد میں مصروف تھے تو وہ بھی امام کو اپنے دام میں لانے کی تدبیروں میں ڈوبا ہوا تھا، گویا حال وہی ہو رہا تھا جسے اکبر مرحوم نے اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے کہ

وہ خوش کہ کریں گے ذبیح اسے یا قید نفس میں کریں گے

ہم خوش کہ وہ طالب ہے تو میرا صیاد بھی جلا د سہی

ہیں کہا جاسکتا کہ ساحل و جلد کے اس کیمپ میں منصور نے اپنے کام کو کب سے شروع کیا تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امام کے فضل و کمال ذہن و ذکاوت کی خوبیوں کے مسلسل اعتراف کے بعد پہلی پیش قدمی اس کی طرف سے غالباً وہی ہوگی جس کا ذکر امام کے سوانح نگاروں نے ان الفاظ میں کیا ہے یعنی لکھتے ہیں کہ امام کے خدمات سے خوش ہونے یا خوشی کو ظاہر کرنے کے بعد اپنا ممنوں کر مہمان بنانے کے لئے ابو جعفر نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے دس ہزار روم کا ایک عطیہ کہتے یا انعام امام کے نام منظور کیا معیت بن بدیل جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ توڑے منظر ہ رقم کے منصور نے منگو کر امام کو بلایا اور رقم کو پیش کرتے ہوئے اس نے کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ اس رقم کو آپ قبول کریں یہ ظاہر یہ پہلا واقعہ تھا جسے صیاد اپنے شکار کے منہ میں اتارنا چاہتا تھا اور اس راہ میں امام کے لئے یہی شاید پہلی آزمائش تھی اگرچہ حکومتوں کے اس دانہ و دام سے بچنے کیلئے جیسا کہ یہ تفصیل بتایا جا چکا ہے امام کافی انتظام کر چکے تھے خدا نے ان کو تجارت کی راہ سے اتنا کچھ دے رکھا تھا کہ دس ہزار کی اس رقم کی ان کی نگاہوں میں کیا وقعت ہو سکتی تھی لیکن معاملہ یہاں دوسرا تھا اپنے عہد کا سب سے بڑا

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) موقعوں پر سوال کے جواب میں ایسی بات کہنی چاہیے کہ خود سائل پر جواب کی ذمہ داری عاید

ہو جائے۔ ہٹ دہرم جہاں سے جان بچانے کا یہ اچھا اور کارگر گڑھے ۱۲



مطلق العنان فرما کر واپس رقم دے رہا تھا اور وہ کیا رہا تھا لینے پر گویا مجبور کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا نہ قبول کرنا گویا ایک طرح سے اس کے حکم سے سزا جانی تھی اور ابھی امام اس سے بے تعلق بھی ہونا نہیں چاہتے تھے سخت مجسمہ میں مبتلا ہوئے راویوں نے تو نہیں لکھا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسمولی عذر و معذرت کے بعد امام نے کسی حلیہ سے کچھ وقفہ چاہا یعنی آج تو اس کو ملتوی کیا جائے کل اس کا جواب دوں گا و بار سے واپس ہونے کے بعد اپنے ایک دوست جن کا نام خارجہ بن مسعب تھا ان کو بلایا اور ان کے سامنے اپنی اس ہی مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں

اگر اس رقم کو واپس کرتا ہوں تو یہ آدمی (یعنی خلیفہ) بگڑ جائے گا

اور لینا منظور کر لیتا ہوں تو اپنے دین میں ایسی چیز کو میں داخل کرونگا

جو مجھے کسی طرح گوارا نہیں ہے ۱۱۱ ج ۱

خارجہ آدمی تھے بڑے زیرک اور منصور کے نفسیات کے ماہر انہوں نے امام کو مشورہ دیا کہ آپ منصور کو کسی طرح یہہ باور کرا دیجئے کہ میرے دل میں قطار و پیمہ پیسہ کا خیال نہ تھا خارجہ نے ان کو گویا یہہ سمجھایا کہ عموماً خلیفہ کے دربار میں جو لوگ آتے ہیں وہ اسی رقم کی امیدیں لے کر آیا کرتے ہیں اس نے آپ کے متعلق بھی یہی رائے قائم ہو گئی اس لئے وہ دے رہا ہے ورنہ جس قسم کی طبیعت اس شخص کی ہے۔ اس کے لحاظ سے تو ان لوگوں میں وہ ہے جن کی زندگی کا دستور العمل

”ہر کہ نہ خورد جان من“

ہوا کرتا ہے امام صاحب کی سمجھ میں خارجہ کی بات آگئی دوسرے دن دربار میں حاضر ہو کر کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا لکھا ہے کہ واقعی خارجہ کی یہہ تدبیر کارگر ہوئی یہہ سنتے ہی منصور نے حکم دیا کہ اچھا رقم خزانے میں واپس کر دی جائے ۱۱۱

واللہ اعلم یہہ اسی زمانے کی بات ہے یا بعد کو پھر منصور نے خیال کیا کہ ممنون کرم کرنے کی شکل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام کو کچھ نہ کچھ لینے پر مجبور کیا جائے بہر حال دوسری روایت یہی بن النضر کے حوالہ سے یہہ بیان کی جاتی ہے کہ منصور نے ان کی رقم کے ساتھ ایک خوبصورت حسین و جمیل چھوکری راستہ، ہی امام کو عطا کرنے کی منظوری دی ظاہر ہے کہ اگر یہہ دوسرا واقعہ ہے تو امام صاحب کو خارجہ نے نجات کی جو تدبیر تباہی تھی وہ کارگر نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اب اس کی تو منصور نے قطعی طور پر امام کو ممنون کرم بنا لینے کا ارادہ ہی کر لیا تھا اسی لئے رقم کے ساتھ ایک ایسی چیز بھی اس نے جائزے میں قصداً شریک کی تھی کہ مالی جال میں اگر امام نہ پھنس سکے تو دوسرا دام کم از کم منصور کے تجربے کے لحاظ سے ایسا تھا جس سے آدم کی اولاد مشکل ہی سے بچ کر نکل سکتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام نے بھی اب کچھ طے کر لیا خلیفہ بگڑ جائے تو بگڑنے دو لیکن جو واقعہ ہے اب کہل کر کہہ دینا چاہیے میرا خیال ہے کہ منصور کے سامنے امام کی جو تقریر نقل کی جاتی ہے جس کا ذکر پہلے ہی کسی سلسلہ میں آچکا ہے یعنی روپیے کو واپس کرتے ہوئے امام نے فرمایا کہ

امیر المؤمنین اگر ذاتی مال سے مجھے کچھ دیئے ہوتے تو شاید اس وقت میں اس کو قبول بھی کر لیتا لیکن یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی حیثیت سے بھی مستحق نہیں پاتا میں نہ ننگا بھوکا محتاج فقیر ہوں اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مدد سے شاید کچھ لے لینا میرے لئے جائز ہوتا اور نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے دشمنوں سے لڑتے ہیں اگر میرا تعلق فوجیوں سے ہوتا تو اس وقت میں بھی اس مدد سے لے سکتا تھا جس مدد سے سپاہیوں کو امداد ملتی ہے میرا تعلق جب نہ اس گروہ سے ہی

اور نہ اس طبقے سے تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس رقم کو میں کس بنیاد پر لوں؟  
 ظاہر ہے کہ امام کی اس تقریر کا منظور کیا جواب دے لیکتا تھا بعض روایتوں میں جو یہ آیا ہے کہ امام نے جب جائزہ لینے سے انکار کر دیا تب منظور نے ان سے کہا کہ  
 لا تَقْتُلِ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ لِيُقْبَلْهَا ۗ ج ۱  
 اچھا تو لوگوں میں اس کا چرچا مت کیجیو کہ میں نے خلیفہ کے جائزے کو قبول نہیں کیا

جہاں تک میرا خیال ہے اسی تقریر کے بعد منظور نے امام کو یہ ہدایت کی ہوگی اور یہ معاملہ تو روپے کے ساتھ گذرا باقی چھو کر ہی اس کے متعلق غالباً خود منظور سے امام صاحب جیسا کچھ نہ کہہ سکے لیکن منظور کا ایک درباری حمید بن عبد الملک جو غالباً کسی زمانہ میں منظور کا وزیر بھی تھا اور امام صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا اس سے فرمایا کہ

بھائی کہ میں بڑھیا ہو گیا ہوں اور عورتوں کے معاملہ میں کمزور ہو چکا ہوں آپ ہی بتائیے کہ ایسی صورت میں اس بے چاری کو لے لینا اس پر کتنا بڑا ظلم ہو جائے گا باقی یہ احتمال کہ فروخت کر کے دام کھرا کروں سو امیر المؤمنین سے کہہ دیجئے گا کہ میری کیا مجال ہے کہ امیر المؤمنین کی ملک سے جو عورت نکل کر میرے قبضے میں آئے اسے میں بیچ دوں

ص ۲۱۶ جلد ۱ مو

الغرض ان ہی طریقوں سے منظور کے داؤ پیچ کے مقابلہ میں امام بھی پتیرے کرتے رہے ایک ہی روایت ہی اس مالی انکار کے سلسلے میں نقل کی جاتی ہے کہ بعد کو منظور کہا کرتا تھا۔  
 خذ عنا ابو حنیفہ ص ۱۹۲ ج ۱  
 ابو حنیفہ مجھے دہوکہ دیتے رہے (یعنی کسی نہ کسی تدبیر سے وہ روپیہ واپس کرتے رہے۔

کیا تماشے کی بات ہے دوسرے سے کچھ جھٹک لینے میں البتہ لوگ باہم ایک دوسرے کو دہوکے دیا کرتے ہیں لیکن روپے واپس کرنے میں دہوکہ دینا بلاشبہ عجیب بات ہے مگر کیا کیجئے کہ عباسیوں کے ایک خلیفہ کی یہی شہادت مسلمانوں کے ایک امام اور پیشوا کے متعلق ہے۔  
 خیر مالی لین دین کے متعلق امام کو جن آزمائشوں سے گذرنا پڑا گو بجائے خود کہتے ہی امام ہوں



لیکن معاملہ ان ہی امور تک ختم کہاں ہو گیا جن اغراض کی تکمیل کا ذریعہ منصور اپنی مالی مومنیت کو بنانا چاہتا تھا۔ بہر حال وہ کانٹے کی طرح اس کے دل میں کھٹکتے رہتے تھے وہ امام کو اپنے کام کا بنانا چاہتا تھا اور امام اس کے ذریعہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے اسی لئے گو حنی الوسیع وہ مدارات ہی سے کام لیتے رہے لیکن امام کی اقتاد طبع سے منصور واقف تھا بنی امیہ کے زمانے کے قہے اس کے کانوں تک یقیناً پہنچے ہوتے ہوں گے جیسا کہ میرا خیال ہے ابراہیم الصالح اور امام کے تعلقات سے بھی غالباً وہ ناواقف نہ تھا اور اب گذشتہ مالی تجربات سے امام کی فطرت کے بھانپنے کا موقعہ ذاتی طور پر بھی اس کو مل رہا تھا غالباً کہ یہ ہی کے دنوں کے یہ چند واقعات ہیں جن کا ذکر امام کی سوانح عمریوں میں کیا گیا ہے۔

مشلا ربيع بن یونس کے حوالہ سے الکردی نے اپنے مناقب میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ موصل کے باشندوں نے اچانک منصور کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے دربار لگا ہوا تھا جس میں ابو حنیفہ بھی بیٹھے تھے منصور نے مجلس کی طرف خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہ موصل والوں نے یہ معاہدہ مجھ سے کیا تھا کہ میرے اور میری حکومت کے وفادار رہیں گے اور کبھی کبھی پر آمادہ نہ ہوں گے معاہدے میں موصل والوں نے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ اگر حکومت عباسیہ کے خلاف وہ کبھی بغاوت پر آمادہ ہوں تو خلیفہ کو حق ہوگا کہ ہم میں سے ایک کو وہ قتل کر دے منصور نے پوچھا کہ

”دیکھو! میرے گورنر عدال کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کیا ان کی خون ریزی خود ان کے معاہدے کے رو سے میرے لئے شرعاً جائز نہیں ہو چکی ہے؟“

کہتے ہیں کہ دربار کے کسی خوشامدی امیر نے کھڑے ہو کر خلیفہ کو جواب دیا کہ ”یقیناً آپ کا ہاتھ ان کے مقابلہ میں کھولا جا چکا ہے اور جو بھی ان کے متعلق آپ فیصلہ کریں اس کا آپ کو قطعاً اختیار حاصل ہے اگر ان سے درگزر کیجئے تو عفو اور درگزر آپ کا شیوہ ہے اور اگر سزا ہی ان کے لئے تجویز کی جائے تو وہ خود اپنے ہمالہ کے رو سے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں“

لیکن منصور کا اشارہ سوال میں جس کی طرف تھا وہ یہ آدمی نہیں تھا درحقیقت وہ امام ابو حنیفہ کے فتوے اور ہمنوائی کا امیدوار تھا جب اس نے دیکھا کہ امام صاحب کچھ نہیں بولتے تو براہ راست ان کی طرف رخ کر کے منصور نے پوچھا

اسے شیخ! تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟

آزادیش کی گھڑی پھر امام کے سر پر آ کر کھڑی ہو گئی منصور امام کے گذشتہ مداراتی طریقوں کو دیکھ کر شاید اپنے دل میں کسی انقلاب کے توقعات قائم کر چکا تھا اسی لئے اس نے امام کو شخصی حیثیت بنا کر سوال کیا تھا امام کھڑے ہوئے اور اپنی رائے کو پیش کرنے سے پہلے تمہیداً منصور کو خطاب کر کے آپ نے دریافت کیا کہ

کیا میں اس وقت نبوت کی جانشینی کے جو مدعی ہوں ان کے سامنے کھڑا ہوا نہیں ہوں مجھے

توقع ہے کہ جس گھر میں اس وقت ہوں یہ مسلمان کی پناہ گاہ ہے۔  
 منصور نے کہا بیشک یہی واقعہ ہے تب اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرنے لگے  
 امیر المؤمنین ابوصل والوں نے اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ آپ سے کیا تھا یعنی نجات  
 کی صورت میں ان کا خون خلیفہ کے لئے حلال ہو جائے گا، تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے  
 انہوں نے ایک ایسی چیز کا اختیار آپ کے سپرد کیا تھا جس کے سپرد کرنے کا شرعاً اثریں قطعاً  
 اختیار نہیں تھا

مطلب یہ تھا کہ اپنی جان اور اپنے خون پر مسلمانوں کو اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے اسی لئے  
 خودشی اسلام میں حرام ہے پھر دوسروں کو یہ اختیار وہ کیسے منتقل کر سکتے ہیں۔  
 آخر میں امام نے فرمایا کہ

اس کے بعد ہی اگر آپ ان کی خونریزی پر آمادہ ہوں گے تو ایک ایسی چیز میں آپ  
 ہاتھ ڈالیں گے جو آپ کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہے۔

امیر المؤمنین ابراہیم کا عہد زیادہ مستحکم ہے کہ اس کا ایفادہ لیا جائے۔ قصہ ج ۲ کہ  
 منصور خدا جانے اپنے دل میں کیا کچھ سوچے ہوئے تھا، لیکن امام کی کھری کھری اس بے لاگ  
 تقریر کو سن کر کچھ بدحواس سا ہو گیا اسی وقت اس نے جلسہ کے برخاستہ ہوئے کا حکم دیا جب لوگ  
 چلے گئے اور غالباً امام کو اس نے روک لیا تھا تو ان سے بڑی نرمی سے کہنے لگا۔  
 مولیٰ شیخ اباب و ہی ہے جو تم نے کہی

اور شاہی کیمپ سے نجات کا ذریعہ بھی امام کی یہی جسارت بن گئی کہتے ہیں کہ اسی کے بعد اس نے  
 امام صاحب کو کہا کہ

الضرف الی بلادک  
 آپ اپنے وطن تشریف لے جائیے  
 آخر میں بڑی لجاجت سے بطور وصیت اور وداعی ہدایت کے اس نے کہا

۱۔ دراصل یہ فقہ کا مسئلہ ہے اسی بنیاد پر یہ قانون ہے کہ کسی کو کوئی اگر کہے کہ مجھے مار ڈال یا قتل کر دے اور  
 اس کے کہنے سے کہنے والے کو قتل کر دیا جائے تو قاتل یہ عذر پیش کرے کہ میں نے تو مقتول کے حکم سے اس کو قتل  
 کیا ہے بری الذمہ نہیں ہو سکتا البتہ قتل عذر میں ایک طرح سے شبہ کی گنجائش چونکہ پیدا ہو جاتی ہے اس لئے بجائے  
 قصاص کے عام فتویٰ بھی ہے کہ دیت قاتل سے مقتول کے وارثوں کو دلوالی جائے گی، اگرچہ امام زفر کا فتویٰ  
 قصاص ہی کا ہے بہر حال یہ وہی مسئلہ ہے جس کی تعبیر فقہ کی کتابوں میں بذل بالانفس والاموال سے کی گئی ہے یعنی  
 مالیات میں تو بذل چل سکتا ہے مگر جان میں بذل کی گنجائش نہیں ہے اسی طرح اطراف بدن یعنی آنکھ ناک کان وغیرہ  
 میں بھی بذل جاری ہوتا ہے یا نہیں اس کے تفصیلات فقہ کی کتابوں میں دیکھیے حال حال تک یورپ میں ڈویل کا جو طریقہ  
 جاری تھا وہ اسی بنیاد کی ناہمی پر مبنی تھا یعنی انفس میں بھی بذل کو جائز سمجھا جاتا تھا لیکن شاید اب اسکی ممانعت ہو گئی ہو واللہ اعلم



مگر اس کا ذرا خیال رکھا کیجئے گا کہ ایسا فتویٰ لوگوں کو نہ دیا جائے جس سے آپ کے امام (یعنی امیر) کی ذات پر کوئی حرف نہ آئے، آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے فتوؤں سے خوارج (یعنی حکومت کے باغیوں) کو حکومت کے خلاف دست اندازی کا موقع مل جاتا ہے ص ۲۱ ج ۲

جہاں تک میرا خیال ہے ساحل و جلہ کے شاہی کیمپ سے رستہ نگاری امام کو اسی واقعہ کے بعد میرا آئی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے وجود کو منصور نے خطرہ قرار دیا اور یوں سمجھا بھگا کر گھر جانے کی اجازت دیدی شاید اسی وقت کا یہ واقعہ بھی ہے یعنی امام صاحب جب منصور کی خرگاہ سے کو فر روانہ ہونے لگے تو غالباً منصور نے ان سے یہ خواہش کی کہ کبھی آپ ہمارے پاس آیا جابا کیجئے کہتے ہیں کہ امام نے جواب میں فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ

”یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ آپ سے قربت اور نزدیکی کا نتیجہ دیکھ چکا ہوں کہ آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہوں، علاوہ اس کے اگر دل میں اس آرزو کو پالتا ہوں تو یقین مانتے کہ کسی وجہ سے اگر اپنے دربار میں میرے آنگو آپ روک دیں گے تو خواہ مخواہ کے غم میں مبتلا ہونا پڑے گا اور امیر المومنین! سچ تو یہ ہے کہ آپ کے پاس میں دیکھ چکا ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی مجھے آرزو ہو۔ باقی آپ کے پاس اس لئے آمدورفت رکھنا کہ دار و گیر سے آپ کے محفوظ رہوں، سو اس معاملہ میں میرا خیال یہ ہے کہ بجز اللہ میں کسی ایسے جرم میں مبتلا نہیں ہوں جس کی وجہ سے حکومت کی دہڑ بکڑ کا مجھے خوف ہو“

امیر المومنین! یہ واقعہ ہے کہ آپ کے پاس وہی لوگ زیادہ آمدورفت رکھتے ہیں جو ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف آپ ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور خدا کا شکر یہ کہ جس نے آپ کو دوسروں سے بے نیاز کر دیا ہے اسی ذات نے مجھے ہی اپنے سوا ہر چیز سے بے پروا اور بے نیاز بنا رکھا ہے پس مجھے معاف فرمایا جائے کہ ان لوگوں کی طرح

دریا دراری مجھ سے ممکن نہیں جن سے آپ کی بارگاہ بری رہتی ہے ص ۲۹ ج ۱

امام محمد بن حسن الشیبانی امام کے متعلق یہ روایت کیا کرتے تھے کہ والی کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کے

دربار میں ایک دفعہ امام نے عربی کے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے

کوزہ آب پارہ ناسے جامہ چند باتن و جانے

(ضیاء گیلانی)

ہست بہتر نزار بارز عیش کا درد عاقبت پشیمانے

بعضوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور کے سامنے بھی دہرائے گئے تھے، واللہ اعلم بالصواب

۱۔ اصل عربی اشعار یہ ہیں سے کسرة خبر وقتب ناع و فر و ثوب مع السلامہ

خیر من عیش فی نعیم کیون بعد ما السلامہ

بہر حال منصور نے اس وقت تو امام کو اپنے کیمپ سے رخصت کر دیا۔ لیکن امام نے اپنے متعلق اس کے دل و دماغ پر جن لازوال نقوش کو مختلف حیثیتوں سے قائم کر دیا تھا ظاہر ہے کہ وہ کیا سٹاٹس رکھتے تھے ان کی غیر معمولی شخصیت جس کے براہ راست تجربہ کرنے کا موقعہ اس کو چھینوں شب و روز ملتا رہا کوئی وجہ نہیں کہ طرح طرح کے خیالات اس کے دماغ میں نہ آتے ہوں زید شہید کے ساتھ امام کی بہر دیوں کا قصہ مشہور تھا ان کی آزادی رائے صاف گوئی اور سب سے زیادہ ان کی فرزانگی و دانائی کے تصورات اگر مختلف و سوسوں میں اس کو متیار رکھتے ہوں تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سلسلہ میں اس نے اور کیا کیا لیکن تاریخ والے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور امام کی طرف سے کس قدر غیر مطمئن رہتا تھا خلاصہ یہ ہے کہ براہ راست بلا کر پوچھنے میں تو اس نے شاید مصلحت نہ سمجھی بلکہ امام کے رخصت ہونے کے چند ہی دنوں کے بعد مدینہ منورہ سے اس نے امام مالک اور اس زمانہ میں مدینہ کے ایک دوسرے با اثر عالم ابن ابی ذئب نامی تھے ان دونوں کی طلبی کا فرمان جاری کیا اور کوفہ کے گورنر کو لکھا کہ امام ابو حنیفہ کو بھی روانہ کرو غرض تینوں حضرات منصور کے پاس جمع ہوئے غالباً یہ ہی کیمپ ہی کا واقعہ ہے اور خلوت کی صحبت میں تینوں کو بلا کر اس نے دریافت کیا کہ

سچ سچ بتائیے کہ اس امت (یعنی مسلمانوں) کی حکومت کی باگ قدرت نے جو ہمارے سپرد کی ہے کیا واقعی ہم اس کے اہل ہیں یا نہیں۔

میں نے شاید کسی دوسری جگہ بھی امام ابو حنیفہ کے اس جواب کا تذکرہ کیا ہے جو اس موقع پر اپنے منصور کو دیا اس وقت چند اجمالی فقرے ان کی تقریر کے پیش کئے گئے تھے پوری تقریر امام کی یہ تھی جسے اب درج کرتا ہوں پہلے بطور تمہید کے اپنے خلیفہ کو نصیحت کی کہ

اپنے دین کے بھی خواہ کو چاہیے کہ غصے سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھے

اور اس کے بعد جو امام کا خیال تھا اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمانے لگے۔

اپنے آپ کو ہر قسم کے فضول خیالات سے خالص اور پاک کر کے اگر تم سوچو گے تو میں سمجھتا ہوں کہ تم پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ہم لوگوں کے جمع کرنے میں قطعاً خدا تمہارے سامنے نہیں ہے (یعنی خدا کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو بنا لینے کیلئے تم ہم سے مشورہ نہیں کر رہے ہو) بلکہ صرف تم عوام پر یہ اثر قائم کرنا چاہتے ہو کہ ہم لوگ بھی تمہارے متعلق ہی خیال رکھتے ہیں جو خیال خود تم نے اپنے جی سے اپنے متعلق قائم کر لیا ہے یعنی تمہارے خوف سے ہم بھی تمہاری جیسی بات کہیں

لے جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے خلاف نفس زکیہ کی تھرک یا مذہبی اندر جاری تھی کچھ حالاً اس کے آئندہ آرہے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے امام مالک اور ابن ابی ذئب کو اس وقت طلب کیا گیا ہے جب معاملہ فروج کا قریب قریب (بقیہ صفحہ آئندہ)



اس کے بعد ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر ابو جعفر کو امام نے سمجھانا شروع کیا  
 دو دیکھو تم نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں اس وقت سنبھالی ہے جب کہ مسلمانوں  
 میں فتویٰ دینے کی اہلیت جن لوگوں میں ہے ان میں سے دو آدمی ہی تمہاری خلافت  
 پر متفق نہیں ہوئے تھے اور تم جانتے ہو کہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں  
 کا اجتماع ہی طے کر سکتا ہے ان ہی کے مشورے سے خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے یہ  
 ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال تمہارے سامنے ہی چھ مہینے تک حکومت کرنے  
 سے انہوں نے اپنے آپ کو روکے رکھا جب تک کہ عین کے مسلمانوں کی بیعت کی خبر  
 ان تک نہ پہنچی تھی، ص ۱۶ ج ۲

صاحب فتاویٰ بزازیہ امام حافظ الدین المعروف بالیزازا الکردری نے مذکورہ بالا تقریر دو  
 جلیل القدر مورخوں یعنی امام احمد المدینی اور الحلبی کے حوالہ سے نقل کی ہے صحت کی ذمہ داری  
 حضرات میں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مطلق العنان جبار کے سامنے ایک بڑی جبروت تھی کیونکہ یہ  
 کوئی جزئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ منصور کی خلافت کی بنیاد پر ہی یہ کاری ضرب تھی گویا آج امام نے صاف  
 لفظوں میں اس کا اعلان خود منصور کے منہ پر کر دیا کہ کسی حیثیت ہی تمہاری حکومت شرعی اور آئینی  
 حکومت نہیں ہے اگر یہ امام نے اپنے جس مسلک کو ابراہیم الصالح کے سامنے ظاہر کیا تھا اس سے ان  
 موجودہ طریقہ عملی کچھ مختلف نظر آتا ہے لیکن اگر یہ سوچا جائے کہ پوچھنے کے بعد کمان کا حق اور جو صحیح  
 باشرطی اس کے چھپانے کو امام کی ایمانی غیرت نے قبول نہیں کیا اور ابراہیم سے امام جو کچھ کہہ رہے  
 تھے اس کا حاصل یہ تھا کہ طاقت کے بغیر خود اپنی طرف سے ایسے موقعہ پر حق کا اظہار لا حاصل ہے تو  
 دونوں میں فرق نظر آئے گا اور میرا خیال تو کچھ ادھر بھی جاتا ہے کہ کوفہ پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا  
 ہے حکومت عباسیہ کوتاہ و بالا کرنے کے لئے اندر ہی اندر جو آتش فشاں نادرہ پک رہا تھا اس سے  
 باخبر ہی نہیں بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ امام کسی نہ کسی حیثیت سے اس میں شریک ہو گئے ہوں گویا ان کو

ذہنیہ سلسلہ گزشتہ) ظہور کے آچکا تھا منصور کے خفیہ نمائندے منظر منت کی خبریں اس تک پہنچا رہے تھے ۱۴

۱۵ اس تقریر میں اسلامی سیاست کی بنیاد کو واضح کرتے ہوئے امام ابو جعفر نے حضرت ابو بکر کی خلافت کے متعلق  
 ایک ایسے تاریخی واقعہ کا اعلان کیا ہے جس کا لوگوں کو بہت کم علم ہے لیکن یہ ایک امام کا بیان ہے افسوس ہے کہ اس  
 رسالہ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ  
 کے ہاتھ پر چھ مہینے بعد بیعت کی اس واقعہ کا امام ابو جعفر کے اس اکتشاف سے بڑا گہرا تعلق ہے انشا اللہ اسلامی سیاست  
 پر جس کتاب کے لکھنے کا ارادہ ہے اس میں اس مسئلہ پر میرا حال بحث کی جائے گی واللہ ولی الامر والتوفیق ۱۶

۱۷ جیسا کہ آئندہ ابھی معلوم ہوگا کہ نفس زکیہ کے فروع کا واقعہ مقامی نہ تھا بلکہ برسوں سے تمام اسلامی صوبوں میں  
 اہل بیعت کے نمائندے مسلمانوں کو اپنی امداد و اعانت پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے نفس زکیہ کے بھائی جن کا  
 امام ابو جعفر سے گہرا تعلق ہے ان کے متعلق تو کتابوں میں لکھا ہے کہ منصور کے اس شاہی کہیں میں یہی خفیہ پیام (بقیہ صفحہ آئندہ)



مسلمانوں کی تنظیمی قوت کا انتظار تھا وہ ان کے سامنے بے نقاب ہو چکی تھی ہو سکتا ہے کہ اس جبار  
 ودیری میں کچھ اس کو بھی دخل ہو

چاہیے تو یہی تھا کہ ابو جعفر اس تقریر کے سننے کے بعد شاید امام کے متعلق اپنا آخری فیصلہ امیر  
 صادر کر دیتا جس حال میں اس وقت تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ ابن ابی ذئب جب منصور کو جواب  
 دے رہے تھے تو امام کا خود بیان ہے کہ میں نے اور مالک بن انس (امام مالک) نے اپنے کپڑے سمیٹ  
 لئے ہم لوگوں کو قتل کیا تھا کہ اس کے بعد گردن اڑادی جائے گی

لیکن ابو جعفر لاکھ غصہ ناک آدمی تھا تاہم سیاسی مصالح پر اپنے جذبات کو غالب ہونے نہیں  
 دیتا تھا اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز پوشیدہ تھا آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس کے عہد کو امام نے جب  
 مرو کر دیا تو بگڑنے کے اس نے کہا کہ تو یہ کہتا اپنے اس نہ لینے کا چرچا دوسروں سے نہ کیجیو  
 یا موصل کے مسلمانوں کے قلعے میں امام صاحب نے اس کی مرضی کے خلاف رائے دی تو بچائے پر ہم ہونے کے  
 اس وقت بھی اس نے امام سے یہی کہا کہ ذرا اس قسم کے فتووں میں اس کا خیال رکھا کرو کہ تمہارے امام  
 پر کوئی حرف نہ آئے ظاہر ہے کہ یہ جو کچھ وہ کر رہا تھا محض سیاسی مصلحت اندیشیوں ہی کی بنیاد  
 پر کر رہا تھا اس وقت بھی وہ جان رہا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی بے جا حرکت اگر کی گئی تو جو  
 واقعہ کل پیش آیا وہ آج ہی پیش آجائے گا اس زمانہ کے اس سیاسی نظریہ کو اسی منصور کے بیٹے  
 ہمدی کی زبانی نقل کر چکا ہوں کہ امام جہی ہستیوں پر دست اندازی سے حتی الوسع بچنے کی کوشش اس  
 لئے کیا کرتے تھے کہ اپنی یزیدیت کی موت کی تصویر حسین کے قتل کے آئینے میں ان لوگوں کو نظر آتی تھی  
 کچھ ہی ہو بلا سختی و بے خبر گذشت تینوں حضرات کو اپنے اپنے وطن جانے کی اجازت  
 مل گئی۔

مجھے پر بھی کہنا پڑتا ہے کہ واقعات کے بیان کرنے میں ترتیب کو لوگوں نے قائم نہیں رکھا  
 جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں اب امام کی زندگی کے وہی واقعے سیاسی حیثیت سے اہمیت رکھتے ہیں  
 ایک تو نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کے خروج کے وقت امام کی علامتہ اس نجات

(تفصیل کے لئے) کیا تھا منصور ان کی تلاش میں تھا لیکن بغیر واقعے ایسے ہی پیش ہوئے ہیں کہ منصور کے دسترخوان پر دوسروں  
 کے ساتھ انہوں نے کھانا کھایا اور منصور کو پتہ نہ چلا ۱۲

۱۳ بعضوں کا بیان ہے کہ منصور نے چند توڑے اپنے آدمی کے جولے کیے اور حکم دیا کہ ابن ابی ذئب اور ابو حنیفہ  
 کو جا کر دو اگر لے لیں تو اسی وقت دونوں کے ساتھ کر لیتے آنا ہاں اگر لینے سے انکار کریں تو چوڑے دینا کہتے  
 ہیں کہ ابن ابی ذئب تو نے کہا کہ میں حال کو اس شخص کے لئے میں طال نہیں سمجھتا بہلا اپنے لئے اسی مال کو کیسے حلال قرار  
 دوں اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ میری گردن بھی چاہے اڑادی جائے لیکن ایک درم چھونے کو بھی میں اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا  
 مگر میرا خیال ہے کہ منصور اس سے واقف ہی تھا جانی ہی چیز کو دوبارہ جاننے کی ضرورت کیا تھی۔ ۱۲



میں شرکت اور دوسرا واقعہ ان کے قضا کا ہے یعنی منصور نے بلا بلا کر متفرق اوقات میں ان کو اس پر مجبور کیا کہ اس کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیں پہلے تو صرف اسی علاقے کی قضا اس نے پیش کی جس میں وہ اپنے جدید شہر مدینہ السلام کو بنوا رہا تھا جب امام نے انکار کیا تو پھر اس نے بغداد کے ساتھ کوفا اور بصرہ کو بھی ان کی عدالت کے حدود میں شریک کر دیا جیسا کہ الکردری نے لکھا ہے۔

عہد الامار الی البصرۃ و الکوفۃ  
و بغداد و ما یلیھا ص ۲ ج ۲  
بصرہ کوفا بغداد کے متصلہ علاقوں کی قضا رت  
امام کے نام مقرر کی

اور آخر میں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سامنے منصور نے یہ عہد پیش کیا کہ  
ان یتولی القضاۃ یخرج القضاۃ  
من تحت ید الی جمیع کور الاسلام ص ۲ ج ۲  
قضا کا عہدہ ان کے سپرد کیا گیا اور یہ بھی کے سارے اسلامی  
قلمرو میں جو بھی قاضی مقرر ہو امام ہی کے ہاتھ سے اس کا تقرر ہوگا  
لیکن انکار ہی پر امام کا اصرار قائم رہا پھر اجبار و انکار کے ان قصوں میں منصور نے امام کے ساتھ  
جو ظلمانہ سلوک مختلف طریقوں سے کئے افسوس ہے کہ لوگوں نے نہ اوقات اور تاریخوں کی  
تعیین کی طرف توجہ کی اور نہ کسی نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ مختلف عہدے جو امام صاحب  
پیش کئے گئے ان میں مقدم کون ہے اور موخر کون ہے بس لکھنے والوں نے صرف آٹا لکھ دیا ہے کہ  
اس قسم کے واقعات پیش آئے۔

سب سے زیادہ مشکل یہ ہے کہ نفس زکیہ کے خروج اور قضا کے ان قصوں کے متعلق یہ معلوم  
نہیں ہوتا کہ خروج سے پہلے کے یہ واقعات ہیں یا بعد کے یا بعض واقعات قضا کے خروج سے پہلے  
اور بعض واقعات خروج کے اختتام کے بعد پیش آئے۔  
مدتوں کے غور و خوض کے بعد میں جس نتیجہ تک پہنچا ہوں ان کو درج کر دیتا ہوں۔ بڑی طوا  
ہو جائے گی اگر اس ترتیب کے وجوہ پر بھی بحث کی جائے۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ نفس زکیہ کے خروج کے زمانہ تک آخری مکالمہ امام میں اور منصور  
میں وہی ہوا ہے جس میں امام مالک اور ابن ابی ذئب مدینہ سے بلائے گئے اور کوفہ سے امام صاحب  
طلب کئے گئے جس کی تفصیل گذر چکی جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس دفعہ امام صاحب کی صاف گوئی نے  
منصور کے تمام شکوک و شبہات کو جو امام کے متعلق وہ رکھتا تھا یقین سے بدل دیا ہوگا۔ لیکن  
اب کرنا کیا چاہیے کیا آخر الحیل السیف یعنی تلوار سے آخری فیصلہ امام کا کر دیا جائے یا بجائے زہر کے ابی گرا  
کھلانے کے تجربے کو کچھ دن اور جاری رکھا جائے شاید وہ ان ہی خیالات میں غلطان پہنچا ہی  
تھا اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اندنوں اس کا زیادہ ترقیام اسی تو تعمیر شہر کے اس کیمپ میں رہتا تھا جہاں  
مقیم رہ کر خود ہی تعمیر و چسپیوں میں وہ حصہ لے رہا تھا کہ جس خطر کی خبریں مختلف ذرائع سے اسکو  
مل رہی تھیں ٹھیک دوپہر کے وقت جد کے کنارے جب کسی راستے کے ویر میں وہ قیلوہ کر رہا تھا کہ کانپتا  
مدینہ سے بغداد کے درمیانی فاصلے کو کل (۹) دن میں طے کر کے ایک شخص جس کا نام حسین بن صخر تھا پہنچا ہے



اور بیع منصور کے صاحب کہتا ہے کہ خلیفہ سے تنہائی میں مجھے کچھ کہنا ہے روکد کے بعد بیع اہلو  
اندر نے جاتا ہے اور جس خطرے کے خیال سے منصور اندر ہی اندر گھلا چلا جا رہا تھا اسی خبر کو  
خرج محمد بن عبد اللہ بالمدینہ  
مخبر بن عبد اللہ نے مدینہ میں خروج کیا (یعنی حکومت  
کا اہل وغیرہ کے خلاف مقابلہ پر آمادہ ہو گئے)

کے الفاظ میں اس نے او کیا گویا ایک بجلی بھی جو منہ کی آنکھوں کے سامنے کوند گئی کہا تو نے خود دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا  
مخبر سے بار بار پوچھتا ہے اور جواب میں وہ کہتا جاتا ہے -  
”جی ہاں! میں نے خود دیکھا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر جب وہ بیٹھے  
ہوئے تھے تو ان سے میں نجات بھی کی ہے“

منصور کی حیرانی و پریشانی کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ مدینہ السلام اور اس کی تعمیر کا خیال اس کے  
دماغ سے نکل گیا اسی وقت کوچ کا اس نے حکم دیا اور کوفہ ہی میں آکر دم لیا کہتے ہیں کہ پچاس دن  
تک اپنے مصیبتی ہی پر جسے زمین پر اس نے چھا دیا تھا سوتا بیٹھا تھا ایک رنگین جبہ اس وقت پھینے ہو  
تھا جب مصلی پر بیٹھا تھا اس عرصے میں حد سے زیادہ میلا ہو گیا لیکن جب تک بغاوت کا بالکل قلع قمع  
نہیں ہو گیا کپڑے نہیں بدلتے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ جن لوگوں نے نہیں کیا ہے شاید اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں  
کر سکتے اور میرے لئے یہی تفصیل کا موقوہ نہیں ہے تاہم چند سطروں میں ضرورت ہے کہ اجمالی ذکر اس کا  
کر دیا جائے۔

اس واقعہ کا ظہور ۳۴ھ اور ۳۵ھ کے درمیان ہوا ہے یعنی ہجرت کے قریب  
نفس و کیمہ کے قریب ڈیڑھ سو سال بعد اس عرصے میں اہل بیت نبوت کے دونوں صاحبزادے  
خرج کی اہمیت یعنی حضرت حسن اور حسین علیہما السلام کی اولاد کی کئی پشتیں گزر چکی تھیں  
دونوں خاندانوں کے افراد کی کافی تعداد پھیل چکی تھی حالانکہ اب ان میں دونوں حقیقی بھائی تھے  
لیکن جیسا کہ دنیا کا دستور ہے کچھ دن کے بعد اہل بیت کے دو مستقل سلسلے قائم ہو گئے یعنی حسنی گھرا  
کے سادات اور حسینی خاندان کے سادات زیادہ تر دونوں خاندانوں کے افراد کا قیام مدینہ ہی میں تھا  
اسلام کی سیاسی تاریخ میں ایک کش مکش نزوہ تھی جس کی ابتداء کربلا کے میدان سے ہوئی اور  
زید بن علی الشہید کی جدوجہد پر گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کش مکش کا خاتمہ ہو گیا یہ حسینی سادات  
کی کش مکش کا سلسلہ تھا لیکن حسنی سادات کی طرف سے اس وقت تک کسی سیاسی جدوجہد کا اظہار نہ ظاہر

کہتے ہیں کہ ان ہی دنوں میں دو امیروں نے منصور کے پاس اپنی لڑکیاں بطور ہدیہ کے پیش کیں لیکن منصور نے ان کی  
طرف آنکھ نہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا لوگوں نے اس سے پوچھا ہی جواب میں کہا کہ یہ وقت عورتوں کی طرف توجہ کرنے کا نہیں ہے  
جب تک اس کا فیصلہ نہ ہوئے کہ وہ تمہیں کاسر میرے سامنے آتا ہے یا میرا ہراس کے پاس جاتا ہے اس قسم کی باتوں کا میرے سامنے ذکر نہ کرو



نہیں ہوا تھا جسٹی سادات کے خصلے اس راہ میں گویا پست ہو چکے تھے امام باقر اور امام جعفر صادق  
 وغیرہ بزرگ جو حسینی سادات کی نمائندگی کرتے تھے اپنی زندگی کا رخ بدل چکے تھے مگر حسینی سادات  
 کی امنگیں ابھی زندہ تھیں ہیں۔ زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں حسینی سادات میں سب سے سربراہ اور وہ ہستی  
 حضرت عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی تھی آپ ہی کے ایک صاحبزادے  
 کا نام محمد بن عبداللہ تھا چمن ہی سے بعض غیر معمولی آثار رشد و صلاح کے ان میں پائے جاتے تھے ان کی  
 ان ہی خصوصیتوں کو دیکھ کر لوگوں میں "نفس زکیہ" کے نام سے مشہور ہوئے تھے بلکہ نام ان کا چونکہ  
 محمد اور والد کا نام عبداللہ تھا اور غالباً والدہ کا نام بھی امہ تھا اس بنیاد پر بعض لوگوں نے ان کو شیلا  
 کا مصداق ان کو قرار دینا شروع کیا جن میں امام مہدی کے ظہور و خروج کی پیشگوئی کی گئی ہے جیسے عباسیوں  
 میں مشہور تھا کہ نبی امیہ سے منتقل ہو کر حکومت ان ہی کے ہاتھ میں آئے گی اسی طرح یہ حسن ظن حسینی  
 سادات میں پھیل گیا تھا کہ پیدا ہونے والا مہدی ان کے خاندان میں پیدا ہو چکا ہے اور بنی عباس سے  
 حکومت کا جائزہ وہی لیں گے۔

آخر خیالات نے یہ تدریج و اوقات کا قالب اختیار کرنا شروع کیا جس وقت منصور عباسی خلافت پر  
 کا وارث ہوا اس کے زمانے میں حسینی سادات کی سیاسی تدبیریں قریب قریب تکمیل کے درجہ تک پہنچ چکی تھیں۔  
 جن کے والد عبداللہ بن الحسن بن الحسن بھی زندہ تھے علاوہ اپنے چند بھائیوں عبداللہ بن جوان رطوک کے  
 بھی باپ تھے انتظام یہ کیا گیا تھا کہ مرکز تو خروج کا مدینہ منورہ ہی کو بنایا جائے لیکن ہر صوبہ میں  
 خاندان کا ایک ایک آدمی بھیجا جائے اور وہاں کے مسلمانوں کو وہی موجودہ حکومت کے خلاف خروج  
 پر آمادہ کرے المسعودی لکھتا ہے کہ محمد النفس الزکیہ کے بیعت میں سارے امصار کے لوگ شریک ہوئے  
 ہر صوبہ میں جو لوگ بھیجے گئے تھے ان کے نام کی فہرست یہ درج کی ہے۔

محمد النفس زکیہ کے صاحبزادے جن کا نام علی بن محمد تھا یہ مصر بھیجے گئے تھے اور  
 عبداللہ جو دوسرے صاحبزادے تھے یہ خراسان روانہ کیے گئے حسن ان کے جن  
 صاحبزادے کا نام تھا وہ مین پونچھے اور نفس زکیہ کے بھائی موسیٰ بن عبداللہ  
 جزیرہ (موصول وغیرہ) میں نمائندگی کرتے تھے اسی طرح دوسرے بھائی جن کا نام  
 یحییٰ تھا وہ رے اور طبرستان میں کام کر رہے تھے اور ان ہی کے بھائی اور سین بن  
 عبداللہ کے سپرد سارے مغربی علاقے (افریقہ، ایشیا وغیرہ) اور نفس زکیہ کے بھائی  
 ابراہیم کو بصرہ بھیجا گیا۔

۱۰۔ عباسیوں کا خیال تھا کہ ان کے ہاتھ میں آنے کے بعد حکومت مسلسل انہی کے خاندان میں اس وقت تک باقی رہے گی جب تک  
 سید علیہ السلام ظاہر ہو کر ان سے حکومت کا جائزہ نہ لیں اور سید علیہ السلام چرامیں کو مہدی کے حوالہ کریں گے ۱۱۔  
 لیکن خدا کی یہ عجیب شان ہے کہ گو لوگوں کو ہنسوا بنائے تھے ان میں سے ہر ایک کو ہر ہر علاقے میں دقیقہ برقرار رکھنا



اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حسنی سادات کی یہ کیش مکش مسوئی مقامی کیش مکش کی نوعیت  
 نہیں رکھتی تھی بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ارادہ کیا گیا تھا کہ زمین کو تیار کر کے ایک دن میں عباسی  
 حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اندر اندر یہ سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور ٹھیک ایک مقرر تاریخ میں  
 بغاوت کا اعلان کر دیا گیا حالت اتنی نازک ہو گئی تھی کہ مبصرین کی رائے الیافعی نے نقل کیا ہے کہ  
 قالوا ولولا السعادة لسلس عرشه صلح ۱۹۹ ج  
 اگر مفسر کا اقبال نہ ہوتا تو اس کا تختہ الٹا چکا تھا

دقیقہ گزشتہ بڑی اچھی کامیابیاں میسر آئیں اور ان ہی کے اعتماد و پرفنس زکیہ نے مدینہ میں باضابطہ اپنی حکومت  
 کا اعلان کر دیا مگر قسمت نے عباسیوں کی یوری کی خود نفس زکیہ ہی شہید ہوئے اور ان کے بڑے بھائی جہاں  
 جہاں پہنچتے وہیں قتل ہوئے بعضوں نے قید خانوں میں جان دی البتہ مغرب اقصیٰ کی طرف اور پس بن عبداللہ  
 نفس زکیہ کے بھائی جو بھیجے گئے تھے وہ اس علاقے میں ایک ازاد مقامی حکومت کے قائم کر لینے میں کامیاب ہوئے اور  
 زمانہ تک مغرب میں حسنی سادات کا یہ خاندان حکومت کرتا رہا وہ اپنی ایک معتدل تاریخ رکھتے ہیں اور شاید حسنی  
 سادات بھی اس عام ناکامی کے بعد اپنے حسینی بھائیوں کے ہم مسلک ہو گئے یعنی ان بزرگوں نے بھی زندگی کی راہ بدل  
 دی تھی گو سیاست سے ہٹ کر دونوں خاندانوں کے بزرگوں نے اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مخلصانہ  
 خدمات انجام دئے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سیاست کی راہ سے جب کہی ان دونوں خاندانوں میں کسی نے حکومت پر قبضہ  
 کرنے کا ارادہ کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرضی ابھی اس باب میں ان کا ساتھ نہیں دیتی رہی ہے اللہ کی مصلحتوں کو اللہ  
 ہی جان سکتا ہے لیکن اتنی بات تو تجربے اور مشاہدے کی ہے کہ کسی قوم و امت کی زندگی کے لئے سیاسی اقتدار  
 خواہ جس حد تک اس دنیا میں ضروری ہو سکے دیکھا یہ جانا ہے کہ سیاسی اقتدار کی باگ قوم کے جن افراد کے ہاتھوں میں  
 چلی جاتی ہے ابتدا میں تو کم لیکن جوں جوں اپنی مطلق الغنائیوں کا احساس ان میں بڑھ جاتا ہے فرعون نے ناسا ان بنے  
 میں وہ آگے کی طرف بڑھتے چلے گئے ہیں ہر ایک کو وہ دبا سکتے ہیں لیکن ان کو کوئی زبان سے ہی کہہ نہیں کہہ سکتا بلکہ ان  
 کی ہر برائی کو خوش خال تعبیروں میں پیش کرنے والے ہر زمانے میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جن کی زندگی اندر سے باہر تک  
 عقونیت میں منڈاس سے ہی بدتر ہوتی ہے لیکن نظم و نثر میں مدعوں کا ایک طبقہ ان کی ساری برائیوں کی پردہ پوشی  
 کرتا رہتا ہے اور یہ صورت حال اتنی خطرناک ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ جن لوگوں کی رگوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کا مقدس خون کسی نہ کسی حد تک پھونچ گیا ہے ان کو خدا اس بری حالت میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیتا ہے نہ ظاہر  
 بادشاہی اور حکومت کے الفاظ میں بڑی جاہ بیت سے اور بیرونی ملحق کو اس کے دیکھ کر شخص کی خوشی  
 ہوتی ہے کہ کاش ایسا اقتدار اتنی ہی حاصل ہوتا لیکن انجام اس طاقت کے حصول کا جو کچھ ہوا اگر تائب ہے میں تو  
 نہیں سمجھتا کہ اس کو دیکھ کر اپنی نسل اور اپنے خاندان کے متعلق کوئی اس انجام پر خوشی راضی ہو سکتا ہے  
 یقیناً بعض خاص لذتوں سے مزہ لوٹنے کا موقع ان لوگوں کو مل جاتا ہے لیکن بڑی بہاری قیمت اس کی  
 ان کو ادا کرنی پڑتی ہے شاید یہی کچھ مصلحت اس بات کی نظر آتی ہے جو اہل بیت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی علیہ وسلم  
 کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار مسلمانوں کا کہی منتقل نہ ہو سکا حالانکہ یہ ظاہر حالات ایسے تھے کہ سب سے پہلے (باقی صفحہ ۱۵)



حسنی سادات کی اس جدوجہد کے تفصیلات تو تاریخ میں پڑھیں مجھے یہاں صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم جن کی جدوجہد کا مرکز بصرہ قرار دیا گیا تھا علاوہ بصرہ کے ان کے نمائندے کوفے میں بھی مخفی طور پر ہجرت لوگوں سے رہے تھے اور یہاں کافی کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں یہ فقرہ تقریباً اکثر تاریخوں میں پایا جاتا ہے کہ حکومت عباسیہ کو الٹ دینے کے لئے مائتہ الف سیف کا منہ لہ با لکوفہ ایک لاکھ تلواریں کوفہ میں ان کے لئے چھپی ہوئی تھیں ص ۲۹۹ الیافی ج ۱ وغیرہ

بوجہ اس کے کہ سیدھا بھاگا گا ہوا جو کوفہ بھی پہنچا اور سلطنت کے دوسرے مقامات پر نہیں گیا اسکی وجہ یہی غالباً معلوم ہوئی ہے کہ منظور کو اس کی اطلاع پہنچانی گئی ہوگی کہ سب سے بڑا مستحکم محاذ مدینہ کے بعد حکومت کے خلاف کوفہ میں قائم کیا گیا ہے کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ جو منظور کے بعد عباسی حکومت کا خلیفہ ہونے والا تھا منظور نے اس کو بلا کر کہا تھا۔

”بھائی! یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے غرض صرف میرا اور تمہارا خاتمہ کرنا ہے اب وہی حال ہے مدینہ تم جاؤ اور میں کوفہ میں رہوں یا میں مدینہ فوج لیکر جاتا ہوں اور کوفہ کی نگرانی تم کرو“ ص ۲۰۲ کامل وغیرہ

چونکہ عیسیٰ ہی مدینہ پر چڑھانی کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اس لئے منظور جیسا کہ گذر چکا مصیبتی جہاں کر پچاس دن تک آبی پر پڑا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ ہمارا امیر ابراہیم کے سامنے جاتا ہے یا ابراہیم کا سر ہمارے سامنے آتا ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اس انقلابی تحریک کے تفصیلی واقعات کے ذکر کی گنجائش اپنی اس کتاب میں نہیں پاتا عام طور پر کتابوں میں وہ لکھتے ہوئے ہیں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ عباسی حکومت کو اپنے قیام کے ابتدائی میں امام ابو حنیفہ کا حصہ دونوں ہی میں ایک ایسے خطرے کا سامنا کرنا پڑا جس کی نظیر غالباً عباسیوں کی

(یقیناً سلسلہ گزشتہ) اس اقتدار کے مالک فری ہو سکتے تھے عباسیوں نے محض ان کے نام کے ناجائز استعمال سے حکومت حاصل کی تھی البتہ جب حکومت مل گئی تو بجائے اہل بیت رسول اللہ کے سادات کی تعبیر عباسی طالبین سے کرنے لگے گویا ابوطالب اور عباس دو بھائیوں کی اولاد کے درمیان یہ جھگڑا اٹھا بہر حال اسی کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حکومت کے سوا دوسری جہتوں سے جتنی خدمت دین کی ساداسوں آئی ہے دوسرے خانوادوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۱۶

۱۷ حکومت بھی عجیب چیز ہے بنی امیہ کے مقابلہ میں بنی عباس کے نام سے تحریک اٹھائی گئی جب حکومت ہاشمیوں کے ہاتھ میں آگئی تو عباسیوں نے اپنے مقابلہ میں طالبیوں کا ایک گروہ قائم کر دیا مگر جس کام کی بنیاد خود غرضی پر ہو وہ اسی نقطہ پر پہنچ کر ختم کیے ہو جاتا حالانکہ السفاح نے ابو جعفر منظور کے بعد باضابطہ ولی عہد اسی عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کو قرار دیا تھا۔

لیکن اقتدار کے حامل کرینے کے بعد ابو جعفر کی نیت میں فتور پیدا ہو گیا اندرونی طور پر اس فکر میں لگ گیا کہ بجا (باقی صفحہ آئیں)

سینکڑوں سال کی تاریخ میں شکل ہی سے مل سکتی ہے مدینہ منورہ میں امام مالک فتویٰ دے چکے تھے کہ عباسیوں نے مسلمانوں پر جبر کر کے بیعت لی ہے اور جبری قسم یا ہمیں نہ واقعی قسم ہے اور نہ ہمیں لے نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ تمام مورخین نے لکھا ہے بحر معدودے چند آدمیوں کے

لم تختلف عن محمد من وجوه الناس  
مدینہ میں ایسا کوئی قابل ذکر آدمی نہ تھا جس نے  
۱۹ء کامل ج ۵ ان کی رفاقت نہ کی ہو

عہد نبوت کی کہو دی ہونے خندق جو پٹ چکی تھی نئے سرے سے کہو دی گئی گو یا مدینہ میں و طیبہ  
سال بعد ایک ایسا نقشہ قائم کر دیا گیا تھا کہ لوگوں کے سامنے معلوم ہو رہا تھا کہ نبوت کا مقدس عہد پیر  
ان کے سامنے ہی جن جن صوبوں میں نفس زکیہ کے نمائندے بھیجے گئے تھے کم و بیش ہر جگہ ان کو غیر معمولی  
کامیابی حاصل ہو چکی تھی لکھا ہے کہ وجہ کے کیمپ سے بھاگ کر جب منصور کوفہ میں اپنے مصلے پر آکر جا تھا تو  
جیسا کہ الیافی وغیرہ نے لکھا ہے

کان کل یوم یأتیہ فتق من ناحیة  
ایافی ص ۲۹ ج ۱ روزانہ مختلف صوبوں سے بغاوت کی خبریں  
اس کے پاس آ رہی تھیں

خیر وہ تو جو کچھ ہو رہا تھا موسیٰ رہا تھا مجھے تو یہ بیان کرنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا اس انقلابی  
تحریک میں کیا حصہ تھا ابراہیم صالح کے قتل میں امام کے مسلک کی تفصیل گذر چکی اس تحریک سے پہلے امام اہل  
کرو اور دیکھو اسکے رویہ پر قائم تھے تباہ چکا ہوں کہ کسی باضابطہ اجتماعی تنظیم کے بغیر انفرادی طور پر کسی ایسے  
خطرے میں اپنے آپ کو جھونک دینا جس کا نتیجہ قتل ہو جانے کے سوا اور کچھ نہ ہو اس کے وہ مخالف تھے ایسے  
زمانہ میں حق کے بڑھانے کے امکانات سے ممکنہ حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مشغول رہنا بھی ان کا  
مسلک تھا اس باب میں جو نوے امام نے چھوڑے ہیں ان کی تفصیل آپ پڑھ چکے لیکن اب وقت بدل  
گیا تھا وہ سارے شرائط اپنی انتہائی مشکلوں میں پورے ہو چکے تھے جن کے بعد حق کی حمایت میں اپنے  
قرض سے سبکدوش ہونے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا تھا بڑی سی بڑی اجتماعی تنظیم جو ممکن تھی اس کا جال  
سارے اسلامی ممالک میں پھیلایا جا چکا تھا اور امام کی شرط کے وہ الفاظ کہ

(تقیہ سلک گذشتہ) عیسیٰ کے اپنے بیٹے ہمدی کو اپنا جانشین مقرر کرے کہتے ہیں کہ عیسیٰ جس وقت مدینہ جانے پر تیار ہو گیا تو منصور نے اسکو  
رخصت کرنے کے بعد اپنے خاص حاشیہ نشینوں سے کہا کہ میرا دونوں حال میں بدلا ہے اگر مجھے نفس زکیہ ختم ہونے جب ہی اور عیسیٰ قتل  
ہو گیا جب ہی دونوں میں سے کسی کے قاتل اور مقتول ہونے کی مجھے کوئی پروا نہیں ص ۲۰ کامل وغیرہ ج ۵ اسی سے اندازہ ہوتا  
ہے کہ اس قسم کی غیر عینی سیاست کتنی گندہ اور ناپاک چیز ہے ۱۲

۱۲ گذر چکا کہ بیعت لیتے ہوئے عباسیوں کا دستور تھا کہ طلاق وغیرہ کو بھی شریک کر دیتے یعنی معاہدے کی خلاف ورزی  
کی صورت میں بیعت کرنے والے کی بیوی کو طلاق بڑھا لگی جب مدینہ میں خروج کا مسئلہ چھڑا تو لوگوں نے اپنے اپنے اس معاہدے  
کا ذکر کیا امام مالک نے فتویٰ دیا کہ یہ جبری طلاق ہے جو نہیں پڑتی ہے ان کی طرف یہ مسئلہ جو منسوب ہے کہ طلاق المکرہ لیس شی (دبالتی مرفؤا اینہا)



یعنی دینی اور ایمانی حیثیت سے اس پر کمال بھروسہ کیا جاسکتا ہو "مخبر نفس زکیہ" اور ان کے بھائی ابراہیم بن سہبہ براہ راست امام کا سابقہ تھا دونوں کے دونوں ہر لحاظ سے اس میار پر پورے اتر رہے تھے بلکہ بعض کتابوں میں تو لکھا ہے کہ جیسے محمد بن عبدالقادر کو ان کی عبادت ریاضت زہد و تقویٰ کی وجہ سے لوگ "نفس زکیہ" کہتے تھے اسی طرح ابراہیم بن سہبہ کے بھائی "نفس زکیہ" کے خطاب سے مشہور تھے اور یہ واقعہ ہے کہ علاوہ شجاعت و بہادری بے جگری جفاکشی کے جو اولاد علی کے فطری خواص ہیں دینی زندگی دونوں بھائیوں کی قابل رشک بنی ہوئی تھی ان کے ان ہی فطری صفات نے لوگوں کو ان پر جمع کرویا تھا

بہر حال عہد انتظار کے کام سے امام فارغ بھی ہو چکے تھے یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ کام پورا ہو گیا تو خدائے ان کے سامنے ان کی سب سے بڑی آرزو کی تکمیل کا موقعہ بھی بڑی فیاضی کے ساتھ فراہم کر دیا ایسا ہی نے لکھا ہے کہ کوفہ میں ابراہیم کی حمانت پر لوگوں کو تیار کرنے کا کام جو لوگ کر رہے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم اہم ابو حنیفہ اور ان کے ساتھ شہر کوفہ کے چند دوسرے خواص مثلاً ابراہیم ہشیم ابو خالد الاحمر عیسیٰ بن یونس عباد بن النعمان یزید بن ہارون وغیرہ تھے ان میں ہر ایک شخص بڑی بڑی کشتیوں کا قبیلہ بنا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زید شہید کی رفاقت اور حمانت کے قصہ میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حتیٰ الوسع امام اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن اس دفعہ اہم کارنگ بدلنا ہوا تھا وہ اپنے کام سے

بقیہ سلسلہ گزشتہ (جبرائیل سے طلاق دوائی جائے اس کی طلاق نہیں پڑتی) اس کی تباہی دیکھی ہے ۱۲  
 ۱۲ دونوں بھائیوں کی جفاکشی اور اللہ کی راہ میں شہادت و مشکلات کے برداشت کرنے کی جو غیر معمولی صلاحیتیں تھیں ان کا اندازہ ان بزرگوں کی سوانح عمریوں کے پڑھنے ہی سے کچھ ہو سکتا ہے طبری نے لکھا ہے کہ ابو جعفر منصور کو جب ان دونوں بھائیوں کی اندرونی تفرکیوں کا پتہ چلا تو ان دونوں کی گرفتاری کا اس نے عام حکم اپنے مالک محروسہ میں جاری کر دیا تھا دونوں بھائی ردپوش ہو گئے ابتدا میں ان کا یہ حال تھا کہ جس شہر میں پہنچتے خلافت کے لوگوں کو خبر ہو جاتی اور گرفتاری کا ارادہ کرتے اسی طرح مختلف شہروں میں پھینتے پھینتے آخر میں دونوں نے یہ سٹے کیا کہ کسی دور دراز علاقے میں پناہ لینا چاہیے اسی نیت سے عدن پہنچے اور جہاز میں سوار ہو کر سندھ کے کسی مقام میں پہنچے کچھ دن مقیم رہے لیکن حکومت نے سندھ میں کسی پھینے نہ دیا وہاں کے گورنر کو خبر ہو گئی تنگ آکر پھر عرب لوٹے اور جب ہر طرف سے خبریں آنے لگیں کہ لوگ تیار ہو چکے ہیں تفریح کا اعلان کر دیا طبری نے لکھا ہے کہ ایک جاریہ جو اس سفر میں ان کے ساتھ تھی کہتی تھی کہ پانچ سال سے ہمارا یہ حال ہے کہ کسی ایک جگہ کچھ دن ہی نہ رہ سکے آج فارس میں کل کرمان میں برسوں حجاز میں کچھ دن دہلی میں رہے پھر ہن میں کچھ وقت گزرا میں ہی سے ہم لوگ سندھ پہنچے تھے طبری واقعات سے لے کر اس وقت تک کے حالات حکومت کی مخالفت اور اس حال میں ان بزرگوں کی ان الواعزمیوں کا اندازہ کیجئے آج ان ہی مسلمانوں کی اولاد دنیا میں ہے شہانہ کیلئے ان حذو ان کا لقب ہے (جہاں تک سے ۱۵)



فارغ ہو چکے تھے اور اب صرف

ایک مرگ ناگہانی اور ہے

کا و احد مرحلہ ان کے سامنے تھا عمر بھی کافی ہو چکی تھی یعنی (۶۶) سال کے لگ بھگ ان کا سن پہنچ چکا تھا  
بالا اتفاق مورخین نے لکھا ہے کہ ابراہیم کی اعانت و حمایت میں

کان ابوحنیفہ یجاہری اصرار و یاہر  
ابراہیم کی رفاقت پر امام ابوحنیفہ لوگوں کو علانیہ  
باجح و جمہور - الیافی الشافی منہج  
اجلاسوں اور لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے ساتھ  
ہو کر حکومت کا مقابلہ کرو

جس کا مطلب یہی ہوا کہ حکومت کے انتقام اور وارڈ گیری سے تعلقاً بے پروا ہو کر علانیہ ابراہیم کی حمایت  
کا دم بھرنے لگے اور نہ صرف خود بلکہ جو بھی ان کے زیر اثر تھا اس کو ابراہیم کی حمایت پر آمادہ کرتے تھے بلکہ امر  
کے اصطلاحی معنی میں جہاں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کا ساتھ دے کر حکومت ظالمہ کے مقابلہ کو فرض  
قرار دیتے تھے اور کیا فرض شامد میں نے کسی موقع پر ذکر بھی کیا ہے یعنی کوفہ کے مشہور محدث ابراہیم بن سوید  
ابیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے خروج کے زمانہ میں دریافت کیا کہ  
جہاں جو فرض ہے اس کے ادا کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے حج کرنا زیادہ بہتر ہے یا اس شخص یعنی ابراہیم  
کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے ابراہیم بن سوید کہتے ہیں کہ سننے کے ساتھ  
میں نے دیکھا کہ ابوحنیفہ کہہ رہے ہیں

کہ اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے زیادہ افضل ہے ص ۸۳ ج ۱

اسی طرح حسین بن سلمہ الرجبی یہ روایت کیا کرتے تھے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا امام ابوحنیفہ  
سے ابراہیم بن عبداللہ کے زمانہ میں پوچھ رہی ہے کہ میرا لڑکا ابراہیم کی تائید کر رہا ہے اور میں اس کو  
منع کرتی ہوں مگر نہیں مانتا امام نے عورت سے کہا کہ ”دیکھ! ایسے نیک کام سے اپنے لڑکے کو نہ روک“  
حماد بن اعین بھی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہم دیکھتے تھے کہ لوگوں کو امام ابوحنیفہ ابراہیم کی امداد و نصرت  
پر آمادہ کر رہے ہیں اور ہر ایک کو ان کی پیروی اور رفاقت کا حکم دے دیتے ہیں امام کا اس معاملہ میں  
لیا حال تھا؛ لوگوں کو حکومت سے ٹکرا جانے کا مشورہ دیتے اصرار اور کٹھنی بے غمی سے دے رہے تھے اسی  
سے اندازہ کیجئے کہ ان کے براہ راست شاگرد امام زقر بن ہذیل کی یہ شہادت ہے کہ

کان ابوحنیفہ یجہس بالکلہ ایاہر ابراہیم  
ابراہیم کے زمانے میں امام ابوحنیفہ علانیہ بلند آواز سے  
جہاراً شدیداً  
گفتہ کر رہے تھے اور وہیں زیادہ بلند آواز سے

”جہاراً شدیداً“ کے الفاظ پر غور کیجئے اور سوچیے کہ اسی کو ذہن ابوحنیفہ نے اپنے منہ سے کہنے پر مجبور کیا  
ہے ہر ناکے اور ہر موڑ پر بلکہ ہر گلی اور ہر کوچہ میں اس کے جاسوس پہنچے ہوئے ہیں جو دم و دم کی خبریں آتے  
ہوئی رہتے ہیں جیسا کہ الیافی نے لکھا ہے کہ منصور

نزل الکوفۃ حتی یاہن عائلاً اہلہا ص ۲۹۸  
کوفہ میں آئے اور وہیں اس لئے تھا کہ اسکے فتنوں پر قابو رکھنے



اسی لئے اس نے سارے شہر میں منادی کرادی تھی کہ جس کے بدن پر سیاہ لباس نہیں دیکھا جائے گا  
قتل کرو یا جاؤ گیگا الیافی ہی نے یہ بھی لکھا ہے

و جعل یقتل کل من اتهمہ او  
پچیسہ ص ۲۹۸  
جس پر ابراہیم کی اعانت یا مددوی کا شبہ ہوتا اس کو قتل  
کرنے لگا یا قید کرنے لگا

ایسی صورت میں امام کا "جہاراً شریداً" کے ساتھ ابراہیم کی حمایت میں لوگوں کو آمادہ کرنا یقیناً اس  
فیصلے کی خبر دیتا ہے۔ جو امام اپنے متعلق کرچکے تھے اس سلسلہ میں ان کو کس حد تک کامیابی حاصل ہو رہی تھی  
اس کا اندازہ مورخین کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ ایک لاکھ تلوار کو فہ میں میانوں سے حکومت کے خلاف  
چلنے کے لئے نکلی ہوئی تھی نہ صرف کو فہ ہی ان کی تبلیغی جدوجہد سے متاثر تھا بلکہ کابل وغیرہ میں جو یہ ہیکہ  
"پسم عراق کے شہروں مثلاً بصرہ، اہواز و واسط مدائن سو آدو دویہی علاقہ سے تہیں  
منصور کے پاس یہ آرہی تھیں کہ وہاں کے لوگ بدل گئے"

اور دوسری طرف یہ حال تھا کہ

"ایک لاکھ سپاہی کو فہ میں تلواریں سوتے صرف ایک آواز کے منتظر تھے" ص ۲۱۰ ج ۵ کابل

لکھا ہے کہ ان حالات سے پریشان ہو ہو کر منصور کی زبان کا عربی پر وہ شعر جاری ہو جاتا جس کا ترجمہ ہے کہ  
میں نے تو اپنی جان نیرے کی انی پر چڑھا دی ہے + ہر میں اور سردار کو یہی کرنا چاہیے۔  
کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات کے پیدا کرنے میں امام کے "جہاراً شریداً" والی تقریروں اور  
بیانوں کو دخل نہ تھا اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب کو فہ پر چڑھانی کرنے کے لئے ابراہیم بصرہ سے  
روانہ ہوئے ہیں تو ابوالقدار نے یہہ لکھنے کے بعد

اجابہ جماعة کثیرہ من الفقہاء  
واہل العلم  
لکھا ہے کہ:-  
اہل علم اور فقہاء کے ایک بڑے گروہ نے ان کی حمایت  
کی حامی بھری

ابراہیم کی فوج کا جائزہ لیا گیا تو ایک لاکھ سپاہیوں کے نام معلوم ہوا کہ درج  
رجیٹر ہو چکے ہیں ص ۱۰۰ ابوالقدار ج ۲

امام کے جوش و خروش کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ نہ صرف یہی کہ فرض حج کے بعد چپاس حج کے  
ثواب پر ابراہیم کی رفاقت کو علائقہ تریح دے رہے تھے بلکہ اس سلسلہ میں کہلم کہلا یہ فتویٰ بھی امام نے  
دنیا شروع کیا کہ اس وقت جو حالات ہیں ان کے لحاظ سے ابراہیم کی اعانت اور رفاقت اس سے کہیں بہتر

۱۰ عبایوں کا شاہی رنگ سیاہ تھا جس کی ابتداء ابو مسلم نے کی تھی لیکن جن لوگوں کو اہل بیت سے یا عبایوں کی اصطلاح میں  
طالبیوں سے مدد دی تھی وہ سفید لباس پہنا کرتے تھے اسی لئے ان کو "قبیضہ" کہتے تھے جیسے عبایوں کے حامیوں کو "المسودہ"  
کہتے تھے منصور نے مذکورہ حکم اسی بنیاد پر دیا تھا کہ دوست اور دشمن میں تمیز ہو جائے ۱۲

ہے کہ آدمی غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں جا کر جہاد کرے محدثین کی ایک بڑی وجہ امام سے برہمی کی ان کا یہی فتویٰ تھا جس کی غام اشاعت ان کی طرف سے مسلمانوں میں پوری تھی

مشہور محدث ابراہیم بن محمد الفزاری جن کا زیادہ تر قیام شامی سرحد کی چھاوئی مصیصہ میں رہتا تھا اور یہاں کے سپاہیوں کی ذہنی تربیت میں ان کو بہت کچھ دخل تھا اگرچہ ابن سعد کے حوالہ ابن عساکر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کان کثیر الخطار فی الحدیث حدیثوں کے بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں سے سبزدہوئی ہیں یہ ظاہر حافظ کی کمزوری کا نتیجہ تھا ورنہ عدل یعنی کردار کے لحاظ سے لوگ ان کے بڑے مداح ہیں بہر حال ان ہی ابراہیم الفزاری کا مشہور قصہ خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں ان ہی کے حوالہ سے اس قصے کو بیان کیا ہے حال یہ ہے خود کہتے تھے کہ میں مصیصہ میں تھا کہ وہیں مجھے یہ خبر ملی کہ میرے بھائی حسن نے ابراہیم طالبی کا ساتھ دیا تھا اسی جنگ میں وہ کام آیا میں اس خبر کو سن کر سیدھے کوفہ پہنچا یہاں یوحنا کہ معلوم ہوا کہ میرے بھائی کو ابو حنیفہ نے فتویٰ دے کر قتل کر دیا ہے میں ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ تم ہی نے میرے بھائی کو فتویٰ دے کر اس طالبی کی رفاقت پر آمادہ کیا ظاہر ہے کہ یہ سوال امام سے اس وقت کیا گیا تھا جب ابراہیم کی فہم قطعی طور پر کام ہو چکی تھی لیکن امام جس حال میں تھے جانتے ہوئے کہ یہ عباسیوں کی پارٹی کا آدمی ہے جو واقعہ تھا اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ ہاں! میں ہی نے اس کو خروج (یعنی حکومت کے خلاف اٹھ کر اہل بیت کا فتویٰ دیا تھا ابراہیم نے کہا کہ یہ سن کر میں نے کہا کہ لاجزات اللہ خیر! خدا سے اس کا اچھا بدلہ تجھے نہ ملے! امام نے فرمایا کہ میری یہی رائے ہے اور اس کے بعد ابراہیم کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ تم بھی اگر اپنے بھائی کے ساتھ شہید ہو جاتے تو جہاں سے تم آئے ہو (یعنی کفار کے مقابلہ میں مصیصہ کی چھاوئی) سے جو تم آئے ہو وہاں کے قیام سے یہ بات تمہارے ہی بہتر ہوتی حالہ ۳ ج ۱۳ تاریخ بغداد۔

بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ امام نے فرمایا کہ اگر تم بھی وہیں چلے جاتے جہاں تمہارا بھائی گیا تو تمہارے لئے بھی یہ بہت اچھا ہوتا۔ ابراہیم نے ہارون الرشید کے دربار میں اسی قصے کو بیان کرتے ہوئے امام کی طرف یہ الفاظ بھی منسوب کئے تھے جیسا کہ ابن عساکر میں ہے یعنی ہارون سے وہ کہہ رہے تھے امیر المؤمنین! آپ کے جد امجد منصور کے مقابلہ میں جب ابراہیم نے سر نکالا تو میرا بھائی ہی ان کے ساتھ ہو گیا لیکن میں نے بجائے اس کے کافروں کے مقابلہ میں جہاد کو زیادہ بہتر خیال

۱۔ الطالبی سے اشارہ اسی مسئلہ کی طرف ہے کہ بجائے اہل بیت کی طرف منسوب کرنے کے عباسیوں کے شیوہ (پارٹی) نے اہل بیت کو عباسیوں کے مقابلہ میں طالبی کہنا شروع کیا تھا ابراہیم کے اس لفظ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباسی شیعوں میں شریک تھے ان کے حالات سے ہی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ عباسی دربار میں ان کا بڑا اعزاز تھا ہارون کے زمانے میں وفات ہوئی ہارون ان کی بڑی تعریفیں کیا کرتا تھا ۱۲



کیا اور طے کر لیا کہ کفار ہی کے مقابلہ میں جا کر جہاد کروں گا اسی سلسلہ میں ابو حنیفہ کے پاس بھی آیا اور اس قصے کا ان سے ذکر کیا انہوں نے یہ سن کر مجھ سے کہا کہ۔

اخترج اٹھیک احب الی ما عزمت علیہ من الغزو (تمہارے بھائی نے جو کام کیا ہے وہ تمہارے جہاد کے ارادہ سے زیادہ پسندیدہ ہے) صفحہ ۲۵۵ ابن عساکر ج ۲

جس کا مطلب یہی ہوا کہ اگر افری نے امام صاحب کے مشورے کو نہ مانا اور مصیبت کی چھاوٹی جوڑیوں کے مقابلہ میں شام کی سرحدیں جو کی تھی وہیں چلے گئے و اللہ اعلم وہاں جہاد کا موقع کافروں کے ساتھ ان کو ملا بھی یا نہیں اتنے میں بھائی کے شہید ہو جانے کی خبر پا کر پھر وہ کوفہ لوٹے اور دوسری گفتگو امام کی ان سے مصیبت سے واپسی کے بعد ہوئی کچھ ہی ہو در حقیقت یہ وہی مسئلہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ابو بکر جصاص اور حافظ ابن حزم کے حوالے سے یہ بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کی ان ابتدائی صدیوں میں یعنی نبی امیہ اور نبی امیہ کے بعد عباسیوں کے ہاتھ میں اسلامی سیاست کی باگ جب آگئی تو محدثین کے ایک طبقے نے اپنا یہ مسلک مقرر کر لیا تھا کہ حکومت کا اقتدار جن لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے خواہ کسی ذریعہ یہ اقتدار ان کے ہاتھوں میں پہنچا ہو لیکن جب اقتدار کے وہ مالک ہو گئے تو ان کے مقابلہ میں کچھ کہنا شرعاً ناجائز ہے خواہ ان کا طرز عمل کچھ ہی ہو مسلمانوں کے مذہب نے ان کو اس کا پابند بنایا ہے کہ خاموشی کے ساتھ ان کے آگے سر جھکاویں اور صبر کریں ابو بکر جصاص نے ان کے اس مسلک کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے۔

زعما مع ذلك ان السلطان  
لا ينكر عليه الظلم والجور  
وقتل النفس التي حرمها الله

ان کا خیال ہے کہ حکومت کے ظلم و جور پر اعتراض نہ کرنا چاہیے حتیٰ کہ جن کے خون کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو بھی اگر حکومت قتل کرے تو اس کو نہ ٹوکا جائے

جصاص ہی نے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم صرف ان لوگوں تک محدود ہے جو حاکمانہ اقتدار کے مالک نہ ہوں اور ان لوگوں کو بھی صرف زبان سے ٹوکنا چاہیے یا ہاتھ سے روکنے کی گنجائش ہو تو عوام کی حد تک اس کی بھی اجازت ہے مگر تلوار کسی حال میں بھی اٹھانا نہ چاہیے جصاص کے الفاظ یہ ہیں

انما ينكر على غير السلطان بالقول  
او باليد بغير سلاح

حکومت والوں کے سوا عوام کو زبان سے ٹوکا جائے یا ہاتھ سے روکا جائے لیکن ہتھیار نہ اٹھانا چاہیے۔

جصاص ہی نے لکھا ہے کہ محدثین کا یہ گروہ جسے جصاص نے الحشویہ کے نام سے موسوم کیا ہے ان کا خیال تھا کہ حکومت کے مقابلہ میں امر بالمعروف یا نہی المنکر کی جرات ثواب نہیں بلکہ فتنہ اور فساد ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے اسلامی سیاسیات کے چند بنیادی مسائل میں سے ایک بڑا اہم مسئلہ یہ بھی ہے اس کے تمام پہلوؤں پر بحث اسی کتاب میں ہو سکتی ہے جو خصوصیت کے ساتھ اسلامی سیاسیات پر

لکھی جائے تاہم چند ضروری امور کا ذکر بعد گنجائش میں پہلے کر چکا ہوں  
 لیکن "الفرازی" نے علاوہ اس مسئلہ کے اس مقام پر دوسری چیز کی طرف بھی اشارہ کیا ہے  
 اور اس وقت اسی کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں

مطلب یہ ہے کہ زبردستی مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کر کے جو روستم کی جہنم خود  
 مسلمانوں پر جن لوگوں نے بھڑکار رکھی ہو اپنے سیاسی اغراض کے مقابلہ میں اسلام کے نشان زدہ حدود  
 پر قائم رہنا عملاً دیکھا جا رہا ہو کہ غیر ضروری قرار دئے ہوئے ہیں اگر ان کے جو روستم کے اندر اس کے  
 اسباب فراہم ہو جائیں تو اس وقت کیا کرنا چاہیے آیا ظلم و ستم کے ازالہ میں ان لوگوں کا ہاتھ بٹانا  
 چاہیے جو اس حکومت جائزہ کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ہوں یا یہ سوچ کر کہ کچھ بھی ہو نظام ہو جائزہ  
 ہو کچھ بھی ہو مگر یہ تو حکومت مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے ان کے مقابلہ سے منہ پھیر کر کسی ایسی جگہ  
 چلا جانا چاہیے جہاں غیر مسلموں سے جہاد کرنے کے مواقع پیدا ہو سکتے ہوں "الفرازی" نے اس وقت اسی  
 مسئلہ کو چھیڑ دیا تھا ان کا اور ان کے ہم مشرب دوسرے محدثین کا خیال بھی تھا کہ کچھ بھی ہو مسلمانوں  
 کے مقابلہ میں تلوار کسی حالت میں اٹھانا صحیح نہیں ہے اور وہ جو کچھ ہی کر رہے ہو ان کے حال پر ان کو  
 چھوڑ کر جہاد کے فریضہ کو کافروں کے مقابلہ میں ادا کرنا چاہیے۔

سچ پوچھیے تو یہ وہی سوال ہے جو اس زمانے میں بھی مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں زیر  
 بحث ہے یعنی ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو نبی امیہ کے سلاطین متعین کے مقابلہ میں بے پارسے  
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تحمل ظن و ملامت بناتے رہتے ہیں مرتضیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کو  
 اس کی شکایت ہے کہ کفار کے مقابلہ میں مسلمان صرف آراستے اور فتوحات پر فتوحات حاصل کئے  
 چلے جا رہے تھے کہ حکومت کی باگ جوں ہی حضرت علی کے ہاتھ میں آئی انہوں نے کفار کے محاذ  
 سے مسلمانوں کے رخ کو پھیر کر ان لوگوں کے مقابلہ میں ان کو کھڑا کر دیا جو خود بھی اپنے آپ کو مسلمان  
 ہی کہتے تھے اور بجائے حضرت علی کے سمجھتے تھے کہ اقتدار حکومت کے صحیح اور جائز حقدار وہی ہیں۔

کہتے ہیں کہ جو مقابلہ غیروں سے ہو رہا تھا علی نے غیروں سے ہٹا کر اس مقابلہ اور مقاتلہ  
 کو خود باہم مسلمانوں کے اندر قائم کر دیا سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تلوار نکالنے  
 کی سنت سے پہلے حضرت ہی نے قائم کی اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جن احسان  
 فراموشیوں کا ارتکاب کرنا اسے کر رہے ہیں اور جن الفاظ میں اللہ کے اس برگزیدہ بندے کو یاد  
 کرنے والے یاد کر رہے ہیں الی اللہ اللہ کی کہ سو اس کے جواب میں اور کیا کیا کہا جاتا ہے ان کے دور  
 حکومت کے نقتیے کو دکھلا دکھلا کر پوچھا جاتا ہے کہ اسلامی دائرہ اقتدار میں بتایا جائے کہ زمین کا کتنا  
 حصہ انہوں نے داخل کیا اور اسی کو دکھا کر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے حکمرانوں میں علی سے زیادہ  
 ناکام حکمران اسلامی تاریخ میں کوئی نہیں گذرا ناکامی کی دلیل یہ ہے کہ چار سال تو ماہ کی اپنی



اپنی مدت حکومت میں ایک انج کا اضافہ بھی مسلمانوں کے فتوحاتی اطللس میں ان کے زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو شدید صدمہ پہنچا۔

ظاہر ہے کہ میری اس کتاب میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی بہلا کیا گنجائش پیدا ہو سکتی ہے لیکن "الفزاری" کے طرف سے ہارون الرشید کے دربار میں امام ابو حنیفہ پر جو الزام قائم کیا جا رہا تھا چونکہ قریب قریب یہ وہی الزام ہے جو حضرت علی پر اس زمانے میں عائد کیا جا رہا ہے اس لئے ضمناً اس کا ذکر کرنا پڑا۔

حضرت علی اور غلطیہا مضاہن باوجود دیکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے ہیں ان کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت علی پر تنقید کرنے والوں کی طرف سے اس قسم کی باتیں جب میرے کانوں میں پہنچتی ہیں تو ہمیشہ دل میں یہ خیال آیا کہ علی کی پچھلی زندگی پر تنقید کرنے والے ان کی زندگی کے ابتدائی خدمات سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنا لیتے ہیں وہ اسلامی اطللس میں ایران و مصر شام و عراق کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قادیان میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی کیا بدی کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہو سکتی تھی وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست ان کے دشمنوں کو اٹھانی پڑی لیکن یرموک کی فتح پر خوشی کے شاد دیا نے بحانے والوں سے کون پوچھے کہ ارے محسن کشتوا یرموک تک تم پہنچ بھی سکتے تھے اگر کھونے والا تم پر خبیر کے پہاڑی قلعوں کے وروازوں کو نہ کہول دیتا سیح کہتے تھے ابو ہریرہ جب کسی ملک کی فتح کی خبر مدینے پہنچتی تھی کہ خبر گو آج آئی ہے لیکن فتح کا یہ واقعہ تو اسی دن پیش آچکا تھا جب مدینہ کے اطراف میں اللہ کا رسول اور رسول کے ساتھی خندق کو دینے میں مصروف تھے تم نے توجہ کے کنارے دیکھا کہ سعد بن قاضی اپنی فوج کو تراتے ہوئے مدائن کی طرف نے جا رہے ہیں لیکن دیکھنے والوں نے اسی واقعہ کو اسی وقت دیکھ لیا تھا جب مدینہ کے خندق کو پھانڈ کر عمرو بن عبد وود عرب کا سورما اس شخص سے مبارزت طلب کر رہا تھا جس نے ایک ہی وار میں تنو کے برابر سمجھے جانے والے اس پہلوان کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا یقیناً حافظے کمزور بھی ہوتے ہیں لیکن کیا اتنے کمزور کہ ہر دو ہرے قدم کو اٹھانے کے بعد دماغ سے یہ بات نکل جائے کہ دو ہرے قدم اٹھ ہی نہیں سکتا اگر پہلا قدم نہ اٹھتا یہ فطرت کی انتہائی دنارت اور گندگی ہے کہ جس نے سارے جسم سے کانٹوں کو نکالا اس کے احساؤں کا صرف اس لئے انکار کر دیا جائے کہ آنکھ جب کھلی تھی تو اس وقت ہمارے سامنے صرف وہی تھا جس نے آخر میں آنکھ کے کانٹوں کو کھینچ لیا تھا۔

میں نے اس کتاب پر کسی موقع پر حضرت عمر بن عبد العزیز کا وہ پرمغز اور حکیمانہ فقرہ نقل ہی کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے دین کا داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ جابی یعنی ٹیکسوں کے وصول کرنے کے لئے، خدا نے ان کو رسول بنا یا تھا جو سب سے زیادہ آدمیوں سے ٹیکس وصول کرنے میں

اے مگر بلاذری نے لکھا ہے کہ ۳۹ ہجری میں جس کے ایک سال بعد حضرت علی شہید ہوئے حارث بن حزمہ العبیدی نے حضرت علی کی اجازت سے سندھ کے بعض علاقوں پر چڑھائی کر کے فتوحات حاصل کئے تھے ۲۲۸ فتوح البلدان

کامیاب ہو اگر لوگوں کے سامنے ایسا نقطہ نظر سے بھی وہی سب بڑا کامیاب ہے اور محصول ادا کرنے والوں کی تعداد میں جو اضافہ نہ کر سکا وہی اسلام کا سب سے ناکام آدمی ہے تو اب ایسوں سے آپ ہی بتائیے کہ کیا بات کی جائے ٹیکس ادا کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والوں کی دنیا میں کب کی رہی ہے آج بھی اس زمین کے کرہ پر ایسی ایسی محصول وصول کرنے والی قومیں پائی جاتی ہیں کہ ان کے محصول ادا کرنے والوں کے سامنے سے کہتے ہیں کہ آفتاب کبھی غائب نہیں ہوتا تاریخ کی مختلف منزلوں پر ایسی قومیں اور ایسے اشخاص نظر آتے ہیں اگر فضائل و کمالات کا نئے نئے کر سار معیار محصول ادا کنندوں کی تعداد کا اضافہ ہی ہے اور صرف اسی معیار کو پیش کر کے علی کے مقابلہ میں بنی امیہ کی حکومت سراسر جاری ہے تو سراسر ایسے والوں کا یہ گروہ اس وقت کیا کرے گا جب ان ہی کے سامنے ان کو لاکھ کھڑا کر دیا جائے جن کے محصول ادا کنندوں کی تعداد کے مقابلہ میں بنی امیہ کے محصول ادا کرنے والے شاید وہ نسبت ہی تو نہیں کہتے جو کسی سیاہ رنگ کی گائے کے سیاہ بالوں میں ان چند سفید بالوں کی ہوتی ہے جو کہیں کہیں پیدا ہو جاتے ہیں ان سے پہلے بھی ایسوں کی کمی نہ تھی اور ان کے بعد بھی کمی نہیں رہی بلکہ شاید ان کے زمانہ میں بھی ایک سے زیادہ ایسی قومیں پائی جاتی تھیں والقصد بطور لہا۔

یہ تو صحیح ہے کہ رسول کے جو چوتھے جانشین تھے ان کو پہلا جانشین یا خلیفہ اول کیسے کہا جاسکتا ہے کیا واقعہ کا انکار کیا جائے لیکن کہنے والوں نے جیسے یہ کہا ہے کہ خلافت کی پہلے ترتیب ہر خلیفہ کی وفات کی ترتیب ہی ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا تو قدرت جنہیں رسول کی جانشینی کے شرف سے مشرف کر چکی تھی وہ اس شرف سے محروم ہو جاتے اسی طرح کم از کم میرا تو ذاتی خیال یہ ہے کہ ردہ کے داخلی فتنے سے پیغمبر کے باندھے ہوئے شیرازے کو بکھرنے سے بچانے کیلئے صدیق اکبر کے امینی ارادے کی ضرورت تھی وہ نہ ہوتے تو جو کچھ بعد کو ہوا کچھ بھی نہ ہوتا اور اندرونی فتنے کو فرو ہو جانے کے بعد اسلام کی اس جدید اجتماعی طاقت کو منتشر کرنے کے لئے ایک طرف سے رومیوں اور دوسری طرف ایرانیوں کی خارجی قوتوں نے جب سر نکالا تو ان دونوں طاقتوں کو واپس کر کے خود ان پر چھپا جانے کے لئے فاروقی عزم و ارادہ مسلمانوں کو عطا کیا گیا اور ثروت و دولت کا جو طوفان اس کے بعد مسلمانوں کے گھر گھر میں ابلنے لگا یقیناً اس بے ہوش و بدحواس کرنے والی دنیا کے ساتھ دینی زندگی کے مطالبات کی تکمیل شاید مشکل ہی ہو جاتی اگر خدا کے اس راستہ بندے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے نہ ہوتا جو غنا اور تو نگری کی بلند ترین منزلوں پر پہنچنے کے بعد بھی دین کے ہر ہر جزئی مطالبے کو زندگی کے آخری لمحوں تک پوری کرتا رہا اگر ان سارے واقعات کا ظہور اسلام کی تاریخ میں ٹھیک اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہتا تو مسلمان قدرت کی اس عظیمی ارادے کے شکر یہ سے کیا سبکدوش ہو سکتے ہیں کہ جب دین کو چاہا جا رہا تھا کہ دنیاوی جاہ و جلال شوکت و اقتدار کا صرف ایک حیلہ اور بنانے کی حیثیت عطا کر کے اس کے سارے زور اور واقعیت کو ختم کر دیا جائے دنیا کو بھی دینی کامیابیوں کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا لیا جائے جو اسلام اس کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ



کہیں اس کو بہی دنیا کی اس جلتی پھرتی چھاؤں کی تاریکیوں میں گم نہ کر دیا جائے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس وقت سے بڑی فیصلہ کرنے والی قوت عین وقت پر ہر چیز سے بے پروا ہو کر وہ سب کچھ کرنے کیلئے اگر تیار نہ ہو جاتی جس کے تصور سے بھی آج مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا اسلام جو صرف دین ہے دین کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے اپنے دین ہونے کی اس حیثیت کو برقرار رہ سکتا تھا؟ سمجھنے والوں کو کون روک سکتا تھا اسلام کے متعلق بھی اگر وہ یہی سمجھنے لگتے کہ جیسے مسیحا جیسے مختلف ناموں سے سیاسی اقتدار کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں آئے دن تراشے جاتے ہیں ایسے ہی تراشنے والے تراشے رہے اور اب بھی تراش و خراش کا یہ سلسلہ جاری ہے ان ہی تراشے ہوئے حیلوں میں ایک خود تراشیدہ حیلہ اسلام بھی ہے تو الزام لگانے والوں کے اس الزام کی تردید کی آخر شکل یہی کیا ہوتی؟ ہر قسم کے اصول سے بے پروا ہو کر حصول مقصد کے لئے وقت کا جو اقتدار ہو اسے پورا کرنا چاہیے کرنے والوں نے جب یہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا بلکہ یہی کرنے ہی لگے تھے اور شاید انہوں نے یہی کیا ہی ہو؟ تو خود ہی سوچنا چاہیے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے شائستگی اور تہذیب کے پھلانے کے لئے کیا جا رہا ہے جیسے یورپ کی استعماری اور استبقاری قوتوں کے اس اعلان یا اسی قسم کے خوش نما دعویوں کو سن سن کر لوگ مسکرا مسکرا کر رہ جاتے ہیں کیا اسلام کو یہی تحقیری خندوں کے ان تھپیڑوں سے کوئی بچا سکتا تھا مسلمان مر رہے ہیں مارے جا رہے ہیں کٹ رہے ہیں اور کاٹے جا رہے ہیں لیکن اسلام بچ رہا ہے اور بچا یا جا رہا ہے اس بلند حوصلہ اور فولادی عزم کے ساتھ خدا کے دین کی آخری شکل کو بچانے کے لئے کھڑا ہونے والا اگر حمل اور صفین کے میدان میں سینہ تان کر اگر کھڑا نہ ہو جاتا تو کیا اسلام کو وہ بچا لینے میں کامیاب ہو سکتا تھا؟ جو صرف مسلمانوں کو یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کو بڑھانا چاہتے تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے ٹیکس و منڈوں کو بڑھانا چاہتے تھے اور پیسے کر کے بڑھانا چاہتے تھے کہ اسلام اس کی وجہ سے گھٹ رہا ہو تو گھٹنے والے

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جن کے سامنے اسلام کی تاریخ ہے وہی سمجھ سکتے ہیں کہ کس حد تک واقعات سے ان دعویوں کا تعلق ہے اس کتاب میں سارے واقعات کی تفصیلی ذکر کا موقع نہیں ہے اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ نبی امیہ کے زمانے میں ایک دفعہ نہیں متعدد مواقع ایسے پیش آئے ہیں کہ بتیز کی آمدنی لوگوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے گھٹنے لگی تو انہوں نے اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی خود اسی کتاب کے ابتدائی اوراق میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے بہر حال مسلمانوں کے بڑھانے اور اسلام کے گھٹانے کا یہ ایک جزئی مثال ہے اسی کے مقابلہ میں سنہ ہجری نے اپنے سنن میں نقل کیا ہے کہ بزرگ سا بوزجہ غزب بزرگ سا بوزجہ کہتے تھے ایک ضلع تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک صاحب کو دریا کی مال گذاری کے وصول کرنے پر مقرر فرمایا رخصت کرتے ہوئے ان صاحب سے حضرت علی فرمایا کہ دیکھنا! ایک درم کے وصول کرنے پر بچاؤ کو کھڑے سے نہ مارنا اور ہرگز نہ ذی رعایا کی ان چیزوں کو بقایا میں نیلام نہ کرنا یعنی روز کی روزی کا ان کے جو ذریعہ ہو گرا اور سزا کے لباس اور ان کی مویشی جن سے کاشت اور بار برداری وغیرہ کام لیتے ہوں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بہر حال لوگوں کا خواہ کچھ ہی خیال ہو لیکن اسلامی تاریخ کے طویل مطالعہ نے مجھے اسی نتیجہ تک پہنچایا ہے کہ خلفاء اربعہ میں سے ہر خلیفہ کا وجود اس خاص وقت کی ضرورت کی پیکار کا قدرتی جواب تھا حیوۃ الدنیا جس میں آدمی قرآن کے رو سے کبھی خیر سے اڑایا جاتا ہے اور کبھی شر سے اسی حیوۃ الدنیا کا وہ دور جو حضرت رضی علیہ السلام کے سامنے آگیا تھا یعنی ایک طرف اسلام تھا اور دوسری طرف مسلمان تھے ان دونوں چیزوں میں پیدا کرنے والوں نے ایک ایسا تعلق پیدا کر دیا تھا ایک کو اگر کھڑا جاتا ہے تو دوسری چیز بگڑتی ہے پھر کیا کیا جائے ایک ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ تقاضا کی قوت فیصلہ اگر مسلمانوں کو اس وقت نہ مل جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمان تمام رکھنے والی کوئی قوم دنیا میں رہ جاتی لیکن اسلام بھی باقی رہتا یا نہیں اس کی پیشگوئی مشکل تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے غائب ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ مسلمان قوم تو باقی رہ گئی کچھ بے معنی سی بات ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صف آرا کرنے میں لوگ کامیاب ہو چکے ہیں مسلمانوں کے امام اور خلیفہ کے ساتھ ایک عجیب صورت حال پیش ہوئی ہے کیا کیا جائے ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھانی بھی ہوئے یا نہ اٹھانی جائے پھر تو جنگ میں ان کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو غیر مسلموں کیساتھ اختیار کیا جاتا ہے ان کے زخمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے شکست کھانے والے جس مال و متاع کو چھوڑ کر بھاگیں گے اس کا انجام کیا ہوگا؟ الغرض یہ اور ایسے بیسیوں پریشان کن سوالات تھے جنہیں وہی حل کر سکتا تھا جسے مہمبر کی زبان نے مسلمانوں کا سب سے بڑا قاضی قرار دیا تھا قدرت کی ان مصلحتوں کو کون جانتا تھا کہ اسلام جب ان الجہنوں سے دوچار ہوگا تو الجہنوں کی سب سے بڑی سلجھانے والی طاقت کے ہاتھ میں اسلام کی سیاسی باگ اسی رہا ہے آجائے گی امام ابوحنیفہ کا اسی سلسلہ میں ان کے مشہور شاگرد نوح بن دراج جو یہ قول نقل کیا کرتے تھے یعنی جب حضرت علی کے زمانے کے واقعات (جمل و صفین) کے متعلق امام سے پوچھا جاتا تو نوح کہتے ہیں کہ امام اس کے جواب میں فرماتے کہ

سار علی فیہ بالعدل وهو علم  
المسلمین السنة فی قتال اهل البغی

ص ۲۵۴ ج ۲

علی نے ان مواقع میں عدل کی روش اختیار کی اور  
مسلمان باغیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کو کیا  
برتاؤ کرنا چاہیے اس کے قوانین حضرت علی ہی نے لکھوایا  
اور بتایا

امام کے ان مختصر الفاظ کی وہی تشریح ہے جو میں نے اس سے پہلے درج کی "عدل کی روش"  
سے رضی علیہ السلام کے اس متوازن فیصلہ کی طرف اشارہ ہے جسے انہوں نے اس موقع پر صادر کیا

دقیقہ سلسلہ گزشتہ ان کو ہاتھ نہ لگانا اس شخص نے حضرت علی سے کیا کہ امیر المؤمنین! پھر تو میں اسی طرح واپس ہو جاؤں گا جسے  
جا رہا ہوں یعنی کچھ وصول نہ ہوگا رضی علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا خواہ تم اسی طرح واپس ہی کیوں نہ ہو جاؤ پھر فرمایا تم  
پر ان میں ایسے تو یہی حکم دیا گیا ہے لوگوں سے "العفو" لوں یعنی زندگی کی اصلی ضرورتوں سے جو بچ جائے اس سے لوں اور کچھ نہیں



رہے اہل یعنی کے ساتھ جنگ کے قوانین سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گو واقعہ بعد کو پیش آیا لیکن وقوع سے برسوں پہلے قرآن میں آیت نازل ہو چکی تھی یعنی

وان ظالمات من المومنین اقتتلوا  
فقاتلوا التي تبغى حتى يعنى الى امر الله

ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں اگر لڑیں تو ان میں جس نے مکتبی اختیار کی ہو وہی گروہ سے مسلمانوں کو جنگ کرو تا جبکہ خدا کے فیصلہ پر معاملہ رجاء یعنی جو حق پر ہو وہ غالب ہو جائے

لیکن ظاہر ہے کہ جیسا کہ قرآن کا قاعدہ ہے جس قانون کو بھی اس نے دیا ہے اسی قسم کے اجمال کے رنگ میں دیا ہے اس وقت اندازہ کرنا مشکل ہے لیکن پہلی دفعہ جب یہ صورت حال پیش آئی ہوگی قرآن کے اس اجمالی قانون کے تمام تفصیلات کا سوچنا اور ہر ایک کے متعلق فیصلہ صادر کرنا کتنا دشوار ہوگا لیکن جنگ جمل و صفین کے حالات پڑھیے اور دیکھئے اس کو کھلا دینے والے ماحول میں بھی مرقی علیہ السلام نے کتنے ٹھنڈے دماغ سے ہر موقع پر اس کے مناسب حال رائے قائم کی ہیں ان پر خود عمل کیا ہے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا دوسروں سے عمل کرایا ہے

خدا جانے لوگ کس طرح سوچتے ہیں میرا حال تو یہ ہے کہ حضرت امام نے جیسے یہ فرمایا کہ اہل نبوت سے جنگ کے قوانین کی تعلیم حضرت علی ہی نے دی اسی کے ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ حکومت کے جس نظام کو اسلام نے پیش کیا ہے اس میں شک نہیں کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے اپنے عملی نمونوں سے اس نظام پر عمل کر کے دکھایا ہے لیکن یہ بات کہ اپنے اس نظام کے قائم کرنے پر اسلام کو اتنا اصرار ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں نظر آنے لگے لیکن ہر قیمت پر اس نظام کے قائم کرنے کی کوشش میں مسلمانوں کو آخر وقت تک ہنہمک رہنا چاہیے "اسلامی نظام سیاست میں اتنی اہمیت

اسے خود مرقی علیہ السلام اور آپ کے ساتھ بعض دوسرے جلیل القدر صحابوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ان آیت پیش آئیوں سے واقف تھے بلکہ ان کے جزئیات تک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرما دیا تھا مرقی علیہ السلام لیا اوقات اس کا اظہار ہی فرما دیتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں ان کے سارے اقوال اگر جمع کر دیے جائیں تو کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ بعد کو ہوا سب سے پہلے سے معلوم تھا انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خاص صحابی جن کا نام حذیفہ بن یمان تھا ان کی خصوصیت ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "امراء" سے وہ واقف تھے صاحب سراہن صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے لوگ ان کو مخاطب کرتے تھے لکھا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان شہید ہوئے وہ کوفہ میں تھے شہادت کے بعد کوفہ خیر بیونچی کہ لوگوں نے حضرت علی کا خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے باوجودیکہ حضرت حذیفہ بیمار تھے لیکن مسجد جامع میں تشریف لائے لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس دن تک میں زندہ رکھا گیا اور فرمایا کہ لوگو! اس کے بعد بہت سی لڑائیاں پیش آئی ہیں تو تم لوگ گواہ رہو اس کے بعد اپنے ایک ہاتھ کو زور سے ہاتھ پر مارتے ہوئے فرمایا اللہم اشھدانی بالیت علیا (اے خدا تو گواہ رہ میں نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی) پھر اپنے دو تون بیٹوں جن کا نام صفوان اور سہیل تھا حکم دیا کہ علی کی صف میں جا کر شکر کیا ہو جاؤ حضرت حذیفہ کا سات دن بعد انتقال ہو گیا اور دونوں صاحبزادے بھی (باقی صفحہ آئندہ)

صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عملی نمونے پیدا کر دی ہے اس راہ میں ادنیٰ اسی ادنیٰ چشم پوشی یا  
 یا ساخت سے اگر وہ کام لیتے تو شاید نتیجہ نکالنے والے بعد کو نتیجہ نکال لینے کا اس کو بہانہ بنا لیتے کہ  
 حکومت کے جس معیار کو خلفاء راشدین نے دنیا میں قائم کر کے دکھایا تھا ہتی تو وہ ایک معیاری حکومت لیکن  
 اس میں ان بزرگوں کی ذاتی نیک نفسیوں کو دخل تھا خواہ مخواہ حکومت کے اسی قالب پر اصرار کرنے کی ضرورت  
 مسلمانوں کو نہیں ہے جیسا کہ ایک بڑا گروہ خواہ زبان سے اس کا اظہار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو لیکن دل میں شاید  
 یہی سمجھتا رہا یا ممکن ہے اب بھی سمجھتا ہو لیکن صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طفیل ہے کہ عمل کر کے انہوں  
 نے جو کچھ دکھایا یا زبان سے جو کچھ فرمایا وہ تو خیر اپنی جگہ پر ہے اور اس میں ان کی ذات تنہا نہیں ہے لیکن

دقیقہ سلسلہ گزشتہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رفاقت میں شہید ہو گئے المسعودی ص ۲۱۵ ج

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عام زندگی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد مسلمانوں کے  
 بیت المال میں آپ نے ہمیشہ اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اسی قدر لیا جتنا کہ کسی دوسرے مسلمان کو ملتا تھا  
 ایک نصرانی ذمی رعایا کے مقابلہ میں قاضی شریح کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہوتا ہے یعنی حضرت علی کی ایک زرہ کم ہو جاتی ہے  
 ایک عیسائی کے پاس بنتی ہے اور آپ دعویٰ دائر کرتے ہیں قاضی حضرت علی سے شہادت کا مطالبہ کرتا ہے آپ فرماتے ہیں  
 کہ گواہ کوئی نہیں ہے قاضی شریح زرہ عیسائی کو دلا دیتے ہیں اور خلیفہ وقت مقدمہ ہار جاتا ہے اگرچہ بعد کو خود عیسائی اس  
 انصاف کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ زرہ آپ ہی کی ہے فلان دن بھڑ میں گر پڑی تھی اور یہ  
 نے اٹھا لیا تھا حضرت اس کے مسلمان ہونے کی خوشی میں زرہ بھی بخش دیتے ہیں اور اتمام میں ایک گھوڑا ہوا دیتے ہیں لیکن بازار سے  
 ایک درم کے کچھ خرید کر چادر میں باندھے لئے چلے جاتے ہیں امیر المؤمنین! مجھے دیکھئے لوگ عرض کرتے ہیں لیکن فرماتے  
 ہیں کہ ہر شخص کو اپنے اہل و عیال کا بار خود اٹھانا چاہیے دنیا سے ہاتھ دھو کر چلے جاتے ہیں تو اس طور پر جاتے ہیں کہ اینٹ پر آپ نے کبھی  
 اینٹ نہیں رکھی مکان ہی نہیں بنا یا صرف ڈھائی سو درم ترکہ میں چھوڑ کر جاتے ہیں اور وہ بھی اس لئے رکھ چھوڑا تھا اس  
 ایران و عراق و خراسان ترکستان کے بادشاہ کے بیوی صاحبہ کے لئے ایک خادمہ کے خریدنے کی ضرورت تھی متروکہ سا  
 میں علاوہ اس ڈھائی سو درم کے ایک قرآن مجید اور ایک تلوار نکلی تھی لوگوں نے جانشین نام زد کرنے پر اصرار کیا قطعاً انکار فرما دیا  
 گیا اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے حوالہ فرما دیا ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے اس معاملہ کو مسلمانوں کے سپرد  
 کر دیا میں بھی سپرد کرتا ہوں ہر مجموعہ کو قاعدہ تھا کہ خزانے کو خالی فرما کر دو رکعت نماز اس میں پڑھتے زمین کو گراہ بناتے کہ میں  
 نے لوگوں کے حقوق ان تک پہنچا دے اس قسم کی باتوں سے حضرت کی سوانح عمریاں معمور ہیں لیکن خاص بات جس پر آپ کا  
 اصرار اس حد کو پہنچ گیا وہ یہی تھی جسے بار بار اپنے خطبوں میں لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتے ہوئے دہراتے کہ چلو ان  
 لوگوں سے لڑنے کے لئے جو محض اس بنیاد پر ڈھکے ہیں تاکہ وہ جبار داکٹر بن کر لوگوں کے رب بن جائیں اور اللہ کے  
 بندوں کے اپنا کر چاکر بنالیں اور مسلمانوں کے مال کو ایسا مورد قبیح مال بنا دیں جو ان ہی کے خاندان میں گھومتا رہے یہ ترجمہ ہے  
 حضرت والا کے ان عربی الفاظ کا (کیونکہ اجبارین یتخذھم الناس ارباباً ویتخذون عباد اللہ ثولاً و مالھم دولا)  
 لوگ خلیفہ میں اور مسلمانوں میں امتیاز پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن آپس میں غیر اسلامی امتیاز کے مخالف تھے حضرت عمر کے (بقیہ صفحہ آئندہ)



حکومت کے اس نظام کو جو بدلنا چاہتے تھے ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی مصححات اندیشیوں سے بے پروا ہو کر آستینیں چڑھائے سرکف میدان میں کود جانا اور اس طرز پر کود جانا کہ لوہے والے تو حرفت زبان سے بولتے ہیں کہ ہم اپنے نصاب العین کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کیلئے تیار ہیں لیکن جمل صفین

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) صاحبزادے علیداقہ نے غریب نو مسلم ایرانی امیر ہرمزان کو بلاوجہ مار ڈالا تھا آپ کو قصاص میں ان کے قتل پر اصرار تھا محض اس لیے کہ فاروق اعظم کے صاحبزادے ہیں اسلام کے قانون سے حضرت کا خیال تھا کہ وہ صحیح نہیں کہتے اسی طرح حضرت عثمان کے قانون کو محض اس لیے کہ انہوں نے قلیفہ وقت کو قتل کیا ہے بغیر کسی تحقیق کے مطالبہ کرتے تھے کہ جس جس پر وہ شک کریں وہ حوالہ کر دیا جائے اپنے اس سے انکار کیا آپ کو اس قسم کی چھچھوری غیر اسلامی سیاست سے سخت نفرت تھی جس میں سازش جوڑ توڑ جوڑ سچ سے کام لیا جاتا تھا مضر کا ملک کسی کو حین حیات جاگیر میں محض اسیلے دینے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ میرا ساتھ لے گا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مختلف مخالفتوں میں مبتلا کر کے لوگوں نے اپنی رفاقت پر آمادہ کیا اور ان کے محترم وجود سے نفع اٹھانے کے لئے بقول حضرت عمار بن یاسر ان لوگوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اپنی بیویوں کو تو میں گھروں چھپا رکھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو تلواروں کی بیچ میں لا کر کھڑا کر دیا لیکن اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے لوگوں نے اسے بہت بڑی سیاسی چال قرار دی گویا اس ذریعہ سے انہوں نے خیال کیا کہ حضرت علی کے خلاف ایسا وزن ڈال دیا گیا ہے کہ اس بوجھ کو وہ برداشت نہیں کر سکتے لیکن بجنہ یہی موقعہ حضرت علی کو جب ملتا ہے یعنی عائشہ صدیقہ پر اپنی رائے کی غلطی جب واضح ہو گئی تو صدیقہ نے حضرت علی پر اصرار شروع کیا کہ شام والوں کے مقابلہ میں اپنے ساتھ مجھے تم لے چلو لیکن اس قسم کی سیاست کو آپ ہمیشہ ناپسند کرتے تھے ام المومنین سے باصرار بلوغ آپ نے عرض کیا کہ رسول اللہ جن گھر میں آپ کو چھوڑ کر گئے ہیں بس آپ اسی گھر میں جا کر آرام کیجئے اور ایک بڑی کارگر طاقت سے ناجائز سیاسی نفع حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے خود اپنی نگرانی میں آپ نے صدیقہ کو لبرہ سے حجاز روانہ فرمایا اس موقع پر ایک لطیفہ قابل ذکر یہ ہے کہ عائشہ صدیقہ کو جب آپ روانہ کرنے لگے تو ان کے ساتھ آپ نے ان کے حقیقی بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کو کیا تین سپاہی مرد اور بیس عورتیں بھی حفاظت و خدمت کے لئے ساتھ روانہ کی گئیں لطیفہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو حضرت علی نے یہ حکم دیا کہ عمارے ہاندھ لیں اور تلوار چائل کر لیں بہ ظاہر ان کی شکل مردوں کی نظر آتی تھی عورتوں پر قورن تھا کہ حضرت عائشہ پر یہ کھلنے نہ پائے کہ یہ عورتیں ہیں حسب ہدایت اس خدمت یافتہ میں بھی مرد نما عورتیں ہیں جب عائشہ مدینہ پہنچ گئیں لوگ ملنے آئے حالات دریافت کرنے لگے تو حضرت علی کے من سلوک کی بہت تعریف کی صرف یہ شکایت کی کہ انہوں نے رفاقت میں چند عورتوں کو میرے ساتھ نہیں کیا اس پر عورتوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔

کہا ہے کہ اسی وقت عائشہ صدیقہ سجدے میں چلی گئیں اور سزا ٹھاکر فرماتے لگیں کہ اے ابن ابی طالب شرافت کی تم نے حد کر دی (مسعودی) اس قسم کی گندی چھچھوری سیاست کے مشورے جب آپ کو دئے جاتے تو فرماتے ہیں دین کے معاملہ میں امانت اور چشم پوشی سے کام نہیں لوں گا میں زیاد کاری کی چالیں ہرگز اختیار نہیں کروں گا (مروج) آپ کی اس مصوم اور مقدس خالص دینی سیاست جس کی بنیاد صرف صداقت اور راستبازی عدل و انصاف پر قائم تھی اس نے لوگوں کو در بقیہ بر صفا آئندہ



میں یہہ کر کے دکھا دیا گیا کہ دس پانچ ہزار ہا ہزار بقول بعض لاکھوں تک نوبت قتل و شہید ہونے والے مسلمانوں کی بیونچی چلی جاتی تھی کشتوں کے واقعی پتے لگتے چلے جاتے تھے مسلمانوں کی لاشوں کا پہاڑ جمع ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن یہہ حد تک کسی نصب العین پر اصرار کی کہ کسی قسم کا کوئی معاوضہ یا کوئی مصحلت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ سنا سکی میں نہیں جانتا کہ کسی نصب العین کے حصول کی کوشش میں اس کی نظیر انسانیت کی تاریخ پیش کر سکتی ہے؛ سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا گیا بلکہ کربلا کے میدان میں تو اسی نصب العین کے پیچھے علی کے گھرانے کا ایک ایک بچہ قربان ہو گیا اور اب مجھ میں آتی ہے اہمیت اس سیاسی نظام کی جسے "اسلام" نے دنیا میں پیش کیا ہے لوگوں نے اس پر بعد کو عمل کیا یا نہیں یہہ الگ سوال ہے لیکن جمل و صفین و کربلا کے خون سے جریدہ روزگار پر جس نہ ختم ہونے والے اصرار کا نقش دوام قائم ہو گیا ہے کیا اس کو کوئی مٹا سکتا ہے اور جب تک یہہ نقش قائم ہے اسلامی نظام سیاست کی اہمیت بہر حال دنیا میں قائم رہے گی۔

شاید اپنے موضوع بحث سے تھوڑی دیر کیلئے مجھے الگ ہونا پڑا بحث شدہ ہجری کے واقعات پر پوری تھی جب مدینہ منورہ کو مرکز بنا کر ساری اسلامی دنیا میں عباسی حکومت کے تخت اقتدار کو الٹ دینے کی اسکیم محمد نفس زکیہ کی قیادت میں مکمل ہو چکی تھی اور اسی لاکھ عمل کے مطابق ہر صوبہ میں تلواریں

دقیقہ سلسلہ گزشتہ غلط امیدوں کے قائم کرنے سے مایوس کر دیا ایک طرف بات بات پر جاگیریں مل رہی تھیں مسلمانوں کے متاع المال کا منہ کھول دیا گیا تھا اور دوسری طرف یہہ حال تھا کہ حضرت کے سگے بھائی عقیل بن ابی طالب حتی سے کچھ زیادہ کا مطالبہ کرتے ہیں آپ صاف انکار کر دیتے ہیں وہ اسی بنیاد پر شام والوں کی فوج میں شریک ہو جاتے ہیں آج ہی شاید کہنے والے کہتے ہیں لیکن یہہ پرانی بات ہے کہ علی کو سیاست نہیں آتی سہ سے خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ قریش کہتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا ہمارا تو بہت بڑا ہے لیکن جنگ اور مقابلہ میں جن چالوں کی ضرورت ہے ان سے ناواقف ہے اس کے بعد ارشاد ہوتا کہ جنگ اور جنگی طور طریقے سے میں ناواقف ہوں کیا بتایا جائے میں تیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا جب جنگی مہارت میں سر ملین ہو چکا تھا اور اب تو ساٹھ سے متجاوز ہوں اس وقت کہا جاتا ہے کہ میں ان باتوں کو نہیں سمجھتا جو پتے کی بات تھی آخر میں وہ یہی کہہ دیتے کہ اصل بات یہہ ہے کہ لاری لمن لا یطاع (یعنی جس کی بات نہ مانی جائے وہ یوں ہی بے راے والا بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے) نا جائز تو قحط سے مایوسی نے اس حال کو پیدا کر دیا تھا کہ جہاں ان کے پورے ہونے کی امید تھی لوگ ادھر کھینچ چلے جاتے تھے اور جہاں سمجھا جاتا کہ سگے بھائی کی بی بی پروا نہیں کی جاتی وہاں لوگ کب تک ٹہر سکتے تھے لیکن علی کیا علی باقی رہتے اگر اپنے غلط مشیروں کے مشورہ کو مان لیتے کامیابی اور ناکامی کا مطلب جو عوام کے نزدیک ہے خواص خواص ہی کب باقی رہتے اگر ان کے نزدیک بھی کامیابی و ناکامی کا وہی عامیانه معیار ہوتا بنی امیہ کی اسی تری سال کی کامیابی کیا کوئی میابی ہے اور بیچارے حضرت امیر معاویہ کی ایک پشت بھی صبح معنوں میں اس کامیابی سے مستفید نہ ہو سکی جس کا لوگوں نے کامیابی نام رکھ چھوڑا ہے اگر یہ اس کتاب کے موضوع سے شاید یہہ چند باتیں جو ہم نے بطور نوٹ کے بڑھا دی ہیں زائد نظر آئیں لیکن دراصل امام ابوحنیفہ کے اس سیاسی مسلک کی تشریح کے لیے مفید ہوں گی جو ابراہیم بن عبدالعزیز بن حسن الفاطمی الامام کی رفاقت و نصرت کے سلسلے میں انہوں نے اختیار فرمایا تھا اور آج تک محدثین کا وہی طبقہ حثویہ "یہہ الزام لگا رہا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان (باقی صفحہ آئندہ)



سونت سونت کر لوگ نکل پڑے تھے عرض کر رہا تھا کہ اسی سلسلہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ بن جن بصرہ سے فوج لے کر کوفہ کی طرف چل پڑے تھے جہاں عباسیوں کا خلیفہ ابو جعفر منصور میلے پھیلے کپڑوں میں اس عزم کے ساتھ اپنے مصلے پر بیٹھ گیا تھا کہ یا ابراہیم کاسر میرے قدموں پر لا کر ڈالا جائے یا میرا سر ابراہیم کے پاس تحفے میں پیش کیا جائے امام ابو حنیفہ ابراہیم کی طرف سے علانیہ کوفہ میں کام کر رہے تھے بات یہاں تک پہنچی تھی کہ الفزاری محدث کے بھائی کو عباسیوں سے توڑ کر ابراہیم کی فوج میں شریک ہو جانے پر امام ابو حنیفہ نے راضی کر لیا تھا اور اسی وجہ سے ان کو شہید ہونا پڑا اور میان میں ایک ایسا مسئلہ چھڑ گیا کہ ۱۴۵ سے سو سال پیچھے ہٹ کر اسی بصرہ اور کوفہ کے ارد گرد حمل و صفین کے جو ہولناک خونین مناظر دیکھے گئے تھے ان کے مباحث میں الجھنا پڑا کیونکہ گویا ہر دونوں واقعے میں ایک صدی کا فاصلہ ہے مگر سچ پوچھئے تو مسئلہ آج بھی وہی ہے جو کل تھا ایک طرف مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جس کے سامنے صرف ٹیکس و ہندوں کی تعداد کا اضافہ بھی اسلام کی بھی اور مسلمانوں کی بھی سب سے بڑی خدمت تھی لیکن دوسری طرف علی اور علی کے مسلک پر اصرار کرنے والوں کی جماعت تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے نظام حکومت کو بہر حال قائم کرنے پر آمادہ ہوئی ہے خواہ اس کی جو قیمت بھی ادا کرنی پڑے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کا آخری معتمد موقعہ قرار دے کر امام ابو حنیفہ نے سر و ہڈی کی بازی لگا دی ہے اسی کوفہ میں عباسیوں کا دم ٹیکنے والا شیر جسے لوگ صفراخوڑی (عقاب چالاک) کہتے تھے ہر ہنس شخص کو اچک لینے کے لئے منڈلا رہا ہے جس کے متعلق ہلکا سا بھی شبہ مخالفت کا محسوس کرتا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ "جہاداً شدیداً" کی شکل میں امام ابو حنیفہ ہر اس شخص کو ابراہیم کی رفاقت پر آمادہ کر رہے جس پر ان کا بس چل رہا ہے نہ صرف پچاس پچاس حج و نفلی کے ثواب ہی پر بلکہ جہاد جو کافروں سے کیا جاتا ہے اس پر بھی ان لوگوں کی جانی و مالی امداد کو ترجیح دینے کا فتویٰ دے رہے ہیں جو مسلمانوں میں پھر حکومت کے اسی نظام کو قائم کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں جس پر اللہ کی کتاب اور رسول کے راشد جانشینوں نے قائم کر کے دکھایا تھا اس راہ میں امام کا جوش و خروش شدت کے جس انتہائی نقطہ تک پہنچ گیا تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ نہ صرف امام اور امام کے اہل و عیال کے لئے ہر لمحہ اس کا خطرہ تھا کہ حکومت کے عتاب کی آگ میں جھونک دے جائیں گے بلکہ امام کے مشہور شاگرد رشید زفر بن ہذیل کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کی مجلس وضع قوانین کے ارکان کہیے یا حلقہ درس کے تلامذہ ان کو سمجھیے بہر حال ہر وہ شخص جو امام کے ساتھ تعلیمی تعلق رکھتا تھا اس کی زندگی خطرے میں آگئی تھی اور کیسا خطرہ؟ امام زفر کا بیان ہے کہ ان حالات کو دیکھ کر امام کے

دقیقہ سلسلہ گزشتہ) تلوار نکالنے کا وہ فتویٰ دیا کرتے تھے نیز اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف ان لوگوں میں کچھ بدگمانیاں پھیلی ہوئی ہیں جن کا زور و باغ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز پیدا کرنے سے عاجز ہے ان کے نزدیک مسلمانوں کے ٹیکس و ہندوں کی تعداد کا اضافہ بھی اسلام کی ترقی ہے، شائد ان کی سمجھ میں کوئی بات آجائے ۱۲

ساتھ عرض کیا گیا کہ

ما انت بمنته حتی توضع الحبال فی  
اعناقنا

جب تک ہم لوگوں کی گردنوں میں پھانسی کی رسیاں  
نہ ڈالی جائیں گی آپ باز نہ آئیں گے

جس کے معنی یہی ہوئے کہ امام کا ہر شاگرد یا ان کی مجلس متعینہ کا رکن یہ محسوس کر رہا تھا کہ آج  
ہمیں تو کل ہمارے گلوں میں پھانسی کی رسی ڈالی جائے گی جہاں تک معلوم ہوتا ہے ہر قسم کے عواقب اور  
نتائج سے امام قطعا بے پروا ہو کر آگ کی اس وادی میں پھانڈ چکے تھے طے کر چکے تھے کہ س  
موج خون سر سے گزری کیوں نہ جائے؟ آستان یار سے اٹھ جائیں کیا  
اس قسم کی کوئی چیز ان کو اپنے ارادے سے روک نہ سکی ہر آنے والے دن میں آپ کی سرگرمیاں گزرنے  
والے دن کی کوششوں سے تیز سے تیز تر ہوتی چلی جاتی تھیں اسی کا نتیجہ تھا کہ ان تلواروں کے سوا جو کوہ  
میں وقت کا انتظار نیاموں سے نکلنے کے لئے کر رہی تھیں سب سے بڑا انقلابی کارنامہ اس راہ میں امام  
کا وہ ہے جس کا ذکر گوان کے سوانح نگاروں میں سے اکثر نے کیا ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ  
ان کے اجمالی بیان سے پڑھنے والوں کو نہیں ہو سکتا

حکومت عباسیہ کے سب سے  
ابو مسلم اصفہانی کا نام سے زیادہ نمایاں ہے میں نے بھی اس سلسلے  
بڑے ستون کو گرائے ہیں میں جو کچھ لکھا ہے اس میں ہی اس وقت تک ابو مسلم ہی کی اہمیت ظاہر  
کی گئی تھی لیکن عباسیوں کی کامیابی میں سچ پوچھیے تو ابو مسلم کی حیثیت  
امام کی کامیابی  
صرف دماغ کی تھی وقت پر سوجھ جانے والی جالوں سیاسی مکر و دہار کی یہ  
حد تک یقیناً ابو مسلم نے بڑے بڑے کام انجام دئے تھے لیکن عباسی تحریک کو آگے بڑھانے میں جس فولاد کا  
نئے کام کیا تھا عوام اس سے بہت کم واقف ہیں قبیلہ بنی طے حاتم طائی مشہور جو اد جس سے تعلق رکھتا  
ہے سارے عرب میں اپنی شجاعت اور بھادری بے جاگزی میں مشہور تھا عرب کے مشہور ڈاکوئوں کا زیادہ  
تر تعلق اسی قبیلہ سے تھا سارے عرب ان کے نام سے کانپتا تھا

اجار اور سلمی کے سرسبز پہاڑوں کی فلک پیمیا چوٹیاں ان ڈاکوئوں کی پناہ گاہیں تھیں  
ایام جاہلیت کی تاریخ ان کے خونین کارناموں کے ذکر سے لبریز ہے عباسیوں کی یہ خوش قسمتی  
تھی کہ ٹھیک اس وقت جب ان کی تحریک اس منزل پر پہنچ گئی جہاں سے فوجی تنظیم کے مواقع  
ان کے لئے فراہم ہوئے تو اسی طے کے قبیلہ کا ایک بوڑھا تجربہ کار سرد و گرز چشیدہ سپہ سالار جس کا  
نام قحطیہ تھا وہ عباسیوں کی بیعت میں داخل ہو گیا اور پہلی و فوجی ابو مسلم باضابطہ عسکری تنظیم  
کے ساتھ بنی امیہ کے مقابلہ میں صف آرائی کے لئے چلا ہے تو آدی دن عباسیوں کے امام ابراہیم کے حکم سے

ابو مسلم نے ابراہیم میں جن کے ہاتھ پر ابو مسلم نے بیعت کی اور ان ہی کے اشارے سے خراسان کی زمین عباسیوں (باقی صفحہ آئندہ)



اسی کو عباسی فوج کا کمانڈر مقرر کیا گیا عباسی امام نے خاص اپنے ہاتھ سے عباسی لوگوں کو باندھ کر  
 قحطیہ کے حوالہ کیا تھا بالاتفاق تمام مورخین نے لکھا ہے کہ ابو مسلم نے قحطیہ ہی کو سپہ سالار اعظم  
 مقرر کیا اور

ضم الیہ الجیوش وجعل الیہ العزل  
 والاستعمال وکتب الی الجنود بالسمع  
 والطاعة ص ۱۲۲ کالج ۵

سارے عباسی عساکر کو اسی کا ماتحت بنا دیا اسی کے ہاتھ  
 میں سپاہیوں کے تقریر و برطرفی کو سپرد کر دیا اور جہاں  
 جہاں فوجیں تھیں ان کے نام یہ لکھے بھیجا کہ قحطیہ کے حکم  
 کی نبرہ چشم تعمیل کریں

اس کے بعد عباسیوں اور بنی امیہ میں جتنے بھی معرکے ہوئے ہیں تاریخ اٹھا کر پڑھیے ہر جگہ  
 قحطیہ ہی آپ کو پیش پیش نظر آئے گا واقعہ تو یہ ہے کہ ابو مسلم کا دماغ اور قحطیہ کے دست و بازو  
 ان ہی دو چیزوں پر عالم اسباب کے لحاظ سے عباسی حکومت کی بنیاد قائم ہے مروی نیشاپور جہاں رہے  
 اصفہان نھاوند شہر زور الغرض جہاں جہاں عباسیوں اور امویوں کے گھسان کے رن سرزمین خراسان  
 میں بڑے سب کا فاتح بھی قحطیہ تھا آخر میں ابن ابیہرہ کے مقابلہ کے لئے جب عراق آیا تو اس بوڑھے  
 سپہ سالار کی عباسیوں کے ساتھ آخری وفاداری اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ یہ مقام واسط فرات کے ایک  
 مسافہ (بند) پر رات کی تاریکی میں جب ایک کاری زخم کھا کر وہ دریا میں گر پڑا اور لوگوں نے اس کو  
 پانی سے نکالا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ میرے زخمی ہونے کی خبر نہ پھیلائی جائے بلکہ میرے دونوں ہاتھوں کو  
 ملا کر باندھ دو دیکھو اگر میں اس زخم سے جان بر نہ ہوسکا تو خاموشی کے ساتھ میری لاش کو اسی دریا میں  
 بہا دینا تاکہ لوگوں کو میری موت کا علم نہ ہو سکے اس کو اندیشہ تھا کہ اس کے قتل ہو جانے کی خبر سن کر فوج  
 میں کہیں بزدلی اور اتبری نہ پھیل جائے مدت اس کی پوری ہو چکی تھی تھوڑی دیر میں صبح ہونے سے پہلے  
 قحطیہ مر گیا خاموشی کے ساتھ اس کی لاش بہا دی گئی صبح کو لوگوں نے جب قحطیہ کو نہ پایا تو دوپہر تک سمجھتے  
 رہے کہ شاید کسی ضرورت سے کہیں گئے ہوں گے بعد کو بے چارے کی بہتی ہوئی لاش کسی نائے میں ملی  
 دنیا کو آج تک پتہ نہ چلا کہ قحطیہ کس وقت قتل ہوا اور کس نے اس کو ہار طرح طرح کے افسانے لوگوں  
 میں مشہور ہوئے جن کا ذکر اس وقت تک تاریخ کی کتابوں میں کیا جاتا ہے یقیناً ایک بڑے نازک موقع پر

دقیقہ گزشتہ کیلئے تیار کی لیکن افسوس ہو کہ خود ابراہیم عباسیوں کی کامیابیوں سے پہلے گرفتار کر لئے گئے اور بنی امیہ کے  
 آخری خلیفہ مروان ہی کے قید میں وفات ہوئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ زہر دیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ مکان کو ان پر گرا دیا گیا  
 لکھا ہے بڑے متقی پارسا اور خواہد کریم تھے اہل بیت کے ساتھ بہت سلوک کرتے تھے زید شہید کے من صاحبزادے جن کا نام حسین  
 تھا ان کے پاس لائے گئے تو گور میں بھیجا کر دیر تک روتے رہے اور بے کراں کی والدہ کے پاس واپس کیا۔

چونکہ اس کی لاش کے ساتھ بنی امیہ کی فوج کے ایک سپہی حزب بن مسلم کی بھی لاش ملی تھی اس لئے بعضوں نے اسے  
 قائم کیا کہ باہم ایک نے دوسرے کو قتل کیا کوئی کچھ کوئی کہہ کتا تھا ایک صاحب نے جو پہلے بنی امیہ کے ساتھیوں (باقی صفحہ آئندہ)

عباسیوں کی فوج کے اخلاقی شیرازے کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے اس نے بچا لیا  
 بہر حال مجھے کہنا یہ ہے کہ عباسیوں کے اسی بوڑھے جنرل کی وفات کے بعد خود اس کی وصیت  
 کے مطابق اور فوج کے اتفاق سے عباسی جیوش کا سپہ سالار اعظم اس کا بیٹا حسن بن محطیہ مقرر ہوا طبری  
 میں ہے کہ جب لوگوں کو محطیہ کے غرق ہو جانے کا یقین ہو گیا تب اجمع القواد علی الحسن بن  
 محطیہ فولوح الاہر و بالیعوک ص ۱۲ یعنی فوج تمام انہوں نے بالاتفاق محطیہ کے بیٹے حسن کو اپنا سپہ سالار بنا لیا کی کہ پیر فوج کا مقرر کیا  
 اور اس کے بعد عباسیوں کی ساری فوجی مہموں میں بجائے محطیہ کے اس کے بیٹے حسن بن  
 محطیہ ہی کا نام نمایاں نظر آتا ہے اپنے باپ کے بعد عباسی فوج کی کمان حسن ہی کے ہاتھ میں تھی اور وہی  
 ان کا سب سے بڑا جنرل تھا نہیں کہا جاسکتا کہ امام ابوحنیفہ کی نظر حسن بن محطیہ پر کب سے تھی جہاں تک واقعات  
 سے معلوم ہوتا ہے امام اور حسن بن محطیہ میں تعلقات کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب ابو جعفر منصور  
 امام کے ساتھ "دہن دوزی" کی کوششوں میں مصروف تھا اس قصہ کے سلسلہ میں امام کے سوانح نگاروں نے  
 یہ بیان کیا ہے کہ دس ہزار کی رقم ایک دفعہ امام کی خدمت میں ابو جعفر منصور نے اسی حسن بن محطیہ کی  
 معرفت بھیجی کہتے ہیں کہ خود حسن اپنے ہاتھ روپے کے توڑوں کو لوٹے ہوئے امام یہ دیکھ کر کچھ اتنا  
 پریشان ہوئے کہ کوئی بات منہ سے نہیں نکل رہی تھی دوسروں کے ساتھ حسن کے جو تجربات تھے ان کی  
 بنیاد پر اسے یہ عجیب بات نظر آئی کہ بجائے سرور اور خوش ہونے کے یہ پریشان کیوں ہو رہے ہیں غالباً  
 امام ابوحنیفہ کی فطرت ان کی سیرت و کردار کی بلندی سے براہ راست متاثر ہونے کا حسن بن محطیہ کے لئے  
 پہلا موقع ہی تھا یہ ظاہر حسن کی آمد و رفت امام کے پاس اسی کے بعد شروع ہو گئی تھی کیونکہ بعد کو جب  
 ابو جعفر منصور نے حسن کے حالات کی تحقیق کے لئے ان الفاظ کے ساتھ لوگوں کو حکم دیا  
 من هذا الذى يفسد علينا هذا الرجل کون ہے جو اس آدمی (حسن) کو ہم سے بگاڑ رہا ہے

ص ۱۸۲ ج ۲

تو کہا جاتا ہے کہ رپورٹ کرنے والوں نے ابو جعفر کے پاس یہ رپورٹ کی کہ  
 انه يدخل على ابى حنيفة ص ۱۸۲ ج ۲ اس کی آمد و رفت امام ابوحنیفہ کے پاس ہے  
 نہیں کہا جاسکتا کہ امام اور حسن بن محطیہ کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ کتنے دن سے جاری تھا  
 لیکن محطیہ کے دوسرے بیٹے حمید نے منصور کو حسن کے متعلق یہ خبر دیتے ہوئے کہ اس میں کب سے تغیر اور  
 (بقیہ سلسلہ گزشتہ) میں تھے بعد میں عباسیوں میں مل گئے تھے ابراہیم بن لبام نام تھا جب مرنے لگے تب یہ لطیفہ بیان کر کے کہ  
 رات کی تاریکی میں فرات سے دیکھا کہ محطیہ گھوڑے کو عبور کرتے ہوئے باہر نکل رہا ہے میں نے اسے چھپا ہوا تھا پرانی عداوت میرے دل  
 میں جو اکی تھی اس نے ان مقام پر ابھارا اور میں نے اچانک اس کا خاکہ کر دیا اور وہی بہت سے قصے بیان کئے گئے ہیں جس سے اس شخص کی ہمت معلوم  
 لہ امام ابوحنیفہ کے صاحبزادے قاضی حاد بن ابی حنیفہ کے حوالے سے کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی  
 وفات کے بعد حسن بن محطیہ نے ان سے کہا کہ رحم اللہ ابائے لقد فتح علی دینہ او بخت به النفس اقوام ص ۱۸۲ ج ۱ بڑا بلیغ فقرہ ہے جس کا  
 ترجمہ یہ ہے کہ تمہارے والد نے خدا ان پر رحم کرے اپنے دین کے معاملہ سخت تنگدلی اور نیالت سے کام لیا جب کہ (بقیہ صفحہ آئندہ)



اور انقلاب کو محسوس کر رہا ہے، کہا تھا کہ

”امیر المؤمنین! تقریباً ایک سال سے ہم لوگ اس شخص کی چال و چلن میں تغیر کو پارہ

ہیں اور اسی زمانے سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ غیروں سے ننگ بڑھا رہا ہے ص ۸۴ مو

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بن عبد اللہ کی تحریک جب بصرہ اور کوفہ میں اندر ہی اندر کام کر رہی تھی اسی زمانے سے امام ابو حنیفہ عباسیوں کی فوج کے اس روج رواں کو توڑ لینے کی کوشش میں مصروف تھے یا کوئی معمولی نہ تھی عباسیوں کے سب سے بڑے جنرل کا معاملہ تھا عباسی فوج سے حسن کی علی گڑھی فوج کی علی گڑھی نہ تھی بلکہ ان سبکی علی گڑھی پر بیخ بنی ہوئی تھی جو حسن کے پر اثر تھے جو بھجپا کے کہ عباسیوں کی عسکری قوت کی مگر پر امام کی طرف سے کاری ضرب لگانے کا یہ اقدام تھا جس کے باپ سے دست و بازو نے عباسی حکومت قائم تھی اسی کے خلیفہ اور جانشین سپہ سالار کو ملا لینا آسان بھی نہ تھا ساری عزت و جاہ دولت و ثروت و تھلہ کے خاندان کی اسی ملازمت پر مبنی تھی سب کو لات مار کر حکومت سے حسن کا علیحدہ ہو جانا بڑی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا تھا نہیں کہا جاسکتا تھا کہ سال بھر کی مسلسل جدوجہد کے اس سلسلے میں حسن کو امام نے کیا کیا سمجھایا اور کن کن ترکیبوں سے اس کو متاثر کرتے رہے یہی نہیں کہ صرف منافع سے محرومی کے خطرات حسن کے سامنے تھے بلکہ معاملہ ابو جعفر منصور کے ساتھ تھا اسی ابو جعفر کے ساتھ جس نے ابھی ابھی کچھ دن پہلے اپنی حکومت کے سب سے بڑے محسن ابو مسلم کے ختم کر دینے میں کسی قسم کی رورعانت کا رونا نہ رکھا تھا یقیناً جس نازک عہدے سے حسن کا تعلق تھا عین وقت پر اس عہدے کی ذمہ داریوں سے اچانک دست برداری کا اعلان جن عواقب کو اس کے سامنے لاسکتا تھا وہ حسن سے مخفی نہ تھے لیکن میں تو اس کی کرامت سمجھتا ہوں اور اگر کرامت نہ سمجھی جائے تو ایک بے نظیر سیاسی کامیابی ان کی میرے قرار پاسکتی ہے کہ عباسیوں کا یہی سب سے بڑا سپہ سالار امام کے پاس آتا ہے اور جیسا کہ حنفی مکتب خیال کے سب سے بڑے بخاری امام ابو حنفہ کبیر سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ آنے کے بعد حسن امام ابو حنیفہ سے عرض کرتا ہے میرے حالات جیسے کچھ بھی ہیں مگر آپ سے میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ واقعی اگر اب بھی میں تو یہ کر لوں تو میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ امام نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے حسن سے یہ تقریر کی کہ

”اگر تم واقعی خدا کے سامنے اپنی نیت کو درست کر لو اور ارادے میں اپنے صادق اور

راستباز بن کر گزشتہ کرتوتوں پر اپنے اندر ندامت کے جذبات کو اس حد تک ابھارو کہ

تم پر یہ حال طاری ہو جائے کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اگر تمہیں اختیار دیا جائے

یعنی کہا جائے کہ یا تو کسی مسلمان (جسے حکومت حکم دے) قتل کرو یا خود قتل ہونے کے لئے تیار

ہو جاؤ تو اپنے آپ کو قتل کرانے پر تم آمادہ ہو جاؤ گے اور خدا کے سامنے تم عہد کرو کہ اب تک

تم جو کچھ بھی کرتے رہو اس کا پھر اعادہ زندگی کے آخری لمحات تک نہیں کرو گے“

(لفیہ سلسلہ گزشتہ) دوسرے بڑی دریا دلی اور سخاوت اسی دین کے ساتھ اختیار کے ہونے تھے

امام نے فرمایا کہ

تمہارا یہی عزم اور یہی ارادہ تمہاری توبہ ہے

کہتے ہیں کہ امام کے الفاظ کو حسن غور سے سنتا رہا اور جواب میں بغیر کسی تردد اور کشمکش کے  
قد فعلت (میں نے یہ کر لیا) کا سپاہیانہ جواب دے کر آخر میں اس نے امام سے کہا کہ  
”میں نے خدا سے عہد کر لیا کہ مسلمانوں کے قتل کا جو کام میں اتناک (حکومت کے اشارے سے)

کرتا رہوں اب اس کی طرف کسی نہ پلٹوں گا“ ۱۸۳ ج ۲

حالانکہ حسن امام کے سامنے اس توبہ کے اعلان کے بعد تقریباً پینتیس چھتیس سال تک زندہ رہا  
بارون ارشید کے عہد حکومت میں جیسا کہ خطیب نے لکھا ہے چوراسی سال کی عمر میں وفات ہوئی مگر جو کچھ  
اس نے کہا تھا اس کو پورا کیا آزمائش کی گھڑی بہت جلد اس کے سامنے آگئی یعنی وہی تحریک جو اب تک  
مخفی طور پر ملک کے گوشوں میں چلائی جا رہی تھی سطح پر نمایاں ہو گئی مدینہ منورہ سے محمد نفس زکیہ کے خروج  
کی خبر منصور تک پہنچی اور اسی کے کچھ دن بعد خود اس کے سامنے بقرہ سے ابراہیم نے سرنکالا جیسا کہ چاہتے  
تھا حسن منصور کے دربار میں بلایا جاتا ہے: جو قصص کبر کا بیان ہے حسن قبل دربار کی حاضری کے امام کنیت  
میں حاضر ہوا اور جو واقعہ تھا اس سے مطلع کیا امام نے فرمایا کہ

حسن! تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آگیا تم نے خدا سے جو عہد کیا ہے اگر اس عہد کو  
تم پورا کرتے ہو تو مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور اگر اپنی بات سے تم پھرتے  
ہو تو جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے اس کی سزا بھی بھگتو گے اور آئندہ جو کچھ کرو گے اسی ہی

امام سے یہ سن کر حسن نے کہا کہ

”وہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ آپ سے جو عہد میں نے کیا ہے اسے پورا کروں گا“

اور یہ طے کر کے کہ خلیفہ کے دربار سے زندہ واپس نہ ہوگا امام صاحب کو بعض باتوں کی وصیت کر کے  
منصور کے سامنے حاضر ہوا اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی تھی اس سے معافی چاہتے ہوئے شائد بیماری  
اور خرابی صحت کا اس نے عذر پیش کیا لیکن منصور نے اس پر اصرار شروع کیا کہ مقابلہ پر تجھے جانا پڑے گا  
معلوم نہیں اور کیا کیا باتیں ہوں آخری الفاظ اس کے یہ نقل کئے جاتے ہیں کہ وہ منصور سے کہہ رہا تھا

امیر المؤمنین! جس ہم پر آپ مجھے روانہ کرنا چاہتے ہیں میں آخری طور پر عرض کرتا ہوں کہ

غذہ قطعاً اس کی شرکت سے معذور ہے اب تک جن لوگوں کو آپ کی حکومت کے تحت

میں قتل کر چکا ہوں آپ کی یہ اطاعت خدا کے لئے میں نے کی ہے تو اس راہ میں بہت

کچھ کما چکا اور لوگوں کو قتل کر کے میں نے خدا کی اگر نافرمانی کی ہے تو گناہ اور نافرمانی

کا بھی یہ ذخیرہ میرے لئے کافی ہے“ ۱۸۴

ابو جعفر حسن کی باتیں سن رہا تھا اور آگ بگولا ہو رہا تھا کس نے میرے اتنے بڑے موروثی وفادار جنرل  
کو بھگا دیا اندر ہی اندر بیچ تاب کھاتے ہوئے اس کو سوچ رہا تھا دربار میں حسن کا بیہانی حمید بھی بیٹھا تھا



اس حال کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا اور وہی بات جس کا پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں خلیفہ سے کہنے لگا یعنی سال بھر سے اس شخص کے اندر ہم لوگ تغیر کو محسوس کر رہے ہیں اور اسی وقت سے ہمیں اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ غیروں سے یہ میل ملاپ رکھتا ہے اور اپنی پنگیس بڑھا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری ساری تاریخیں اسے بڑے اہم واقعے کے ذکر سے خاموش ہیں پچھلے پچھلے کے تاریخ کی ان عام کتابوں مثلاً طبری کامل ابن اثیر وغیرہ کا اس واقعے کے ذکر سے خالی ہونا بجائے خود واقعہ کو ایک حد تک مشتبہ بنا دیتا ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کے خروج سے پہلے قحطیہ کی موت کے بعد تقریباً عباسیوں کی ہر فوجی ہیم میں جن بن قحطیہ پیش پیش ہے لیکن ٹھیک خروج کے اس واقعہ سے اچانک جن کا نام تاریخوں میں غائب ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے اب ہم قحطیہ کے اسی دوسرے بیٹے حمید کے ہاتھ میں عموماً عباسی عساکر کی کمان پاتے ہیں محمد نفس زکیہ کے مقابلہ میں جو فوج ابو جعفر نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کیلئے بھیجی اس میں بھی فوج کی کمان حمید ہی کے ہاتھ میں دیکھی جاتی ہے اسی بد بخت نے حجر کے سینے میں نیزہ بونک دیا اور جب وہ گر گئے تو گھوڑے سے اتر کر اسی نے ان کے مبارک سر کو تن سے جدا کر کے عیسیٰ کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا اور عیسیٰ نے کوفہ منصور کو ہدیہ کے طور پر بھیجا یا نیزے پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں میں اس کی نمائش کی گئی اور مدینہ کی ہیم سے فارغ ہونے کے بعد منصور کی طلبی پر عیسیٰ بن موسیٰ حمید اور جو فوج اس کے زیر کمان تھی سب کو لئے دے پھر کوفہ واپس لوٹا ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بصرہ سے چل کر جب کوفہ پر حملے کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے مقابلہ میں بھی یہی حمید بن قحطیہ عیسیٰ بن موسیٰ کی ماتحتی میں بھیجا گیا باخرا کے میدان میں جو کوفہ سے کل (۴۸ میل) کے فاصلہ پر تھا حمید اور حضرت ابراہیم کی فوج میں مٹ بھڑ ہوئی ابتداء میں حمید کو شکست فاش ہوئی کہتے ہیں کہ حمید اور اس کی فوج کے پاؤں جب اکھڑ گئے تو عیسیٰ بن موسیٰ چلا تار ما اللہ اللہ امیر کی طاعت لیکن حمید

لے دراصل محمد نفس زکیہ کو بھی بجز چند سو آدمیوں کے لوگوں نے تنہا چھوڑ دیا اور عیسیٰ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا خندق جو کہودی گئی تھی عیسیٰ نے بڑے بڑے تختے منگو کر ان کو پاٹ دیا گھوڑے آسانی سے مدینہ میں داخل ہو گئے لکھا ہے کہ محمد بار بار حمید بن قحطیہ کو پکار پکار کر بلا تے رہے کہ میرے مقابلہ میں تو آ لیکن وہ کتر اتار ہا اس پر عیسیٰ نے کچھ اس پر شبہ کیا کہ اندرونی طور پر شاید یہ بھی ان لوگوں کے ساتھ سردی رکھتا ہے اسی کا عملی جواب اس نے اپنی اس فتوت سے دیا کہتے ہیں کہ جس وقت محمد نفس زکیہ پر ایک کاری ضرب کسی نے لگائی تو گھٹنوں کے بل ٹیک کر تلوار گھمانے لگے اس حالت میں بھی قریب آنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوتی تھی دور سے تیروں سے زخمی کئے گئے کہتے جاتے تھے ارے اپنے نبی کی خستہ نزار اولاد کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو بڑے بہادر تھے جب تک زخمی ہونے کے کشتوں کے پتے لگاتے چلے گئے یہ بھی لوگوں کا بیان ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں شہور تاریخی تلوار ذوالفقار تھی بعد کو عباسیوں کے قبضہ میں آئی بعض کہتے ہیں کہ ہادی عباسی خلیفہ نے ایک کتبے پر چلا کر اڑانا چاہا اس میں لکھا گئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے ہارون الرشید (باقی صفحہ آئندہ)

بھاگا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ بھگدڑ میں کہاں کی اطاعت لیکن تقدیری حالات جیسا کہ ہمیشہ ان مہموں میں پیش آئے ہیں یہاں بھی پیش آئے ابراہیم شہید ہو گئے جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں پڑھنی چاہیے۔

مجھے تو اس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ حسن بن قحطبہ کے ساتھ اگر وہ واقعہ جس کا امام ابو حنیفہ کے حنفی سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے نہ پیش آتا تو محمد اور ابراہیم دونوں بھائیوں کے مقابلہ میں بجا حسن کے حمید بن قحطبہ ہی کو کم کیوں پاتے ہیں

افسوس ہے کہ لوگوں نے حسن کی علمدگی کے اس واقعہ کو اہمیت نہیں دی ورنہ ابو جعفر منصور جو علاوہ ایک غیر معمولی سیاسی مدبر کے بجائے خود بڑا بہادر و لیر جیوٹ والا آدمی تھا لیکن ان دونوں بھائیوں کے خروج کے زمانہ میں اس کو جتنا از خود رفتہ ہو کھلا یا ہوا پریشان بلکہ ایک حد تک مایوس پایا جاتا ہے اتنا مایوس کہ اگر نوجنت نامی بخومی اس کی اگر تسلی نہ کرتا تو کوہ چہوڑ کر رستے کی طرف بھاگ کھڑا ہونے کا قطعی ارادہ کر چکا تھا وہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ کہیں سے نوجنت پہنچ گیا اور بھاگنے کی تیاری میں مصروف پا کر اس نے قطعی فیصلہ کی صورت میں اس کو یقین دلایا کہ فتح آپ ہی کی ہوگی منصور کو پھر بھی اس کے قول پر اطمینان نہ ہوا تو اس نے کہا کہ فتح کی خبر آنے تک مجھے تپ کر لیجئے آخر بخومی کی خبر صحیح ثابت ہوئی نہ جو یزہ کے نیچے دو ہزار جریب زمین جاگیر منجم کو عطا ہوئی

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) تاکہ اس کا پتہ پتہ ہے وہ خود ہی اس تلوار کو کہی کہی لگایا کرتا تھا اس تلوار کو ذوالفقار کہنے کی پختی کہ (۱۸) دندنے اس میں پڑے ہوئے تھے کمال ابن اثیر ص ۲۰۲ ج ۲

۱۸ میں نے کہیں لکھا ہے کہ ابراہیم کی فوج کے دفتر میں ایک لاکھ آدمیوں کا نام لکھا گیا تھا لیکن دشمن کے ساتھ صف آرانی کے وقت دیکھا گیا تو ان کے ساتھ کل چند سو آدمی رہ گئے ہیں اس پر بھی ابتداء میں حمید کو نہریت ہوئی یہاں قابل ذکر لطیفہ یہ ہے کہ ابراہیم کے مقابلہ میں جب ابو جعفر عیسیٰ بن موسیٰ کو حمید بن قحطبہ کے ساتھ بھیجے لگا تو رخصت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ ناپاک گندے خبیث لوگ یہ کہتے ہیں کہ شروع میں تمہاری فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں گے آخر میں کامیاب تم ہی رہو گے اصلی عربی لفظ "النجثار" یا "مجنثون" کا ہے جس کے معنی گندے ناپاک کے ہیں مراد بخومی تھے حالانکہ منصور بخومیوں سے بہت کام لیا کرتا تھا لیکن پھر بھی بے چارے مسلمان تھا باوجود فائدہ اٹھانے کے ان لوگوں کو خبیث ہی کہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو لوگوں نے مختلف مشورے دے مثلاً شب خون مارنے کے یا عورتوں بچوں پر چھاپا مارنے کے لیکن سب کا انھوں نے انکار کیا عید الفطر کو تین دن باقی تھے کہ مدینہ سے بہائی کی شہادت کی خبر ملی دل ہی وقت ٹوٹ چکا تھا عید کی نماز کے بعد کوہ کی طرف روانہ ہوئے باحرام میں مقابلہ ہوا اگر می زیادہ تھی تباہی گھنڈیاں کھول دیں اچانک ایک تیر جس کے چلانے والے کا پتہ نہ چلا آ کر حلق میں ترازو ہو گیا خون جاری ہوا گھوڑے کی گردن سے لپٹ گئے کہتے جاتے تھے کان امر اللہ قدر اقدور اہم نے کچھ چاہا تھا اور خدا نے کچھ چاہا لوگوں نے گھوڑے سے اتار لیا مجمع جمع ہو گیا حمید نے اس حال کو دیکھ کر اسی مجمع پر پل پڑنے کا حکم دیا لوگ چہوڑ کر بھاگ گئے حمید کے (بقیہ صفحہ آئندہ)



آخر یہی منظور ہے زندگی میں بیسیوں معرکے اس کے ساتھ پیش آئے لیکن یہ حال اس کا کہی نہیں ہوا تھا جیسا کہ طبری وغیرہ میں ہے کہ کوفہ کے ہر سردار و افسر نے تیز زوریاں مثلاً سانڈنیاں اور گھوڑے وغیرہ اس لئے بند ہوا دئے تھے کہ جس طرف سے بھی بھاگنے کا موقعہ جہاں جانے کے لئے مل جائے گا بھاگ جاؤں گا اس پر کچھ اتنا خوف طاری تھا کہ آج کل جسے گرفتار کرنا یا ذراے عثمانی کا حکم جسے کہتے ہیں جب تک ابراہیم کی ہنم کا بالکل قلع قمع نہ ہو گیا کوفہ میں اس نے اسی حکم کو جاری کر رکھا تھا اور کتنا سخت حکم طبری میں ہے۔

ابو جعفر کی طرف سے کوفہ میں منادی کرنے والے یہ پکارتے پھرتے تھے کہ عشاء کے

بعد جو آدمی بھی گھر سے باہر نکلے گا اس کا خون حلال کر دیا گیا ہے ۲۴۸

علاوہ اس کے پانچ سو سپاہی رات بھر کوفہ کی گلیوں اور سڑکوں پر پٹرول کرتے رہتے تھے عجیب عجیب ترکیبیں اس وقت اس نے کیں لگھاہے کہ

روز رات کو فوج کے ایک حصہ کو چپ چاپ کسی غیر معروف راستے سے حکم دیا جاتا

تھا کہ شہر کے باہر چلے جایا کریں اور صبح کو باضابطہ نئی فوج کی شکل میں گویا کسی علاقہ

سے تازہ دم نئی فوج آ رہی ہے شہر میں داخل ہوں جس کوفہ والوں کے قلب میں دہشت

پیدا کرنا مقصود تھا لوگ یہ سمجھتے رہے کہ روزانہ دستوں پر دستے باہر سے چلے آ رہے ہیں

اسی موقع پر ابو جعفر نے یہ حرکت بھی کی کہ فوجی علاقے میں دور دور تک حکم دے رکھا تھا کہ رات کو

بغیر کسی ضرورت کے میلوں آگ جلائی جائے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ بہت بڑی فوج پڑی ہوئی

ہے اسی سلسلے میں لوگ یہ بھی لکھتے ہیں کہ محض دل کی ڈھارس کے لئے ابو جعفر نے عام فرمان کوفہ

والوں کے لئے سیاہ پوشی کے لزوم کا بھی شائع کیا حالانکہ ظاہر ہے کہ اس سے دوست و دشمن کی

تمیز میں کیا مدد مل سکتی تھی جو حکومت کے مخالف تھے وہ اپنی مخالفت کو سیاہ کپڑوں کی سیاہی میں

بآسانی چھپا سکتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ رنگ کے سوا جس رنگ کا لباس پہنے آدمی

گزرتا ہوا اسے نظر آتا تھا دیکھ کر اس کا کلیجہ دھڑکنے لگتا نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بقول طبری

حد یہ ہو گئی کہ بے چارے بنیا لقال کبڑے کباڑی تک کسی نہ کسی طرح کپڑوں کو سیاہ

رنگ میں رنگ کر پہننے پر مجبور ہوئے رنگ جب نہیں ملتا تو دراتوں کی روشنائی سے رنگ

رنگ کر لوگ کپڑے پہننے لگے ۲۴۹

یہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات کا ذکر اس موقع پر مورخین نے کیا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے

(یقیناً سلسلہ گزشتہ) آدمیوں نے حضرت ابراہیم کا سرد مبارک تن سے جدا کر کے عینی کے سامنے تحفے میں پیش کیا وہاں سے منصور کے پاس تحفہ گیا سجدے میں گر گیا اور شہر پڑھا جس کا ترجمہ تھا۔ اس نے لاہٹی رکھ دی فراق کا دن ختم ہو گیا ایسی ہی خوشی ہوئی جیسے گھر پہنچ کر مسافر کو کہہ موتی ہے حسنی سادات کی پرورش کا یہی ہی اتو پر سمجھے خاتمہ ہو گیا صرف طالبیوں کے نام سے ایک جماعت پیدا ہو گئی جس پر عباسی حکومت ہتھیار کر لی تکرانی قائم رہی

کچھ اور اسباب بھی ہوں مثلاً یہی کہ ہر طرف سے مسلمان ہو جانے کے بعد اپنی فوج کے اکثر دستوں کو اس نے مختلف صوبوں میں بھیجا تھا اور بے چارا اطمینان سے بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا کہ اچانک ایک آسمانی بجلی کی طرح دونوں بھائیوں کے خروج کی خبر ابو جعفر کو ملی کہتے ہیں کہ گھبرا گھبرا کر کہتا تھا کہ ماوری اصنع دیکھ مجھ میں نہیں آتا کہ اب کروں تو کیا کروں) میں نے فوجوں کو صوبوں پر روانہ کر دیا۔ یہ قسم کہتا تھا کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ ہوگی کم از کم تیس ہزار فوج ہمیشہ اپنے رکاب میں رکھا کرونگا لیکن ظاہر ہے کہ منصور جیسے آدمی کے لئے فوج کا معاملہ اتنا اہم نہ تھا جیسا کہ ہوا ہے کہ دم کے دم میں ہر صوبے سے قاہرہ دستے سوار و پیادہ کے یکے بعد دیگرے محض اس کے ادنیٰ اشارے پر آدھکے جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ توڑا بہت دخل ممکن ہے کہ فوج کی قلت کی بھی ہو لیکن اصلی معاملہ یقیناً اور تھا طبری میں ہے کہ اسی فوج کے معاملہ میں ایک بوڑھے تجربہ کار آدمی سے ابو جعفر بلا کر مشورہ لے رہا تھا بوڑھے نے کہا کہ کیا بڑی بات ہے آپ ابھی شام سے چار ہزار سواروں کا دستہ منگوا سکتے ہیں لیکن منصور نے بوڑھے کے اس مشورے پر جو بات کہی اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا دماغی توازن کسی اور وجہ سے بگڑا ہوا تھا یعنی منصور نے کہا کہ بھائی! شام کی فوج کو میرے لئے کون بھیج سکتا ہے اس پر جھجکا کر بڑھے نے کہا کہ کون بھیج سکتا ہے؟ صاحب! آپ وہاں کے عامل (گورنر) کو لکھنے ڈاک پر وہ ایک دن میں دس دس کے حساب سے بھیج سکتا ہے <sup>۲۱۲</sup> ظاہر ہے کہ یہ ایک کہلی بات تھی شام سے بصرہ اور کوفہ تک فوج کے پہنچنے میں اور وہ بھی منصور جیسے آدمی کے لئے کیا دشواری ہو سکتی تھی لیکن بے چارے کا دماغ ہی تو قابو میں ہو کتنی بے کسی سے بڑھے سے اس نے کہا من لی بھڑ (میرے لئے کون اس فوج کو بھیجے گا)

میرا خیال ہے کہ اضطراب اور گھبراہٹ کے دوسرے اسباب کے ساتھ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ابو جعفر پر اتنے زبردست موروٹی تک خوار اور وفادار جنرل حسن بن محمد کے بدل جانے کا اس پر نہ پڑتا اس کا بدلہ ناصر فاسی کا بدلہ لیا ہوتا تو غنیمت تھا یقیناً طرح طرح کے دوسرے ابو جعفر کو پریشان کر رہے ہوں گے حسن کی وجہ سے کون کون بدے ہیں بلاشبہ اس کو آخر وقت تک اس کا کھٹکا لگا ہوا ہو گا اس عظیم عسکری انقلاب کا نتیجہ نہ معلوم کس وقت کس رنگ میں سامنے آتا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کتنا گھبرا یا ہوا ہے اور نوجنت نجومی اگر اس کو نہ روک لیتا تو یقیناً وہ رہے بھاگ چکا تھا عباسیوں کی اندرونی جذبات کا اندازہ اس واقعے سے ہی ہوتا ہے جس کا ذکر میں نے کہیں کیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کے صدر مبارک کو حالانکہ حمید بن محمد نے ہی نے نیزے سے چھیدا اسی کو نجات نے سر مبارک کو تن سے جدا کیا الغرض عباسیوں کی وفاداری میں اول سے آخر تک وہ ثابت قدم رہا لیکن ان ہی محمد نفس زکیہ کے مقابلہ میں ابو جعفر منصور کے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ نے بلا وجہ اس پر یہ بدگمانی کی جیسا کہ طبری وغیرہ میں ہے کہ اراک البطاءت فی امر هذا الرجل میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شخص (محمد نفس زکیہ) کے معاملہ میں تو کچھ تاخیر سے کام لے رہا ہے



بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے یہ بھی کہا کہ  
یا حمید ما اراک متابع  
حمید میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پوری کوشش سے کام نہیں  
لے رہے ہو

جس پر بد قسمت حمید نے کہا کہ  
انتقمنی فوالله لا ضربن محمد احین  
اراح بالسیف اواقئل دونہ ضا

تم مجھ پر اہل بیت کی طرفداری کی تہمت لگاتے ہو  
تو خدا کی قسم جوں ہی محمد پر نظر پڑے گی میں ان کو تلوار سے ختم  
کروں گا یا ان کے آگے قتل ہو جاؤں گا

ان نعروں کو میں نے قصداً اس لئے نقل کیا ہے تاکہ اندازہ ہو کہ حسن کے بدل جانے سے  
عباسیوں میں کس کس قسم کے شیعہ اور شکوک پیدا ہو گئے تھے شک شبہ کی یہ انتہا ہے کہ حمید جیسے  
آدمی پر بھی عین اسوقت جب جان اپنی پھیلیوں پر لیے ہوئے عباسیوں کی طرف سے وہ سب کچھ  
کر رہا ہے جو حد سے زیادہ وفادار سپاہی کر سکتا ہے لیکن یہ شبہ یا بقول حمید تہمت جو عیسیٰ کی  
طرف سے اس پر لگائی گئی اس کی وجہ "میں ہم بچہ شترت" کے سوا آپ ہی بتائے اور کیا ہو سکتی ہے کچھ ہی  
ہو آخر حمید حسن کا بھائی ہی تو ہے میں سمجھتا ہوں اسی چیز نے عیسیٰ کے اندر اس وسوسے کو پیدا کیا اور اس  
میں اتنی شدت پیدا ہو گئی کہ دل سے اہل کراختر عیسیٰ کی زبان پر ہی آگیا حمید کے منہ پر اپنے اس شبہ کا  
اظہار کرتا پڑا۔

بہر حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یتیمنا یہ بڑی اہم سیاسی کامیابی تھی کہ عباسیوں کی فوج  
سے گویا اس کی روح رواں کو توڑ لینے میں وہ کامیاب ہو گئے تقدیری واقعات کا تو کوئی علاج نہ تھا

اب اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ صرف یہی دونوں بھائی محمد اور ابراہیم ہی نہیں بلکہ سارے نمائندے جو مخفی  
کارروائیوں کے لئے مختلف صوبوں میں بھیجے گئے تھے باوجود کامیاب ہو جانے کے آخر میں ایسے حالات سے دوچار  
ہوئے کہ سب گرفتار ہو کر یا قتل کر دئے گئے یا قید میں ان کو مزنا پڑا صرف بھائی بن عبداللہ جو نفس زکیہ کے بھائیوں  
ہی میں تھے و یتیم کے علاقے میں ان کو کچھ دن کے لئے پناہ ملی گئی تھی ہزار ہا ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ہزاروں  
کے زمانے تک اس علاقے کے حکمراں رہے لیکن ہاروں سے ان کا مقابلہ ہوا آخر صلح پر معاملہ طے ہوا لہذا ولانے گئے  
انتدار میں بڑی خاطر مدارات ہوئی اور آخر میں ان کو یہی جیل ہی تھے وفات پا کر نکلتا پڑا اسی طرح مغرب اقصیٰ کی طرف  
نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ جو بھیجے گئے تھے گو منصور نے ان کے قتل کرانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ  
اٹھانہ رکھا لیکن اس کی پیش نہ گئی اور اسی سادات کی ایک اچھی مستحکم حکومت اس علاقے میں ان ہی ادریس بن عبداللہ  
کے ہاتھوں سے قائم ہو گئی جن کی تفصیل کتابوں میں پڑھیے بس ان دونوں کے سوا ڈھونڈو ڈھونڈو کر اس خاندان کے  
نمائندوں کو عباسیوں نے ختم کیا ایک صاحب سہی خاندان کے جن کا نام عبداللہ تھا اور خراسان میں کام کرنے کیلئے  
ان کو بھیجا گیا تھا بے چارے سندھ میں آ کر انہوں نے پناہ لی لیکن وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملی آخر قتل کر دئے گئے (باقی صفحہ آئندہ)

بقول حضرت ابراہیم کے ہم نے کچھ چاہا تھا اور خدا نے کچھ چاہا یہ دوسری بات ہے لیکن تدبیری حد تک کسی حکومت قائم کو بچا دینے کی آخری تدبیر ہو سکتی ہے کہ فوج میں انقلاب پیدا کروایا جائے اور آپ دیکھ رہے ہیں اس حد تک امام یقیناً کامیاب ہو چکے تھے فوجی بساط کا سب سے بڑا اہم چہرہ پٹ گیا تھا لیکن قیمت نے ساتھ نہیں دیا تھا اسی لئے عام مورخین نے اس واقعہ کا اپنی کتابوں میں ذکر ہی نہیں کیا ورنہ ابراہیم کی ہم اگر کہیں کامیاب ہو جاتی تو شاید دنیا کی چہ عظیم جنگی چالوں میں امام ابوحنیفہ کی یہ کامیاب چال شمار ہوتی۔

یہ قصہ تو حضرت ابراہیم کی شہادت پر ختم ہو گیا۔ لیکن دو باتیں اس سلسلہ میں ایسی ہیں جن پر بحث کی تکمیل کے لئے مجھے کچھ کہنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی ہم میں امام ابوحنیفہ نے واقعی اتنا ہی حصہ لیا تھا جو ان حنفی سوانح نگاروں نے لکھا ہے تو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور اب کیا پیدا ہوتا ہے خطیب بغدادی کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محدث الفراری نے اپنے بھائی کے قصے کے سلسلے میں خود امام ہی سے اس سوال کو پوچھا ہی تھا جس کا حاصل یہی تھا کہ ابراہیم کی رفاقت کا شورہ دے کر تم نے میرے بھائی کو قتل کر دیا لیکن خود تم ابراہیم کی فوج میں جا کر کیوں شریک نہیں ہوئے بھائی کو تو میرے بصرہ روانہ کر دیا اور خود کو فوج میں بیٹھے بیٹھے صرف لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے یقیناً یہ سوال اس وقت ہی کرنے کا ہی تھا اور اب ہی ضرورت ہے کہ اس کا جواب امام کے حالات میں تلاش کیا جائے۔

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) اب اس کی توجیہ کوئی کیا کر سکتا ہے کہ نفس زکیہ کے فوجی دفتر میں لوگوں نے شروع میں جو نام لکھوائے تھے ایک لاکھ سے اوپر ان کی تعداد تھی لیکن آخر میں جب چاروں طرف سے عباسی عساکر نے ان کو گھیر لیا تو بیان کیا جاتا ہے کہ کل تین سو آدمی کے قریب قریب رہ گئے تھے نفس زکیہ کو جب اس کی خبر ملی تو بوسے کہ اچھا ہوا اب بد میں ہی تو مسلمانوں کی تعداد یہی تھی ابن خضیر جو ان کا سب سے بڑا وناوار سپاہی تھا اسی حال میں اس نے خبر دی کہ اس رجسٹر کو میں نے بلا دیا جس میں لوگوں نے نام لکھوائے تھے سن کر دعا دینے لگے کہ اچھا کیا ورنہ اسی رجسٹر کو دیکھ کر لوگوں کو قتل کیا جاتا جس بے جگری کے ساتھ نفس زکیہ اور ان کے رفقاء لڑ رہے تھے ایک صاحب نے کہا قطعی فتح ان کی تھی اگر ان کے ساتھ کچھ ہی لوگ رہ جاتے ابن خضیر لڑتے لڑتے جب چور ہو کر گر گیا اور سر کاٹا گیا تو کاٹنے والے کا بیان ہے کہ ایسے نگین کی شکل ان کے چہرہ کی تھی جیسے چوکے دسے دے کر ہر طرف سے دھڑار کر دیا گیا ہو یہی حال ابراہیم کا ہوا۔ خمر کے میدان کی طرف جب بھا رہے تھے تو راستے میں ایک بند ندی کا ملاح فوج اس سے عبور کر کے آگے بڑھی تو حکم دیا گیا کہ بند توڑ دیا جائے تاکہ بھاگنے سے مایوس ہو کر لوگ لڑیں لیکن یہی تدبیر الٹی پڑی غالب آنے کے بعد جب ان کی فوج کو ہزیمت ہوئی تو یہی ناگہ روک بن گیا اور کتنے آدمی محض اسی کی وجہ سے مارے گئے عباسیوں کے ساتھ اس کے برعکس یہ صورت پیش آئی کہ پہلی دفعہ حمید بن قحطیبہ کے ساتھ ان کی فوج بھاگی تو سامنے ہی ایک ندی آئی بہت تلاش کیا گیا لیکن کوئی مضامہ دگڈرا نہ ملا مجبوراً پلٹنا پڑا اور یہی پلٹا ان کے لئے مفید ہوا لوگ عمرًا طارق فاتح اندلس کے اس واقعہ کو کہتی اس نے جلاد ہی تھی بڑی جنگی چال کی مثال میں پیش کرتے ہیں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)



الخطیب نے اس موقع پر امام کی طرف جس جواب کو منسوب کیا ہے یعنی الفزازی سے امام نے کہا کہ :-

لولا ودائع كانت عندی ما شیعاً  
اناس ما استثنیت ص ۱۳ ج ۱۳  
لوگوں کی امانتیں اور دوسری چیزیں اگر میرے پاس نہ ہوتیں  
تو میں بھی اپنے آپ کو مستثنیٰ نہ کرتا

شاید یاد ہو گا کہ حضرت زید شہید کی ہم میں عدم شرکت کے وجوہ کے سلسلے میں بھی امام کی طرف اس عذر کو منسوب کیا گیا ہے قرآن و قیاسات کے پیش کرنے میں چونکہ بہت طوالت پیدا ہو چاہیگی ورنہ جہاں تک میرا خیال ہے راوی کو اگر خلط بحث ہوا تو تعجب نہیں ہے یعنی زید شہید کے واقعہ کے عذر کو اس نے اس موقع پر بھی امام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

بہر حال اس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ ایک عذر کو فہ کے نہ چھوڑنے کی یہ بھی ہو خیال امام کو یہ گزر سکتا تھا کہ فوج میں شریک ہو جانے کے بعد اقتل او قتل (ماروں یا مارا جاؤں) دونوں کا احتمال ہے۔ گزر چکا کہ امام کی تجارتی کوٹھی میں امانت کا کھانا معمولی رقوم پر مشتمل نہ تھا بلکہ کروڑ ہا کروڑ تک اس کی تعداد پہنچی ہوئی تھی اچانک قتل ہو جانے کی صورت میں بلاشبہ اندیشہ تھا کہ لوگوں کے رقوم کا حساب غنت رپو نہ ہو جائے لیکن میرے نزدیک ایک ایسی وجہ کو فہ میں ٹہرے رہنے کی نہیں ہو سکتی ہے واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ خروج تو حضرت ابراہیم نے بصرہ ہی سے کیا تھا جس کی بڑی وجہ وہی تھی کہ عباسیوں کی طرف سے بصرہ کا اس زمانے میں سفیان بن معاویہ نامی جو گورنر تھا گوبہ ظاہر اس نے بغاوت کا اعلان اپنی حکومت کی طرف سے نہیں کیا تھا لیکن اندرونی طور پر وہ ابراہیم سے ملا ہوا تھا جب دارالامارہ کا محاصرہ حضرت ابراہیم نے کیا تو تھوڑی دیر کے لئے وہ محصور ہو گیا اور آخر آمان طلب کر کے دارالامارہ کو اور بصرہ کے خزانے پر حضرت ابراہیم کے حوالہ کر دیا پھر یہ تو طویل قصہ ہے کہنا یہ ہے کہ خروج کے لئے گو بصرہ ہی کا انتخاب مختلف اسباب و وجوہ کی بنیاد پر کیا گیا تھا لیکن جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فہ میں حضرت ابراہیم کے سرداروں کا جو گروہ تھا اس کی رائے ہی تھی کہ مقابلہ بصرہ میں جھگڑ کر نہ کیا جائے بلکہ جتنے آدمی بصرہ میں مل سکتے ہوں انکو

و بقیہ سلسلہ گذشتہ) لیکن آپ دیکھ رہے ہیں مجھ سے یہ تدبیر تقدیر کے سامنے اٹھی تدبیر بن گئی سچ ہے کہ چلتی کا نام ناؤ طارق کامیاب ہو گیا تو ساری کامیابی اس کی تدبیر کی طرف منسوب ہونے لگی ۱۲

سہ طبری میں ہے کہ ابراہیم کی شہادت کے بعد سفیان بن معاویہ کو اپنی فکر ہی ہوئی منصور پر اس کے حالات پوشیدہ نہ تھے جو ہی حضرت ابراہیم کے قتل کی خبر اس کو ملی بصرہ سے ایک کشتی پر سوار ہو کر اس نے راہ فرار اختیار کی کشتی اس کی فرات میں جاری تھی اور منصور اس وقت اس قعر میں ٹھہرا ہوا تھا جو فرات کی ساحل پر تھا اتفاقاً دریا کی طرف دیکھ رہا تھا کہ سامنے سے سفیان کی کشتی گزرتی ہوئی معلوم ہوئی اس نے فوراً پہچان لیا اور معاصیوں سے کہنے لگا کہ دیکھو کیا یہ سفیان ہے لوگوں نے کہا کہ جی ہاں اب وہی ہے تب قعر میں گالیا دیتے ہوئے اس نے کہا کہ دیکھو میں اب الفاعلہ کو کس طرح مجھ سے نکل بھاگنا چاہتا ہے ۱۲

ساتھ کر ابراہیم کو ذریعہ باہر سے حملہ کریں اور ہم لوگ شہر کے اندر برہمی پھیلا دیں کو ذریعہ کا جو وفد  
بصرہ ابراہیم کے پاس پہنچا تھا اس نے ان سے یہی کہا تھا کہ  
اذا سمع المنصورا للبيعة بارحباء  
الکوفہ لم يرد وجهه دون  
حلوان صلا کامل

پس پہلی وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ جب اسی مشورے کے تحت ابراہیم کو ذریعہ خود آ رہے تھے تو انام کو  
بصرہ جانے کی ضرورت ہی کیا تھی علاوہ اس کے خود اسی کو ذریعہ کو ذریعہ چلنے کی استدعا کرتے ہوئے  
حضرت ابراہیم سے جو یہ کہا تھا کہ

و کو ذریعہ میں لوگ تیار بیٹھے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ آپ کو جس وقت دیکھیں گے

ایک ایک کر کے آپ پر اپنی جان قربان کر دے گا لیکن اگر آپ ان کے سامنے نہ گئے

تو تعدد اسباب شتی (یعنی مختلف اسباب ایسے ہیں جو ان کو بھادیں صلا کامل)

اس سے کو ذریعہ والوں کی ذہنیت اور عام حالت کا اندازہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی جماعت  
کو قابو میں رکھنے کے لئے کس قدر ضرورت تھی کہ ذمہ دار لوگ ان کے ساتھ ساتھ رہیں اور میں تو سمجھتا  
ہوں کہ دوسری وجہ کو ذریعہ نہ چھوڑنے کی یہ بھی ہو سکتی ہے۔ ماسوا اس کے ان ہی مورخین نے یہ بھی  
تو لکھا ہے کہ منصور نے بوکھلاہٹ اور اضطراب کی حالت میں جہاں اور تدبیریں اختیار کی تھیں  
ان میں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ کو ذریعہ سے جانے کے لئے بصرہ تک جتنے راستے تھے ہر راستہ پر اس نے  
تھوڑی تھوڑی دور پر پہرہ مقرر کر دیا تھا حکم تھا کہ کو ذریعہ سے بصرہ جاتے ہوئے جن لوگوں کو دیکھا جائے  
قتل کر دیا جائے اس سلسلہ میں کتنے آدمی قتل بھی ہوئے جن کی تفصیل طبری وغیرہ میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام بصرہ جا کر حضرت ابراہیم کے ساتھ جو شریک نہیں ہوئے تو علاوہ  
اس وجہ کے جس کا ذکر الخطیب کی روایت میں ہے اور وجوہ بھی ہو سکتے ہیں خصوصاً زیادہ تر وجوہ ہی  
معلوم ہوتی ہے اور کو ذریعہ کے باشندوں کے متعلق جو تجربات ہوتے رہے ہیں ان سے اس کی تائید  
ہی ہوتی ہے ضرورت تھی ان پر کڑی نگرانی رکھنے کی اور میں نے پہلے ہی کہیں جو یہ نقل کیا ہے کہ  
کو ذریعہ کے اندر ایک لاکھ تلواریں میانوں سے نکلنے کے لئے تیار تھیں یہی لوگ تھے جن کو چھوڑ کر امام  
کو چاہیے تھا کہ باہر نہ جائیں کو ذریعہ نہیں کہ خارجی اور اندرونی حملے کی جو اسکیم بنائی گئی تھی اگر تقدیر  
اس کی راہ میں حائل نہ ہو جاتی تو حلوان کیا میں تو سمجھتا ہوں کہ ابو جعفر منصور عالم برزخ سے پہلے شاید  
دوسری طرف رخ پھیرنے کی ہی کنجائش نہ پاتا لیکن کل (۴۸) میل کو ذریعہ پہنچنے کے لئے باقی رہ گئے تھے  
کہ باختر کے میدان میں قدرت نے عباسیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا

لے لکھا ہے کہ عید الفطر کو تین دن باقی تھے نفس زکیہ کی شہادت کی خبر بصرہ پہنچی اسی وقت سے ابراہیم بدل (بقیہ صفحہ آئندہ)



سچ پوچھیے تو دوسرا سوال جو قدرتی طور پر یہاں پیدا ہوتا ہے اس کے جواب کو بھی ہم ان ہی واقعات کی روشنی میں پاسکتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کی ہم میں امام ابو حنیفہ کی سرگرمیوں کا ان کے حمایت میں اگر واقعی وہی حال تھا جو بیان کیا گیا تو پھر اس کی کیا وجہ تھی کہ ابو جعفر منصور کی طرف سے مخالفین حکومت کی وارو گیریں جیسا تھی کھلبلی مچی ہوئی تھی پھر اسی کو نہ میں بیٹھے ہوئے امام جب سب کچھ کر رہے تھے تو حکومت کی گرفت اور زور سے وہ کہتے بچے ہوئے تھے حالت تو یہ تھی کہ عتہ یعنی عشا کے بعد کوئی کی گلیوں اور بازاروں میں جو کوئی چلتا پھرتا آدمی حکومت کے پیرداروں کو مل جاتا خواہ وہ کوئی ہی ہوتا طبری میں ہے کہ

اس کو فوراً پکڑ لیتے اور کھل میں پھینک کر اس جگہ پہنچا دئے جاتے جہاں رات بھر ان کو رہنا پڑتا جب صبح ہوتی تو پوچھ گچھ کے بعد یا چھوڑ دیا جاتا یا جیل بھیج دیا جاتا تھا ص ۹ طبری

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ شہر میں ابو جعفر منصور کے جاسوس چھوٹے ہوئے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد منصور کو شہر کے مختلف لوگوں کے متعلق خبریں پہنچاتے رہتے خلیفہ کے ایک معتبر آدمی کے حوالہ سے طبری میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ

جس شخص کے متعلق ابو جعفر کو یہ خبر ملتی کہ ابراہیم بن عبداللہ کی طرف کسی قسم کا رجحان اس میں پایا جاتا ہے تو خطبہ کا ایک غلام جس کا نام سلم تھا اس کو بلا کر ابو جعفر حکم دیتا کہ اس کی خبر لی جائے

اس خبر لینے کا مطلب کیا ہوتا تھا اسی سلم کے بیٹے عباس کی زبانی اس کی تفصیل طبری نے درج کی ہے کہ :-

میر والد سلم خلیفہ سے حکم پانے کے بعد دن کے گزرنے کا انتظار کرتے جب آفتاب غروب ہو جاتا اور رات کا کافی حصہ گزر جاتا ہر طرف سناٹا چھا جاتا تب سیر میں گھر میر والد اس مشتبہ آدمی کے گھر پر پہنچتے اور اسی سیر میں چڑھ کر اس کے گھر میں اترتے اور گھر سے باہر نکال کر اس کو قتل کر دیتے اور

(یہی سلسلہ گذشتہ نظر آتے تھے نماز عید کی حضرت سے خود پڑھائی تھی منبر پر خطبہ کیلئے جب چڑھے تو اس ناگہانی مصیبت کا حال بیان کرتے ہوئے چند اشعار بھی پڑھے بھائی کو خطاب کر کے گویا کہہ رہے تھے کہ اگر معلوم ہوتا کہ یہ انجام ہونے والا ہے تو ہم بھائی تم سے جدا نہ ہوتے اور قتل ہونے کیلئے دشمنوں کے پیروں کو دیتے پھر جیتے تو دونوں بھائی ساتھ جیتے اور مرے تو دونوں بھائی ساتھ مرے سننے والوں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اب زندگی سے پرہیز کر چکے ہیں اور مر جانے کا صرف حیلہ تلاش کر رہے ہیں ۱۲

(اور حلیفہ کو دکھانے کے لئے) مقتول کی انگوٹھی اتار لیتے تھے

یقیناً یہ سوال ہوتا ہے کہ جب کوفہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو امام جن کی طرف سے  
جہاں شدید کی شکل میں ابراہیم کی تائید و حمایت کا سلسلہ جاری تھا تو ان کو اسی زمانے میں حکومت  
نے کیوں گرفتار نہیں کر لیا؟

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ وہی تھی کہ امام ابو حنیفہ کی حیثیت شہر کے عام باشندوں  
کی نہ تھی علم و فضل تقویٰ و طہارت اور دوسری خصوصیتوں نے جیسا کہ گذر چکا ہے صرف کوفہ کا  
بلکہ ساری عراق بلکہ سارے مشرق کا انکو امام اور پیشوا بنا دیا تھا سفیان بن عیینہ کے حوالے سے جو یہ فقرہ  
نقل کیا جاتا ہے یعنی وہ کہا کرتے تھے

”دو چیزیں ایسی تھیں جن کے متعلق میرا خیال تھا کہ کوفہ کے پل کے پار ہی نہ پہنچ سکیں گی  
لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا کہ دنیا پر وہ چھا گئیں“

کہتے کہ

”ابو حنیفہ کے اجماع و امر اور حمزہ کی قرأت کی طرف میرا اشارہ ہے“

سفیان کا یہ بیان شاعری نہیں بلکہ واقعہ تھا میں نے شاید پہلے ہی کہیں ذکر کیا ہے آئندہ ہی  
تفصیلاً اس کا تذکرہ آگے آگے کریں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ابو جعفر منصور نے جو کچھ کیا تو منصور چچا  
جن کا نام عبد الصمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تھا وہ گھبرا کر ہوئے بیوی بچے اور منصور سے کہہ رہے تھے  
تم نے آج یہ کیا کیا اپنے اوپر تم نے ایک لاکھ تلواریں خود اپنے ہاتھوں  
کھینچیں یہ (امام ابو حنیفہ) اہل عراق کا فقیہ اہل مشرق کا فقیہ تھے ۱۸۲

واقعہ یہ ہے کہ ابو جعفر منصور اضطراب و سرسیمیگی کے جس حال میں اس وقت مبتلا  
تھا بھڑکے چھتے میں ہاتھ دے دیتا اگر ایک ایسے نازک وقت میں امام ابو حنیفہ پر ہاتھ ڈالتا اس وقت  
تک تو صرف ابراہیم ہی کی بلا سامنے تھی اور کہیں یہ حماقت اس سے سرزد ہو جاتی تو بجائے یک شد کہ  
دو شد کی مصیبت میں گھر جاتا جس کا اندازہ خود ابو جعفر سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا حالت  
تو یہ تھی کہ ہر لمحہ اس کو خطرہ تھا کہ کوفہ و اس پر ٹوٹ پڑیں گے طبری میں ہے کہ سفیان بن زہر  
جو ابو جعفر منصور کے خاص امرا میں تھے ان کا بیان تھا کہ ان ہی دنوں میں جب ابراہیم کے خروج  
کی وجہ سے ہم لوگ پریشان تھے اچانک میرا ایک کوئی دوست آیا اور اس نے اضطراب کے لہجہ میں  
مجھ سے کہنا شروع کیا کہ

”سفیان! ہو سکے تو تم اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے کسی محفوظ ٹھکانے کا

لہ اسی سلسلہ میں لطیفہ یہ نقل کیا ہے کہ بعد کو لوگ سلم کے اسی بیٹے عباس کو کہتے کہ تیرا باپ اگر اس زمانے کے مقتولوں کی  
انگوٹھیوں کے علاوہ ترکہ میں اور کچھ نہ ہی چھوڑتا جب ہی تو ایک فارغ البال وارث اپنے باپ کا بن سکتا تھا ۱۲



نظم کر لو کیونکہ کوذہ واسے تمہارے صاحب (ابو جعفر) پر ایک بارگی ٹوٹ پڑنے کیلئے  
تیار ہو چکے ہیں مصلحتاً

سلیمان کہتے ہیں کہ اس خبر کے سننے کے ساتھ ہی بلہاگا ہوا خلیفہ کے پاس پہنچا اور جو خبر ملی تھی اس  
سے مطلع کیا لکھا ہے کہ ابو جعفر نے سننے کے ساتھ فوراً اپنا آدمی ابن مقرن کے پاس دوڑا یا یہ ابن مقرن  
کوذہ کا مشہور صراف تھا اور پبلک سے بہ ظاہر ملا ہوا تھا لیکن اندرونی طور پر ابو جعفر کی جاسوسی کام کرتا  
تھا ابن مقرن بلا یا گیا سخت پریشانی کے لہجہ میں ابو جعفر نے اس سے کہنا شروع کیا  
وہیک قد تھرك اهل الكوفه خرابی ہو تیرے لئے کوذہ واسے تو چل پڑے  
سلیمان کہتے ہیں کہ اس پر ابن مقرن نے منصور کو اطمینان دلایا کہ اب اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑے  
کوئی صورت حال اگر پیش آئے گی تو میں اس کی پوری نگرانی کر رہا ہوں ابن مقرن کے بیان سے منصور نے  
اطمینان کی سانس لی

الغرض یہ اور اس قسم کے ہمسیوں واقعات سے باسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اچانک ایک ایسی شورش  
اور ہنگامے کی حالت میں امام ابو حنیفہ پر ابو جعفر نے اگر ہاتھ نہیں ڈالا تو یہی مصلحت کا یہی اقتضاء تھا لیکن  
صرف وقتی بات تھی جیسا کہ معلوم ہو گا امام کے ساتھ منصور نے آئندہ جو کچھ کیا اس میں بہت بڑا دخل ان کے  
اسی طرز عمل کو تھا جو حضرت ابراہیم کے خروج کے زمانے میں انہوں نے اختیار کیا تھا اس وقت منصور صرف  
وقت ٹانے کے لئے دم ساہتے رہا بلکہ شمس الائمہ زر نجری (زرنگری) کے حوالے سے کروری نے ایک  
روایت جو نقل کی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ منصور نے جو کچھ کیا اس کی تیاریوں میں وہ اسی  
زمانے سے مشغول تھا میرا اشارہ کروری کی اس روایت کی طرف ہے جس میں ہے کہ  
جب ابراہیم بن عبد اللہ نے بصرے میں خروج کیا اور منصور تک لوگوں نے یہ خبر پہنچائی  
کہ اعمش اور ابو حنیفہ کوذہ کے ان دونوں عالموں نے ابراہیم کے نام خطوط لکھے ہیں تب

یہ اعمش امام ابو حنیفہ کے معاصرین میں تھے اصلی نام سلیمان بن ہران تھا آنحضرت میں حرج تھا ایسے اعمش کے نام سے چونکہ  
مشہور ہوئے قزاق اور حدیث کے امام ہیں امام ابو حنیفہ اور ان میں جو تعلقات تھے لوگوں نے ان کو ان کو بڑی دوسریوں  
سے ذکر کیا ہے مزاج میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ ظرافت تھی طالب علموں کو ایک دن کھانا ملا کر کھلانے لگے طلباء میں بعض شہوت مزاج  
تھے انہوں نے کہا کہ جنسالات جاسیں کھاتے چلا جانا چاہیے دیکھیں کب تک کھاتے ہیں آخر جو کچھ گھر میں تھا تب لا کر رکھ دیا اور آخر میں  
پھولے اسے شہریروں نے میرا اور میری بیوی تک کا کھانا سب کھالیا طلبہ بھاگے اور چند منٹے در کے مار سنا رہے تھے  
ان ہی بیوی صاحبہ کے ساتھ ان کا قصہ یہ پیش آیا کہ اعمش اور ان کی بیوی میں جھگڑا ہوا یہ کہہ پوچھتے تھے کہ میں نے  
بیوی نے خاموشی اختیار کر لی لاکھ جھنجھوڑا مگر وہ کم چپ رہیں تب ان کو یہی غصہ آگیا اور بول بیٹھے کہ اگر صبح ہونے سے پہلے  
تم نے نہ بولیں تو تم کو طلاق ہے کہتے ہیں کہ ان کی بیوی پر اتنا غصہ چڑھا ہوا تھا کہ طلاق لینے پر آمادہ ہو گئیں اب تو اعمش  
کو بہت پریشانی ہوئی سیدھے امام ابو حنیفہ کے دروازے پر پہنچ کر گنڈی کھٹکھٹائی حاد امام کے صاحبزادے اور بھتیجے نے آئندہ



منصور نے یہ سن کر ابراہیم کی طرف سے ایک جعلی خطِ عمش کے نام اور ایک خطِ امام ابوحنیفہ کے نام لکھوا کر بھیجے دو نوں خطوط قبول کرنے کے اسی کو منصور نے امام ابوحنیفہ پر الزام لگا

کا ذریعہ نبالیا ص ۲ ج ۲ کوری

میرا خیال ہے کہ آئندہ جو کارروائی منصور امام ابوحنیفہ کے معاملہ میں کرنا چاہتا تھا اسی کی یہ تمہید تھی گویا اس ذریعہ سے اس نے مقدمہ قائم کرنے کی ایک شہادت بہم پہنچانی یعنی اگر امام ابراہیم کی تائید و حمایت کا انکار کریں گے تو اس وقت دکھانے کے لئے یہ ثبوت پیش کیا جائے گا بہر حال اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ منصور نے کوئی ایسی جعلی کارروائی امام کے ساتھ کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی سے ان باتوں کے لئے وہ زمین تیار کر رہا تھا جن کا ظہور بعد کو ہوا بلکہ نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ کے خروج کے موقعہ پر حسن بن محطبه نے جس طرز عمل کو اختیار کیا تھا تو اسی موقعہ پر یہی جیسا کہ گذر چکا اپنے خفیہ نمائندوں کو منصور نے تحقیقات کا حکم دیا تھا کہ اس شخص کو کون بگاڑ رہا ہے اس کا پتہ چلایا جائے بعض روایتوں میں ہے کہ منصور نے خفیہ کے ان آدمیوں کو یہ بھی کہا تھا کہ "اس کی نگرانی کرتے رہو کہ ان قرار دینی علماء میں سے کسی کی آمد و رفت حسن کے پاس زیادہ ہے یا حسن ان میں سے کس کے پاس زیادہ آمد و رفت رکھتا ہے"

میں نے لکھا تھا کہ اس وقت ہی خفیہ والوں کی رپورٹ خلیفہ کے پاس بھی پہنچی تھی کہ

انہ یدخل علی ابی ابوحنیفہ ص ۱۸۲ ابوحنیفہ کے پاس آتا جاتا رہتا ہے

میرے خیال میں یہ ساری کاروائیاں منصور اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لئے کر رہا تھا جسے امام کے متعلق ابراہیم کے خروج کے زمانہ میں طے کر چکا تھا مگر کسی عامی آدمی کا نہ تھا امام اہل العراق امام اہل الشرق کا معاملہ تھا اور اسی لئے کافی شہادتیں بھی وہ ہمیا کر رہا تھا تاکہ آئندہ پبلک کو مطمئن کرنے کے لئے امام

دقیقہ سلسلہ گذشتہ) باہر نکل کر آئے دیکھا عمش ہی بلا کر لے گئے بیانی اس اندر میری رات میں کہاں آئے امام ابوحنیفہ نے کہا بولے کہ بیوی میرے ہاتھ سے گئی بال بچوں کی فکر ہے کون پائے گا امام صاحب کے کہا پھر ساتھ اس مسجد میں پہنچے جو عمش کے محلہ میں تھی موزن کو اٹھایا اور کہا کہ بھائی ایک ضرورت ہے آج تو ذرا طلوع صبح سے پہلے ایک اذان دے دے بے چارہ تیار ہو گیا عمش سے امام نے کہا کہ اب گھر جاؤ گھر ادھر وہ پہنچے موزن نے رات رات اذان پکار دی عمش کی بیوی نے سمجھا کہ صبح ہو گئی بولیں بوا اب میں جاتی ہوں طلاق پڑ گئی عمش نے کہا کہ رات تو ابھی باقی ہے طلاق کیسے پڑی دیکھا گیا تو یہی واقعہ تھا قصہ رفع دفع ہو گیا زید شہید کے واقعہ میں ان کا ذکر گذر چکا ہے کہتے ہیں کہ تشیع کی طرف ان کا میلان تھا۔

بعض مسائل امام ابوحنیفہ نے ان کے سامنے بیان کئے تو بولے کہ کہاں سے تم ایسا کہتے ہو امام نے فرمایا تم ہی سے تو فلاں فلاں حدیثیں میں نے سنی ہیں ان ہی سے تو معلوم ہوتا ہے عمش نے کہا کہ میرا ذہن بھی ان حدیثوں سے ان مسائل کی طرف نہیں گیا تھا اسی زمانے میں غالباً ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ہم محدثین دراصل صیاد و دوا فروش ہیں اور طبیب تم لوگ ہو ۱۲



امام کے ان ہی باغیانہ خیال چلن کو پیش کر کے ثابت کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں ضابطہ اور قانون کا بھی اقتضا ہے

بہر حال دونوں بھائیوں کے خروج کا یہ قصہ ختم ہو گیا کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا سر مبارک جب منصور کے سامنے لایا گیا تو دیکھنے کے ساتھ ہی منصور بلبلا کر رو پڑا دیکھنے والے کہتے ہیں کہ منصور کے آنسو حضرت ابراہیم کے رخسارے پر گر رہے تھے منصور روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ قسم ہے خدا کی جو شکل پیش آئی میرے لئے سخت ناگوار ہے مگر کیا کیا جائے ابراہیم! تم ہمارے ساتھ مبتلا کئے گئے اور میں تمہارے ساتھ مبتلا ہوا ص ۱۱۲ کامل ص ۵

پھر دربار عام ہوا خلیفہ کے حاشیہ نشین یکے بعد دیگرے داخل ہوتے جاتے تھے اور ابراہیم کے حق میں سخت سست کہتے تھے لیکن منصور کو دیکھا جا رہا تھا کہ خاموش منہ پھیلائے بیٹھا ہے جب ایک اور خطاب جن کا نام جعفر بن غنظلہ تھا اور اگر انہوں نے خلیفہ کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا۔ اپنے حجاز اور بھائی کے ساتھ جو سلوک آپ نے کیا خدا اس کا آپ کو اجر دے اور

اور ان سے آپ کے حق میں جو زیادتی ہوئی اسے ممان فرمائیے" ص ۱۱۲

اس پر منصور کچھ منشرح ہوا یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی بد بخت نے حضرت ابراہیم کے چہرے پر تھوک پھینکا اس نے خیال کیا تھا کہ منصور اس کام سے خوش ہو گا لیکن دیکھا گیا کہ جو بدار منصور کے حکم سے اسکی ناک پر لگے مار رہے ہیں اور غصہ میں منصور کہہ رہا ہے کہ پھینک دو باہرے جا کر مرو و کو اس کی ٹانگ گھسیٹتے ہوئے آخر یہی ہوا

میں نے آخری واقعات کو قصداً اس لئے نقل کیا ہے تاکہ اس زمانے کے ان خلفاء کی روش اور سیاسی حکمت عملی کا اندازہ ہو یہ بھی ممکن ہو کہ واقعی منصور کی آنکھوں میں یہ آنسو مگر مجھ کے آنسو نہ ہوں اور اسی کا یہ فعل بقول عارف شیراز

آفریں بردل نرم تو کہ از بہر ثواب

کشتہ عجزہ خود را بہ نماز آئدہ

واقع میں یہی مستحق افرین و تحسین ہو لیکن شخصی طور پر میرے نزدیک صرف "راے عامہ" کی خوشامد اور چاہ پوسی کے یہ مظاہرہ ہوتے ہیں افراد بادشاہوں اور ان کے حکام کی خوشامد کرتے ہیں لیکن یقین کیجئے کہ خود حکومتوں اور حکمرانوں کا یہی عوام کی خوشامد اور چاہ پوسی کے بغیر کام چل نہیں سکتا

میرا مطلب یہ ہے کہ فتنہ فرو ہونے کے ساتھ ہی امام ابو حنیفہ کی دہر کپڑ کی طرف اگر منصور متوجہ نہیں ہوا تو اس میں بھی جہاں تک میرا خیال ہے محض راے عامہ کے دباؤ ہی کو دخل تھا صرف ایک وقتی بہلت تھی جو اپنے خاص حالات کی وجہ سے امام کو مل گئی تھی اور امام ہی اپنے اس اس انجام سے جو پیش آنے والا تھا ناواقف نہ تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ جہاں شدید کے تاریخی طرز عمل کو ایام ابراہیم میں انہوں نے جس وقت اختیار کیا تھا تو یہ سچ ہی کر کے اختیار کیا تھا کہ

ان تقریباً منکر الاحادیث  
الحین

یعنی دو اچھی باتوں میں سے کسی ایک بات کی  
تم سے توقع کر رہا ہوں

گویا وہی مشہور بات کہ مارا تو فازی ورنہ شہید ہونے کا ایک معتق موقر جو سامنے  
آگیا ہے وہ ہاتھ سے کہاں جاتا ہے ابراہیم صالح اور ابو حنیفہ کے مسلک میں اختلاف نتیجے میں نہیں  
تھا بلکہ نتیجے تک پہنچنے کے راستے میں تھا امام رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کی کسی باضابطہ تنظیمی صاحب  
قوت اجتماع میں شریک ہو کر چاہتے تھے کہ اس فرض کو ادا کیا جائے اور ابراہیم بے چارے کی  
قلندری مشرب میں یہہ دوزوراز کی راہ تھی انہوں نے اپنے قہے کو مرو کے ایوان حکومت میں مختصر  
کر دیا اور امام ابو حنیفہ انتظار میں رہے۔

خدا شکر خورے گو شکر پہنچا کر رہتا ہے مرنے سے ... چند سال پہلے جب ان کی عمر ساٹھ سے  
متجاوز ہو چکی تھی یعنی ایک حساب سے تو (۶۵) سال کے تھے اور اگر مورخ المسعودی کے بیان کو صحیح تسلیم  
کیا جائے تو خروج ابراہیم کے زمانے میں ماننا پڑے گا کہ (۸۶) سال کی عمر امام صاحب کی تھی  
کچھ بھی ہو سکتے ہی دن انتظار میں ان کو کاٹنے پڑے ہوں لیکن خدا نے اس سعادت میں  
شرکت کا موقع ان کے لئے بہم پہنچا دیا جس میں اگر مرنے سے پہلے شریک نہ ہو جاتے  
تو شاید ابراہیم صالح کے سامنے جو گفتگو امام نے کی تھی اس کو پیش کر کے ممکن تھا لوگ ان پر جن اوزدلی  
کا الزام قائم کرتے کوئی شبہ نہیں کہ اس دفعہ "نفس زکیہ" کے خروج کے وقت جو تیاریاں عمل میں آئی  
تھیں اور سارے ممالک محروسہ اسلامیہ میں اس تحریک کا جو حال بچھاؤ گیا تھا اور یہی دوسرے اسباب ایسے  
تھے کہ غالب قرینہ کامیابی ہی کا تھا گذر چکا کہ خود ابو جعفر منصور کو جتنا مایوس اس زمانہ میں پایا گیا  
اور کسی موقع پر یہ حال اس پر کبھی طاری نہیں ہوا لیکن پرہی "جنگ" کی آگ میں کودنے والوں کے  
سامنے اس کی دونوں شاخیں ہوتی ہیں اور جنگ کی اس دوسری خصوصیت پر امام کی نظر نہ ہوتی  
تو کس کی ہوتی یقیناً "جہاد شدید" کے مسلک پر وہ کامیابی اور ناکامی دونوں پہلوؤں اور ان کے  
سارے عواقب و نتائج کو سوچ کر شریک ہوتے تھے اسی لئے آئندہ جو واقعات پیش آئے  
اطمینان سے انہوں نے ان کو برداشت کیا اس مسئلہ میں امام کی زندگی کا یہ آخری باب ہے اور  
اب ہم اسی کو بیان کرنا چاہتے ہیں

۱۔ امام ابو حنیفہ کے سن ولادت کے متعلق عام طور پر اگرچہ یہی مشہور ہے کہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔  
لیکن المسعودی نے اپنی کتاب مروج الذهب میں وفات کے وقت ان کی عمر (۹۰) بتائی ہے دیکھو ص ۹۱ بر حاشیہ کل  
ابن اثیر تعجب یہ ہے کہ اس جلیل القدر مورخ نے اختلاف کا یہی ذکر نہیں کیا ہے اس مسئلہ کی تحقیق انشا اللہ  
اپنی کتاب "تدوین فقہ" میں کروں گا ۱۲



جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں حضرت ابراہیم کی شہادت کی خبر جوں ہی منصور کے کان میں پہنچی  
بے ساختہ اس کی زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا

فالقت عصاها واستقر به النوى  
كما قرعنا بالاياب المسافر

گویا ع۔۔ شکر کہ خمازہ بمنزل رسید کے فارسی مصرعہ کا منصور نے عربی میں ترجمہ کیا یا اس عربی  
شعر کا فارسی میں کسی نے یہ ترجمہ کر دیا ہے جس سے اس سکنت قلب اور طمانیت خاطر کا اندازہ ہوتا ہے  
جس سے منصور کا دل معمور و لبریز تھا اب فضا صاف تھی حسینی سادات کی جدوجہد کا خاتمہ زید بن علی کو  
کوششوں پر ہوا تھا حسینی سادات باقی تھے آخری خطرہ ان ہی کا تھا خروج کے واقعہ سے پہلے چن چن کر  
ان میں سے اکثر کو قتل کر چکا تھا جو زندہ تھے عموماً جس دوام کی سزا میں مبتلا تھے باقی یہی دو بھائی رہ  
گئے تھے ان کو بھی ختم کر کے پورے اطمینان کے ساتھ سانس لینے کا اس کو موقوفاً قدرتاً ایسی صورت  
میں جو خیال سے پہلے اس کے سامنے وہ بغداد کی تعمیر کا قصہ تھا ابن خلدون نے لکھا ہے کہ  
جب ابو جعفر محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی جنگ سے فارغ ہوا تو  
قصر ابن ہبیرہ جس کو دوران جنگ میں اپنی قیام گاہ اس نے بنائی تھی وہاں سے نکلا اور  
پھر بغداد پہنچا اور اس کی تعمیر کے سلسلے کو اس نے جاری کر دیا ص ۱۹۷ ج ۳ ابن خلدون

بھاگے ہوئے راج مزور پر اپنی اپنی جگہوں سے سمیٹے گئے اور وجہ کے کنارے جسے پہلے  
شاہی کیمپ قائم تھا پھر اپنی اسی تزک و اہتمام کے ساتھ قائم ہو گیا۔ مشورے کے لئے جو لوگ پہلے کیمپ  
میں تھے سب بلائے گئے لیکن نئی بات صرف ایک نظر آتی ہے کہ اہل علم و فہم میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں  
امام ابو حنیفہ ہی تھے بلکہ مختلف وجوہ سے امام صاحب کی ذمت نمایاں تھی مگر تعمیر بغداد کا یہ نیا سلسلہ  
جب سلسلہ شروع ہوا تو امام ابو حنیفہ نہیں بلائے گئے اور کوفہ کے ایک دوسرے عالم جن کا نام حجاج بن  
ارطاة تھا گو پہلی دفعہ ہی امام صاحب کے ساتھ وہ بلائے گئے تھے لیکن اس دفعہ بغداد کے شاہی کیمپ  
میں وہی آگے آگے نظر آتے ہیں ظاہر ہے کہ خلیفہ کے طرز عمل کی اس تبدیلی کی وجہ اس کے سوا اور کیا  
ہو سکتی ہے کہ امام صاحب نے علانیہ حکومت کے مخالفوں کا ساتھ دیا تھا الخطیب نے حجاج بن ارطاة کا ایک

۱۔ تبا چکا ہوں کہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے خروج سے پہلے ہی ابو جعفر منصور کو حسینی سادات کی ان تیاریوں کی خبر مل چکی تھی  
تاریخوں میں ان واقعات کی تفصیل پڑھیے کن بے وردیوں کے ساتھ حسینی سادات مدینہ منورہ پانچویں کھلی چھڑے والے اونٹوں پر  
باندھ کر زندہ لائے گئے اور ان بے چاروں کو گالیاں دے دے کر منصور جس طرح کوزوں سے پھونکا تھا کہ بعضوں کی  
اسی میں آنکھ نہ گئی لیکن اسے رحم نہ آیا پھر ان سارے حسینی سادات کو جن میں نفس زکیہ کے والد عبداللہ بن حسن بھی تھے قصر  
ابن ہبیرہ کے تہ خانے میں قید کیا گیا اور کسی کے ساتھ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد لوگ مرتے چلے گئے ہیں حقیقت یہ ہیکے نے کو  
یوں تو عباسیوں کو حکومت ضروری لیکن بڑی بہاری میت اس کی ان کو ادا کرنی پڑی مگر تفسیر اس دنیا پر اور اس کی دوروزہ لذتوں پر لاجول لاقوہ ان

قول امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ نقل کیا ہے یعنی حجاج کہا کرتے تھے کہ  
 ان اباحنیفۃ لا یعقل للہ عقلہ ص ۲۳۲ ج ۸ ابو حنیفہ نے عقل سے کام نہیں لیا خدا ہی ان کو عقل دے  
 یقیناً یہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے حجاج گویا اپنی تعریف کرتے تھے کہ اثنیاسے استقبال  
 کا صحیح اندازہ کر کے انہوں نے قدم اٹھایا کہ آج خلیفہ کے دربار میں ان کی آؤ بھگت ہو رہی ہے حتیٰ کہ  
 آخر میں تو ابو جعفر کے خاص مصاحبوں میں شمار ہونے لگے تھے طبقات میں ہے کہ

کان فی صحابۃ ابی جعفر ص ۲۵ ج ۶ حجاج ابو جعفر و انہی کے مصاحبوں میں تھے  
 اسی کا نتیجہ تھا کہ بغداد کی جامع مسجد کا نقشہ بھی حجاج ہی سے بنوایا گیا تھا اور سمت قبلہ کی تین  
 میں ہی حجاج ہی کی رائے پر اعتماد کیا گیا الغرض امام کے مقابلہ میں حجاج کا مرتبہ روز بروز ابو جعفر بڑھاتا چلا جاتا  
 تھا پہلے ان کو بصرہ کا قاضی بنایا گیا پھر کے بعد کوفہ کی قضاوت ملی اور آخر میں تو اپنے ولی عہد ہمدانی  
 کے ساتھ منصور نے ان کو خراسان ہی بھیج دیا جہاں سے بڑی دولت لے کر لائے۔

اور امام صاحب یہ دیکھ رہے تھے کہ کوفہ سے جانے کے بعد ابو جعفر منصور کی طرف سے ان  
 لوگوں سے انتقام لیا جا رہا ہے جن کی شرکت خروج کے اس واقعہ میں کسی نہ کسی حیثیت سے ثابت ہوئی  
 تھی بصرہ کے جتنے سربراہ اور وہ افراد جنہوں نے ابراہیم کی حمایت کی تھی ان کے متعلق سلم بن قتیبہ بصرہ  
 کے گورنر کو حکم دیا گیا کہ ہر ایک کا مکان ڈھا دیا جائے اور ان کے نخلستان کاٹ دئے جائیں۔

۱۰۰ جمیعا کہ حجاج کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کوفہ کے ممتاز علماء میں ان کا شمار تھا خطیب نے لکھا ہے کہ کان مفتی الکوفہ  
 یعنی کوفہ کے مفتی تھے مگر ابتداء میں بے چارے بہت تنگ حال تھے خطیب ہی کی روایت ہے کہ ایک چوکری (شرعی لوندی)  
 ان کے پاس تھی وہی کات کات کر جو سوت ان کو دیتی تھی بیچ کر اس سے گذراوقات کرتے تھے لیکن امام ابو حنیفہ کے مقابلہ  
 میں ایک زرین موقوف ان کو حکومت میں روخ حال کرنے کا مل گیا افسوس ہے کہ علم و دین کے اقتضاوں کی انہوں نے پروا نہ کی  
 کسی حقی مورخ کا نہیں بلکہ خطیب کا بیان ہے کہ بصرہ میں رہتے ہی جہاں قاضی نے رشوت لی وہ آپ ہی کی ذات ستودہ  
 صفات تھی یہ بھی لکھا ہے کہ اسی کوفہ میں ایک حال تو یہ تھا کہ لوندی کے موت پر گدازا تھا جب خراسان سے کوفہ واپس ہوا تو  
 ستر بہتر غلام آگے پیچھے تھے دولت کی مستی اتنی سوار ہوئی کہ جماعت اور جمعہ کی شرکت اسیلے اپنے ترک کردی کہ عوام کے مجمع  
 میں جانا پڑتا ہے دلچسپ طیفہ پیش آیا کہ بغداد کی جامع مسجد کے قبلہ کی سمت امام ابو حنیفہ کی جگہ اپنے درست فرمائی تھی لیکن مسجد  
 بن کر جب تیار ہوئی تو طبری نے لکھا ہے ان قبلتھا علی غیر صواب وان المصلی فیہ یحتاج الی ان ینصرف الی باب البصرہ قلیلا  
 (بغداد کی جامع مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے نمازی کو ضرورت ہوتی ہے کہ باب البصرہ کی طرف جھکے) ص ۲۶

کہتے ہیں کہ آخر میں خود کہا کرتے تھے کہ جب جاہ نے مجھے مار ڈالا اب گویا ان پر کہلا تھا کہ بے وقوف امام ابو حنیفہ  
 تھے یا حجاج مشہور جملہ کہ ”صدر ہر جاگوشیند صدر است“ خطیب نے لکھا ہے کہ شروع شروع میں آپ ہی کی زبان سے یہ فقرہ نکلا۔  
 ۱۰۱ اس فرمان کے متعلق ایک لطیفہ بھی پیش آیا سلم بن قتیبہ کے نام جب ابو جعفر منصور کا یہ فرمان آیا تو اس نے خلیفہ سے  
 لکھ کر دریافت کیا کہ ابتدا کس سے کروں مکانوں سے یا نخلستانوں سے ابو جعفر آگ بگولا ہو گیا اس نے خیال کیا کہ (باقی صفحہ آئندہ)



حالت یہ تھی کہ ان ہی حسنی سادات کے ایک فرد جو نفس زکیہ کے صاحبزادے تھے عبداللہ الاشتر کے نام سے مشہور تھے یہ بے چارے سندھ میں ایک ہندو راجہ کی پناہ میں زندگی گزار رہے تھے ان تکا اس نے پچھا کیا حتیٰ کہ اس بے چارے ہندو راجہ پر فوج کشی تک کا اس نے حکم دے دیا تھا اگر رضامندی سے عبداللہ الاشتر کو حوالہ کرنے پر راجہ تیار نہ ہو اگرچہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی کہ عبداللہ بخیر لڑائی ہی کے منصور کے آدمیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے لیکن اس سے اس شخص کی شترکینگی کا اندازہ ہوتا ہے آج تو سینکڑوں سال ان واقعات پر گزر چکے ہیں لیکن اندازہ کیجئے امام ابوحنیفہ کا کیا حال ہو گا جن کے ساتھ یہ واقعات گزر رہے تھے

اور یہ تو خیر براہ راست سیاسی لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ تھا اسی زمانے میں جب کوفہ سے لوٹ کر بغداد کی تعمیر میں نئے سرے سے مشغول ہوا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دارالہجرت کے امام حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انتقامی کارروائی ہو رہی ہے مطلب یہ ہے کہ محمد نفس زکیہ کے خروج کے قصے میں ذکر کیا گیا تھا کہ لوگوں نے طلاق والی بیعت کا عذر جب پیش کیا تھا تو امام مالک نے یہ فتویٰ دے کر کہ یہ بیعت جبراً زبردستی کی گئی ہے اسلئے طلاق نہیں پڑے گی اپنے فتویٰ دیا تھا کہ چیری

دقیقہ سلسلہ گذشتہ) سلم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے اور فوراً معزولی کا فرمان بھیجا گیا بے چارے معزول ہو گیا منصور نے لکھا تھا کہ برنی اور عجمہ کھجوروں کے درختوں کے کاٹنے کا حکم بھیجوں تو جہ سے تو یہ پوچھے گا کہ کسے پیلے کاٹوں؟ لہٰذا یہ ایک بڑا طویل فقہ ہے طبری کامل وغیرہ میں تفصیل پڑھیں حال یہ ہے کہ حسنی سادات کے مختلف ناموں جیسے مختلف علاقوں میں کام کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے محمد نفس زکیہ نے اپنے ان ہی صاحبزادے عبداللہ الاشتر کو سندھ کے گورنر کے پاس بھیجا تھا جس کا نام عمر بن حفص تھا اور عام طور پر ہزار مرزوں کے نام سے مشہور تھا شاید ایک آدمی ہزار آدمیوں کے برابر بہادری میں سمجھا جاتا ہو گھوڑے بیچنے والوں کے بھیس میں عبداللہ الاشتر سندھ پہنچے ہزار مرزوں سے ملے، سارا فقہ کہ سنایا کہ میرے والد اور چچا ابراہیم مقابلہ پر عباسیوں کے نکل آئے ہیں۔ گورنر نے ان کا ساتھ دیا لیکن تھوڑے دن بند بصرے سے ابراہیم کی شکست کی خبر آئی اور یہ کہ مدینہ کی ہم ہی ناکام ہو گئی تب تو عبداللہ الاشتر کو بڑی پریشانی ہوئی لیکن ہزار مرد نے کہا کہ گھبراہٹ نہیں ایک ہندو راجہ قریب ہی میں رہتا ہے اگرچہ وہ اپنے مذہب پر قائم ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے صدا احترام کرتا ہے اسی کے پاس آپ کو بھیج دیتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ کو بڑی عزت و توقیر کے ساتھ رکھے گا یہی کیا گیا واقعی اس ہندو راجہ نے یہ سن کر کہ پیغمبر اسلام کے خاندان کے آدمی میرے گھر آئے ہیں بہت خوش ہوا اور بالکل شاہزادوں کی طرح حضرت عبداللہ کے قیام کا نظم کر دیا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اس کی خبر ابو جعفر کو ملی سندھ کے گورنر پر تقاضا کر کے آخر اس نے ان کو شہید ہی کر دیا راجہ کو اس کا علم بعد کو ہوا حضرت عبداللہ دریاے اٹک کے کنارے شکار کے لئے تشریف لے گئے تھے وہیں عباسیوں کی ایک فوج سے مل بھر ہوئی اور شہید ہو گئے ایک بچہ اس عرصے میں ان کا سندھ سے بھاگ لایا گیا جو بعد کو مدینہ منورہ بھیج دیا گیا جس سے نسل علی الاشتر کا یہ لفظ عربی ہے اکر کے وزن پر ہے اشتر باشتر جس کے معنی اونٹ کم ہیں یہ فارسی لفظ ہے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

طلاق نہیں پڑی اب واٹھ اعلم خود ابو جعفر کا براہ راست فرمان مدینہ پہنچا تھا یا جعفر بن سلیمان عباسی جو اس زمانے میں مدینہ کا والی تھا اس کو اندرونی اشارہ تھا یا خود اس نے اپنی جی سے یہ فیصلہ کیا بہر حال ہوا یہی کہ اسی جعفر بن سلیمان عباسی نے امام مالک پر یہ الزام لگا کر کہ عباسی حکومت کی بیعت کے متعلق تم نے کالعدم ہونے کا چونکہ فتویٰ دیا ہے جو صریح بناوت ہے کوڑے سے پیٹا ہی اور بیان کیا جاتا ہے کہ مونڈے سے حضرت والا کے ہاتھ اتروائے گئے جس کی وجہ سے آخر عمر تک ہاتھ پوری طرح اٹھا سکتے تھے اور نہ بدن پر چادر اپنے دست مبارک سے درست کر سکتے تھے کوڑوں کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ تیس کوڑے امام کو لگائے گئے بعضوں نے زیادہ تعداد بتائی ہے یہاں تک کہ بعض روایتوں میں ہے کہ سو کوڑے لگائے گئے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مار کی شدت جب حضرت کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو بیہوش ہو گئے لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے کہا جاتا ہے کہ امام کو جب بیہوش آیا تو سب سے پہلا فقرہ زبان مبارک پر یہ جاری تھا۔

”لوگو! گواہ رہو کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کر دیا“

دراوردی کا بیان ہے کہ امام کے ساتھ جب یہ حادثہ پیش آیا تو میں وہیں موجود تھا میں نے دیکھا کہ امام پر جب تازیانے کی مار پڑتی تو معاً آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی

اللہم غفر لہم فانہم لا یعلمون  
پروردگار! ان لوگوں کو معاف فرما دیجئے کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں

حقیقت یہ ہے کہ امام دارالہجرت جس کروڑ اور سیرت کی بلندی کا ثبوت اس واقعہ کے سلسلے میں پیش کیا ہے بحال خود ایک مستقل مسئلہ ہے اور میرا خیال ہے کہ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی کے مختلف اجزاء کو سمیٹ کر اس کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ضرورت ہے کہ امام مالک کے سیاسی خدمات کی اہمیت ہی لوگوں پر ظاہر کی جائے ممکن ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ اس خدمت کے ساتھ موفق ہو ان تفصیلات کو اسی کے حوالہ کرتا ہوں کوئی شبہ نہیں کہ امت اسلامیہ کے ہی اکابر میں جنہیں بکثرت پیشانی بنی اسرائیل اور دوسری امتوں کے انبیاء و رسل کے سامنے مسلمان چاہیں تو پیش کر سکتے ہیں ان بزرگوں کو مسلمانوں میں امامت کا مرتبہ آسانی سے محض تاریخی اتفاقات کی بنیاد پر نہیں مل گیا ہے بلکہ ان کے مخلصانہ خدمات کا یہ وہ صلہ ہے جو انہیں دنیا میں عطا کیا گیا ہے اور آخرت میں جو کچھ دیا جائے گا اس کا تو آج اندازہ ہی مشکل ہے میرا خود جی چاہتا تھا کہ جب امام مالک کی اس قربانی کا ذکر چرچا ہی کیا ہے تو توڑ بہت حالات حضرت کے بھی اسی ذیل میں درج کر دیتا لیکن کتاب بہت طویل ہو جاتی ماسوا اس کے حضرت والا کے شان نمایاں بھی یہ نہیں ہے کہ آپ کا ذکر کسی دوسرے امام کے تذکرے کے ذیل میں

ذیقینہ سلسلہ گذشتہ) الا شتر عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھ کا کچھ حصہ ٹٹکا ہوا ہو اور کچھ ہو ۱۲  
۱۲ یہ سارے تفصیلات علاوہ عام کتابوں کے ابن خردادبہ کی مشہور کتاب بیان المذہب ص ۲۸ میں مل سکتے ہیں ۱۲



کیا جائے۔ ادباً ان ہی مختصر الفاظ پر قناعت کرتے ہوئے میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ آئندہ جو واقعات پیش آئے ہیں ان کی طرف توجہ کرتا ہوں

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جن جن لوگوں نے خروج کے اس واقعہ میں کچھ ہی حصہ لیا تھا جب ان کے ساتھ حکومت کی دار و گیر کا قصہ ہر طرف چھڑا ہوا تھا۔ آخر امام مالک کا قصور کیا تھا؟ پوچھنے پر آپ نے مسئلہ کا جو صحیح جواب آپ کی تحقیق کے روستے تھا اسی کا صرف اعلان ہی تو کیا تھا اس کے علاوہ تو عملی دل چسپی اس واقعہ میں آپ کی اور کچھ ثابت نہیں بلکہ بالاتفاق ان تمام مورخین نے جنہوں نے امام مالک کے اس فتویٰ کا ذکر کیا ہے ان ہی لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام مالک کے فتوے کے بعد اسرع الناس الی محمد و لیسرہ مالک

لوگ محمد نفس زکیہ پر ٹوٹ پڑے و بیعت کرنے کے لئے اور امام مالک اپنے گھر جا کر بیٹھ گئے۔

مگر اس عملی بے تعلقی کے باوجود جب امام مالک کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو امام ابوحنیفہ جو بھارت شدید کی شکل میں ابراہیم کا ساتھ دے رہے تھے اور عساکر عباسیہ کے سب سے بڑے سپہ سالار حسن بن محطہ کو عین وقت پر خلیفہ کے حکم سے سرتابی پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے ان کا جرم یقیناً امام مالک سے سخت اور زیادہ سخت تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ امام مالک سے انتقام لینے میں اتنی جلدی کی جاتی ہے یعنی ابن فرحون کا بیان ہے کہ

کان ضربہ سنة ست و اربعین  
حضرت امام مالک کے ساتھ مار کا واقعہ ۲۶ھ ہجری  
میں پیش کیا۔

جس کے معنی یہ ہوئے کہ خروج کی مہم کے اختتام کے چند عینے مشکل ہی سے گذرے ہوں گے کیونکہ ابراہیم کی شہادت ۲۵ھ شوال میں ہوئی اور جعفر بن سلیمان ربیع الاول ۲۶ھ میں مدینہ کا والی مقرر ہو کر پہنچا ہے پہنچنے کے ساتھ ہی حضرت امام مالک کے ساتھ اس نے یہ کارروائی کی ہے۔

سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ امام مالک تو اتنی دور مدینہ میں تھے ان سے بدلہ لیا جائے اور امام ابوحنیفہ سامنے کو فز میں مقیم ہیں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے ثابت ہو کہ امام کی ہی اس عرصے میں حکومت سے کوئی باز پرس ہوئی ہو زیادہ سے زیادہ کوئی واقعہ جس سے حکومت کے بدلے ہوئے روئے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں وہ بغداد کی تعمیر مشورے میں اس دفعہ امام کے بغیر حجاج بن ارطاة کی طلبی کا واقعہ ہو سکتا ہے۔ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے سلسلہ میں واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لوگوں نے منجملہ دو تہرے اسباب کے ابراہیم بن عبداللہ کے خروج میں امام کی شرکت کا بھی ذکر اس حیثیت سے کیا گیا ہے کہ حکومت اس کا انتقام لینا چاہتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ امام کی وفات ۲۵ھ میں ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ امام کی گرفت اس واقعہ کے سلسلہ میں اگر ہوئی ہی ہے تو واقعہ خروج کے چار سال بعد ہوئی ہے، دریافت طلب یہی ہے کہ سب کی دہر بکڑ کے ساتھ اتنی طویل مدت تک امام سے حکومت نے تعرض کیوں نہیں کیا اور اتنے دن خلاف توقع باز پرس سے جو بچے رہے تو کیوں

سوانح نگاروں نے تو اس کا کوئی متعین جواب نہیں دیا ہے لیکن اس موقع پر بھی ہم واقعات کو پیش کر دیتے ہیں میرا خیال ہے کہ ان میں اس سوال کے جواب کو شاید ہم پاسکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جعفر بن سلیمان جس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو تازیانہ کی سزا دی تھی اس شخص کا حال تو یہ تھا کہ ابراہیم بن عبد اللہ کی ہم میں بعض اہم جنگی کارناموں میں کامیاب ہونے کے صلہ میں پہلی دفعہ مدینہ منورہ کا والی بن کر گیا تھا گو یا سمجھنا چاہیے کہ نیا نو کر تھانے نو کروں گا پرانا دستور ہے کہ خرگوش پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کوفہ کا معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا عیسیٰ بن موسیٰ جو السفاح کے زمانہ سے کوفہ کا والی تھا تقریباً گیارہ بارہ سال سے مسلسل کوفہ کی حکومت اس کے ہاتھ میں تھی حالانکہ اسی بے چارے کی کوششوں سے نفس زکیہ اور ابراہیم کے یہ سارے قصے ختم ہوئے تھے لیکن بجائے کسی صلہ کے ابو جعفر منصور نے اس کو بدلہ دیا کہ السفاح نے ابو جعفر کے بعد عباسی حکومت کی خلافت کیلئے حالانکہ باضابطہ بیعت اسی عیسیٰ بن موسیٰ کے لئے لی تھی لیکن ابو جعفر کی نیت بدل گئی اور نیت تو اس کی پہلے ہی سے بدلی ہوئی تھی میں نے شاید ذکر ہی کیا تھا کہ مدینہ جس وقت اس کو روانہ کر رہا تھا اس وقت ہی دل میں اس کے یہی خیال تھا کہ نفس زکیہ اگر ختم ہوئے جب ہی میرا فائدہ ہے اور عیسیٰ کام آیا جب ہی میری راہ کا سائٹا نکل جائے گا میں گمنا تھا کہ خلیفہ ہونے کے بعد ابو جعفر چاہتا تھا کہ اس کے بعد گدی پر اس کا بیٹا ہمدی بیٹھے اندر ہی اندر اس خیال میں غلطاں پچیاں رہتا تھا حسنی سادات کے اس خطرے سے مطمئن ہونے کے بعد فضا کو اپنے مطابق پا کر اب علانیہ اپنے خیال کو ظاہر کرنے لگا آخر ایک دن بلا کر صاف صاف اپنے ارادے کا اس نے اعلان ہی کر دیا عیسیٰ بن موسیٰ پر اس کا اثر جو کچھ ہو سکتا تھا ظاہر ہے دونوں میں زمانہ تک سوال و جواب کا ایک سلسلہ جاری رہا جیوں واقعات اس سلسلہ میں پیش آئے بالآخر عیسیٰ بے چارے کو مجبوراً ہمدی کے لئے اپنے حق سے دست بردار ہونا پڑا

لہٰذا مرصعین نے اس سلسلہ میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں عیسیٰ کو ابو جعفر نے زہر بھی پلا دیا تھا جس سے وہ اچھا ہو گیا بعض کہتے ہیں کہ گیارہ مہینہ درم وے کر عیسیٰ کو ابو جعفر نے راضی کیا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ابو جعفر نے فوج کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ہمدی کے سوا کسی کی خلافت پر آئندہ راضی نہیں ہیں اس کا اعلان کریں ہمدی اس زمانہ میں نوجوان تھا کہتے ہیں کہ فوج والے عموماً یہ نعرہ لگاتے تھے کہ ع۔۔۔ فقط رضینا بالسلام الامرو یعنی ہم لوگ تو اس امر و طے کی حکومت پر راضی ہیں خود ابو جعفر ہی عیسیٰ کو بلا بلا کر سمجھا جاتا کہ برادر عزیز! ہم کیا کریں فوج والے اس نوٹے (فتی) کے سوا اور کسی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہیں ہیں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے پیچھے کبھی کبھی فوجی یہ آواز لگاتے ہوئے چلتے کہ یہی وہی (موسیٰ) کی گائے ہے جسے آخر فوجوں نے ذبح کر دیا اگر یہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے یعنی قرآنی آیت فذبحوها وما کادوا یفلحون پڑھتے عیسیٰ منصور سے اس کی شکایت کرتا تو جواب میں کہتا کہ میں کروں کیا ان فوجیوں کے قلب میں تو اسی فتی (نوجوان) کی محبت رہ گئی ہے ۱۲



مجھے اس پورے قصے سے بحث نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ کوفہ اور کوفہ کے سارے معاملات جس کے ہاتھ میں برسوں سے تھے اسی سے حکومت جب بگڑ گئی تھی اور زمانہ تک بگاڑ کا یہ قصہ چھڑا رہا تھا اوقات نازک ترین صورت اختیار کر لیا تھا ایسی صورت میں اگر امام ابوحنیفہ کی طرف سے اعراض اور چشم پوشی میں حکومت اپنی مصلحت سمجھتی ہو تو غالباً محل وقوع کا اقتضار ہی یہی تھا

ایک طرف تو کوفہ کے والی کے متعلق یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا دوسری طرف یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ کو چھوڑ کر کوفہ کے جس عالم کو منصور نے بڑھانا چاہا تھا یعنی حجاج بن ارطاة اپنے علم و فضل کے لحاظ سے خواہ ان کا مرتبہ کچھ ہی ہو لیکن مسلسل ان سے ایسے حرکات صادر ہونے لگے کہ امام ابوحنیفہ تو خیر امام ابوحنیفہ ہی تھے کسی معمولی مولوی سے جو تو قات قائم کے جانتے ہیں وہ بھی ان سے پورے نہیں ہو رہے تھے سب سے پہلی نوبت اس شخص کی یہ تھی کہ دنیا کے شہروں میں جس شہر کو تاریخی امتیاز ہونے والا تھا اس کی پہلی جامع کے قبضہ ہی کو اس نے غلط کر دیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ ہر باغ و وقت میں لوگوں کو اس مسجد میں اپنے آپ کو اور اپنی صفوں کو خواہ مخواہ پڑھی رکھنے پر جو مجبور ہونا پڑتا ہو اس وقت بے ساختہ زبانوں سے جس قسم کے الفاظ حجاج کے حق میں نکلنے ہوں گے ان کے بعد کسی کی وقعت بھلا کیا باقی رہ سکتی ہے شاید کوئی دوسرا خلیفہ یا بادشاہ ہوتا تو مصارف کے مسئلہ سے بے پروا ہو کر اس مسجد کو شہید کرانے کی ہر بنا بھی دیتا لیکن ابوالدوانیق منصور سے اس کی ہی بھلا کیا توقع ہو سکتی تھی غالباً یہ پانچوں وقت کا مشغلہ ناز پڑنے کے وقت نازیوں کا ایسا دستور بن گیا ہو گا کہ حجاج کو شاہی کیمپ میں زیادہ دن تک ابو جعفر رکھ ہی نہ سکا۔ اور پہلے بصرہ پھر کوفہ کے قاضی منائے گئے لیکن بصرہ پہنچ کر جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے ان پر حکومت ستانی کا الزام قائم ہوا بصرہ سے منتقلی کے بعد کوفہ پہنچے تو جہاں عورت کی زندگی بسر کر چکے تھے اسی کوفہ میں عوام کے مجمع میں شریک ہونے سے قاضی ہونے کے بعد ان کو شرم آنے لگی اسی جذبہ کے تحت جماعت بلکہ جمہور تک کی شرکت بندہ خدا نے ترک کر دی میں تو سمجھتا ہوں کہ طبقات ابن سعد وغیرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ پہلے یہ ابو جعفر منصور کی مصاحبت میں تھے بعد کو منصور نے ان کے بیٹے ہدی کے ساتھ خراسان روانہ کر دیا اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے اپنے آپ کو عراق میں حجاج بن ارطاة نے اتار سوا اور بدنام کر لیا تھا کہ کوئی چارہ کار اس کے سوانہ تھا کہ انہیں عراق سے دور خراسان وغیرہ علاقے میں کھدیڑ دیا جائے منصور کو کچھ تو اپنی بات کی بھی بیچ تھی امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں ان کو اس نے بلایا تھا اب خود ہی نہیں چاہتا تھا کہ ان کو گرایا جائے دوسرے انہوں نے اس زمانہ کے علماء کی روش سے الگ ہو کر عباسیوں کے شہر خاص (لباس سیاہ) کو بھی ابو جعفر کی خوشامد میں اختیار کر لیا تھا العرض کچھ ان ہی باتوں کی مروت تھی جو نکالے تو نہیں گئے لیکن عراق کے عوام کی نگاہوں سے دور کر دئے گئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں ابو جعفر اچانک حج کا ارادہ کرتا ہے اور حج کے سلسلہ میں وہ مدینہ منورہ پہنچتا ہے اور وہی امام مالک جن کے ساتھ اس کے عامل سلیمان بن جعفر نے ابی ابی وہ سب کچھ کیا تھا جس کا ذکر گذرا ان ہی امام مالک کو خصوصیت کے ساتھ اپنے پاس بلاتا ہے اور سلیمان نے جن حرکات کا ارتکاب



کیا تھا اس کو سلیمان کا ذاتی فعل قرار دیتے ہوئے ان کی معافی چاہتا ہے صرف معافی ہی نہیں چاہتا ہے بلکہ لکھا ہے کہ امام مالک جب واپس تشریف لے گئے تو دینے کے اسی والی جعفر بن سلیمان کو بیکڑوا کر امام مالک کے پاس اس نے روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ

حضرت کے ساتھ جو بدسلوکی اس نے کی ہے میں اس کو بھیج رہا ہوں آپ جس طرح

چاہیں اس سے بدلہ لے سکتے ہیں "ص ۲۸۵ الدیباہ المذہب

جیسا کہ حضرت امام کی فطرت عالی کا اقتضار تھا آپ نے جواب میں فرمایا کہ

خدا کی پناہ! قسم ہے اللہ کی ہر کوڑا جو میرے بدن پر اٹھایا گیا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی قرابت کا خیال کر کے اسی وقت معاف کرتا چلا جاتا تھا "۔

ابو جعفر نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ جب تک مدینہ میں رہا معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک سے

اپنے تعلقات کو روز بروز زیادہ بڑھاتا چلا جاتا تھا اور کئی مختلف طریقوں سے حضرت امام کی دل جوئیوں

میں ہم اس کو مشغول پاتے ہیں خود امام مالک اس قصے کے راوی ہیں کہ ان ہی دنوں میں جب ابو جعفر حضور

مدینہ منورہ میں تھا اس کے پاس پہنچا ابو جعفر اس وقت گذرے پر بھیجا ہوا تھا میں بھی پاس ہی بیٹھ گیا

اتنے میں نے دیکھا کہ ایک بچہ ہے جو کبھی باہر آتا ہے اور پھر اندر چلا جاتا ہے ابو جعفر نے مجھ سے پوچھا

کہ آپ جانتے ہیں یہ بچہ کون ہے میں نے کہا نہیں ابو جعفر نے کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے آپ کی سمیت اور عرب

سے اس کی بیہ حالت ہو رہی ہے جو گھبرا گھبرا کر کبھی اندر جاتا ہے اور کبھی باہر آتا ہے "۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ابو جعفر مجھ سے بعض علمی مسائل دریافت کرنے لگا جن میں بعض

کے متعلق حلال ہونے کا اور بعض کے متعلق حرام ہونے کا میں نے فتویٰ دیا آخر میں میں نے دیکھا کہ مجھ سے

کہہ رہا ہے۔

انت والله اعقل الناس واعلم الناس

تم خدا کی قسم اس وقت لوگوں میں سب سے زیادہ

دانشمند اور سب سے زیادہ علم والے ہو

امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہنا شروع کیا کہ

لا والله یا امیر المؤمنین

نہیں امیر المؤمنین خدا کی قسم واقعہ یہ نہیں ہے

لیکن اس پر بھی ابو جعفر بہہ کہتا جاتا تھا کہ

وہ نہیں تم ضرور سب سے بڑے دانش مند اور سب سے بڑے عالم ہو مگر اپنے

آپ کو تم چھپاتے ہو

لیکن یاد ہو گا کہ

یا امیر المؤمنین هذا عالم الدنيا اليوم

امیر المؤمنین! آج دنیا میں سب سے بڑا عالم یہی ہے۔

کے الفاظ سے ابھی کچھ دن پہلے وجہ کے شاہی کیمپ میں ابو جعفر سے امام ابو حنیفہ کو کوفہ

کے کوتاہ بخت والی علی بن موسیٰ نے روشناس کرایا تھا جسے ولی عہدی کے عہدے سے معزول کر کے



ابو جعفر حج میں آیا ہوا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ابو جعفر امام مالک پر اسی "عالم الدنیا الیوم" کا عہدہ  
 اس وقت بلوغ اصرار کے ساتھ جو پیش کر رہا تھا تو اس کے دماغ میں حکومت کے باغی ابو حنیفہ اور معزولی  
 ولی عہد کی یہ بات نہ تھی ؟

اگر میں زندہ رہا تو تمہارے قول (یعنی اجتہادی مسائل) کو قطعاً لکھوا کر رہوں گا اور

اپنے تمام صوبوں میں بھیج کر حکم کروں گا کہ لوگ اسی کے مطابق عمل کریں ص ۲۲۷

جیسا کہ ابو جعفر کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یہی واقعہ بھی ہے کہ آج جس مذہب کو امام مالک  
 کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اسی وقت نہیں جب ابو جعفر یہ کہہ رہا تھا بلکہ اس کے بعد ہی امام مالک کی  
 زندگی میں مدون اور مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ صحیح یہ ہے کہ خود امام مالک کی یہ کوشش ہی نہیں تھی کہ مسلمانوں  
 کی زندگی کے تمام شعبوں کو پیش نظر رکھ کر کتاب و سنت سے ان کے متعلق قوانین پیدا کئے جائیں بلکہ جہاں  
 تک حضرت والا کے حالات سے معلوم ہوتا ہے طریقہ آپ کا یہ تھا کہ پوچھنے والے نے اگر پوچھا تو اپنے  
 معلومات کی بنا پر جو جواب آپ کے نزدیک ہو سکتا تھا وہ دے دیتے تھے بلکہ بسا اوقات آپ یہ بھی فرماتے

۱۰ دراصل تدریس فقہ اسلامی کی تاریخ کا یہ بڑا اہم اساسی مسئلہ ہے تفصیل اس کی انشا اللہ وہیں کی جائے گی اب اس کا

شیرازی کی طبقات الفقہاء اور ابن خلکان کی تاریخ ان لوگوں کو پڑھنا چاہیے جو اس مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ

امام مالک کی زندگی کے آخری دنوں میں قیروان (مغربی افریقہ) سے ایک صاحب اسد بن فرات پڑھنے کے لئے مدینہ امام

مالک کے پاس آئے یہ بڑے ذہین آدمی تھے اور تھے نوجوان دماغ ان کا فطرتاً قانونی تھا امام مالک سے طرح طرح کے

سوالات کرتے جن کے امام عادی نہ تھے آخر ایک دن آپ نے فرمایا کہ سلسلہ بنت سلسلہ اذا کلان کذا یعنی

بھائی یہ تو ایک زنجیر کے بعد دوسری زنجیر اس کی بیٹی پیدا ہوتی ہے چلی جائے گی ایسا ہو تو کیا ہوگا۔ یوں ہو تو کیا ہوگا اور

اسد سے آپ نے فرمایا کہ اپنے ذوق کی تشفی اگر چاہتے ہو تو عراق چلے جاؤ یعنی ابو حنیفہ کے شاگردوں کے پاس چلے جاؤ

اسد حسب ارشاد عراق پہنچے امام ابو حنیفہ کے مختلف شاگردوں سے استفادہ کرتے ہوئے آخر میں انہوں نے امام محمد کو

پکڑ لیا۔ امام محمد نے بھی پوری توجہ سے ان کو پڑھانا شروع کیا۔ لکھا ہے کہ چونچ میں چونچ ڈال کر چڑیا جیسے اپنے بچوں کو

دانہ کھلاتی ہے اسی طرح امام محمد نے اسد کو فقہ گہول کر پلاوی اسد نے اس عرصے میں امام ابو حنیفہ کی مجلس وضع قوانین کی مدونہ

کتابوں کی نقلیں بھی حاصل کیں ان کو بیکر و دھم پر پونچے اور امام مالک کے شاگردوں خصوصاً ابن القاسم سے انہوں نے ان

ہی حنفی مذہب کی کتابوں کی روشنی میں امام مالک کے فقہوں کو جمع کیا کرتے یہ تھے کہ سوال تو امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے

چنتے اور جواب اس کا ابن القاسم امام مالک کے مذاق کو پیش نظر رکھ کر جو دیتے اسے درج کر لیتے یوں انہوں نے امام مالک

کے اجتہادات کو ایک کتاب کی شکل میں مدون فرما دیا تھا۔ ابتدا میں اس کتاب کا نام الاسدیہ تھا بعد کو سخون ایک مالکی

امام نے اس میں کچھ رد و بدل کیا مدونہ امام مالک کے نام سے اب یہی سخون والا نسخہ مشہور و متداول ہے چھپ ہی

گیابے جس کا مطلب یہی ہوا کہ امام مالک کا مذہب امام ابو حنیفہ ہی کی مجلس کے سوالات کی روشنی میں مدون ہوا ہے

تفصیلی بحث کے لئے تدریس فقہ کا انتظار کیجئے ۱۲

کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا جواب دیا جائے بیسیوں سوالات کے متعلق علمائے لکھنؤ نے لکھا ہے امام مالک نے  
لا ادری یعنی ہم نہیں جانتے فرمایا

لیکن ابو جعفر کے ان الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ امام مالک کے اجتہاد کی تائید کو کسی  
باضابطہ قانون کی شکل میں مرتب کرانے کا سو وہ طے کر چکا تھا اور یہ بھی کہ اسی کو حکومت کا قانون قرار  
دیا جائے یہہ رائے ہی اس کے سامنے آچکی تھی۔

سوال یہی ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہ خیال اس کے دماغ میں کیوں نہیں آیا امام مالک اور ان  
کے علم کی شہرت تو ایک زمانے سے پھیلی ہوئی تھی کسی دفعہ منصور مدینہ آیا اور آکر چلا گیا لیکن اس قسم کے خیالات  
اس سے پیشتر کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہیں کئے۔

ایسی صورت میں کیا یہ صرف بے بنیاد ہی نہ رہی بلکہ گمانی ہی ہوگی اگر سمجھا جائے کہ امام ابو حنیفہ کے  
مقابلہ میں وہ ایک نئی زمین حجاج بن ارطاة سے مایوس ہونے کے بعد تیار کرنی چاہتا تھا یہ دعویٰ تو شاید  
حد سے زیادہ متجاوز ہوگا اگر ابو جعفر کے اس سفر حج کی اصلی غرض یا اس سفر کا مشن اسی مقصد کو قرار  
دیا جائے لیکن منجملہ دوسرے اعراض کے اگر ایک عرض اس کی یہہ ہی ہو تو اس کے انکار کی کوئی وجہ  
نہیں ہو سکتی۔

اس وقت تو جس کا ہی چاہے جتنا بڑا دعویٰ چاہے کر بیٹھ لیکن میں جب سوچتا ہوں کہ اس  
وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکماں طاقت عقل الناس اعلم الناس کا خطاب دیتے ہوئے اپنی حکومت  
کے سارے وسائل امام مالک کے قدموں کے نیچے اس لئے ڈال دیتا ہے کہ اپنے اجتہادات و خیالات  
کو جس طرح چاہیں مدون و مرتب کر کے حکومت کے قانون کی حیثیت سے ان کو نافذ کر دیں اپنے اپنے  
دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کرنا چاہیے کہ کرنے والے کیا کچھ نہ کر گزرتے یہ ظاہر اس میں شرعی خرابی ہی  
کوئی نہ تھی بلکہ میں عرض کر چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ تو یہی چاہتے تھے اسی لئے انہوں نے شریعت اسلامی  
کو ایک باضابطہ دستور اور آئین کے قالب میں ڈھال ہی دیا تھا لیکن امام مالک کو جس چیز نے امام مالک  
بنادیا وہ ان کی یہی بے نفسی اور ظرف کی وسعت فطرت کی بلندی تھی کہ انہوں نے ابو جعفر کے اس  
ارادے سے واقف ہونے کے بعد جوابات جواب میں فرمائی آج تک تاریخ میں گونج رہی ہے مختلف  
مواقع پر نقل کرنے والے اسے نقل کرتے ہیں آپ نے خلیفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

”امیر المؤمنین! آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کیجئے دیکھیے! مسلمانوں کے پاس (مختلف  
علماء کے اقوال پہلے سے پہنچ چکے ہیں وہ حدیثیں سن چکے ہیں اور روایتیں روایت  
کر چکے ہیں لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی ہے اسی پر وہ عمل پیرا ہو چکے ہیں  
اور اسی کو اپنا دین بنا چکے ہیں پس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار کر لی  
ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے (میزان الکبریٰ شعرائی وغیرہ)

امام مالک کے اس مشہور قول سے مسلمانوں کے فروعی اختلافات کے متعلق ان کے جس نقطہ نظر کا پتہ



چلتا ہے ”تدوین فقہ“ اور اسے مقابلے میں جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تو خیر ایک الگ مستقل مسئلہ ہے یہاں میں دوسری بات کہنا چاہتا ہوں یعنی اگر یہ سمجھا جائے کہ علماء عراق کیسے یا ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کیسے ان کے مقابلہ میں ابو حنیفہ جس مخالفانہ محاذ کے قائم کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا اور حضرت امام مالک سے اس معاملہ میں نفع اٹھانا چاہتا تھا اور امام مالک نے اس کے اس تیر کو اپنی اس ترکیب سے اسی کی طرف مسترد کرنا چاہا ہو تو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے ظاہر ہے کہ امام مالک حجاج بن ارطاة جیسے ہلکے پھلکے عالم تو تھے نہیں کہ حکومت کے میدان کو پاتے ہی امام ابو حنیفہ کو بے وقوف قرار دیتے ہوئے انہیں سب کچھ اسی کے قدموں پر نثار کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے خدا نخواستہ اگر وہ بھی وہی ہوتے تو آج جیسے حجاج اور ان جیسے دوسرے اہل علم اپنے آپ کو گم کر بیٹھے شاید امام مالک ہی ان ہی گم شدہ لوگوں میں شریک ہو جاتے لیکن وہ جان رہے تھے کہ بذات خود بات غلط ہو یا صحیح لیکن جس مقصد کے لئے پیش کرنے والا پیش کر رہا ہے وہ مقصد قطعاً غلط ہے

میرا تو خیال ہے کہ مسلمانوں ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ دنیا کی تاریخوں میں بھی نیک نفسی بلند نظری انجام بینی کا ایک ایسا نمونہ امام مالک نے چھوڑا ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے ملی سکتی ہے نہ ظاہر ایک بڑے سہرے موقعہ کو گویا انہوں نے کہو دیا لیکن جس خدا کے لئے انہوں نے کہو یا تھا واقعات نے ثابت کیا کہ اس نے نہ امام کو گم ہونے دیا اور نہ ان کے خدمات کو۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے علمی خدمات کا جو اثر حکومت عباسیہ کے مرکز عراق اور دوسرے مشرقی ممالک پر قائم ہو گیا تھا اس اثر اور اقتدار کے ختم کرنے کی یہی ایک واحد تدبیر تھی کہ امام مالک کو ابو حنیفہ کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیا جائے مجموعی حیثیت سے اس وقت سارے اسلامی ممالک

۱۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض ہی کیا ہے کہ حضرت امام مالک نے اپنی زندگی اپنے اجتہادات کو باضابطہ کسی کتاب کی شکل میں مدون ہی نہیں فرمایا بلکہ ان کے مشہور تلمیذ اشہب کے حوالہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ کسی سوال کا جواب امام نے دیا اشہب موجود تھے انہوں نے چاہا کہ اس جواب کو قلم بند کر لیں مگر دیکھا کہ امام منع فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حکومت میں نہیں جانتا ہوں کہ اس جواب پر آئندہ میں قائم ہی رہوں گا یا نہیں صحت ابن فرحون لیکن خدا نے ان کے بعد ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا جنہوں نے امام کے مذہب کو باضابطہ شکل میں مدون کر دیا اور ٹھیک جیسے مشرق میں عسکری حکومت حنفی مذہب کو اپنی حکومت کا قانون بنانے پر مجبور ہوئی اندلس کی اموی حکومت کے سلاطین کو خدا نے توفیق بخشی انہوں نے امام مالک کی فقہ کو اپنی مغربی حکومت کا دستور بنا لیا امام کی خوش بینی ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ مالکی فقہ میں بڑے بڑے کبار علماء پیدا ہوئے کہنے والوں نے سچ کہا ہے کہ حنفی مذہب میں لوگ بڑے بڑے ہیں لیکن کتابیں زیادہ بڑی تصنیف نہیں نہیں ہوئیں اور شوافع میں کتابیں بڑی بڑی لکھی گئیں لیکن لوگ اتنے بڑے نہیں پیدا ہوئے لیکن مالکی فقہ کی یہ خصوصیت ہے کہ لوگ بھی بڑے بڑے پیدا ہوئے اور کتابیں بھی اس فقہ میں بڑی معرکتہ آرا لکھی گئیں جو واقعات سے واقف ہیں وہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ امام مالک کو اپنی اسی قسم کی قربانیوں کا قدرت کی طرف سے صلہ ملا فرجتہ اللہ علیہ وعلیٰ آلہ

میں امام مالک ہی کی رستی ایسی تھی جن سے حکومت امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں قائم نہ کھاسکتی تھی  
 لیکن امام نے اپنے چند الفاظ سے ابو جعفر کے اس آخری امید کو بھی ختم کر دیا اگرچہ عباسی حکومت کی طرف  
 سے وقتاً فوقتاً خود ابو جعفر کے زمانے میں ہی اور ابو جعفر کے بعد ہمدی اور ہارون الرشید کے عہد میں  
 بھی امام مالک کو مختلف طریقوں سے دوبارہ آمادہ کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں لیکن امام کا فیصلہ امام کا  
 فیصلہ تھا جو کچھ انہوں نے پہلی دفعہ ابو جعفر سے کہا تھا وہی آخر وقت تک کہتے رہے ان کے سوا ننگاؤں  
 نے ان واقعات کا تفصیل سے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اسی سلسلہ کا ایک مشہور لطیفہ ہمدی کے زمانہ کا  
 ہے جو ابو جعفر منصور کے بعد عباسی خلیفہ تھا یعنی لکھا ہے کہ ہمدی مدینہ منورہ آیا تھا اپنے انے کی تقریب کے  
 سلسلے میں دو ہزار اشرفیاں امام مالک کی خدمت میں مدینہ بھیجیں امام نے اشرفیاں لے لیں اسی دن یا چند  
 دن بعد ہمدی کا حاجب (عرض بگی) ربیع امام کے پاس حاضر ہوا اور ہمدی کا یہ پیغام پہنچا یا کہ امیر المؤمنین  
 کی خواہش ہے کہ مدینہ السلام بغداد ان کے ساتھ آپ بھی چلے گئے ہیں کہ امام نے جواب میں ربیع  
 سے کہا کہ اُمّال عندی علی حالہ یعنی جو اشرفیاں خلیفہ نے بھیجی ہیں وہ مجھ سے اسی طرح رکھی ہوئی ہیں  
 مطلب یہ تھا کہ ان اشرفیوں کے دباؤ اور معاوضہ میں خلیفہ نے اگر یہ حکم دیا ہے تو میں نے ان کو  
 چھوڑا ہی نہیں ہے جس حال میں آئی ہیں اسی حال میں واپس ہو سکتی ہیں پھر اپنے ربیع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کا قول سنایا جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ والوں کے لئے ہر حال میں یہی بہتر ہے کاش لوگوں کو جانتے  
 جیسا کہ میں نے شروع ہی میں بیان کر دیا ہے کہ ابو جعفر منصور اور امام ابو حنیفہ کے  
 درمیان قضاء وغیرہ کے قصوں کو لوگوں نے کچھ اسی طرح بیان کیا ہے کہ ان میں کسی قسم کی زمانی ترتیب  
 کا قائم کرنا مشکل ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے حجاج بن ارطاة کے تجربہ کی ناکامی اور امام مالک کے  
 جواب سے جو مایوسی اس میں پیدا ہوئی اسی کے بعد امام ابو حنیفہ کے متعلق خروج ابراہیم کے واقعہ کے بعد جس طرز عمل  
 کو اب تک وہ اختیار کئے ہوئے تھا یعنی نظام امام سے اپنے آپ کو اس نے کچھ بے تعلق سا بنا رکھا تھا  
 لیکن ان مرحلوں کو طے کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ کے متعلق آخری فیصلہ کا اس نے قطعی  
 ارادہ کر لیا اور آئندہ جو واقعات امام اور ابو جعفر کے درمیان پیش آئے ہیں میرے نزدیک اسی  
 آخری فیصلے تک پہنچنے کی یہ تدبیریں تھیں

امام ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ ماہ رجب میں ہوئی اور بناؤ کی تعمیر میں دوسری دفعہ ابو جعفر  
 ۱۵۶ھ سے مشغول ہوا جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے پوری تعمیر سے چار سال میں فراغت حاصل ہوئی گویا بغداد  
 کی تعمیر کی تکمیل اور امام ابو حنیفہ کی وفات کا زمانہ قریب ہی قریب ہے ان چار سالوں میں سے ۱۵۷ھ تک  
 تو ابو جعفر سفر حج اور امام مالک سے گفتگو کرنے میں مشغول رہا۔ گویا اس بنیاد پر یہ سمجھنا چاہیے کہ ابو جعفر  
 کا امام ابو حنیفہ سے یہ جدید تعلق ۱۵۸ھ سے یا اسی کے کچھ آگے پیچھے زمانے میں پیدا ہوا جہاں تک قیاس کا



اقتضای سے یہی دو ڈھائی سال کی مدت ہے جس میں امام ابوحنیفہ کو متعدد بار ہم ابو جعفر کے دربار میں پاتے ہیں موفق نے علی بن علی الجعفی کے حوالہ یہ الفاظ جو نقل کئے ہیں کہ

ابو جعفر نے امام کو کوفہ سے بغداد بلا کر اپنے پاس روکا اور قضا کے عہدے پر (غیر مرہ) یعنی ایک

سے زیادہ مرتبہ مجبور کرتا رہا ص ۲۸

اس کا یہی مطلب ہے اور غیر مرہ یعنی ایک سے زیادہ مرتبہ امام کو بلا بلا کر اپنے پاس رکھتا اور قضا کے عہدے کو قبول کرنے پر امام کو مجبور کرتا رہا یہ امام کی زندگی کے ان ہی آخری دو ڈھائی سال کے زمانہ کی باتیں ہیں قرآن و نبیاسات کی مدد سے ان واقعات میں جو ترتیب مجھے محسوس ہوتی ہے اسی ترتیب کے مطابق اب ان واقعات کو درج کرتا ہوں

واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ کا یہ قصہ ہے اس وقت کوفہ بقعۃ الاسلام بنا ہوا تھا نہ صرف مادی دولت و ثروت کی اس شہر میں ریل پیل تھی بلکہ اسی کے ساتھ زہد و تقویٰ علم و معرفت کے بیسیوں سرچشمے اپنی اپنی جگہ پر ابل رہتے تھے لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں علم کی حیثیت سے تین ہی چیزوں کو اہمیت حاصل تھی قرآن اور اس کی قرأت و تجوید حدیث و سنت تفقہ و اجتہاد مرکزیت ان ہی تین علموں کو حاصل تھی ان میں سے ہر علم کے متعدد دائمہ کوفہ میں اس وقت موجود تھے ان میں زیادہ تر تو اسی قسم کے حضرات تھے جو اپنے خاص علم کے سوا دوسرے علم سے کم تعلق رکھتے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جو اپنے خاص فن کے سوا دوسرے علم سے بھی دل چسپی رکھتے تھے علمی الحصوص حدیث و فقہ میں بعض لوگوں کا یہی حال تھا یعنی خصوصی خدمت تو ان کی حدیث و سنت کی روایت تھی مگر پوچھنے والے مسائل بھی ان سے پوچھتے تھے حدیث یا آثار صحابہ فتاویٰ تابعین وغیرہ کی بھی چونکہ یہ حافظ ہوتے تھے اس لئے ان ہی محفوظات و معلومات کی مدد سے لوگوں کو جواب بھی دے دیا کرتے تھے ان میں بعض کہہ ہی قیاس اور زائے سے بھی کام لیا کرتے تھے اسی لئے ان لوگوں کا شمار ایک طرف اگر محدثین کے طبقہ میں کیا جاتا ہے تو دوسری طرف فقہاء اور مجتہدین کے سلسلہ میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے امام ابوحنیفہ کے زمانے میں اس قسم کے ممتاز ترین محدث سفیان ثوری تھے ان کا اصلی کام تو یہی تھا کہ حلقہ بنا کر اپنے مرویات لوگوں کو سنایا کرتے تھے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بھی ہوتی تھیں اور صحابہ کے فتاویٰ بھی صحابہ کے بعد تابعین نے جو فتوے دے تھے اور ان کی بھی کافی تعداد جمع ہو چکی تھی یہی ان کا سب سے بڑا علمی سرمایہ تھا لیکن یہ بات کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق سوال پیدا کرنا اور پھر ان سوالوں کا جواب نکالنا پھر اپنے تلامذہ کو ان کی تعلیم دینا خود ان شاگردوں میں استسناط اور اجتہاد کے بلاکہ کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا جہاں تک میں جانتا ہوں کم از کم کوفہ میں یہ کام امام ابوحنیفہ کی مجلس وضع قوانین کے سوا اور کہیں نہیں ہوتا تھا انفرادی طور پر اس کام کا رجحان اس عہد کے علماء کوفہ میں تو اہمیت اگر پایا جاتا تھا تو غالباً ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اور سب سے زیادہ ممتاز حجاج بن ارطاة تھے ان تینوں بزرگوں کے متعلق کافی معلومات پہلے گزر چکے ہیں

میرا خیال ہے کہ مدینہ منورہ سے واپس لوٹنے کے بعد ابو جعفر منصور نے امام ابوحنیفہ کو جو بلانا چاہا تو

غالباً تنہا بلانا قرین مصلحت خیال نہیں کیا واللہ اعلم کیا مصلحت پیش نظر تھی ہو سکتا ہے کہ تنہا طلب کرنے میں اندیشہ ہو کہ پبلک میں امام کی اہمیت بڑھ جائے گی یا امام ہی پر یہ اثر قائم کرنا مقصود ہو کہ تمہارے علم و اثر کا کوئی خاص امتیازی وزن میرے دل میں نہیں ہے۔ ابو جعفر سے جو گفتگو اس موقع پر ہوئی ہے اس سے دوسرے خیال کی زیادہ تائید ہوتی ہے۔

بہر حال کہا یہ جاتا ہے کہ کوفہ ابو جعفر منصور کا فرمان یونچا جس میں لکھا ہوا تھا کہ کوفہ کے حسبِ قبل علما کو فوراً بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا جائے یعنی ابو حنیفہ سفیان ثوری ان دو کے علاوہ شریک بن عبد اللہ النخعی اور مسرین کدام ان دو بزرگوں کے نام بھی تھے۔

اس میں شک نہیں کہ بجائے خود ان دونوں حضرات کا شمار بھی کوفہ کی ممتاز ہستیوں میں تھا لیکن ابو حنیفہ تو خیر ابو حنیفہ ہی تھے سچی بات یہ ہے کہ سفیان ثوری کی صف میں بھی شریک ہونے کے قابل یہ حضرات نہ تھے اگرچہ نوعیت ان دونوں کے علمی خدمات کی قریب قریب وہی تھی جو سفیان ثوری کی تھی بعض قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں پہنچنے سے پہلے ان حضرات کو کسی ذریعے سے اس کی خبر ہو گئی تھی کہ خلیفہ حکومت کا کوئی عہدہ یا قضا کا عہدہ ہم لوگوں پر پیش کرے گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ گوسیکے سب برابر

۱۔ قاضی شریک بن عبد اللہ کا ذکر مختلف مقامات میں پہلے ہی گذر چکا ہے یہی صاحب ہیں جن کے متعلق ابن خلکان نے نقل کیا ہے کہ حمدی باہرچی نے انڈے کا حلوا اہلا کر خلیفہ سے کہا تھا کہ اب یہ شخص نکل بہا گئے میں کامیاب نہیں ہو سکتا باقی مسرین کدام کوفہ کی جامع مسجد میں حدیث بیان کیا کرتے تھے ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان کی بوڑھی والدہ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں قاعدہ یہ تھا کہ ایک گدا کندہ پر لاؤے والدہ کو ساتھ لے ہوئے یہ مسجد میں لا کر اسی گدے کو بچھا دیتے جس پر ان کی والدہ تو نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتیں اور خود مسرین لوگوں کے حلقہ میں بیٹھ کر جو سننا چاہتے تھے حدیثیں روایت کرتے رہتے جب فارغ ہو جاتے تو پھر اسی گدے کو کندہ پر ڈال کر والدہ کو ساتھ لے ہوئے گھر تشریف لے جاتے لکھا ہے کہ گھر اور مسجد کے سوا کوئی دوسری جگہ ان کے بیٹھنے کی نہیں تھی صرف باقی سفیان ثوری شاید پہلے ہی کہیں کر گذرے اور سچ تو یہ ہے کہ اسلامی علوم سے تہوڑا بہت تعلق جن کا ہے وہ سفیان اور ان کے علمی مقام سے ناواقف نہیں ہیں ابن جوزی ان کی مستقل ہیرت لکھی ہے کہتے ہیں کہ تیس ہزار حدیثوں کے راوی ہیں خود کہتے ہیں کہ میرے حافظہ نے مجھ سے کبھی خیانت نہیں کی ابراہیم کے خروج کے واقعہ میں خطیب نے لکھا ہے کہ لوگ ان سے شرکت کے متعلق دریافت کرتے تو کہتے کہ نہ میں لوگوں کو شرکت کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اقتدار میں بعض امراء سے انہوں نے امداد قبول کی تھی لیکن بعد کو اس میں خطرات محسوس ہوئے پھر تہوڑا نہرا یہ اپنے دوستوں اور معتقدوں کو دے رکھا تھا اسی کے نفع سے زندگی گزارتے تھے کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اثر نیاں اپنے پاس نہ رکھوں تو یہ دولت والے مجھے اپنے چہرے کا رومال ہی بنا چھوڑیں ابو جعفر منصور زندگی بہر اس فکر میں رہا کہ کسی طرح ان کو اپنی حکومت میں شریک کرے لیکن کامیاب نہ ہوا لکھا کہ مکہ معظمہ میں تھے کہ ابو جعفر بھی حج کے ارادے سے مکہ چلا سفیان کو بڑی پریشانی ہوئی آخر کعبہ کے ملترم کے پاس لیٹ گئے اور دعا کرنے لگے کہ خداوند ابو جعفر سے مجھے نجات دے کہتے ہیں کہ راستہ ہی میں ابو جعفر بیمار ہوا اور قبل مکہ پہنچنے کے انتقال ہو گیا لاش مکہ بھری وہیں دفن کیا گیا ۱۲



ورجے کے آدمی نہیں تھے لیکن حکومت کی ملازمت سے ان میں سہرا ایک کارہ تھا ممکن ہے مگر کراہت و ناگواری کے اسباب مختلف ہوں اتنی بات تو سب کے سامنے کوفہ ہی میں روز ویکھی جاتی تھی کہ قاضی بن علی اور قاضی ابن شبرہ بے چارے کی اسی ملازمت کے تعلق کی وجہ سے یہ درگت بنی ہوئی تھی جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ

ابن شبرہ اور ابن ابی لیلیٰ دونوں کا قاعدہ تھا کہ روزانہ بعد عشاء کے کوفہ کے والی عیسیٰ بن موسیٰ کے دربار میں مسامرہ (شب گوی) کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے طریقہ یہ تھا کہ اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ گورنر کی ڈیڑھی پر حاضر ہو کر اجازت کے انتظار میں کھڑے رہتے تھوڑی دیر بعد عیسیٰ کا حاجب جس کا عیاض نام تھا وہ کبھی اندر بلا لیتا اور کبھی کہدیتا کہ آج آپ لوگوں کو گھر جانے کی اجازت ہے ابن شبرہ جو شاعر بھی تھے چھٹی کی خبر عیاض سے سن کر کبھی کسی اس شعر کو پڑھتے (جس کا ترجمہ یہ ہے) جب عشاء کا وقت ہو چکنا ہے اور نیند کا غلبہ شروع ہو چکا ہے تو اچانک عیاض دو راحوں میں سے ایک راحت کی خبر سنا تا ہے (یعنی حضور کی اجازت لانا ہے یا چھٹی کی اور چارے کے دونوں میں راحت ہے) ج ۲ ص ۲۲۵

بہر حال چاروں حضرات ابو جعفر کے سامنے پیش ہوتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج ابراہیم کے بعد پہلی طلاقات خلیفہ سے ان لوگوں کی جو ہوئی تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ لہذا عدل الخیر منہا ج ۱ ص ۱۰۰ میں نے تم لوگوں کو بجز ایک اچھے کام کے اور کسی دوسری غرض سے نہیں بلایا ہے

اگر یہ واقف ہے تو گو خطاب اس میں سب کی طرف تھا مگر جہاں تک میں خیال کرتا ہوں شاید زیادہ رخ اس خطاب کا ابو حنیفہ ہی کی طرف ہو گا کیونکہ وہی زیادہ بدنام تھے خیر کچھ یہی ہو آگے بیان کرنے والوں نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اچانک مسعر بن کدام کو دیکھا گیا کہ وہ صف سے ٹوٹ کر خلیفہ کی طرف

۱۰ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے حالات کا ذکر پہلے آچکا ہے ابن شبرہ بھی اپنے وقت کے ممتاز آدمی تھے دین میں بھی اور علم میں بھی دین کا حال تو ان کے طبقات ہی میں یہ لکھا ہے کہ عین والی بنا کر شروع شروع میں بیٹھے گئے تھے کچھ دن رہے اس کے بعد مغزول ہو گئے مگر جو عین کے مشہور محدث ہیں ان کا بیان ہے کہ رخصت کرنے کے لئے میں ان کے ساتھ ذرا دور تک چلا گیا جب سب لوگ چھٹ گئے اور تنہا میں ہی رہ گیا تو فرمایا کہ بھائی خدا کا شکر بجا لانا ہو اگر چہ میں یہاں کا والی تھا لیکن جس کرتے کو چین کر آیا تھا وہی بھینسے ہوئے واپس جا رہا ہوں معرکتے ہیں کہ یہ کہہ کر چپ ہو گئے پھر بوسے یہ حلال کے متعلق ذکر کر رہا ہوں اور حرام کی تو خیر گنجائش ہی کیا تھی ابن سعد ص ۲۲۵ علم میں ان کا خاص درجہ تھا بعض اجتہادی مسائل ان کی طرف جو مشہور ہیں وہ عجیب ہیں مثلاً لکھا ہے کہ انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی عمر متعین کر دی تھی یعنی ۸ سال لڑکے کی اور ۶ سال لڑکی کی عمر شادی کے وقت ہونا چاہیے مصری گوٹمنٹ نے جدید شرحی قوانین علیٰ مصر سے چند سال پیشتر رد کر دیا تھا تو اس میں ابن شبرہ کے اس فتویٰ کو قانون کی حیثیت عطا کی گئی تھی دیکھو القصار فی الاسلام ص ۹

بڑھے چلے جاتے ہیں اور بے محابا ابو جعفر کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ  
 ”فریاد آج کل جناب کا مزاج کیسا رتنہ ہے بندہ جب یہاں نہیں تھا تو اس وقت آپ  
 رہے کیسے اور آپ کی مویشیوں کا گھوڑوں کا کیا حال ہے پڑوس میں آپ کے فلان فلان جناب  
 جو رہتے ہیں ان کی کیفیت کیا ہے آپ کے لوگ چاکر کیسے ہیں“

کہتے ہیں کہ مسٹر نے اسی کے ساتھ یہہ اضمافہ ہی کیا کہ

”اور خبر ہے کوفہ کے بند کی وہاں کی گلیوں کا حال بہت خراب ہے“

سار اور بار مسر کی اس حرکت کو دیکھ کر متحیر تھا کہ آخر ان کو ہو کیا گیا ہے اور کیسی باتیں کر رہے ہیں

یہہ ہی کہتے ہیں کہ آخر میں مسر نے کہا

”ابا آپ مجھے قاضی مقرر کرنا چاہتے ہیں“

آخر کسی نے آگے بڑھ کر ان کو بٹھایا اور طے کیا گیا کہ داعی تو ازن اس شخص کا خراب ہو گیا ہے بعض لوگوں  
 کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ ہی نے مسر کے اندر اس خیال کو پیدا کر دیا تھا کہ تم مجنوںوں کی طرح باتیں کرنے لگنا  
 الغرض مسر کی جان تو یوں بچ گئی کہ گئے سفیان ثوری سوان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بھاگ گئے

اب خدا جانے مسر کے ان عجیب و غریب حرکات کی وجہ سے جو گڑ بڑ مچی اس میں سفیان کو نکل بھاگنے کا  
 موقع ملا یا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ راستہ ہی سے استخبار وغیرہ کا حیلہ کر کے وہ روپوش ہو گئے اب صرف  
 امام ابو حنیفہ اور قاضی شریک خلیفہ کے سامنے تھے ابو جعفر نے امام کو بلا کر کہا کہ میں کوفہ کا قاضی نہیں بنانا چاہتا  
 ہوں جیسا کہ میں مسلسل کہتا چلا آ رہا ہوں کہ یہ قصہ امام کے ساتھ متعدد بار پیش آیا اور سوانخ نگاروں نے امام کی طرف  
 معذرت پیش کرتے ہوئے مختلف جوابوں کو منسوب کیا ہے میرا خیال ہے کہ کوفہ کے قاضی بنانے کا خیال ابو جعفر نے  
 امام کے سامنے جب پیش کیا تو غالباً کوفہ کے خاص حالات کے لحاظ سے اپنے ابو جعفر کو سمجھانا شروع کیا جس کا حال  
 یہ ہے کہ کوفہ والوں کی ذہنیت سے آپ واقف ہیں اس وقت تک ان میں ایک خوش باش آدمی کی طرح میں زندگی بسر  
 کر رہا ہوں کہ قسم کی افسری اور حکومت کی طاقت مجھے اس شہر میں حاصل نہیں ہے لیکن قضا کے عہدے پر لقمہ رک کے  
 مجھے وہاں بہت آپ بھیجیں گے تو لوگ میرے خاندانی حال سے واقف ہیں کہتے ہیں کہ امام نے صاف لفظوں میں کہا کہ میں  
 والد کو لوگ جانتے ہیں کہ وہ نانہائی یعنی خباز تھے خیال کیجئے کہ ایک نانہائی کے رطاکے کی حکومت کیا کوفہ والے برداشت  
 کر سکتے ہیں بلکہ تعجب نہیں کہ اینٹ پتھر سے اس کی خبر لیں“ ص ۱۶۲ ا ح مو

لوگوں کا بیان ہے کہ ابو جعفر کے سامنے امام ابو حنیفہ نے کچھ اس طرح تقریر کی کہ وہ خاموش ہو گیا  
 شاید اس وقت تک بغداد کی تمہیر کھل نہ ہوئی تھی ورنہ ہو سکتا تھا کہ بجائے کوفہ کے امام کو اسی وقت اپنے شہر جدید کے قاضی  
 ہونے پر آمادہ کرنا جیسا کہ بعد کو اس نے یہی کہا ہی امام رحمۃ اللہ علیہ کی بلا اس دفعہ یوں ٹل گئی صرف قاضی شریک بہرے  
 گئے کچھ و داعی ضعیف وغیرہ کا بہانہ انہوں نے ہی پیش کیا جس کے جواب میں ابو جعفر نے کہا کہ روزانہ روغن بادام

کچھ ہی زمانے میں نہیں بلکہ خدا ہی جانتا ہے کہ اس سرزمین میں یہ کیا خاصیت تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (بقیہ صفحہ آئندہ)



میں فالودہ بنا کر پلانے کا حکم تمہارے لئے دے دوں گا اسی کے بعد قاضی شریک نے قضا کا عہدہ چند خاص شرائط کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ چونکہ امام کے سواخ نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس لئے مجھ پر مجبوراً مجھے بھی اس کا تذکرہ کرنا پڑا اور نہ امام کی زندگی کے جس پہلو کو میں نمایاں کرنا چاہتا ہوں اس پر کوئی خاص روشنی اس واقعہ سے نہیں پڑتی بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر خلیفہ اور امام ابو حنیفہ میں خروج ابراہیم کے واقعہ کے بعد سے ایک قسم کا حجاب سا جو حال ہو گیا تھا یہ پر وہ دونوں کے درمیان سے اٹھ گیا اور اس کے بعد دونوں میں گویا نئے سرے سے یہ تعلقات قائم ہو گئے ابو جعفر نے جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے اس کے بعد بار بار امام کو بلانا شروع کیا اور دونوں میں مکالمہ اور مخاطبہ کا ایک طویل سلسلہ ہے جسے بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے بعض روایتوں سے یہ ظاہر بہت ثابت ہوتا ہے کہ جیسے اس وقت امام تنہا نہیں بلائے گئے تھے اسی طرح ایک دفعہ اس کے بعد بھی بجائے تین کے امام صاحب کو صرف قاضی شریک اور سفیاء ثوری کی مصیبت میں اس نے شہر بغداد کے کیمپ میں بلا یا گیا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے بعضوں نے مستتر کا ذکر کیا ہے اور بعضوں نے نہیں کیا ہے اس لئے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں کچھ بھی ہو دوسروں کے ساتھ امام ابو حنیفہ ایک دفعہ بلائے گئے ہوں یا چند بار لیکن جتنی

(دقیقہ سلسلہ گذشتہ) خلافت کے عہد میں یہ شہر بسایا گیا، لیکن اسی زمانے میں یہاں کے باشندوں کا حکام سے عجیب تعلق تھا سعد بن ابی وقاص ان کے والی تھے تو ان کی مسلسل شکایتیں حضرت عمر کے پاس پہنچیں آپ نے سعد کو بلا لیا عماد بن یاسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والی بنا کر بھیجا ایک سال نو ہینے بے چارے نے بہ مشکل گزارے ان کے متعلق یہ شکایت کرنے لگے کہ کمزور آدمی میں سیاست سے واقف نہیں ہیں حضرت عمر کا مشہور قول کو فہ کے متعلق ہے کہ "کو فہ والوں کا میں کیا کروں اگر کسی قوی آدمی کو حاکم بنا کر وہاں بھیجتا ہوں تو اس کی طرف برائیوں کو منسوب کرتے ہیں اور کسی کمزور کو بھیجتا ہوں تو اس کی تحقیر کرتے ہیں" ۲۸۸ البلاذری مشہور ہے کہ حضرت سعد نے کو فہ کے ایک باشندے کو جس نے بلا وجہ ان کی شکایت کی تھی پھینک دیا یہ بد عادی تھی کہ خدایا اگر یہ شخص میری طرف غلط باتوں کو منسوب کرتا ہے تو اس کی عمر دراز کر دیجئے اور اس کی نظر کو غیر محتاط بنادے فتنوں میں اس کو متبادر کر" کہتے ہیں کہ بوڑھا ہو گیا تھا اور جوان چھو کر یوں کے پیچھے پیچھے گلیوں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا لوگ پوچھتے کہ بڑے میاں تمہارا یہ کیا حال ہے تو جواب میں کہتا کہ سعد کی بد عادی بڑے ہوئے ہے البلاذری نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سعد نے کو فہ کے لئے بد عادی کی تھی کہ خداوند اب کہاں باشندے کسی امیر سے راضی رہیں اور نہ امراء ان سے راضی ہوں" حجاج سے پہلے یہاں کے باشندوں کا دستور تھا کہ جہاں کسی امیر سے بگڑتے بے چارے پر مسجد میں مٹھی بھر بھر کرنگر لیا پھینکتے حجاج نے اس بری رسم کا ازالہ تلوار کے زور سے کیا ۱۲

۱۵ اس واقعہ کا ذکر ابتداء کتاب میں گذر چکا ہے قاضی شریک نے شرط یہ پیش کی تھی کہ میں آپ کے عزیزوں اور اقربا و عہدہ ہار یوں کا خیال نہ کروں گا اس پر منصور نے وعدہ کر لیا تھا کہ تم کو اس کا اختیار دیا جاتا ہے پھر دیوڑھی کی خاص نوٹڈی کا مقدمہ پیش ہوا۔ جس کی تفصیل گذر چکی قاضی شریک کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ قضا کے عہد پر ان کا تقرر ہوا ہے ابو جعفر کے زمانہ میں ہی اور ابو جعفر کے بعد اس کے بیٹے کے عہد میں ہی آخر وقت تک وہ کو فہ کے قاضی رہے ہیں الخلیفہ وغیرہ نے بعض دلچسپ واقعات کا تذکرہ ان قضا کے متعلق کیا ہے ۱۶

روایتیں اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں ان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہی کہ شروع شروع میں امام ابوحنیفہ کو ایک دفعہ یا دو دفعہ اکیلے نہیں بلکہ کوفہ کے دوسرے علماء کے ساتھ طلب کیا گیا تھا اور اس کے بعد چند بار تنہا امام ابوحنیفہ ہی کی طلبی دربار خلافت سے ہوئی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ طلبی کے موقعہ پر حکومت کی طرف سے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا ہے

افسوس ہے کہ لوگوں نے ان ملاقاتوں کے سلسلہ میں اور بہت سی باتوں کا ذکر کیا ہے لیکن ایک چیز جو ان ہی لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتی ہے اس کی طرف خصوصی توجہ شائد نہیں کی گئی ہے شاید پہلے ہی اجمالاً اسکی طرف اشارہ کیا ہے یعنی قضا کا یہ عہدہ امام ابوحنیفہ کے سامنے ایک ہی شکل میں نہیں پیش ہوا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو کسی خاص شہر مثلاً کوفہ یا بغداد کا قاضی چاہا گیا کہ ان کو مقرر کیا جائے اور کردری کی ایک روایت کے جو یہ الفاظ ہیں کہ

وعهد الامام الى البصرة والكوفة  
وبغداد وما يليها ص ۲۳

اور تقرر کا ایک پروانہ امام ابوحنیفہ کے سپرد کیا گیا کہ بصرہ اور کوفہ اور بغداد اور جو علاقے ان صوبوں کے تحت ہیں ان کا قاضی تم کو بنایا گیا

ان کا اگر وہی مطلب ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ بجائے کسی خاص شہر یا صوبہ کے چند ملحقہ صوبوں (کوفہ بصرہ بغداد) کی قضا امام پر پیش کی گئی اور ان ہی مورخین کے متفقہ بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں

بطلب منه ان يكون قاضى القضاة  
امام ابوحنيفه سے چاہا گیا کہ وہ سارے قاضیوں کے قاضی بننے کا عہد قبول کریں یعنی قاضی القضاة بن جائیں۔

موفق نے احمد بن بدیل کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ احمد سے محمد بن حسن صاحب الامالی نے یہ روایت کی ہے ص ۱۷۱ پر خود ہی اس کی شرح میں موفق نے دوسری روایت مجد الائمہ ابو الفضل محمد بن عبداللہ السمرقندی کے حوالہ سے یہ درج کی ہے کہ

ان يتولى القضاء ويخرج القضاة من  
تحت يدك الى جميع كور الاسلا ص ۱۷۲

قضا کے اختیارات ہی دے جاتے ہیں اور یہ کہ سارے اسلامی صوبوں میں قاضی امام ہی کے ہاتھ سے نکلیں

جس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ سارے اسلامی ممالک میں قاضیوں کے عزل و نصب کے اختیار امام ابو جعفر نے امام ابوحنیفہ کے سپرد کرنا چاہا تھا اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسلامی قضا کی تاریخ میں ایک انقلابی روایت ہونے کی حیثیت اس کو حاصل ہونی چاہیے لیکن افسوس ہے کہ گو درج کرنے کی حد تک اس روایت کو ان ہی لوگوں نے درج کیا ہے اور ایک روایت نہیں بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا دو دو روایتیں اس باب میں مروی ہیں جن میں ایک مجمل ہے اور دوسرے میں اسی اجمال کی شرح کی گئی ہے لیکن



ذکر ان کا کچھ ایسے سرسری انداز میں کیا گیا ہے کہ مشکل ہی سے اس کی اہمیت کی طرف توجہ لوگوں کی ہو سکتی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ عام طور پر علماء میں یہ مشہور ہی نہیں ہے سمجھا ہی جاتا ہے کہ قاضی القضاة کے عہدے کی طرف سے پہلے ہارون الرشید کا ذہن منتقل ہوا یعنی اسی نے قاضی ابو یوسف کو کہتے ہیں کہ اس عہدے پر بحال کیا اتنی بات تو صحیح ہے کہ اس عہدے پر بحالی اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے قاضی ابو یوسف ہی کی ہوئی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ لیکن خود اس عہدے کی طرف ہارون کے زمانہ حکومت میں توجہ ہوئی یہ صحیح نہیں ہے بلکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابو جعفر منصور ہی کے زمانہ میں یہ سوال پیدا ہو چکا تھا اور ابو جعفر کی تجویز کو امام اگر قبول کر لیتے تو ابو یوسف نہیں بلکہ اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاة امام ابو حنیفہ ہی قرار پاتے۔

بہر حال لوگوں کی توجہ اوپر مبذول ہوئی ہو یا نہیں ہوئی ہو لیکن اگر یہ واقعہ گذرا ہے تو یقیناً یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر ابو جعفر منصور کے سامنے یہ سوال کس راستے سے آیا؟ یہ صحیح ہے کہ ابو جعفر منصور امام ابو حنیفہ کو شکار کرنا چاہتا تھا پہلے اس نے امام کے زور کو توڑنے کے لئے حجاج بن ارطاة کے سر پر دست شفقت رکھا اور جب ان میں مقابلہ کی صلاحیت نظر نہ آئی تو امام مالک کو میدان میں لانے کا ارادہ کیا ان سے بھی مالوس ہونے کے بعد اب براہ راست وہ امام ہی کو قابو میں لانیکی فکر میں مشغول تھا جیسے شکاری شکار کے سامنے دانوں کو بدل بدل کر ڈالتے چلے جاتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ ان دانوں پر اگر شکار نہ گرا تو شاید دوسرے دانے اس کو مرغوب ہوں اس لئے ان کو چھڑکتا ہے ان سے بھی مایوسی ہوتی ہے تو کسی تیسری قسم کا انتخاب کرتا ہے کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت ابو جعفر کے طرز عمل کی نوعیت یہی نظر آتی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے لئے قصداً دانے کا انتخاب اس نے خاص طور پر کیوں کیا؟ اس کے پاس اس قسم کے دانوں کی کیا کمی تھی وہ بڑی سی بڑی گورنریاں بانٹ سکتا تھا جس قسم کی اور جس شعبہ کی وزرات چاہتا خیرات کر سکتا تھا اور بھی بیسیوں چیزیں ہو سکتی تھیں جنہیں دانہ بنا کر اپنے بچاؤ کے دام کے نیچے چھڑک سکتا تھا لیکن یہ فیصلہ کہ جس شکار کو اس وقت پھنسانا چاہتا ہوں اس کے لئے مرغوب ترین شے قصداً کے عہد ہی کا دانہ ہو سکتا ہے؟ جہاں تک قیاس کا اقتضا ہے اس کا تعلق تجربوں سے نظر آتا ہے جو خروج ابراہیم کے واقعہ سے پہلے ساحل و جلد کے شامی کیمپ میں امام ابو حنیفہ کے متعلق ابو جعفر کو ان دنوں میں ہوتا رہا تھا جب تعمیر مشوروں میں شریک کرنے کے لئے دوسرے ماہرین اور اہل علم و فضل کیساتھ امام ابو حنیفہ کو بھی بلا کر اس نے اپنے پاس رکھا تھا اس زمانہ میں ابو جعفر کے ذہن میں ان سے یہ اثر پیدا ہوا ہو جس کا اظہار اس وقت وہ کر رہا تھا یعنی امام ابو حنیفہ کے متعلق اس نے تاڑ لیا ہو کہ یہ شخص صرف قاضی ہونا ہی نہیں چاہتا بلکہ حکومت کے اس شعبہ کو کلی طور پر اپنے قبضہ اقتدار میں لانا چاہتا ہے جس سے قضاء اور عدالت یعنی مسلمانوں کے باہمی خصومات کے فیصلوں کا تعلق ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے آپ پر ان چیزوں کو چھوڑ چھوڑ چھوڑ چھوڑ اس موقع پر میں نے نقل کیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی قوانین کو ایک باضابطہ مجلس کے ذریعہ مدون کرنا اور اسی کے ساتھ سرکاری

قاضیوں کے فیصلوں پر سلسلہ بجلی گراتے رہنا پھر خلیفہ سے قریب کا موقعہ جب ملتا ہے تو اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے علم اور معلومات اور اپنی فکری و نظری قوت سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہتا ازیں قبل امام اس سلسلہ میں جو کچھ کرتے رہتے تھے ان سب کو دیکھ کر اگر صراحتہ امام کی طرف سے خواہش کا اظہار نہ ہو گیا ہو جب بھی ان کی زندگی اور زندگی کی ساری سرگرمیوں سے قدرتی طور پر آدمی کو اسی نتیجہ تک پہنچ جانا چاہیے تھا جس پر منظور ہو چکا تھا۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ جن دانوں کو امام کے سامنے ابو جعفر منصور اس وقت چھڑک رہا تھا ان کے متعلق یہ احساس کہ امام کی یہ مرغوب ترین خوراک ہو سکتی ہے خود امام ہی کا قصد پیدا کرایا ہوا احساس تھا۔ بلکہ امام مالک کے سامنے ابو جعفر نے یہ تجویز جو پیش کی تھی کہ ان کے اجتہادی نتائج کو مدون کر کے ان ہی کو پیروی سارے ممالک محروسہ میں لازم کرادوں گا یہ خیال ہی جہاں تک میرا اندازہ ہے امام ابو حنیفہ ہی کا پیدا کرایا ہوا خیال تھا شاید انتقام کی نسبت بہتر صورت اس کو یہی نظر آئی کہ جن امیدوں پر ابو حنیفہ جی رہا ہے ان کے ختم کرنے کی بہترین صورت یہی ہو سکتی ہے کہ امام مالک کے اجتہادات کو سارے اسلامی ممالک میں مروج کر دیا جائے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امام مالک کی روحانی بصیرت سے امام ابو حنیفہ کی امداد قدرت کی طرف سے عین وقت پر اگر نہ کرانی جاتی تو ان کی ساری محنت جو اب تک اس سلسلہ میں انہوں نے کی تھی سب برباد اور اکارت ہو کر رہ جاتی ان کی مجلس وضع قوانین کی کوششوں کا سارا سرمایہ نیز اس عرصے میں اپنے شاگردوں کو جن اغراض کے تحت انہوں نے تیار کیا تھا یعنی وہی بات جس کا وقتاً فوقتاً اظہار فرماتے رہتے تھے کہ ان میں کچھ تو مفتی ہونگی صلاحیت رکھتے ہیں کچھ قاضی بن سکتے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت و تعلیم کا کام انجام دے سکتے ہیں یہ سارا مسودہ ان کا دہرا کا دہرا رہ جاتا لیکن امام مالک نے ابو جعفر کو اپنے متعلق کچھ اتنا مایوس کر کے واپس کیا کہ اب کوئی دوسری صورت اس کے سوا سامنے نہ رہ گئی کہ ابو حنیفہ کو قابو میں لانے کے لئے ان دانوں کو اس کے سامنے بکھیر دیا جائے جن کے لئے وہ زندگی بھر تیار رہا ہے میرا تو خیال ہے کہ اسلامی عدالت کی یہ تنظیم یعنی یہ جو ہو رہا تھا کہ حکومت چاہتی تھی قاضی مقرر کر کے مختلف علاقوں میں بھیج دیتی تھی اور اس کی مطلقاً پروا نہیں کی جاتی تھی کہ نقاط نظر اور معلومات وغیرہ کے لحاظ سے ان کا کیا حال ہے؟ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا تھا کہ وقت پر جس کی سمجھ میں اپنے خام غیر منقح معلومات کی بنیاد پر جو بات بھی آجاتی تھی اسی کو فیصلہ قرار دے دیتا تھا اس سلسلہ میں جو کچھ ہو رہا تھا تفصیل سے اس کا ذکر کر چکا ہوں۔ بتا چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کے طریقہ کار سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ انتشار و پراگندگی فوضویت و لامرکزیت کے ان خرخشوں کا اسلامی عدالتوں سے خاتمہ کرانا چاہتے تھے سب سے پہلا کام اس سلسلہ میں اسی لئے انہوں نے اسلامی قوانین کی باضابطہ تدوین کو قرار دے کر اپنا سب کچھ اسی نصب العین کے تکمیل میں لگا دیا تھا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ مشہور دانشور و از عبداللہ بن المقفع جس کا قیام بصرہ میں تھا اس کی طرف تاریخوں میں یہ بات جو منسوب کی گئی ہے کہ اسی عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس



اس نے ایک خط لکھ کر اس مضمون کا بھیجا تھا جس کا خلاصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے کوفہ اور بصرہ ان دو شہروں کے متعلق خصوصاً اور عام اسلامی علاقوں کے متعلق یہ لکھا تھا کہ

”میں امیر المؤمنین کو ان شدید اختلافات کی طرف متوجہ کرانا چاہتا ہوں جو قضا کے فیصلوں کے اختلافات کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں لوگوں کی جان اور لوگوں کے ناموس و عزت کے متعلق طرح طرح کی بے ترتیبیاں پیدا ہو گئی ہیں یہ واقعہ ہے کہ حیرہ (جو کوفہ سے کل چھ میل دور ہے) اس شہر میں کسی شخص کی گردن مارنے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے یا عورت کسی مرد کو ولادی جاتی ہے حالانکہ ٹھیک اسی نوعیت کے مقدموں میں دیکھا جاتا ہے کہ وسط کوفہ میں بیٹھے ہوئے قضاة بالکل اس کے مخالف فیصلے دے رہے ہیں“

اس نے یہی اسی خط میں لکھا تھا کہ

بہت سے لوگ تو بنی امیہ کی حکومت کے زمانہ کے فیصلوں کو بہ طور نظیر کے استعمال کرتے ہیں پوچھا جاتا ہے کہ ایسا فیصلہ کس بنیاد پر تم نے کیا تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا کوئی فیصلہ پیش کیا جاتا ہے اور نہ خلفاء راشدین کے عہد کا بلکہ کہہ دیا جاتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں فلاں شخص نے مثلاً یہی فیصلہ کیا تھا یا اسی قسم کے دوسرے حکمرانوں کا نام لے کر لوگوں کو فخرش کر دیا جاتا ہے“

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی ابن المقفع نے آخر میں اپنی یہ رائے ابو جعفر کے سامنے اس خط میں یہ پیش کی تھی کہ

اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ سنت اور صحیح قیاس کی روشنی میں مدون کیا جائے اور حکومت اسی کو عدالتوں میں بطور ضابطہ کے نافذ کر دے تاکہ اس گڑبڑ اور انتشار و پراگندگی کا خاتمہ ہو جائے“ ص ۸۵ القضاة فی الاسلام

اگر ابن المقفع نے واقعی اس قسم کا کوئی خط ابو جعفر کو لکھا تھا تو میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بھی امام ابو حنیفہ کے نقطہ خیال سے متاثر ہو رہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور تاثر نہ ہی تو اردہ ہی ہو پھر ہی ابن المقفع بے چارہ تو صرف ایک تجویز پیش کر رہا تھا اور امام ابو حنیفہ ان سارے قصوں کو عملاً ختم کر چکے تھے بیس سال کی مسلسل محنت کدو کاوش سے اسلامی قوانین کا ایک مکمل ضابطہ بھی انہوں نے مدون کر لیا تھا اور ان ضوابط کو صحیح طور پر استعمال کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت اپنے تلامذہ کی شکل میں اگر سارے اسلامی ممالک میں نہیں تو ممالک خروسمہ عباسیہ کے سارے مشرقی شہروں میں وہ یقیناً پھیل چکے تھے مشکل ہی سے کوئی مرکزی شہر عراق و خراسان وغیرہ میں بچا ہوا تھا جہاں ان کے شاگرد موجود نہ تھے اور کیسے شاگرد اگر لوگوں کا یہ بیان صحیح ہے کہ امام کے چار شاگرد ایسے تھے جن کے متعلق حسن بن حماد کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے

كان الحفاظ للمفتد كما يحفظ القرآن اربعة فقہ کے مسائل کے حافظ چار آدمی تھے اسی قسم کے حافظ جسے قرآن زفر و یعقوب و اللہ بن عمر و علی بن مسہر صحیح طور کے حافظ ہوتے ہیں یعنی زفر یعقوب (ابو یوسف) اسد بن عمر علی بن ہر

امام ابو حنیفہ کی مجلس کے مدونہ قوانین کی تعداد کے متعلق خوارزمی بھی کے بیان کو اگر صحیح مان لیا جائے یعنی (۸۳) ہزار وفات پر ان کا یہ مجموعہ مشتمل تھا جب بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ زبانی اتنے وفات کو قرآن کی طرح یاد کر لینا کیا آسان تھا؛ مگر امام کے سامنے جو لائحہ عمل تھا جس کو پیش نظر رکھ کر وہ کام کر رہے تھے اس کے لحاظ سے اس پر تعجب بھی نہیں ہوتا جو علانیہ اپنے طلبہ اور تلامذہ کو یہ مشورہ دیتا ہو کہ ایسے کمالات اپنے اندر پیدا کرو کہ لوگ تمہارے محتاج ہو جائیں شاگردوں کو وصیت کرتا ہو کہ حکومت کی ملازمت میں اس وقت تک تم لوگوں کو شریک نہیں ہونا چاہیے جب تک اس کا اطمینان نہ کر لو کہ تم پر دوسروں کو حکومت اب ترجیح نہ دے گی الغرض یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں جن کا ذکر پہلے تفصیل سے کر چکا ہوں ان کو دیکھتے ہوئے کچھ بعید نہیں ہے اگر امام کے خاص شاگردوں نے ان کے مدونہ قوانین کے سارے مجموعہ کو زبانی یاد کر لیا ہو خصوصاً قاضی ابو یوسف کے متعلق جو باتیں ان سے مروی ہیں مثلاً یہی کہ ایک دفعہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں قاضی ابو یوسف بیمار ہوئے مرض سخت تھا امام ابو حنیفہ بار بار ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے ایک دن امام صاحب جب دستوران کو دیکھنے کے لئے جو آئے تو دیکھا کہ ابو یوسف کی حالت بہت غیر موثر ہے بے ساختہ امام صاحب کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ جاری ہو گئے راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بڑے دردناک لمحے میں امام ابو حنیفہ کو میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے

لقد كنت اوملاک بعدی للمسلمین اپنے بعد مسلمانوں کے متعلق میری بہت سی امیدیں  
صیراج ۱ تم ہی سے قائم تھیں

کہتے ہیں کہ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہاری موت کی مصیبت میں لوگ مبتلا کئے گئے تو علم کی بہت بڑی مقدار مر جائے گی

میں خاص طور پر امام کے ان الفاظ کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جنہیں بحسنہ عربی الفاظ کے ساتھ میں نے نقل کیا ہے؛ یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے اقوال کے سوتے ہوئے اگر یہ سمجھا جائے کہ قاضی ابو یوسف کے ساتھ جو واقعہ بعد کو پیش آیا یعنی ہارون رشید کے زمانہ میں حکومت عباسیہ کا محکمہ عدل انصاف بالکل یہ ان کے سپرد کر دیا گیا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور عام طور پر دنیا اس سے واقف بھی ہے یہ واقعہ اتفاقی نہیں بلکہ پہلے سے سوچا سمجھا ہوا تھا ایک خاص لائحہ عمل جسے مسلمانوں کے متعلق امام ابو حنیفہ نے تیار کیا تھا اسی کے مطابق واقعہ کا ظہور ہوا تو اس کے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے؛ شجاع بن مخلد جو ابو داؤد اور نسائی کے راویوں میں ہیں ان ہی کے حوالہ سے موفی نے یہ فقرہ نقل کیا ہے یعنی شجاع کہتے تھے کہ میں نے براہ راست قاضی ابو یوسف سے ایک دن یہ سنا کہ وہ کہہ رہے تھے۔

ما اعظم بركة الی حنیفة فتم لنا سبیل  
الدنیا والاخرتہ ص ۲۷ ج ۲

ابو حنیفہ کہتے باریکت آدمی تھے دنیا اور آخرت دونوں کی راہیں ہم پر ان ہی کی کہولی ہوئی ہیں  
آپ قاضی ابو یوسف کے اس فقرے کو امام ابو حنیفہ کے مذکورہ بالا فقرے کے ساتھ ملائے جو ان کی زندگی سے مایوس ہونے کے وقت انہوں نے فرمایا تھا کیا قاضی ابو یوسف کا یہ صراحتہ کہلا ہوا اعتراف ہے



ہیں ہے کہ جو صورتیں ان کے ساتھ بعد کو پیش آئیں ان میں امام ابو حنیفہ ہی کا ہاتھ تھا اور ایک ابو یوسف کیا؟ آپ ان تلامذہ کے حالات پڑھیے جنہیں امام نے عباسیوں کے ممالک محروسہ کے اکثر علاقوں میں پھیلا دیا تھا کما و مقداران کی جو تعداد تھی تو وہ بجاے خود ہے شافعی المذہب مورخ حافظ ابن حجر نے خیرات الحسان میں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”صحیح طور پر امام کے تلامذہ کا اور ان لوگوں کی تعداد کا پتہ چلانا دشوار ہے جنہوں نے

امام ابو حنیفہ سے علمی استفادہ کیا ہے شاید اسی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ

ابو حنیفہ کے اصحاب اور تلامذہ کی جتنی کثرت ہے اس کی نظیر مسلمانوں کے دوسرے

مشہور ائمہ میں شکل ہی سے مل سکتی ہے“

حافظ ہی نے اس کے بعد نقل کیا ہے کہ

”پچھلے زمانہ میں بعض محدثین نے امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی فہرست جو بنانی جاہلی تو

قریب قریب آٹھ سو نام اس سلسلہ میں ان کو ملے“ ص ۱۵۵ منقول از معجم

موفق نے (۱۳۰) آدمیوں کے نام اس سلسلہ میں گنوائے ہیں صاحب معجم المصنفین نے اس فہرست کو

درج کرتے ہوئے اجمالاً ان کے حالات کی طرف جو اشارے کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً پچاس

آدمی ان میں ایسے تھے جنہوں نے حکومت عباسیہ کے مختلف علاقوں میں امام ابو حنیفہ کے بعد قضا کی خدمت انجام

دی ہے لیکن یہ غلط فہمی ہوگی اگر سمجھا جائے کہ امام کے تلامذہ میں قاضیوں کی تعداد اسی حد تک محدود

ہے بلکہ یہ تعداد تو ان قاضیوں کی ہے جن کا رجال اور تاریخ کی کتابوں میں تذکرہ ملتا ہے۔ عموماً صحاح

کی کتابوں میں ان سے چونکہ حدیثیں مروی ہیں اسی لئے ائمہ لغت نے اسماء الرجال کی جو فہرستیں بنائی ہیں ان

میں ان کے نام داخل کر دیا گیا ہے ورنہ امام کے بعد ان کے شاگردوں میں جو قاضی ہوئے ہیں ان کی

حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے مثلاً میں قاضی توبہ بن سعد مروزی کو پیش کرتا ہوں رجال کی کتابوں

میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے سوانح نگاروں نے ان کو ان قاضیوں میں شمار کیا ہے جنہیں

امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں خاص امتیاز حاصل تھا اور کینا امتیاز؟ یہ موفق نے نصر بن زیاد کے

حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام مالک کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ قاضیوں کا ذکر چھڑ گیا۔ اسی سلسلہ

میں قاضی توبہ بن سعد کا نام بھی آیا۔ نصر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ توبہ کے ذکر پر امام مالک فرما رہے

لو دردت ان عننا واحدًا مثلہ ص ۱۲۶ میری آرزو ہے کہ ہم میں تو جیسا ایک آدمی ہی ہو۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جن قاضیوں کا رجال کی کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا ان میں کیسے

کیسے لوگ ہوں گے۔

۱۵ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ تعداد امام کے ان شاگردوں کی ہے جنہوں نے امام سے مسائل اخذ کر کے دوسرے سے بیان

کئے ہیں ورنہ ان ہی موفق نے اپنے والد کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ امام کے شاگردوں اور معتقدوں کی تعداد ہزار ہا ہزار ہے متجاوزہ تفصیل کیے دیکھو

مناقب موفق اور معجم المصنفین للذہبی ۱۲

اور علاوہ ان بزرگوں کے جنہوں نے قضا کے عہدے کو قبول کیا مشکل یہی ہے ممالک محروسہ  
 جاپیدہ کا کوئی ایسا شہر یا قصبہ اس زمانہ میں تھا جس میں امام کے تلامذہ نہ پائے جاتے ہوں ان میں ایک بڑا  
 گروہ ان لوگوں کا تھا جنہیں درس و تدریس افتاد و تصنیف وغیرہ کے لحاظ سے اپنے اپنے علاقوں میں  
 مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مولانا محمود حسن لٹوکی نے اپنی کتاب معجم المصنفین میں ان مقامات کی فہرست درج  
 کی ہے جو جہاں جہاں امام کے تلامذہ اس زمانہ میں پائے جاتے تھے حسب ذیل شہروں کا نام لیا ہے یعنی  
 (۱) بصرہ (۲) واسط (۳) موصل (۴) جزیرہ (۵) رقة (۶) نصیبین (۷) دمشق (۸) رملہ (۹) مصر  
 (۱۰) یمن (۱۱) یمامہ (۱۲) بحرین (۱۳) بغداد (۱۴) اہواز (۱۵) کرمان (۱۶) اصفہان (۱۷) حلوان (۱۸) اشتراباد  
 (۱۹) ہمدان (۲۰) رے (۲۱) قوس (۲۲) دامغان (۲۳) چرچان (۲۴) پشناپور (۲۵) سرخس (۲۶) نسا و  
 (۲۷) مرو (۲۸) بخارا (۲۹) سمرقند (۳۰) کش (۳۱) ترمذ (۳۲) بلخ (۳۳) ہرات (۳۴) قہستان  
 (۳۵) سجستان (۳۶) رم (۳۷) خوارزم

ان کے سوا کوفہ جو امام کا وطن تھا اور حرین دکنہ معظمہ اور مدینہ منورہ جہاں برسوں امام  
 مقیم رہے ہیں ان کا تذکرہ اس فہرست میں نہیں کیا گیا ہے اس زمانہ میں مسلمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ  
 جس طریقہ سے شروع ہوا تھا خصوصاً حج کے لئے خراسان سے براہ کوفہ جو لوگ سفر کرتے تھے اگر یہ باتیں  
 لوگوں کے سامنے ہوں تو جو فہرست پیش کی گئی ہے قطعاً اس پر ان کو تعجب نہ ہونا چاہیے میں نے اس مسئلہ  
 کی طرف پہلے ہی شاید کچھ اشارہ کیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں کچھ غیبی تأییدوں  
 کو بھی دخل ہوتا ہے مرفق نے عبد اللہ بن عبید اللہ کے حوالہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے یعنی وہ کہتے تھے کہ

۱۵۔ غالباً یہ وہی عبد اللہ بن جن کا تذکرہ دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصہ کے واعظوں کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے  
 یہ ظاہر امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی کا یہ واقعہ ہے یا ان کی وفات کے کچھ دن بعد کا اور اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے کہ کوفہ سے  
 منتقل ہو کر نہ صرف امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی بلکہ ان کی مجلس وضع قوانین کی مدد و نگہداشت میں افریقہ کے دور دست علاقوں  
 میں اسی زمانہ میں کیے ہوئے گئیں وجہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ امام عبد اللہ بن فروج تھا ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے  
 اصل وطن تو ان کا خراسان تھا لیکن بعد کوفہ کی وجہ سے ہجرت کر کے یہ افریقہ کے مشہور شہر قیروان چلے گئے اور وہیں رہ پڑے  
 لکھا ہے کہ انہوں نے کوفہ پہنچ کر باضابطہ امام ابو حنیفہ سے تعلق حاصل کیا اور ۱۴۰ ہجری میں یہ مہر آئے مصر سے قیروان چلے  
 گئے غیر معمولی ذہین آدمی تھے اسی سے ان کی ذہانت کا اندازہ کیجئے کہ امام ابو حنیفہ کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ  
 ذہانت میں زفر بن ہذیل کی شہرت ہے لیکن لکھا ہے کہ زفر کو ہمیشہ ابن فروج کے مقابلہ میں شکست ہی اٹھانی پڑی  
 خود ابن فروج بیان کرتے تھے کہ جس کسی سے میں اب تک ملا ہوں سب سے زیادہ فقیہ میں نے اپنے آپ ہی کو پایا بجز ابو حنیفہ  
 کے علاوہ علم و فضل کے رنگ ان کے نقوی اور پارسی کی ہی شدت سے مقصد تھے گھر سے جب نکلتے تو مرہقوں کا ہجوم  
 راستہ پر دم کرانے کے انتظار میں کھڑا رہتا تھا مزی ابن جہاں بھوں نے ان کا ذکر کیا ہے اور تشریح کی ہے ان سے  
 بھی محدثین کو ان ہی دو باتوں کی شکایت تھی ایک تو وہی کہ نبی کو حلال سمجھتے تھے اور دوسری بات (یعنی ہر صفحہ آئندہ)



میں نے مسجد حرام (مکہ معظمہ) میں اپنے والد کو دیکھا کہ ایک شخص سے بحث کر رہے ہیں بہرہ ایک پیر و لہجی مسافر آدمی معلوم ہوتا تھا مگر باتیں پتے پتے کی پوچھ رہا تھا میرے والد نے اس کے سوالات کی گزرتیوں کو دیکھ کر دریافت کیا کہ بھائی تم کہاں کے رہنے والے ہو اس نے کہا کہ جناب میرا وطن طنجہ ہے اسلام کے آخری حدود کا یہ علاقہ ہے مکہ معظمہ سے کئی ہزار میل دور ہے میرے والد نے پوچھا کہ پیر یہ باتیں تمہیں کس ذریعہ سے معلوم ہوئیں جو تم پوچھ رہے ہو اس نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے اور آخر میں اس نے کہا کہ گو ہمارے یہاں امام مالک اور امام اوزاعی کے اقوال کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن فتویٰ عموماً ابو حنیفہ کے قول پر دیا جاتا ہے۔

کچھ ہی عرصہ خیال عباسیوں کے دور حکومت کے ابتدائی دنوں میں جو پیدا ہو گیا تھا کہ قضا کے مسئلہ میں جو پراگندگی اور انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اس کو ختم کر کے باضابطہ تنظیم اس کی اس طور پر کی جائے کہ ممالک محروسہ کے سارے قضا اور سدھی عدالتوں کو کسی ایک ہی آدمی کے سپرد کر دیا جائے یعنی قاضی القضاة ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ کے سامنے پیش کیا تھا یہ خیال خود امام ابو حنیفہ ہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ انہوں نے اسلامی عدالت کی تنظیم اور نظام عدالت کی توحید کے لئے سر و سر کی بازی لگا دی تھی اور کوئی شبہ نہیں کہ جس وقت ابو جعفر نے امام کو اپنے دام میں لانے کے لئے ان کے اس آخری مرغوب دانے کو سامنے رکھ دیا تو یہ ظاہر عقل کا تقاضا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدے کو چاہیے تھا کہ وہ قبول کر لیتے اور جس طرح مقامی یا چند صوبوں کی قضا کو انہوں نے مسترد کر دیا تھا حکومت کے اس پیش کش کو مسترد نہ کرتے۔

لیکن میرے خیال میں امام ابو حنیفہ کی زندگی کا یہی آخری امتحان تھا امام ابو حنیفہ کا آخری امتحان یہی دیکھنے کی بات تھی کہ اس وقت وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ یہ سچ ہو گیا اگر اس پیش کش کو حکومت کے وہ قبول کر لیتے تو یہ ظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اپنے اس مقصد میں جس کے لئے وہ جی رہے تھے اس میں کامیاب ہو جاتے لیکن ابو حنیفہ ابو حنیفہ ہی کب بیٹے اگر ان کی سمجھ میں ہی وہی بات آتی جو ہر عالمی کی سمجھ میں آتی ہے۔

سچ چاہیے کہ سارے ممالک محروسہ کے قاضی القضاة بن کر حکومت عباسیہ میں امام ابو حنیفہ ایک ممتاز مقام اگر حاصل کر لیتے گویا ایک طرح سے ابو جعفر منصور کے وزیر عدالت کے منصب جلیل پر اس طریقہ

بقیہ سلسلہ گذشتہ) امام ابو حنیفہ کے سیاسی نقطہ نظر میں ان کی عنوانی تھی یعنی لکھا ہے کہ کان یروی الخرج علی اهل الجور (ظالم حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے قائل تھے ان سنن ابو داؤد میں روایت ہے دیکھو جو ابہر مفید سنہ ۲۸ ج ۱ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مقرر نے کتاب الخطط میں ان ہی عبداللہ بن فروج کے متعلق لکھا ہے کہ افریقیہ میں پہلے کسی خاص مسلک کے لوگ پابند نہ تھے بلکہ حدیث و قرآن پر عامل تھے ان ہی عبداللہ بن فروج نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کو افریقیہ میں پھیلا یا اور ان کے بعد اسد بن فرات امام کی کتابیں افریقیہ میں لے گئے دیکھو مقرر نے سنہ ۸۱ ج ۲ اسد بن فرات کا ذکر میں اجمالاً نہیں کیا ہے مگر افریقیہ میں جو تعلق ہے اس کی تاریخ میں اس کے وجود کو بڑی اہمیت حاصل ہے کتاب تدوین فقہ میں انشا اللہ اس کی تفصیل کی جائے گی

سے قائل ہو جاتے اور وہی گراں قدر تنخواہ اور دوسری آمدنیوں اسی عورت کے ساتھ امام ابوحنیفہ کو مل جاتی جو اسی قاضی القضاة کے عہد پر بجالی کے بعد قاضی ابو یوسف کو ملیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ یقیناً ایسے زمانے میں جب ان ہی عہدوں اور مال و جاہ کو حاصل کرنے کے لئے لوگ سب کچھ کر رہے تھے آسمان کے قلابے زمین سے اور زمین کے قلابے آسمان سے نکل رہے تھے نہ خود مرنے سے ڈرتے تھے نہ دوسروں کو مارنے کی پروا کرتے تھے مسلمانوں کا خون بہانے تھے قریب سے قریب تر عزیزوں اور رشتہ داروں تک کو اپنی راہ میں حائل پاتے ہوئے دیکھ کر بے دردی کے ساتھ ان کو ختم کر دیتے تھے اللہ جل جلالہ ہمیشہ جاہ و مال کے لئے دنیا سب کچھ کرتی رہی ہے وہ بھی کر رہے تھے پھر جہاں بیسوں راہیں حصول جاہ و مال کے لئے اختیار کرنے والے اختیار کر رہے تھے سمجھنے والوں کو کون روک سکتا تھا اگر یہ سمجھتے کہ ان ہی راہوں میں ایک راہ علم اور دین کی ہی تھی جس کو ذریعہ بنا کر حکومت کے اس منصب و اقتدار کے حاصل کرنے میں ابوحنیفہ نے کامیابی حاصل کی حد انخواستہ مخلوق کو اس راستے کے قائم کرنے کا موقعہ اگر دے دیا جاتا تو خواہ نیت کے لحاظ سے یہہ راستے ان کی غلطی ہی ہوتی لیکن امام صاحب کی ساری کوششوں کے راز گاہ ہونے میں کیا کوئی شبہ باقی رہ سکتا تھا یقیناً انہوں نے جو کچھ کیا تھا سب اگلا رہتا ہوا کہ رہ جاتا ایک وقتی طمطراق کے سوا ان کے مجاہدات کی نوعیت قطعاً اور کچھ باقی نہیں رہتی تھی پھر یہ زمانہ میں اس قسم کی کوششوں کا انجام ہوا ہے کوئی وجہ ہو سکتی تھی جو امام کی کوششیں اس پر انجام سے بچ سکتی تھیں!

مگر مصیبت یہ تھی کہ پھر آخری خوراک تھی جسے حکومت نے ان کے سامنے پیش کیا تھا ابوحنیفہ کا اصلی مقصد تو امام کو اپنے قابو میں لانا تھا ان فتنوں کا جن کا تجربہ امام ابوحنیفہ سے ہو چکا تھا اسکے سوا کوئی علاج نہ تھا کہ امام کو پاتا تو حکومت میں تک کر لیا جائے یا ان کو ختم کر دیا جائے۔ وہ سٹے کر چکا تھا کہ

لے قاضی ابو یوسف کو مالی منافع کیا حاصل ہوئے اگر ان کا حساب کیا جائے تو لاکھوں لاکھ سے وہ متجاوز ہو جائیں گے خاندان کوئی چینیہ گذر نہ ہوگا جس میں خلیفہ کی طرف سے یا خلیفہ کے اعزہ و اقربا اور بیگیوں کے پاس سے قاضی صاحب کے پاس بڑی بڑی زمین انعام کی ہیں آتی ہیں علاوہ رقوم کے قیمتی کپڑوں کے تحفان طرح طرح کے ظروف اور تحفے ہر ایجن کا ذکر سو غنیمت نے کیا ہے ابھی پوری تحقیق سے نہیں کہہ سکتا لیکن ابن المبارک کے نوالہ سے عام کتابوں میں ان کی تنخواہ بتائی گئی ہے کہ طلائی سکہ تنوا اور نقرئی سکہ ہزار ہا وار ملتے تھے دینار طلائی سکہ اس زمانے کا موجودہ عہد کے روپیے سے کہتے روپیہ کا ہونا تھا یہ ذرا تفصیل طلب ہے مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا عطا یا اور انعام کے مقابلہ میں اس تنخواہ کی کوئی حقیقت نہ تھی ہارون نے جب کبھی انعام دیا ہے۔ تو ایک لاکھ دو لاکھ درم مثل ہزار سے کم تو شاید کبھی نہیں دیا دیکھیے امام ابو یوسف کی سوانح عمری لکھا ہے کہ ان ہی کے ساتھ بہت خاص رعایت ہارون کی تھی کہ سارا سارا پرودہ تک پہنچتے اور پرودہ جس وقت ملتا اس وقت ہی سواری رہتے ہارون پہلے سلام کرتا جب قاضی ابو یوسف ہارون کے سامنے آتے تو عادتاً اس مہر عہ کو ہر طرف پھیلا جارت بد معنی اور بد بختی یعنی عامہ باہر سے ہا در اور ہوا وہ پھر کھانے آیا لکھا ہے کہ انہی صاحب کے صلیب میں ایک ایک وقت



اس خطرناک کاٹھے کو اپنی حکومت کی راہ سے بہر حال نکال کر بڑھکا اور اوہ جو کچھ بھی کر رہا تھا اس نے  
 کر رہا تھا قاضی القضاة کا عہدہ یعنی عدل و انصاف فصل خصوصیات جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حکومت کے اس جوہری  
 شعبہ کے کل اختیارات کی سپردگی اس سیاسی بازیگری کا آخری نتیجہ تھا جسے ابو جعفر نے پھینک دیا تھا اس کے  
 بعد اگر کوئی اور چیز ویجا سکتی تھی تو شاید وہ خود خلافت ہی ہو سکتی تھی  
 خلاصہ یہ ہے کہ یہ آخری لقمہ تھا ابو جعفر اس کے رد عمل کو دیکھنا چاہتا تھا کہ اب ابو حنیفہ  
 کیا کرتے ہیں؟ امام کے سوانح نگاروں نے امام ابو جعفر البکیر کے صاحبزادے ابو عبد اللہ محمد کے حوالہ  
 سے جو یہ نقل کیا ہے کہ ابو جعفر منصور اور امام ابو حنیفہ کے درمیان جس زمانے میں کش مکش کا یہ سلسلہ  
 جاری تھا تو ابو جعفر کے وزیر عبد الملک بن حمید جو امام سے عقیدت رکھتا تھا اس نے آکر امام کو سمجھاتے  
 ہوئے مطلع کیا تھا کہ

ان امیر المؤمنین یطلب علیک علة  
 فان لم تجدین صدق علی نفسك  
 ما ظن بک ص ۲۱۶ ج ۱

امیر المؤمنین (یعنی ابو جعفر) تو صرف حید کی تلاش  
 میں ہے اگر آپ اس کے عطیہ کو قبول نہ کریں گے تم جو  
 بدگمانیاں آپ کے متعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق یقین کر لینگے  
 کہ سچ ہیں

امام ابو حنیفہ کے سامنے اب کل دوراں بھٹیں یا تو ابو جعفر کے اس پیش کئے ہوئے آخری لقمہ  
 کو نکل کر خود بیچ جائیں لیکن اپنی زندگی کی ساری کمائی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں یا ابو جعفر کی بدگمانیوں  
 کو یقین کے درجے تک پہنچا کر اپنے نصب العین کو بقا و دوام بخشنے کے لئے خود اپنی ذات کے ختم ہو جانے  
 کے خطرے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

مجھے بیابارافسوس ہے کہ امام سوانح نگار اپنی ذاتی دل چسپیوں کی تفصیل میں  
 کچھ اس طرح مہمک ہو گئے ہیں کہ بہت سے واقعات جن کا تذکرہ ضروری تھا ان کو غیر اہم قرار دیکر  
 لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہے مثلاً اس قسم کی باتیں کہ ابو جعفر نے امام کے سامنے اتنی رقمیں پیش کیں  
 اس قسم کو یا ابو جعفر کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ امام کو اس نے کوڑے سے پٹوایا ہی تھا اس کی تفصیل  
 ہے ان کو اتنی دل چسپی معلوم ہوتی ہے کہ کوڑوں کی تعداد کتنی تھی کوئی دس دس کوڑے یو مییکا  
 صاحب بتاتا ہے کوئی تیس کوڑوں کی روایت کو ترجیح دینا چاہتا ہے یہ یہ کہ جب ابو جعفر کو اس کے  
 چچا عبد الصمد نے آکر ڈانٹا تو گھبرا کر ابو جعفر نے کہا کہ فی تازیانہ میں تیس تیس ہزار درہم بطور قدیہ  
 دینے پر تیار ہوں آپ جا کر ان کو راضی کیجئے لیکن امام صاحب راضی نہ ہوئے اس پر راوی  
 بہر اپنی یہ رائے پیش کرتا ہے کہ

سوچنے کی بات ہے کہ یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب ایک درم آج کل کے حساب سے  
 سو درم کا قائم مقام تھا کیونکہ پینے زمانہ میں روپیے کی اتنی کثرت نہ تھی

جتنی اب ہے۔

حالانکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں خود راویوں کی ملایانہ زندگی کے لحاظ سے ان رقموں کو خواہ جتنی ہی اہمیت حاصل ہو لیکن کروڑوں نہیں تو لاکھوں لاکھ کے کاروبار کرنے والے امام ابوحنیفہ کی نسبت سچ پوچھیے تو اتنے بدلوں کی چنداں وقعت بھی نہ رہتی لیکن ان حضرات کے نزدیک چونکہ یہی بہت بڑی چیز تھی اس لئے بار بار مختلف پیرایوں میں یا تو روپیے کے رد و قبول کے ذریعہ اپنا زور ان حضرات نے خرچ کر دیا ہے یا داستان کو زیادہ پر کیف اور با مزہ بنانے کے لئے مار پیٹ کے قصوں کے بیان کرنے میں یہ سوچے بغیر کہ دوسرے حالات پر وہ کس حد تک مشفق ہو سکتے ہیں بڑی دراز نفسیوں سے کام لیا گیا ہے حتیٰ کہ بعضوں نے تو یہاں تک بیان کر دیا کہ علانیہ کہلے میدان میں جس کا نام عقاب میں کامیابان تھا کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا اور بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی ہے ان ہی بیان کرنے والوں نے اسی روایتیں ہی پہلا دی ہیں جن کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کے بدن سے کپڑے اتر کر صرف پانچاے کے ساتھ پوچھیں وہ اپنے ہاتھ میں بیڑیاں ڈالے جیل خانے سے ان کو باہر لاتے۔ یہ تماشا دیکھنے کے لئے لوگوں کو خام و عورت دی جاتی جب لوگ جمع ہو جاتے تو امام پر کوڑے لگائے جلتے مارتے مارتے کھال اوجھڑوی جاتی حتیٰ کہ امام کی اڑیوں سے خون بہنے لگتا اسی حال میں پولیس کے بھی سپاہی امام صاحب کو بند اوکے سارے بازاروں میں خلیفہ کے حکم سے گشت کراتے امام صاحب روتے جاتے ایک سے زیادہ دن تک ان لوگوں کا بیان ہے کہ بغداد کے بازاروں میں یہ تماشا پیش ہوتا رہا کوئی مشبہ نہیں کہ ان اضافوں سے مظلومیت کی تصویر کشی میں درد کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے لیکن اب اسے کیا کہئے کہ ایک ہی سانس میں ان روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ ان ہی حالات میں آخر امام کی وفات ہو گئی اور جس میدان میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی نمازیوں سے وہ بھر گیا تھا میدان کی جب پیمائش کی گئی تو اندازہ کیا گیا کہ کم از کم پچاس ہزار آدمی جنازے کی نماز میں شریک تھے یہ بھی کہتے ہیں کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے چہرہ و رخسار امام کے جنازے پر نماز ہوئی بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ جن لوگوں کو جنازے کی نماز نہ مل سکی وہ قبر پر بس دن یا اس سے بھی زیادہ دنوں تک نماز پڑھتے رہے یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کی وفات کی

لے موفق نے راوی کا نام عبدالعزیز بن عھلم تھا یا لکھا کہ ابوحنیفہ کے دیکھنے والوں میں تھے ان کے اس تشریح سے میری سمجھ میں ایک اور بات آرہی ہے یعنی کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے متعلق شاید ہمیشہ لوگوں میں یہ خورشید تقاریر پالی گئی ہو یہ ان ہی کے زمانہ میں مستسا اور ارزاں ہو گیا ہے ورنہ ان کے زمانے سے پہلے بہت کم یا بے تھا۔ آج بھی بولنے والے تقریباً آٹھ نو سو سال کے بعد جبکہ ان ہی الفاظ کو مہراتے ہوئے نظر آتے ہیں میں نے مسلمانوں کے معاشی اور معاشرتی مسائل کے متعلق بعض معلومات ایک کتاب میں کچھ جمع کر کے ہیں ان کو دیکھئے اس منالط کی حقیقت کسی نہ کسی حد تک ان مکتوبات سے واضح ہوتی ہے اس میں بہت کچھ دخل میرے نزدیک اپنے اپنے زمانہ کی خوش اعتقادوں کو بھی ہے ۱۲



خبر چشم میں پھیلی تو

کاشف کما دالنا س علیہ ص ۱۸۲ ج ۲

بکثرت لوگ امام کی وفات پر روتے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کی عام ہرزول عزیزی اور حسن قبول کا یہ حال تھا کیا ابو جعفر  
منصور عقل سے اتنا گورا تھا کہ عام مخلوق کے ایسے با اثر مذہبی پیشوا کو اس طرح بازاروں میں روزانہ  
گشت کر کے پٹوا کر وہ ساری دنیا کو اپنی حکومت کی دشمنی پر خواہ مخواہ بلاوجہ آباوہ کر لیتا؟ کسی جگہ اسی  
کتاب میں میں نے اسی ابو جعفر کے بیٹے ہمدی کا وہ قول نقل کیا ہے کہ سفیان ثوری سے اور ہمدی سے  
چپ کچھ سخت گفتگو ہوئی تو ہمدی کے درباری رہنے نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس جاہل کی یہ مجاہل جو  
آپ سے ایسی گفتگو کرے مجھے حکم دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں اس پر ہمدی نے جھڑکتے ہوئے  
رہنے کو کہا تھا۔

اسکت و یلک نایرید ہذا و

امثالہ الا ان فقتلہم فنشتی

بمعاد تہم ص ۱۱۱

چپ رہ کم نخت یہ اور ان جیسے لوگوں میں اس کے  
سوا اور آرزو کیا پائی جاتی ہے کہ ہم ان کو قتل کر دیں اور  
ان کی مساوت و خوش بختی میں بد بخت بنا دے

عباسیوں کا اچھڑی بازار شہب کیا اس سیاسی نظریہ سے ناواقف تھا؟  
واقعہ یہ ہے کہ کچھ امام ابو حنیفہ ہی کے اس قصے میں نہیں بلکہ اس نوعیت کے اکثر واقعات میں  
یہ دیکھا گیا ہے کہ جو واقعات صرف اسی پر قناعت کرتے ہوئے لوگوں کو بہت کم پایا گیا ہے خدا  
جلنے یہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے کہ جو کچھ گذرا ہے صرف اسی کا اظہار سننے والوں پر اس اثر کو نہیں  
پیدا کر سکتا جسے بیان کرنے والے پیدا کرنا چاہتے ہیں شاید اسی لئے عموماً ان واقعات کی تعبیر میں  
اضافہ اور حاشیہ آرائی کچھ ناگزیر عادت سی بن گئی ہے جس کی سب سے بڑی مثال ”فاجہ کر بلا“ ہے  
کر بلا میں جو کچھ رسول کے گھرانے پر گذرا بجائے خود اپنی درد انگیزیوں اور اثر افرینیوں میں وہی  
کیا کم ہے لیکن بیان کرنے والے خدا جانے ان کو کیوں نا کافی خیال کر کے رنگ امیزیوں سے کام  
لیتا ضروری قرار دیتے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں امام ابو حنیفہ کے اس واقعہ کے متعلق یہی کچھ اسی  
قسم کی صورت پیش آئی ہے

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تازیانہ زنی کے جس واقعہ کو ابو جعفر خلیفہ کی طرف لوگ منسوب  
کرتے ہیں وہ سراسر غلط ہے بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ واقعہ کی تعبیر و اظہار میں یہاں ہی حاشیہ  
آرائیوں سے کچھ کام ضرور لیا گیا ہے امام ابو الحاس حسن بن علی المرغنیانی نے جو تحریر بخارا سے  
لکھی کہ امام ابو حنیفہ کے اسی واقعہ کے متعلق علامہ موفق کے پاس بھیجی تھی اس تحریر کو درج کرتے ہوئے  
موفق نے لکھا ہے کہ عبد العزیز بن عصام جن کے حوالہ سے علامہ مرغنیانی اس واقعہ کو اپنی مسلسل

یہ صاحب ہدایہ کے استاد ہیں جامع ترمذی کی سند صاحب ہدایہ نے ان ہی سے حاصل کی تھی دیکھو جو اب صفحہ ۱۹ ج ۱۲





پہونچا اور کہنا شروع کیا

امیر المومنین! آپ نے آج کیا کیا ایک لاکھ تلواریں اپنے اوپر کھجوالین یہ عراق

والوں کا امام ہے مشرق والوں کا فقیر ہے

اگر یہی واقعہ تھا اور یقیناً یہ واقعہ تھا تو ابو جعفر جیسے ہوشیار سیاست کی طرف اس غلطی کو عقل منوب کرنے کی جرات کر سکتی ہے کہ عراق اور مشرق کے مسلمانوں سے بہت شہر بغداد میں امام کے ساتھ علانیہ اس قسم کے حرکات کا وہ ارتکاب کیا کرے بلکہ عبد العزیز ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خاص نشست گاہ (دیوان خاص) میں امام کو تازیا سنے لگانے کا حکم ابوبکر نے کسی وقتی اور فوری غصہ کے زیر اثر دیا تھا اور یہ بھی اس کی غلطی تھی جس پر فوراً اس کے بھی خواہاں چچانے اگر اس کو متنہ کیا پیر عبد العزیز کی اسی روایت کے آخر میں جو یہ اضافہ ہے کہ امام صاحب جب ابو جعفر کے سامنے مٹائے گئے اور وارد احوال میں لاکھ کھڑے گئے گئے تو ابو جعفر کو اس کی اس فاش سیاسی غلطی پر ملامت کرنے کے بعد عبد اللہ جو امام صاحب کے متعلق خلیفہ سے سفارش کرتا رہا آخر میں ہے کہ حتی اذن لہ فی الانصراف الی

اجازت دی

منزلہ موصل ج ۲

اس سے بھی میرے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے کہ عبد العزیز نے خلیفہ کے سامنے سے آنے کے بعد امام کو وار الخلافت کے احاطہ ہی میں دیکھا تھا بلکہ آگے بیان کیا ہے کہ

عبد اللہ نے امام صاحب کو ان کے کپڑے پہنے اور جہاں وہ ٹہرے ہوئے تھے

پہونچا دیا ص ۱۸۲

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وار الخلافت سے امام صاحب اپنے پورے لباس میں باہر نکلے پر حال اس قسم کی روایتیں کہ بازاروں میں روزانہ گشت کرا کے عقابین کے میدان میں امام کو کڑے لگانے جاتے تھے میرے نزدیک یہ عام حاشیہ آرائی ہے جس کے اضافہ کا اس قسم کے واقعات میں عام رواج ہے

خیر میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اصل معاملہ یعنی مقامی قضا یا چند صوبوں کی قضا کے بعد آخر میں ابو جعفر خلیفہ نے سارے ممالک محروسہ کی عدالتوں کے قاضی القضاة ہونے کا عہدہ امام پر جب پیش کیا تو ہر منزل پر امام صاحب اور خلیفہ میں تفصیلی گفتگوں جو ہوتی رہیں افسوس ہے کہ ترتیب کے ساتھ امام کے سوانح نگاروں نے ان کو نقل نہیں کیا ہے وہ زیادہ تر علمی قصوں اور تازیانہ زنی

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) عباسی خلفاء میں سے الفلاح ابو جعفر ہمدانی ہادی ہارون یا پانچ خلفاء کے زمانے کو دیکھا ہارون کے دربار میں ایک دن بطور لطیفہ کے کہا یہی تھا کہ امیر المومنین! آپ کے اس دربار میں امیر المومنین کے چچا اور چچا کے چچا نیز چچا کے چچا چچا ہی جو جنوں یعنی خود اپنی طرف اس کا اشارہ تھا گویا اس صاحب سے ہارون گویا عبد اللہ کا رشتہ میں چچا پوتا ہوا ہو اور چچا کے چچا

کے واقعات میں لہجے نظر آتے ہیں ان کے بیانات سے یہ مشکل جو چند منگواہت فراموش ہوتے ہیں ان کے متعلق یہ کہنا دشوار ہے کہ ان میں سے کس گفتگو کا تعلق ان تینوں تدریجی منزلوں میں سے کس منزل سے ہے۔ خیرنی طور پر اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو شاید وہ یہی ہو سکتا ہے کہ مقامی قضا کا قصہ جب امام کے سامنے پیش کیا گیا تو کوفہ کے قاضی ہونے سے انکار کرتے ہوئے امام نے وہی عذر پیش کیا جس کا ذکر کر چکا ہوں یعنی میں خیاز (تانیائی) یا خزاز (خز فریش) کا لڑکا ہوں کوفہ والے مجھے قاضی دیکھ کر اینٹ اور پتھر سے میری خیریں گے اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ بجائے کوفہ کے خود بغداد دار الخلافہ کے قاضی ہونے سے انکار امام نے جب کیا تو شاید اسی وقت ابو جعفر سے آئے وہ باتیں فرمائیں جنہیں الفاظ کے معمولی رد و بدل سے تقریباً تمام سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے غور کرنے سے ان کا مطلب کم از کم میری سمجھ میں جو آتا ہے وہ یہی ہے کہ عدالت و انصاف خدا کی ایک امانت ہے جو بادشاہوں کے سپرد کی جاتی ہے اس امانت کی ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برابری کی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے آدمی کا تقرر قضا کے فرائض کی بجائے اور کیسے کیا جائے جس کے سول میں خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو اس کلی قاعدے کے ذکر کے بعد خود اپنے متعلق امام نے کہا۔

مجھ پر بہرہ و سہتم کو نہ کرنا چاہیے اگر خوشی سے یہی اس عہدے کی ذمہ داری میں قبول کروں جب ہی میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خلاف بھی فیصلہ دینے کا موقع میرے سامنے آگیا اور مجھے یہہ و تمہلی دی جائے کہ اس فیصلہ سے یا تو ہٹ جاؤ ورنہ دریائے فرات میں کچھ غرق کر دیا جائے گا تو میں کہے دیتا ہوں کہ فرات میں ڈوب مرنے کو قبول کروں گا لیکن فیصلے کے بدلے پر راضی نہیں ہو سکتا اور جب رضامندی سے اس عہدے کو قبول کرنے میں یہ میرا خیال رہے گا تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ زبردستی خلاف مرضی اگر مجھے قاضی بنایا گیا تو اس وقت غصہ کی حالت میں میں جو کچھ کروں گا وہ ظاہر ہے" ج ۲ مو

کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں امام نے فرمایا تھا کہ  
 ولاک حاشیۃ یحتاجون الی من  
 لیکرمہم لک موصل ۱ ج ۲

آپ کے حاشیہ (اسٹاف) میں لوگ ہیں ضرورت  
 ایسے آدمی کی ہے جو آپ کی وجہ سے ان کے قضا  
 کو برقرار رکھیں

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی تھا کہ بہلا جو خلیفہ کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کا عزم رکھتا ہو خواہ اسے جان ہی سے دست بردار ہونے کی دہمکی اسے کیوں نہ دی جائے تو وہ اس کا خیال کہاں تک کر سکتا ہے کہ آپ کے اسٹاف والوں کا وقار کس فیصلہ سے متاثر ہوتا ہے اور کس سے متاثر نہیں ہوتا جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ دار الخلافہ کے قاضی ہونے سے امام نے جب انکار کیا تھا غالباً اسی وقت اس



عذر کو اپنے پیش فرمایا تھا

باقی اسی سلسلہ میں جو یہ نقل کیا جاتا ہے کہ مسئلہ قضا کے رد و قدح سوال و جواب کے ان

ہی قصوں میں امام نے ابو جعفر منصور کو ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ

”قاضی بننے کے لئے اپنے آدمی کی ضرورت ہے جو تمہارے خلاف ہی فیصلہ کرنے کی

ہمت و جرأت اپنے اندر رکھتا ہو نیز تمہارے خانوادہ کے لوگوں اور تمہارے قومی

افسروں کے خلاف ہی فیصلہ صادر کرنے کی اس کے دل میں قوت ہو“ ص ۲۱۵ ج ۱

بظاہر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ باتیں امام نے خلیفہ کے سامنے اس وقت فرمائی

ہیں جب چتر سو بجات یا سارے مالک محروسہ کے قاضی اور عدلیہ کے مطلق العنان حاکم ہونے کا

عہدہ ان پر پیش کیا گیا تھا اس زمانہ میں سو بجات کے ولایت اور اعلیٰ حکام شاہی خانوادہ سے

عموماً منتخب ہوتے تھے اس لئے علاوہ خلیفہ کے ان کا نیز شاہی خاندان کے سوا دوسرے حکام کا

بھی آپ نے تذکرہ فرمایا اور اختلاف کی حد تک تو صرف خلیفہ اور خلیفہ کے حاشیہ (اسٹاف)

سے معاملہ تھا، لیکن سارے مالک محروسہ کے قاضی القضاة کو تو حکومت کے سارے عہدہ داروں

کے مقابلہ میں اگر ضرورت پیش آئے گی تو مخالفت فیصلہ کرنے پر آمادہ ہونا پڑے گا اس تقریر میں

ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی کے ساتھ آخر میں بے اعتمادی اور بے اطمینانی

کی اس کیفیت کو ظاہر کرتے ہوئے جو حکومت کی طرف سے بے چارے سرکاری قاضیوں اور سرکاری

ملازموں کے دلوں میں پائی جاتی تھی امام نے فرمایا کہ

”مگر اپنا حال تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (اٹنے بڑے اہم فیصلوں کے متعلق تو مجھے

کیا اطمینان ہوگا) تم جس وقت مجھے بلائے ہو تو جان میں میری جان اس وقت

تک واپس نہیں ہوتی جب تک کہ (بخیر و خوبی) تمہارے دربار سے باہر نہیں آتا ہوں

گویا مطلب یہ تھا کہ جہاں مطلق العنانی کا دور دورہ اس رنگ میں ہو کہ دربار میں ایک شخص

جسے بلایا جاتا ہے تو اس کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا وہاں سے زندہ لوٹوں گا

یا میری لاش واپس ہوگی جہاں غیر سرکاری اشخاص کی بے اطمینانی کا یہ حال ہو وہاں بے چارے

سرکاری ملازمین اور نوکروں کے بے اعتمادی اور بے اطمینانی کی جو کیفیت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک حکومت کی طرف سے اس کی پوری پوری ضمانت نہ دی جائے کہ

ہر حال میں حکومت کی مطلق العنان مرضی کی نہیں بلکہ حکومت کے صرف آئین و قوانین کی پابندی سرکاری

لے اصل لفظ عربی میں یہاں پر ”ولڈک“ کا ہے جس کا لفظی ترجمہ تو ہوگا کہ تمہارے بچوں کے خلاف میں فیصلہ کروں گا

ظاہر ہے کہ تا بائع بچوں کے خلاف مقدمہ ہی کیا دائر ہوگا مقصود یہی ہے کہ شاہی خانوادہ کے افراد جو عموماً خلفاء کی

اولاد ہیں اور وہی عموماً سو بجات کے حکام ہوتے تھے ان کے خلاف فیصلہ کی ضرورت پیش آئے گی تو ایسا فیصلہ کہ گزرنیکا مطالبہ

امام کی طرف سے نہیں ہوا۔



ملازمین کا فریضہ ہوگا اس وقت تک خلیفہ یا خلیفہ کے خاندان کے ارکان یا دوسرے ولایت و حکام کے مقابلہ میں فیصلہ کرنے کی جرات آدمی میں کیا پیدا ہوگی وہ تو شاید کسی چیرا ہی یا خلیفہ کے گھر کی کسی نوڈی کے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت مشکل ہی سے کر سکتا ہے خواہ بظاہر اس کو قاضی یا قاضی القضاة ملک القضاة یا جن قسم کے الفاظ سے بھی مخاطب کیا جائے

یہ عجیب بات ہے کہ اس موقع پر امام صاحب کی طرف متوجہ کر کے لوگوں نے چند ایسے الفاظ نقل ہی کئے ہیں جن سے مذکورہ بالا مطلب سمجھ میں آسکتا ہے۔ لیکن حیرت اس پر ہے کہ امام کے اس مطالبے پر ابو جعفر نے یہ کیا کہا اس کا قطعاً کسی نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لکھا ہے تو صرف یہ لکھا ہے کہ امام صاحب کی اس گفتگو کو سن کر ابو جعفر نے کہا کہ

”تو پر میری عظیمیہ کو آپ کو کیوں قبول نہیں کرتے؟“

گویا اس کا یہ ظاہر مطلب یہی ہوا کہ امام صاحب کی اس شرط کے قبول کرنے پر وہ راضی نہیں ہوا اس لئے بات ہی اس نے بدل دی حالانکہ کسی حیثیت سے سمجھ میں نہیں آتا کہ ابو جعفر اس مطالبے کے قبول کرنے سے گریز کرنا چاہتا تھا؟ گزر چکا کہ اس کا اصل مقصد تو کسی نہ کسی طرح امام کو اپنے قابو میں لانا تھا۔ اور یہ ایسا معقول مطالبہ تھا کہ خواہ آئندہ اس پر عمل ہوتا یا نہ ہوتا لیکن وعدہ کر لینے میں کیا بگڑتا تھا میں دیکھتا ہوں کہ ان ہی لوگوں نے قاضی شریک کے قصے کو جہاں نقل کیا ہے جس کا تذکرہ ابتدا کتاب میں کر چکا ہوں وہاں قاضی شریک کی طرف سے قریب قریب یہی شرط اسی ابو جعفر منصور کے سامنے پیش کی گئی گزر چکا کہ اس کے جواب میں منصور نے کہا تھا کہ

احکم علی وعلی وولدی صلیٰ ج ۱

تم مجھ پر اور میری اولاد کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتے ہو۔  
 یہ یہ کیا سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اسی معقول مطالبے کے جواب میں وہ اسی جواب کے دہرا دینے کے قابل نہ تھا جہاں تک میرا خیال ہے امام کے اس مطالبے کے جواب میں ہی یقیناً ان کو اسی طرح مطمئن کیا گیا ہوگا جیسے کچھ دن پہلے قاضی شریک کے اسی مطالبے کو ابو جعفر نے منظور کر لیا تھا۔ لیکن ... دوسرے جزئیات کی تفصیل میں ہمیں کر ایسی بہت سی ضروری باتیں بیان کرنے سے رہ گئی ہیں ان ہی میں یہ جواب بھی خلیفہ کارل گیا اور سچ تو یہ ہے کہ قاضی القضاة کے عہدے کے پیش کر رہی ہیں اس شرط کی ضمانت ستور تھی جیسا کہ میں نے کہا کہ عمل کرنا یا نہ کرنا یہ دوسری بات ہے لیکن اس عہدے پر بحال کرنے کا مطالبہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ سارے اختیارات تم استعمال کر کے ہو جو قاضی القضاة کے قدرتی اور آئینی اختیارات ہیں اس عہدے کے پیش کر دینے کے بعد اس سوال کے اٹھانے کی امام صاحب کو ضرورت ہی نہ تھی جسے انہوں نے ملازمت سے بچنے کے لئے اٹھایا تھا جہاں بیسویں قسم کے مہاذیر وہ پیش کر رہے تھے جیسا کہ موفقی نے علی بن علی الحمیری کے حوالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بیان ہی کیا گیا ہے کہ



ارادہ علی القضاء غیر مرتبہ

فاعتذر واستعفی واحتمل

بکل حیلۃ ص ۱۷۸

قضا کی خدمت ابو حنیفہ کے سامنے ابو جعفر کی طرف سے

متعدد بار پیش کی گئی لیکن وہ عذر ہی کرتے رہے معافی ہی پاتے

رہے اور جتنے جیلے حوائے ممکن تھے سب ہی سے کام لیتے رہے

در اصل اسی سلسلہ میں اس سوال کو بھی امام نے اٹھایا تھا لیکن یہ ایسا عذر تھا جس کا جواب

ابو جعفر اثبات میں دے کر نہایت آسانی سے ان کو چپ کر سکتا تھا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ خاموش

رہا ہوگا۔

اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ قاضی القضاة کے عہدے کے ساتھ جن شرائط کی ضمانت امام ابو حنیفہ

صراحتہ خلیفہ سے لینا چاہتے تھے اس کی ضمانت ان کو ضروری گئی اسی طرح وہی گئی جیسے قاضی شریک

کو دی گئی تھی مگر سوال آگے یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بعد امام نے کیا کیا افسوس ہے کہ درمیان کی

یہ کڑی کچھ اس طرح کم ہو گئی ہے کہ کنایتہ و اشارۃً بھی اس کا کوئی سراغ کسی روایت میں اب تک

مجھے نہیں ملا ہے۔

البتہ ایک بات یعنی آخری دفعہ امام ابو حنیفہ جب ابو جعفر کے پاس بغداد آتے ہیں یا لائے

جاتے ہیں جس کے بعد پیر کوفہ واپس نہ ہو سکے اور جیسا کہ معلوم ہے میں ہی آئندہ بیان کروں گا بغداد

ہی میں ان کی وفات ہوئی اس سے پہلے کوفہ میں ہم امام کو ایک خاص حال میں پاتے ہیں

میرا مطلب یہ ہے کہ موفق نے جو روایت نقل کی ہے اس سے تو

معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن امام صاحب کے جو بڑے بڑے ممتاز شاگرد

اہم تاریخی تقریر تھے وہ خود امام کے پاس حاضر ہوئے لیکن صاحب معجم مصنفین کے الفاظ میں کہ

امام ابو حنیفہ کوفہ کی جامع مسجد کی ایک مجلس میں بیٹھے پیر

ان کے ایک ہزار شاگرد جمع ہوئے جن میں چالیس آدمی

تو ایسے تھے جو اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچ چکے تھے پس

امام نے ان کو اپنے قریب ہونیکا حکم دیا اور بلند آواز سے ان

کو کہنا شروع کیا

مجھے نہیں معلوم کہ صاحب معجم نے یہ الفاظ کس کتاب سے نقل کئے ہیں لیکن اگر اس کا وہی مطلب

ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے یا کم از کم میری سمجھ میں جو بات آئی ہے وہ یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ

نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شاگردوں کو اطراف و جوانب سے جمع ہونے کا حکم دیا۔ ایک ہزار کی

تعداد جب جمع ہو گئی تو پیر کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے پیر جمع میں سے چالیس آدمیوں کو

خصوصیت کے ساتھ اپنے قریب بلا یا۔ اور ایک تقریر اس موقع پر کی

اہمیت تو اسی تقریر کو ہے جسے میں پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن صاحب معجم کے ان الفاظ سے اس

تقریر کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے بہر حال اس حد تک تو موفق اور صاحب معجم دونوں متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ

نے اپنے ممتاز تلامذہ کے سامنے ایک تقریر کی باقی یہ بات کہ تلامذہ خود حاضر ہوئے تھے یا بلائے گئے تھے صاحبِ محرم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ دعوت پر دو دروڑ سے لوگ جمع کئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد یہ تقریر کی گئی تھی کچھ ہی ہو پہلے میں حضرت امام کی اس اہم تاریخی تقریر کا ترجمہ درج کرتا ہوں تلامذہ کے اس جمع کو ان الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے کہ

میکر دل کی سرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے تمہاری ہستیوں میں میکر حزن اور غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے

امام نے فرمانا شروع کیا کہ

فقہ (اسلامی قانون) کی زین تم لوگوں کے لئے کس کر میں تیار کر چکا ہوں اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی میں چڑھا چکا ہوں اب تمہارا جس وقت تھی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ اب تلاش کریں گے میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے

پران خاص چالیس حضرات کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے جنہیں امام نے اپنے قریب بڑا کیا تھا فرمایا۔

”پس اب وقت آ گیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم (چالیس) میں ہر ایک عہدہ قضا کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے اور دشمن آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں“

کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے بعد امام نے ان ہی چالیس شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے اور علم کا جتنا حصہ آپ لوگوں کو ملا ہے اس علم کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا اور تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونے پر اگر مجبور ہی ہوتا پڑے تو میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں ایسی کمزوریاں جو مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں اجوان کا ارتکاب کرے گا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے آدمی کا فیصلہ جائز نہ ہوگا اور نہ قضا کی ملازمت اس کی حلال ہوگی جو تنخواہ اس سلسلہ میں اس کو ملے گی وہ اس کی پاک آمدنی نہ ہوگی۔“

قضا کا عہدہ اسی وقت تک صحیح اور درست رہتا ہے جب تک کہ قاضی کا ظاہر باطن ایک ہو اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے



سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا

بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرنے میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک ٹوک کی چیزوں کو مثلاً درباں صاحب وغیرہ کو حاصل نہ ہونے دے گا چاہیے کہ جماعت کے ساتھ وہ مشہر کی جامع مسجد میں پانچوں وقت کی نماز ادا کیا کرے اور نماز کے اوقات میں سے ہر وقت میں اس کا اعلان کرے کہ کسی قسم کی کوئی ضرورت یا حاجت کوئی پیش کرنا چاہتا ہو تو پیش کرے پیر عشاء کی نماز کے بعد خصوصیت کے ساتھ تین دفعہ باوا زبلیٰ اس اعلان کا اعادہ کرایا جائے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد گھر جائے اور چاہے کہ بیماری کی وجہ سے جتنے دن تک قضا کے کام سے قاضی معذور رہا ہو تو حساب کر کے اتنے دن کی تنخواہ کٹاویا کرے

اس تقریر کا آخری فقرہ وہ بھی تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی امام دینی مسلمانوں کا بادشاہ اور امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز رکھ کرے ص ۲

بہر حال یہ تو امام کی اس تقریر کا ترجمہ تھا حتیٰ الوسع میں نے لفظی ترجمہ ہی کی کوشش کی ہے بعض مقامات پر ممکن ہے ایک دو تشریحی الفاظ کا اضافہ ہو گیا ہو تقریر کی تاریخی اہمیت کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ امام موفق نے لکھا ہے کہ میرے پاس اس تقریر کی نقل نیشاپور سے ہی آئی اور ہمدان سے ہی شہر نیشاپور سے تو شیخ صالح ابو سعید محمد بن جامع نے اور ہمدان سے سید الحافظ ابو منصور دارالدینی نے قلم بند کر کے روانہ کی تھی تقریر کے ابتدائی راوی قاضی ابو یوسف سے حسن بن زیاد براہ راست سن کر لوگوں سے اس کو نقل کیا کرتے تھے موفق نے یہ بھی لکھا ہے کہ ظہیر الاسلام حسن بن علی المرغینانی نے بھی اپنی کتاب میں اس تقریر کو درج کیا ہے۔

میں نے جیسا کہ شروع میں عرض کیا کہ یہ تقریر امام نے کب اور کن حالات کے تحت کی اس کا پتہ کتابوں سے نہیں چلتا لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ آخر میں امام ابو حنیفہ کے سامنے حکومت کی طرف سے سارے ممالک محروسہ عباسیہ کے کلی اختیار است پیش کئے گئے تھے اور ابو جعفر ان کو قاضی القضاة بنانے پر

اہ ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد ان شرائط پر قائم ہے جو حکومت ملازمتوں کے لئے کرتی ہے اگر یہی شرط ہو کہ بیماری کے زمانہ کی تنخواہ نہیں دی جائے گی تو اس وقت تنخواہ لینے کا حق قاضی کو نہ ہوگا لیکن بیماری کے زمانے میں ہی کل یا نصف تنخواہ کی شرط پہلے سے اگر موجود ہو تو اس وقت بیماری کی تنخواہ شرط پابندی کے ساتھ حلال ہوگی ۱۶

راہی ہو چکا تھا تو کیوں نہ سمجھا جائے کہ معاملہ کو اس آخری حد تک پہنچانے کے بعد امام نے اپنے تلامذہ کو اس سے مطلع کیا کہ جس نصب العین کے لئے کوشش جاری تھی اس میں کامیاب ہونے کا وقت آگیا امام کے پلٹنا اشارے کہ کس کساکر گھوڑے کو تیار کر دیا گیا ہے لگام بھی چڑھا دی گئی ہے راستہ صاف ہے دنیا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے تم لوگوں کے علم کی ضرورت کا عام احساس لوگوں میں پھیل چکا ہے صرف سوار ہو کر چل پڑنے کی ضرورت ہے پھر اسی کے ساتھ چلیں آدمیوں میں سے تیس کو قضا کے عام عہدوں کے مناسب قرار دینا اور دس شاگردوں کے متعلق یہ دعویٰ کہ قاضیوں کی تربیت و پرداخت کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں دوسرے الفاظ میں جن کا کہلا ہوا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ قاضی القضاة کے عہدے کے قیام کے امکان کو محسوس کر کے جن لوگوں میں اس جلیل منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برانے کی قابلیت پائی جاتی تھی ان کو ہی امام صاحب نے متعین کر کے بتا دیا۔ گویا "فقہ اسلامی" کا شاندار مستقبل بعد کو تاریخ کے سامنے جویا امام نے بھانپ لیا کہ اس کے لئے زمین تیار ہو چکی ہے۔

خود ہی سوچنا چاہیے کہ ان خیالات کے اظہار کا موقع اس وقت کے سوا اور کب مل سکتا تھا جب امام میں اور حکومت میں اسی قاضی القضاة کے اس عہدے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اس گفتگو کے بعد امام صاحب کو کوہ آگے کا اور اطراف و جوار میں سے تلامذہ و اصحاب کے جمع کرنے کا موقع کیسے ملا اور کس وقت طاب بلاشبہ یہ ایک سوال ہے کہ چکا ہوں کہ سلسلہ کی یہی تو وہ کڑی ہے جسے امام کے سوانح نگاروں نے دوسرے جزئی واقعات کی تفصیل کی لذتوں میں غرق ہو کر درمیان سے غائب کر دیا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ کچھ قرینے اور قیاس سے کام لیا جائے جہاں تک میں سمجھتا ہوں "قاضی القضاة" کا یہ عہدہ جو اسلامی حکومت کی ڈیڑھ سو سال کی اس طویل مدت میں ایک نئی قطعاً نئی بات تھی جو سامنے آئی تھی کہ واقعات سے اور فقہ اسلامی کی صحیح تاریخ سے جو واقعات ہیں ان کے لئے اب تک یہ سوال مجھتا ہوا ہے کہ مسلمانوں میں ڈیڑھ سو سال بعد اچانک "قاضی القضاة" کے اس عہدے کا خیال کہاں سے آیا اور کیوں آیا ایک عہری مصنف جنہوں نے "اسلامی قضا کے متعلق مغربی زبانوں کی کتابوں کا بھی کافی مطالعہ کیا ہے اور اپنی کتاب "تاریخ القضاة فی الاسلام" میں علاوہ اسلامی تاریخوں کے ان مغربی مصنفین کے حوالے اور خیالات سے بھی کافی استفادہ کیا ہے انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے لیکن با اس عہدہ اس سوال کو اٹھاتے ہوئے ممبر کے یہی عہری مصنف رقمطراز ہیں

"انتہائی بحث و جستجو کے بعد بھی اب تک اس سوال کا کوئی واضح جواب نہیں ملا ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہی "قاضی القضاة" کا لفظ نہیں پایا جاتا اور نہ بنی امیہ کے عہد میں اس کا سراغ ملتا ہے اور اب تک ہمارے علم میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ اسلام کے مرکزی مشہروں کے قضاة کی قضیات اور قری کے قضاة



ان دونوں زمانوں میں نیابت کرتے تھے خود دار الخلافت میں قاضی کے عہدے پر جس کا تقرر بنی امیہ کے زمانے میں ہوا کرتا تھا گو اس کا انتخاب خلیفہ کرتا تھا لیکن دوسرے قاضیوں اور دار الخلافت کے اس قاضی میں کسی کافر ق نظر نہیں آتا یعنی دوسرے قاضیوں کا انتخاب کا اختیار کسی زمانہ میں ہی دار الخلافت کے قاضی کو نہیں دیا گیا۔ ۹

پھر اس واقعہ کا تذکرہ کر کے کہ

”اچانک بنی عباس کے زمانہ میں قاضی القضاة کا عہدہ نظر آتا ہے اور کتابوں میں اس کے اختیارات کی تفصیل کی جاتی ہے بتایا جاتا ہے کہ قاضی القضاة ہی کو دوسرے قاضیوں کے تقرر کا بھی اور عزل و موقوف کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے نیز قاضی القضاة کے مخالف میں یہ بھی ہیکہ ملک کے تمام قاضیوں کی نگرانی کرتا ہے ان کے حالات سے باخبر ہے ان کے فیصلوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور ان کے چال چلن طرز و روش سے واقفیت حاصل کرتا ہے لوگوں کے ساتھ کس قسم کے معاملات وہ کر رہے ہیں ان کی خبر لیتا رہے ہر علاقے کے قاضیوں کے متعلق اس علاقے کی معتبر شخصیتوں سے ان کے حالات دریافت کرتا رہے“

یہی مصنف اس کے بعد لکھتا ہے کہ

”یہ قطعی ہے کہ یہ جدید عہدہ سب سے پہلی دفعہ بغداد میں قائم ہوا“

مگر بغداد میں کیوں قائم ہوا کس کی اندرونی کوششوں کا یہ نتیجہ تھا اور اسلامی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ کس کے سامنے حکومت نے قاضی القضاة کے اس عہدے کو پیش کیا؟ کیوں پیش کیا؟ چونکہ بے چارہ مصنف باوجود کافی وسیع النظر ہونے کے ان چیزوں سے ناواقف ہے اس لئے آخر میں جیسا کہ اس زمانہ کا عام دستور ہے کہ ملکی سی مشابہت کے ادنیٰ ترین سے اشارے کو بھی کسی نتیجہ کے پیدا کر لینے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے جہاں تک یہی ہوئی ہیں کہ آدم زادگی شکل و صورت میں بندروں کی شکل و صورت کی جو ملکی سی جہلک پائی جاتی ہے صرف اسی جہلک کی روشنی میں اس شجرہ نسب کی قطعیت کا دعویٰ کر دیا گیا ہے جو بعض لوگوں نے حال میں مرتب کر کے انسانی نسب نامے کے حتمہ کو حیوانی نسب نامہ کے ساتھ ملا دیا ہے اور آج زندگی کے واقعات بہت کا ایک بڑا حصہ اب اسی نسب نامہ پر مبنی کر دیا گیا ہے۔

نظام ہے کہ جب ایسے عظیم انقلابی عقیدے کی بنیاد معمولی صورتی مشابہت پر اس زمانہ میں قائم ہو سکتی ہے تو اس سے چارے مصنف کے اس خیال پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ جب سوال کے حل کی کوئی صورت ان کو نظر نہیں آتی تو یہ خیال کر کے کہ کچھ نہ کہنے سے یہ بہتر ہے کچھ کہہ ہی دیا جائے انہوں نے اپنا یہ خیالی جواب پیش کیا ہے کہ

”ایرانیوں سے قاضی القضاة کا یہ نظام معلوم ہوتا ہے کہ یہاں“

نشار اس خیال کا جیسا کہ وہی لکھتے ہیں یہ ہے کہ  
 "ایرانیوں ہی میں قاضی القضاة ہوا کرتے تھے"

آپ کو تعجب ہوگا کہ قاضی القضاة تو عربی زبان کا لفظ ہے پھر ایرانیوں میں یہ کیسے  
 پایا جاتا تھا اس حیرت کا ازالہ مصنف صاحب کی اس تحقیق سے فرمایا لکھتے ہیں کہ  
 شاپور ذوالکثاف ایرانی بادشاہ کے عہد میں جب موبذ موبذان مریگا نولوں  
 نے شاپور کو تپہ دیا کہ اصطخر کے ضلع میں ایک شخص ہے جو اس موبذ موبذان کے عہد  
 کے لئے مناسب ہوگا

مصنف نے حافظ کی مشہور کتاب الفہرست سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حافظ  
 نے اس موقع پر یعنی "موبذ موبذان" کے عہد کے لئے "بجائے موبذ موبذان کے لکھا ہے کہ  
 "قضاة القضاة" کا لفظ مناسب ہوگا پس معلوم ہوا کہ یہی "موبذ موبذان" قاضی القضاة تھا  
 خدا جانے مصنف نے جو کچھ کہنا چاہا اسے آپ نے سمجھا ہی یا نہیں مطلب یہ ہے کہ حافظ نے  
 "موبذ موبذان" کے لفظ کا ایک جگہ اپنی کتاب میں چونکہ "قضاة القضاة" ترجمہ کیا ہے پس یہی "بنیاد"  
 ہے جس پر یہ ساری عمارت کھڑی کر دی گئی کہ عباسیوں نے ایرانیوں سے قاضی القضاة کے عہد  
 کو اخذ کیا تھا۔ گویا حافظ اگر "موبذ موبذان" کے اس لفظ کا اتفاقاً "قضاة القضاة" کے لفظ سے  
 ترجمہ نہ کرتا بلکہ وہی ایرانی لفظ "موبذ موبذان" کا رہتے دیتا پھر تحقیق کا جو دروازہ ہمارے اس  
 عصری مصنف پر اچانک وا ہوا ہے بند ہی رہتا

اب اس دعویٰ اور دلیل طریقہ استدلال کے متعلق میں کیا کہوں واقعہ یہ ہے کہ "موبذ"  
 دراصل ایرانیوں کے "پرست" کو کہتے تھے یہ ایک قسم کا مذہبی مقتدا ہوتا تھا اور سارے مذہبی  
 رسوم و عبادات وغیرہ کا وہ نگران ہوتا تھا۔ محکمہ عدل و انصاف اولاً اس کا کوئی تعلق ہی نہ  
 تھا پھر ابست اگر تھا ہی تو اس کی حیثیت ثانوی کام کی تھی حقیقی فرائض موبذوں پر جا پات ہوں  
 وغیرہ کی راہ نمائی ہی مگر کیا کئے حافظ نے چونکہ "قضاة القضاة" کے لفظ سے غلط یا صحیح اس کا ترجمہ  
 چونکہ کر دیا ہے پس حرفیوں کو آگ بنا لینے کے لئے چنگاری مل گئی یہ ظاہر مصنف صاحب کی شاید یہ  
 اپنی اپنی نہیں ہے بلکہ یورپ ہی کے وحیوں میں غالباً ایک وحی یہ ہے

خیر کچھ بھی ہو اس میں سچ پوچھیں تو دوسروں سے زیادہ خود انہوں ہی ہمیں زیادہ شکایت  
 کرنی چاہیے القضاة فی الاسلام کے مصنف کو تو چھوڑیے میں پوچھتا ہوں کہ اسلامی علوم کے علماء کے  
 خاص حلقوں میں ہی اس کی کتنوں کو خبر ہے کہ قاضی ابو یوسف کے قاضی القضاة ہونے سے پہلے اور  
 بہت پہلے خود امام ابو حنیفہ کے سامنے ہی حکومت نے اس عہدے کو پیش کیا تھا اس میں شک نہیں کہ  
 خود موثق نے ایک چھوڑ دو دو طریقوں اور سندوں سے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے جسکی  
 تفصیل گذر چکی لیکن ذکر کرنے والوں نے ذکر ہی اس واقعہ کا اس طریقے سے کیا ہے کہ مشکل ہی سے



اس کی اہمیت کا پڑھنے والوں کو اندازہ ہو سکتا ہے نگاہ اس پر اسی شخص کی ایک سکتی ہے جس نے  
ابتداء سے آخر تک اس راہ میں امام ابو حنیفہ کی جدوجہد کے ہر جز اور جو قدم ہی اس راہ میں انہوں  
نے اٹھایا ہے اس کا مل احتیاط اور انہماک و توجہ سے مطالعہ کیا ہو بلاشبہ وہ اپنے اس مطالعہ کے سلسلہ  
میں خود بخود ایک ایسی منزل پر پہنچ سکتا ہے جہاں پر امام صاحب اس وقت کھڑے ہوئے نظر آ رہے  
ہیں یعنی مقامی قضا پر چند صدیوں کی قضا کے بعد سارے ممالک عرصہ عیاں یہ کی قضا و عدالت کے  
کلی اختیارات کا صدر امام اور حکومت کے درمیان چھڑا ہوا ہے حکومت امام کو قابو میں لانے کے  
لئے اس آخری رقم کے پیش کر دینے پر تیار ہو جاتی ہے لیکن حکومت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے قابو میں  
رکھنے کے لئے امام اس پیش کش کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو رہے ہیں یہاں تک کی تو تحریریں  
شہادتیں کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی رنگ میں مل جاتی ہیں لیکن آگے کیا ہوا ہے جیسا کہ میں نے کہا امام نے  
جب یہ عذر پیش کیا کہ حکومت کے سامنے ہمیشہ اپنے اور اپنے حکام کے وقار کا مسئلہ پیش آتا رہتا ہے  
اور قاضی القضاة کے فرائض سے صحیح طور پر وہی بھر رہا ہو سکتا ہے جو ہر چیز سے بے پروا ہو کر خود  
حکماں حکماں کے شامی خانوادے اور دوسرے حکام اور فوجی افسروں کے مقابلہ میں فیصلہ کرنے کا  
اقتدار رکھتا ہو لیکن جس کی بے اطمینانی کی یہ کیفیت ہو کہ دربار میں آنے کے بعد اس سے ہی وہ مطمئن  
نہیں رہتا کہ یہاں سے زندہ واپس ہو گا۔ یا مروہ اس بے چارے کو صرف لفظی طور پر "قاضی القضاة"  
اگر بنا بھی دیا گیا تو واقع میں وہ قاضی القضاة کے فرائض تو کیا معمولی قاضی کی ذمہ داریوں کو بھی صحیح  
طور پر ادا نہیں کر سکتا۔

امام کے اس عذر کے جواب میں ابو جعفر نے کیا کہا اس کے متعلق کوئی تصریح مجھے اب تک نہیں ملی  
ہے لیکن قاضی شریک کے اسی عذر کے جواب میں اسی ابو جعفر نے ان کے سارے شرائط مان لئے تھے  
میں نے عرض کیا تھا کہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ امام ابو حنیفہ پر حجت پوری کرنے کے لئے وہی ابو جعفر  
ان ہی الفاظ کے دہرانے سے کیوں باز رہا ہو گا؟ یقیناً اس کے بعد امام صاحب کے لئے کافی و شوری  
پیش آگئی ہوگی اس کے بعد اب حکومت کے پیش کش کو مسترد کرنے کی وجہ یہی ان کے پاس اور کیا باقی  
رہی تھی لیکن چونکہ یہ تو امام صاحب بہر حال لے گئے ہوئے تھے کہ حکومت کی طاعت خواہ جس نوعیت  
کی ہی ہو اس کو قبول کر کے اس خطرے کو کبھی نہیں خریدوں گا جس کے بعد اللہ کے لئے اور اللہ کے  
رعول کے لئے مسلمانوں کے لئے جو خدمت انہوں نے انجام دی تھی وہی خدمت کم از کم دنیا والوں  
کی نگاہوں میں صرف ایک شخصی اقتدار منصب و جاہ کے حصول کا آگے بن کر رہ جاتی کم از کم کہنے  
والوں کے لئے کہنے کی گنجائش نکل آتی اور یہ تو خیر باہر کی بات تھی امام کے باطن کے جو جاننے والے  
تھے ان کے اقوال اس باب میں جو نقل کیے جاتے ہیں آج تو ان پر اعتماد کوئی مشکل سے مثلاً امام بخاری کے  
مشہور استاد اسحاق بن راہویہ سے ان کے صاحبزادے علی یہہ بگوش خود سے ہوسکے الفاظ نقل

سے اسلامی تاریخ میں اسلام کی تالیف و نہرت کے لحاظ سے جو چند اعجازی رستیاں بدنی جاتی ہیں ایک دقیقہ برصغیر آئندہ

کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کے اسی قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یعنی قضا پر حکومت ان کو مجبور کرتی رہی وہ راضی نہ ہوئے اسحاق نے پھر اپنے ذاتی احساس کا اظہار ان الفاظ میں کیا

کانت یجلب فی تعلیمہ وار شادرا  
یعنی اپنی تعلیم میں ہی اور مسلمانوں کی راہ نمائی میں  
موصفت ج ۲

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ملازمت قبول کر لینے کی صورت میں دنیا دہی  
آلائش کا چونکہ خطرہ تھا اس لئے تم میں سے کسی کی آلودگیوں اپنے آپ کو پاک رکھنے کے لئے اسحاق بن راہویہ کی رائے  
تھی کہ امام ابو حنیفہ نے قضا کی خدمت قبول نہ کی اسی طرح اپنی تعلیم میں ہی اخلاص کے رنگ کو باقی رکھنے  
کے لئے خود تو کسی قسم کا معاوضہ کیا بیٹے گذر چکا کہ پڑھنے والوں کی امداد فرمایا کرتے تھے اور کسی امداد  
اور واقف یہ ہے کہ می و انگلیں کی لاگ سے اپنے عمل کو پاک رکھنے کا دعویٰ کر لینا تو آسان ہے لیکن  
زندگی کی آخری سانس تک اس التزام کے نباہ دینے میں ان ہی لوگوں کو کامیابی ہوتی ہے جو امام  
ابو حنیفہ جیسے حضرات کی طرح خصوصی طور پر توفیق یافتہ ہوں

اسی کیساتھ جیسا کہ آئندہ اس واقعہ کا ذکر آئے گا کہ آپ نے اسکو پیش نظر رکھتے ہوئے شاید ایک اور بات بھی تھی مطلب یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں  
انتہائی احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کی عام خصوصیت بتائی جاتی ہے تفصیل  
کا موقع نہیں ہے ورنہ ثبوت میں ان کے بیسیوں اجتہادی مسائل پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے معلوم  
ہوتا ہے کہ ہمیشہ وہ محتاط ترین پہلو کے اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عام طور پر ان مثالوں  
سے اہل علم واقف ہی ہیں عموماً ان کا تذکرہ ہی کیا جاتا ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اجتہادی  
مسائل جو کتاب و سنت کو پیش نظر رکھ کر پیدا کئے جاتے ہیں ان میں تو احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھا جاسکتا  
ہے یعنی اوجہ ترین پہلو جو کتاب و سنت کے لحاظ سے نظر آئے اسی کو آدمی اختیار کرتا چلا جائے۔ لیکن  
حوادث و واقعات کے متعلق جب مختلف دعویٰ کرنے والے مختلف دعویوں کے ساتھ آپ کے سامنے  
آئیں تو ان میں کس کے دعویٰ اور بیان کو واقعہ کے مطابق قرار دیا جائے یعنی مقدمات کے فیصلہ کرنے  
میں جو کام آدمی کو کرنا پڑتا ہے ان میں ہی اگر چاہا جائے احتیاط کے اسی اصول کو پیش رکھ کر فیصلہ کیا  
جائے تو باطنی تامل معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتنی دشواریاں ہیں جو نبوت کبریٰ کی روشنی سے جو فطرت

دقیقہ سلسلہ گذشتہ ابن راہویہ کی یہ ہے علاوہ فقیر ہونے کے جلیل القدر محدثوں میں آپ کا شمار ہے امام بخاری  
نے اپنی صحیح کتاب میں ہی کے اشارے سے مرتب فرمائی ہزار ہا ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں لوگ پوچھتے کہ آپ کو کتنی  
حدیثیں یاد ہیں فرماتے کہ حد تو نہیں بتا سکتا لیکن جو حدیث میں نے سنی ہے سب یاد ہیں بارہا ان کے حافظہ کا امتحان ہوا  
ایک حرف کی کمی بیشی نہ ہوئی امام ابو حنیفہ سے بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف ہی رکھتے تھے لیکن امام کی جو خوبی تھی اس کا ہی  
اعتراف مذکورہ الفاظ میں آپ نے کیا ہے اس زمانہ کا عام حال یہ تھا یہی ابن راہویہ ہیں امام احمد بن حنبل نے یہ فرماتے ہوئے کہ بعض  
مسائل میں میرا ان سے اختلاف ہے لیکن دعویٰ ہے کہ یہ کتبوں کے خراسان جاتے ہوئے دجلہ کے پل سے جتنے آدمی ہی (بقیہ پر صفحہ آئندہ)



منور تھی یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب میں جب یہہ حال تھا کہ لوگ مقدمات  
 لے کر خدمت والا میں حاضر ہوتے۔ ہر فریق اپنے اپنے مدعا کے ثبوت میں باتیں بیان کرتا۔ حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم طرفین کی باتوں کو سن کر بالآخر کوئی فیصلہ تو فرما دیتے لیکن فیصلہ کے ساتھ ساتھ  
 یہہ ہی ارشاد فرماتے جس کا حال یہہ ہوتا کہ تم میں بعض لوگ اپنے مطلب کے اظہار میں بیانی قوت  
 سے کام لیتے ہیں میں رائے قائم کر لیتا ہوں کہ اپنے بیان میں وہ سچا ہی لئے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتا  
 ہوں لیکن میں تمنا چاہتا ہوں کہ ناحق فیصلہ اگر ہوا ہے تو اس حق کے لینے والے کو سمجھ لیتا چاہیے کہ  
 میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں

بہر حال جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہہ احوط پسندی جو امام ابو حنیفہ کی کچھ فطری خصوصیت معلوم  
 ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے واقعہ امام صاحب اپنے آپ کو فیصلہ کرنے کے  
 قابل نہ پاتے ہوں جو قصہ آگے آ رہا ہے اس سے اس کی تصدیق ہی ہوتی ہے بلخ کے مشہور حنفی  
 امام خلف ابن ایوب جو خود ہی حد سے زیادہ محتاط تھے امام ابو حنیفہ کا ذکر کر کے کہا کرتے تھے۔  
 ”امام ابو حنیفہ کے خصائل و عادات میں ان کی یہہ دو باتیں مجھے سب سے زیادہ پسند  
 آئیں یعنی قضا کی خدمت انہوں نے جو نہ قبول کی حالانکہ اس کے لئے انہیں طرح  
 طرح ترغیبیں بھی دی گئیں اور دہمکیوں سے بھی ڈراے گئے مار بھی کھائی ایک بات  
 تو یہہ اور دوسرا ان کا یہہ خاص طریقہ کہ قرآن کی تفسیر میں انہوں نے حصہ نہیں لیا“ ص ۲  
 میرے نزدیک یہہ بڑی بات ہے اجتہاد ہی مسائل کے متعلق تو ابتداً تو اسے یہہ طے شدہ  
 ہے کہ سب کے سب ظنی ہوتے ہیں اس لئے ان کا مسئلہ اتنا دشوار نہیں ہے اور کتاب و سنت کو  
 سامنے رکھ کر جس پہلو میں زیادہ احتیاط ہو اس کو آدمی اختیار کر سکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا  
 فصل خصوصیات کا تعلق تو واقعہ کی تحقیق سے ہوتا ہے دلائل و وجوہ کا انبار فریقین کی طرف سے  
 لگا دیا جاتا ہے۔ محتاط ترین فیصلہ کیا ہوگا۔ اس کا طے کرنا حوادث و واقعات کے متعلق آسان نہیں  
 ہے اسی طرح قرآن ظنی نتائج کی کتاب نہیں ہے بلکہ جو علم بھی اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا تعلق

(دقیقہ سلسلہ گذشتہ) گذرے ہیں ان میں ابن راہویہ کے جوڑ کا کوئی کوئی نہ تھا دیکھو خطیب ترجمہ اسحاق بن ابراہیم حنفی ج ۱۲  
 ۱۵ یہہ امام کے نہیں بلکہ ان کے شاگردوں ابو یوسف اسد بن عمرو الجلی وغیرہ کے شاگرد ہیں حدیث میں بڑے بڑے  
 لوگوں سے سنی اور مشہور ترین الصوفیہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحت میں تربیت نفس کی منزلیں طے کیں  
 ان کی ذہنی نزاکت حسی کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ اذان پوری تھی دیکھا کہ بجائے اذان کی طرف متوجہ ہونے کے  
 ایک شخص کھنٹے میں مشغول ہے گواہی ہے وہی جب پیش ہوا تو اسے مردود الشہادۃ قرار دیا ان ہی کا مشہور فتویٰ ہے کہ  
 مسجد میں فقیروں کو جو بھیک دے گا اس کی شہادت مسترد کر دی جائے گی یعنی مسجد میں بھیک مانگنے ہی کو گناہ نہیں سمجھتے تھے  
 بلکہ دینے کو بھی اور اتنا بڑا گناہ کہ شہادت تک ایسے آدمی کی غیر معتبر ہو جاتی ہے ۱۲ جو اسر سفینہ۔

یقین سے ہے حقیقت یہ ہے کہ ظنی ارادہ بلکہ آحاد روایتیں جو زیادہ سے زیادہ مفید ظن ہیں ان کی مدد سے قرآن کے مفہوم کو متعین کرنے کی جرات بڑی جرات ہے تفسیر میں صحیح حدیثیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں ایک راز اس کا یہ ہے اور امام ابو حنیفہ کی طرف قرآنی آیات کی تفسیریں جو نہیں منسوب ہیں۔ یا بہت کم منسوب ہیں اس میں بھی ان بے چارے کی اسی فطری خصوصیت کو داخل تھا۔ اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ میں قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا یہ دعویٰ جو امام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا ایک مطلب یہ ہے جو ہو سکتا ہے بلکہ اس کے سوا ان کے اس دعوے کی دوسری توجیہ تو میرے خیال میں شکل ہی ہے

بہر حال میں اپنے مطالبے کو درہوتا چلا جا رہا ہوں غرض یہ تھی کہ حکومت کی طرف سے اگر امام ابو حنیفہ کو اس کا اظہار دیا گیا تھا کہ وہ خلیفہ اور شاہی خاندان سے سرکاری حکام کے خلاف بھی حکومت کے وقار کا خیال کے بغیر بھی فیصلہ دینے کا اختیار رکھیں گے حکومت ان کے ان فیصلوں کی بھی اسی طرح تعمیل کرائی گئی جیسے عام فیصلوں کا نفاذ اس کا کام ہے۔ تو اس وقت ملازمت کے نہ قبول کرنے کا عذر ان کی طرف سے پیش ہونے لگا اور اس کا نتیجہ نہیں ہوتا یہ عذر کہ میں قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس میں شک نہیں کہ لوگوں نے بکثرت مختلف راہوں میں ان کی طرف ان الفاظ کو منسوب کیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ گو امام نے آخر میں اسی عذر کو پیش کیا ہے لیکن امام جیسے آدمی سے اس کی توقع کہ ابتدا ہی میں وہ اس عذر کو لے کر کھڑے ہو گئے قرین عقل نہیں معلوم ہوتا۔ اسی ابو جعفر کے سامنے مجھ ہی سے آپ سن چکے کہ امام ابو حنیفہ نے امتیازات کو تفصیل سے بیان کیا تھا صبح سے شام تک سرکاری قاضیوں کے فیصلوں پر اعتراض کرتے رہتے تھے اور یوں ہی ابو جعفر تو بڑا مردم شناس تھا اس زمانے کے کسی عالم آدمی کو بھی امام صاحب کی شکل ہی سے یہ باور کرا سکتے تھے کہ میں قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں جہاں تک میں سمجھتا ہوں امام صاحب نے یہ بات کہی ضرور ہے لیکن اس وقت کہی ہے جب کوئی حیلہ اور کوئی عذر ملازمت سے گلو خلاصی کے لئے ان کے پاس باقی نہ رہا تھا ان کے معاذیر کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا۔ چونکہ یہ ایسی بات تھی جسے بہ ظاہر امام صاحب کی زبردستی ہی سمجھی جاسکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر کو اسی پر غصہ آگیا اور اسی غصے کی حالت میں یہ سمجھا کہ یہ شخص غلط بیانی سے قصداً کام لے رہا ہے اس نے تازیانہ لگانے کا حکم دیا اور معاملہ اسی پر ختم ہو گیا لیکن جس مرحلہ پر اس وقت امام صاحب اور حکومت کے درمیان کی گفتگو تھی کم از کم میرا خیال یہی ہے کہ نہ اس مرحلے پر امام نے اس عذر کو پیش کیا تھا اور نہ اس سے پہلے ایک ایسے دعوے کے پیش کرنے کی ان میں جرات پیدا ہو سکتی تھی جسے مرستے والا سننے کے ساتھ غلط قرار دینے پر مجبور تھا امام صاحب ایسے نادان نہیں تھے کہ نجات کی دوسری راہوں کے باقی رہتے ہوئے خواہ مخواہ ایک ایسی بات پیش کر دیتے جس کے متعلق دنیا ان ہی کو الزام دینے پر آمادہ ہو جاتی جیسا کہ میں نے کہا واقف کے لحاظ سے امام کا یہ عذر اگرچہ غلط نہیں تھا لیکن ہر شخص کی



سمجھ میں یہ نکتہ کہاں سے آسکتا تھا کہ اتنے بڑے عالم و فقیہ ہونے کے باوجود فصل خصومات کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں جس کام کو ہزاروں قانون کا جاننے والا آدمی انجام دیتا رہتا ہے لیکن وہی سوال سامنے آتا ہے کہ اس موقع پر آخر انہوں نے کس عذر کو پیش کیا اور اس کے بعد کیا ہوا؟ کہہ چکا ہوں کہ میسر پاس کوئی ایسا وثیقہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی قطعی جواب کو پیش کروں تاہم میں نے پہلے ہی علی بن علی الحمیری کے حوالہ سے ایک بات نقل کی تھی یعنی یہی کہ امام ابوحنیفہ پر قضا کی خدمت متعدد بار پیش کی گئی لیکن وہ عذری کرتے رہے معافی چاہتے رہے اسی سلسلہ میں علی نے کہا تھا کہ

واحتال بكل جمیلة ۱۷ ج ۲ ہر قسم کی تدبیروں سے امام صاحب کام لے رہے۔

ان کے بیان میں اس کے بعد چند اور الفاظ بھی تھے جن کا ذکر اس وقت غیر ضروری تھا لیکن ان کو ہی نقل کر دیتا ہوں یعنی یہ کہتے ہوئے کہ ہر قسم کی تدبیروں نے وہ اس سلسلہ میں کام لیتے رہے ان کے لہجہ و مدارا کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس منزل تک یعنی قضا کی گفتگو جب تک ہوتی رہی اس وقت تک امام صاحب اور ابو جعفر میں کسی ایسی سخت کلامی کی نسبت نہیں آئی تھی جس کے بعد آپ سے باہر ہو کر اس نے کوڑا نکال لیا بلکہ اس مسئلہ کے متعلق جب تک گفتگو ہوتی رہی اس وقت تک امام صاحب نرمی اور مدارا تہی سے کام لیتے اور یہی میرا ہی خیال ہے اسی کے ساتھ احمد بن یحییٰ کے حوالہ سے صاحب امامی محمد بن حسن نے اس قصے کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے اس میں ہم ایک اور جز پاتے ہیں یعنی مجدد دوسری باتوں کے احمد بن یحییٰ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ امام صاحب کے معاملہ میں ابو جعفر کے وزراء اور دربار کے خاص لوگ بھی آخر میں امام کی طرفداری میں کچھ پیروی کرنے لگے تھے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ

ذکرہ وزراء امیر المومنین و  
 پھر خلیفہ کے وزراء اور دربار کے خاص لوگوں نے  
 امام کے متعلق خلیفہ سے گفتگو کی۔  
 خاصتہ ۱۷ ج ۲

گو یہ الگ الگ ٹکڑے ہیں اور مختلف روایتوں میں مذکور ہیں مگر ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ امام کی نرم گفتگو اور مدارائی انداز کچھ وزراء اور دربار کے افراد کی سخی و سفارش سے کم از کم ایک دفعہ امام کو کوفہ واپس جاتے اور اپنے خاص لوگوں (یعنی شاگردوں اور اصحاب سے مشورہ لینے کا موقع حکومت کی طرف سے دے دیا گیا اور اسی کے بعد امام کوفہ پہنچے پوچھ کر اطراف و جوانب سے اپنے شاگردوں کو جمع کر کے مذکورہ بالا تقریر کی توثیق مدعقل و قیاس کے قریب تر یہی بات ہو سکتی ہے امام کی اس تقریر کو دوبارہ ذرا غور سے پڑھئے الفاظ پر غور کیجئے۔ کم از کم میرا احساس تو اس تقریر کے الفاظ پر غور کرنے کے بعد یہی ہے کہ "قاضی القضاة" کا جو عہدہ امام پر حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اور جس قسم کے اختیارات عطا کرنے پر اس کے ضمن میں حکومت نے آمادگی ظاہر کی تھی اسی کے بعد اس قسم کی تقریر کی جاتی ہے یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

تقریر میں جن باتوں کی طرف امام نے اجمالاً اشارے کیے ہیں تقریر کے بعد ان کے متعلق تفصیلی مشورے بھی ہوئے ہوں گے؟

میرا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی ملازمت میں نہ داخل ہونے کا جو قطعی ارادہ امام کا تھا خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو اس ارادے کے انہماک کے بعد اپنے شاگردوں میں سے جو جو تاحیوں کی تربیت و پرواغت یعنی قاضی القضاة بننے کے نالین تھے اگر ان کو امام صاحب نے اس پر تیار کیا ہو کہ حکومت میں اس عہدے کو منظور کر چکی ہے اور سارے عدالتی اختیارات کو اپنے اقتدار سے نکال کر اہل علم کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو چکی ہے تو اس پر قبضہ کرنے کے لئے تم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہیے اسی طرح جن میں صرف قاضی بننے کی صلاحیت امام کے نزدیک تھی ان کو قاضی بننے کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیے ان باتوں کو اگر شاگردوں کی اس مجلس میں امام صاحب نے پیش کیا ہو ہر ایک کی متعلقہ ذمہ داریاں جن کا تقریر میں اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان کی تفصیل کی ہو تو جو تقریر اس موقع پر آپ نے فرمائی ہے اس کے الفاظ کو دیکھتے ہوئے محقق بخوبی کہتے ہیں کہ اسی قسم کی کاروائیاں ضرور ہونی ہوں گی صاحب معجم نے امام کی اس تاریخی تقریر کو نقل کرتے ہوئے آخر میں ان الفاظ کا بھی جو اضافہ کیا ہے یعنی امام صاحب نے آخر میں فرمایا کہ

فان الناس قد جعلوني مجسدا  
اقالراحة لغیری والتمتع  
على ظهري صلاه

لوگوں نے (مقصد) تک پہنچنے کے لئے مجھ پر  
بنا لیا پس خیروں کے لئے تو صرف آرام ہی آرام  
ہے اور سارا بوجھ میری پیٹھ پر ہے

واللہ اعلم صحیح مطلب ان الفاظ کا کیا حال ہے لیکن واقعہ کی جو نوعیت ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ ان عہدوں اور بڑے بڑے مناصب تک پہنچانے کے ذریعہ امام کی ذات جبرین رہی تھی اور اول سے آخر تک اس ساری کشمکش کا بوجھ براہ راست امام نے اٹھایا لیکن عہدوں پر قبضہ کرنے کے بعد راحت ان ہی شاگردوں کو حاصل ہوگی تو محل و مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے میں نہیں خیال کرتا کہ ان الفاظ کا اور کوئی دوسرا مطلب کیا لیا جاسکتا ہے

بہ ظاہر خیال گذرتا ہے کہ ان ہی مشاغل میں کچھ دن امام کے بسر ہوئے ہوں گے لیکن ابو جعفر کا دل ان ہی کی طرف لگا ہوا ہو گا وہ تو امام کو اپنی راہ کا کانا یقین کر چکا تھا کہ کچھ ہی ہو جائے ان کو آزار و پہرہ سے رہنا کسی حیثیت سے ہی جائز نہیں ہو سکتا اسی بنیاد پر بغداد ان کی طلبی کا فرمان اس نے بھیجا جہاں تک میں سمجھتا ہوں امام کی کوفہ سے بغداد کی طرف آخری روانگی جس کے بعد پیر کوفہ اور کوفہ والوں کے دیکھنے کی نوبت نہ آئی اسی طلبی کے بعد ہونی کس طرح بلائے گئے و لوں کے بعد بلائے گئے کیوں بلائے گئے یہ دستور ان سارے ضروری سوالوں پر پروہ پڑا ہوا ہے کبھی کبھی منتظر رہا ہوں میں کچھ اجزا رہے جاتے ہیں ان ہی سے کچھ اندازہ



کیا جاسکتا ہے

میں نے جیسا کہ کہا امام کی مذکورہ بالا تاریخی تقریر جو شاگردوں کے گویا سب سے بڑے مجمع میں ہوئی اگرچہ اس کے صحیح وقت کا متعین کرنا ذرا دشوار ہے لیکن بجائے خود اس تقریر کی ہم دیکھتے ہیں کہ کافی اہمیت پھیلے لوگوں میں محسوس کی گئی ہے جس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اس مجمع میں امام کے جو ممتاز چالیس تلامذہ تھے مثلاً داؤد طائی عافیہ اودی قاسم بن من سعوی حفص بن غیاث نخعی وکیع بن الجراح مالک بن مغول زفر بن ہذیل وغیرہ حضرات کے تذکرے حنفی طبقات کی کتابوں میں جہاں درج کئے گئے ہیں عموماً سب سے پہلے ان کو روشناس کرتے ہوئے ہی لکھا جاتا ہے کہ یہ امام کے ان شاگردوں میں جو اس تقریر والی مجلس میں شریک تھے جس میں ان لوگوں کو خطاب کر کے امام نے ”انتم سدسار قلبی و جلا حزنی“ فرمایا تھا یعنی وہی الفاظ جن کا ترجمہ اردو میں یہ کیا گیا تھا کہ تم میرے دل کے لئے سرمایہ نشاط تم ہی لوگ ہو تم ہی سے میرا غم غلط ہوتا ہے

آپ طبقات و تراجم کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات اٹھا کر دیکھئے عموماً سب سے پہلا فقرہ ان کے تذکرے میں یہی ملے گا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق امام نے انتم سدسار قلبی و جلا حزنی فرمایا تھا۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی تقریر اور معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس مجلس کی اسی اہمیت کی بنیاد پر خیال گذرتا ہے کہ ابو حنیفہ امام ابو حنیفہ سے یوں تو خیر کہہ سکتے ہو انھیں کیا تعجب ہے کہ پیو نچانے والوں نے کونہ سے اس تک یہ خبر پیو نچائی ہو کہ امام نے اپنے

۱۵ داؤد طائی امام کے ان شاگردوں میں ہیں جنہوں نے پڑھنے پڑھانے کے مشغولے کو ترک کر کے عزت اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی بیس دنیا رکھ کر اور رات میں ان کو ملے تھے بیس سال کی زندگی اسی بیس دنیا سے داؤد نے پوری کی کسی سے کہی کچھ نہیں لیا باوجود اس کے امام ابو حنیفہ کے بڑے بڑے شاگرد مشکل مسائل میں ان سے جا کر پوچھتے امام محمد فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی مسئلہ جب پیش آتا اور میں داؤد سے جا کر پوچھتا تو وہ اندازہ کر لیتے کہ واقعی اس مسئلہ کی ضرورت مسلمانوں کو ہے تو جواب دیتے اور اگر نہیں محسوس ہو جاتا کہ صرف ذہنی کرب کا نتیجہ ہے تو مسکرا کر چپ ہو جاتے کہتے کہ بھائی مجھے کام ہے ۱۷

۱۵ ان حالات کا اجمالاً ذکر گذر چکا ہے ۱۲

۱۶ یہ مشہور صحابی عبداللہ بن سعید سے منسوب تعلق رکھتے ہیں فقہ کے سوا عربیت یعنی عربی ادب کے امام مانے جاتے تھے مشہور نحو کا امام ان کے قول کو شہادت میں پیش کرتا تھا لیکن خود ان سے پوچھا گیا کہ ادبی علوم اور فقہ میں آپ کیا تعلق پاتے ہیں بوسے کے خدا کی قسم امام ابو حنیفہ کی ایک کتاب کا مقابلہ بھی ادبی علوم کا سارا ذخیرہ نہیں کر سکتا کوفہ کے قاضی تھے لیکن نحو اور عربی ۱۷

۱۸ جلیل مشتمل میں ان کا شمار ہے علی بن مدینی نقد حال کے امام کا بیان تھا کہ سفر و حضر میں وکیع کے ساتھ میں رہا ہوں وہ صائم الدیر تھے ہر شب میں قرآن ختم کرتے تھے اور ایک تہائی قرآن پڑھے بغیر سوتے نہ تھے ان کا ترجمہ بہت طویل ہے چاہا جائے تو ایک مختصر سی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مالک بن مغول ان کے مقام کے اندازہ کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ دقیقہ برصغیر آئندہ

شاکردوں کو اطراف و جوانب سے بلا بلا کر اکٹھا کیا ہے ان کے سامنے تقریر کرتے ہیں مشورے ہو رہے ہیں شائد اس خبر نے ابو جعفر کو آمادہ کیا ہو کہ کوفہ سے جہاں تک ممکن ہو امام کو بلا لیا جائے یوں تو امام کوئی دفعہ بغداد بلائے گئے ہیں لیکن جس روایت میں یہ بیان کیا گیا کہ کوفہ کے گورنر علی بن موسیٰ کے پاس ابو جعفر کا فرمان باس الفاظ آیا کہ

احمل ابا حنیفہ ص ۱۷۱ سوار کر کے ابو حنیفہ کو میرے پاس فوراً روانہ کرو

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ڈاک کی سواری کا انتظام کیا گیا اور لکھا ہے کہ سوار ہونے کے بعد گورنر سے ملاقات کر کے پیر امام صاحب کو گھر جانے کا بھی موقعہ نہ دیا گیا بلکہ وہیں سے بجا اور روانہ ہو گئے حمیری نے محمد بن عثمان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

”میں طلبی کے فرمان کی خبر سن کر امام سے ملنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ وہ سوار

ہو چکے ہیں اور گورنر کے پاس رخصت ہونے کیلئے جا رہے ہیں“ ص ۱۷۱

اسی حال میں امام روانہ ہوئے اسی روایت میں ہے کہ کل پندرہ دن بعد کوفہ امام کی وفات کی خبر آئی جہاں تک اس سلسلہ کی ساری روایتوں کو ملا کر میں نے غور کیا ہے ان سارے اجزاء کا تعلق امام کی اسی آخری روانگی سے ”معلوم ہوتا ہے البتہ بعض راویوں کے بیان میں جو یہ پایا جاتا ہے کہ اس آخری روانگی کے موقعہ پر امام ابو حنیفہ کے چہرے کو بہت ادا اس پایا گیا ایسا ادا اس کہ کانہ صیح امام کا چہرہ خشک، ٹاٹ کا جیسا معلوم ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ چہرہ ان کا سیاہ پڑ گیا تھا لکھا ہے کہ

کاد و جہہ لیسو درخوفا ص ۱۷۱ ج ۲ ڈر کی وجہ سے قریب تھا کہ امام کا چہرہ سیاہ پڑ جائے

یہ یا اسی کے قریب قریب دوسرے الفاظ جو اس سلسلہ میں نقل کئے گئے ہیں ان سے قطع نظر اس بات کے کہ امام کی طرف ایک ایسی کمزوری منسوب کی گئی ہے جو ان کی سیرت و کردار کے لحاظ سے کچھ بعید سے معلوم ہوتی ہے اور عام بشری کمزوری پر محمول کر کے ہم اس کو مان بھی لیں پھر بھی اسکی تصحیح اسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابو جعفر منصور نے جو سلوک اس طلبی کے بعد اپنے کیا اس کا علم بغداد پہنچنے سے پہلے کوفہ ہی میں آپ کو ہو چکا تھا حالانکہ اس کا ثابت کرنا آسان نہیں ہے کم از کم مجھے تو اب تک کوئی روایت اس سلسلہ میں ایسی نہیں ملی ہے جس سے تھوڑی بہت تائید ہی اس کی ہو سکتی ہو یہ سچ ہے کہ ابو جعفر کی جانب سے خطرات تو امام کو ضرور تھے اور ان خطرات کا اندازہ کرنے کے بعد ہی انہوں نے ابراہیم کا بھی ساتھ دیا تھا فو ایوں کو بھی تو ڈر ہے تھے جانتے

دقیقہ سلسلہ گذشتہ بخاری اور مسلم کے راویوں میں ہیں اور یہی حال حفص بن ابیات کا ہے یہ بھی بغداد کے قاضی ہو خاتم القضاة ان کو سمجھا جاتا تھا خطیب نے طویل ترجمہ ان کا نقل کیا ہے۔ باقی زفر بن ہذیل بیسویں جگہ اسی کتاب میں ان کا ذکر گذرا ہے یہ تو قاضی ابو یوسف کے جوڑ کے آدمی تھے حنفی فقہ کی کتابیں ۱۱ کے ذکر سے معمور ہیں ۱۲



تھے کہ حسن بن تحفیلہ کی اچانک علیحدگی فوج سے جب عمل میں آئی تو بہت واقعہ چھپا نہیں رہ سکتا کہ عساکر عباسی کے اس سے بڑے جنرل کے توڑنے میں کن کن لوگوں کا ہاتھ تھا اور اس کا جو کچھ انجام ہو سکتا تھا امام صاحب کی بصیرت سے زیادہ اس کا صحیح اندازہ اور کون کر سکتا تھا لیکن یہ خطرات تو اس وقت تک تھے جب تک کہ خروج ابراہیم کے واقعہ کے بعد خلیفہ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مگر ملاقات ہو جانے کے بعد جس طرز عمل کو ابو جعفر نے امام کے ساتھ اختیار کیا جس کی تفصیل گذر چکی کیا اس کے بعد بھی خوف کی بات کوئی باقی رہی تھی بجائے سزا اور انتقام کے جب اس کی کوشش ابو جعفر کی طرف سے پوری قوت کے ساتھ ہو رہی تھی کہ حکومت میں امام ابو حنیفہ کو کسی نہ کسی طرح شریک کر کے اپنا جمنوا اور سمدرد... بنا لیا جائے اور اس کے لئے بڑی سی بڑی پیش کش جو ممکن ہو سکتی تھی اسے امام کے سامنے بڑھا چکا تھا تو امام کے لئے خوف کی گنجائش ہی کیا تھی یا یہ کہ اس آخری پیش کش کے مسترد کر دینے کا اظہار میری طرف سے ہو گا تو اس وقت ابو جعفر پر اس انکار کا رد عمل کن شکلوں میں ہو گا؟ ابھی ایہام کی حالت میں تھا کم از کم ایسی حالت قطعاً نہ تھی کہ بڑے سے بڑے حادثہ میں جس کی ممکنیت و وقار میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں محسوس کیا گیا بعض واقعات و شواہد اس سلسلے میں گذر رہے ہیں جن سے امام کی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بدلا ایک غیر متعین انجام کے تصور سے ان کا اتنا زیادہ متاثر ہو جانا کہ چہرہ کالا پڑ گیا خون خشک ہو گیا معلوم ہوتا تھا کہ بجائے کھال کے امام کے چہرے پر کوئی ٹاٹ چڑھا ہوا ہے میں اس کی کوئی معقول وجہ نہیں پاتا علاوہ ان عقلی قرائن کے ابن سعد نے اپنے استاذ واقفی کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کی اسی روانگی کے

سے اس زمانہ میں بعض خاص نقطہ نظر رکھنے والے مصنفین نے واقفی کے چارے کو کچھ اس طرح بدنام کیا ہے کہ کسی روایت کی وقعت کہو دینے کے لئے واقفی کا نام کافی سمجھا جاتا ہے لیکن یہ ایک شدید اور خطرناک مغالطہ ہے مجھے تو اس میں بھی غیروں کی دوسری کاریوں کی جھلک نظر آتی ہے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں جہادی روح کو تازہ رکھنے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ واقفی کی کتابوں کا بھی ایک ہزار سال سے بہت بڑا حصہ ہے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں میں نہی زندگی پیدا کرنے کا خیال بعض لوگوں میں جب پیدا ہوا تھا تو آج سے تقریباً سو سال پہلے اردو زبان میں واقفی کی کتابوں کا ترجمہ کر کے اسلامی گھرانوں میں پھیلا دیا گیا تھا بلکہ شاہ نامہ کے وزن پر پوری تاریخ واقفی کو ٹونگہ کے ایک مجاہد خاندان کے رکن نے نظم کا لباس پہنا دیا تھا چیلے دنوں واقفی کو جو بدنام کیا گیا تو اس کی کتابوں سے مسلمانوں کی دل چسپیوں کو دیکھتا ہوں کہ کم ہو گئی ہیں بہر حال واقفی حقیقت اتنا غیر معتبر راوی نہیں ہے کہ اس کی کتابوں کی روایتوں کی وقعت و نیا کی عام تاریخی کتابوں سے کسی حیثیت سے ہی گری ہوئی ہے۔ آئیے نقدی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق احکام و عقائد کی حدیثوں سے ہی جن سے اسلامی قانون پیدا ہوتا ہے حال مورخ ہونے کی حیثیت سے کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے دوسرے مورخوں کی صف میں مسلمانوں کا یہ مورخ کسی حیثیت سے ہی ناقابل اعتماد سمجھا جاوے اور اس وقت ہی واقفی کی ایک تاریخی روایت ہی کو ثبوت میں پیش کر رہا ہوں ۱۲



متعلق جو روایت درج کی تھی میرے نزدیک ان بیانات کی تردید و اقدی کی اس چشم دید شہادت سے  
 یہی ہوتی ہے ابن سعد نے امام ابوحنیفہ کا تذکرہ درج کرتے ہوئے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے  
 قال محمد بن عمر و کنت یومر مات  
 محمد بن عمر یعنی واقدی کا بیان ہے کہ جس دن  
 امام ابوحنیفہ کی وفات ہوئی میں کوفہ ہی میں تھا  
 ان کے آنے کی توقع کر رہا تھا کہ اچانک ان کی وفات  
 فانیہ صفحہ ۲۵ ج ۶ ابن سعد  
 کی خبر آئی

جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امام صاحب کی وفات بغداد میں جس وقت ہوئی ہے اس وقت  
 واقدی کوفہ ہی میں تھے جیسا کہ میں نے عرض کیا کوفہ سے روانہ ہونے کے دس پندرہ دن بعد امام کی  
 وفات ہو گئی ہے اس لئے واقدی کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ روانگی کے وقت یہی وہ کوفہ ہی میں ہونگے  
 پھر آگے واقدی کا یہ بیان کہ ہم لوگ امام کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے لیکن خبر ان کی وفات کی  
 آئی اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر کی اس آخری طلبی کے موقع پر امام کے متعلق کسی قسم کے  
 خطرے کا احساس وٹوں میں نہیں پایا جاتا تھا بلکہ برخلاف اس کے بخیر و خوبی واپسی کی توقع لوگ کر رہے تھے  
 اور وفات کی خبر کوفہ کوفہ والوں کی توقع کے خلاف پہنچی اضطراب و پریشانی سرا سمگی اور گھبراہٹ  
 کی ان ہی کیفیتوں کے ساتھ کوفہ سے امام بغداد اور روانہ ہوئے ہوتے تو یقیناً واقدی یہ نہیں کہتے  
 کہ ہم آنے کی توقع کر رہے تھے ایسی صورت میں تو انا خلاف توقع ہوتا۔ اور وفات کی خبر توقع کے  
 مطابق ہوتی کچھ بھی ہو میرے نزدیک امام کے اضطراب و پریشانی وغیرہ کی یہ روایتیں بھی کچھ اسی  
 طرح بے اہل معلوم ہوتی ہیں جیسے خواہ مخواہ امام کی طرف بازاروں میں گشت کرانے اور عقاب میں کے میدان  
 میں پیادگی کو بلا بلا کر سب کے سامنے گوانے وغیرہ کے واقعات غروب کئے گئے ہیں تنقیح کے بعد  
 جیسے یہ روایتیں بے اصل ثابت ہوئی ہیں کچھ ہی حال اس کا بھی ہے خدا جانے دنیا کا یہ کیا عارضہ ہے  
 کہ ہمیشہ اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے میں اصل واقعہ کے اظہار سے ان کی تسلی نہیں ہوتی کچھ نہ  
 کچھ اضافہ اپنی طرف سے بیان کرنے والے ضروری سمجھتے ہیں اور امام کے متعلق تو اس سلسلے میں لوگوں  
 نے بہت زیادہ حاشیہ آرائیوں سے کام لیا ہے ہم سے پہلے ہی تنقید کر کے لوگوں نے ان اضافوں کو  
 مسترد کر دیا ہے میرے نزدیک یہ باتیں ہی اسی قبیل کی ہیں اور آپ دیکھ رہے ہیں توڑی تنقید و جرح

۱۔ اس سلسلہ میں کروری نے ایک دل چسپ بات لکھی ہے یعنی ان کا بیان ہے کہ میں جن دنوں خوارزم میں  
 تھا تو وہاں ایک "مجلدہ ضخیمہ" کی صورت میں ایک کتاب "سیر الصالحین" مجھے ملی اس میں امام ابوحنیفہ کی وفات  
 کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ابو جعفر نے ان کو زہر پلویا لیکن اس کو خیال گذرا کہ زہر معدے سے جلدی سارے جسم  
 میں نہیں پھیلے گا اس لئے ستون میں باندھ کر اس نے حکم دیا کہ کوڑے سے امام کو پیٹا جائے تاکہ خون میں ل کر زہر سارے  
 جسم میں کوڑے کی مار سے جلد پھیل جائے پس یہی کیا گیا امام صاحب پر زہر کا اثر فوراً مرتب ہوا اور (بقیہ صفحہ آئندہ)



کے بعد ان کی قلبی کتنی آسانی کے ساتھ کہل جاتی ہے

بہر حال امام کوفہ سے روانہ ہوئے اور جہاں تک عقلی و نقلی شہادتوں کا اقتضا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روانگی ا ل میں ہوئی کہ جو واقعات ان کے ساتھ بغداد میں پیش آئے امام کو ان کی توقع نہ تھی باقی یہ مسئلہ کہ اس دفعہ امام صاحب جو جا رہے تھے تو خود کیا سوچتے ہوئے جا رہے تھے۔ یعنی یہ تو قطعی طے شدہ مسئلہ تھا کہ خواہ جتنے وسیع اختیارات کے ساتھ قضا کے عہدے کو حکومت پیش کرے گی اس کو میں قبول نہیں کروں گا، لیکن بجائے اپنے کیا ان شاگردوں کے نام کو پیش کرنا چاہتے تھے جن میں مذکورہ بالا مجلسی تقریر میں مختلف صلاحیتوں کی انہوں نے نشاندہی کی تھی یا کئے کہہ سکتے ہیں کہ امام کی دنیا کے بعد واقعات جس رنگ میں پیش آئے یعنی ان کے شاگرد قاضی ابو یوسف عباسی حکومت کے پہلے قاضی القضاة مقرر ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں مالک محروسہ عباسیہ کی ساری عدالتوں میں عموماً امام ہی کے مکتب خیال کے فقہار جو داخل ہو گئے کیا بطور مشورے کے حکومت کے سامنے اسی کو وہ پیش کرنا چاہتے تھے؟ ایسی کوئی روایت مجھے اب تک نہیں ملی ہے جس کی روشنی میں اس کا کچھ جواب دیا جاسکتا ہو

اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی کوئی تجویز حکومت کے سامنے امام صاحب رکھتے ہی تو پذیرانی کی توقع

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) مر گئے اور یہی نہیں اسی مجلدہ ضخیم میں کروری کہتے ہیں کہ واقعہ بھی میں نے پڑھا کہ امام صاحب گئے اور عوام انہماں کی شورش کا ابو جعفر کو خطرہ محسوس ہوا تو وزیر کو بلا کر اس نے مشورہ لیا ازلے وزیر نے یہ وہی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بدعتی عقائد رکھنے والا آدمی قبر میں کانے کتے کی صورت اختیار کر لیتا ہے پس مناسب ہے کہ امام کی لاش قبر سے نکال لی جائے اور مار کر ان کی جگہ ایک کانے کتے لگا کر دیا جائے ابو جعفر کو یہ رائے پسند آئی حکم دیا گیا کہ امام کی قبر کھودی جائے اور کالا کتا ان کی جگہ رکھ دیا جائے لیکن امام ابو حنیفہ نے مرنے سے پہلے اپنے لوگوں کو وصیت کی تھی کہ پہلی رات میری لاش کو اس قبر میں نہ رہنے دینا جس میں گاڑا جاؤں وصیت کی تعمیل کرتے ہوئے منصور کے آدمیوں سے پہلے امام کی لاش کو نکال کر لوگ بے جا چکے تھے اب منصور کے آدمیوں نے امام کی قبر کھولی تو لاش غائب تھی لوگوں کو حیرت ہوئی لیکن پھر ہی کہا گیا کہ کالا کتا جو مار کر لایا گیا اسے امام کی جگہ دفن کر دیا جائے صبح کو خبر پھیلانی گئی کہ قبر میں امام کی لاش نہ کانے کتے کی شکل اختیار کر چکی ہے لوگ جمع کئے گئے اور قبر کھولی گئی کتے کی لاش نکال کر سپک کو دکھائی گئی لیکن ٹھیک جس وقت یہ عمل ہو رہا تھا امام کے لوگوں نے آ کر خبر دی کہ امام کی لاش تو گھر میں ہے قبر سے تو ہم لوگوں نے اس کو نکال لیا تھا تب لوگوں کو محسوس ہوا کہ یہ حکومت کی کارستانی تھی ابو جعفر دل میں بہت ذلیل ہوا کروری نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کتاب میں اور بھی اس قسم کی بہت سی باتیں بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی ہیں جو امام کی عام سوانح عربوں میں نہیں پائی جاتیں آخر میں اس قسم کے واقعات کی تعابیط کرتے ہوئے کروری نے اپنی رائے یہ ظاہر کی ہے کہ اس قسم کی بعد از فہم و عقل روایتوں پر اعتماد نہ کرنا چاہیے دیکھو مناقب کروری ص ۲۵ ج ۲

ہی کیا ہو سکتی تھی؟ کیونکہ اصلی مسئلہ قضا اور عدالت کی تنظیم جدید کا کیا تھا یہ تو ایک وام تھا جس میں ابو جعفر اس شخص کو پھنسانا چاہتا تھا جسے ایک لمحہ کے لئے آزاد چھوڑے رکھنا اپنی حکومت کے لئے عظیم خطرہ خیال کئے ہوئے تھا۔ شاگردوں کے تقرر سے اس کا یہ مطلب کب پورا ہو سکتا تھا اور یہ تو سمجھتا ہوں کہ اپنی طرف سے اس تجویز کے پیش کرنے میں امام صاحب نے اگر یہ محسوس کیا ہو کہ حالات نے جن چیزوں کے امکانات کو قریب تر کر دیا ہے کہیں وہ دور نہ جائیں تو ان کی دوراندیش عقل سے یہ بعید نہیں ہے خیر ان امور کو تو جانے دیجئے جن کی نفی و اثبات کی کوئی شہادت ہی ہمارے سامنے نہیں ہے، اب ان واقعات کو سنئے جو بعد از پوچھنے کے بعد اس دفعہ امام صاحب کے سامنے پیش آئے۔

یہاں بھی مجھے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روایتوں میں باتیں بکھری ہوئی ہیں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ قرآن و قیاس کی انداز سے ان میں ترتیب پیدا کی جائے ان روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد جو ترتیب مجھے نظر آتی ہے وہ یہ ہے

مطلب یہ ہے کہ بعد از پوچھنے کے بعد امام صاحب کی خلیفہ کے دربار میں بار بار بی ہوئی قضا کی جس خدمت پر حکومت تمہارا تقرر کرنا چاہتی ہے آخر تم نے اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ ابو جعفر کی طرف سے جیسا کہ چاہیے تھا پر یہی دریافت کیا گیا۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ ایک دفعہ نہیں متعدد بار امام صاحب کے سامنے پیش کیا گیا لوگوں نے یہ بیان کرتے ہوئے احتمال بکل حیلہ و جواب میں امام مختلف جیلوں سے کام لیتے رہے آیا یہ کہتے ہوئے کہ احتمال علیہ بعلم ولم یقبل و مختلف اسباب انکار کے پیش کرتے رہے اور قبول نہیں کیا گیا پھر امام کے مختلف جوابوں کو مختلف راویوں نے نقل کیا ہے اپنے اپنے موقع پر جہاں تک میری سمجھ میں آیا ہے ان جوابوں میں ترتیب پیدا کر کے میں درج کر چکا ہوں ان ہی جوابوں کے سلسلہ میں لوگ یہ بھی نقل کر کے گذر جاتے ہیں کہ امام صاحب نے ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ الی لا اصلاح (میں قاضی بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا جس طریقہ سے سرسری طور پر اس جواب کا لوگ ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی بات تھی جسے امام نے دوسرے جوابوں کے ساتھ کہی یہ بھی کہہ دیا تھا۔ لیکن باوئی تامل واضح ہو سکتا ہے کہ جس جواب کو غیر اہم بنا کر بیان کرنے والوں نے درج کیا ہے واقعہ میں یہ اتنا غیر اہم جواب نہ تھا سوچنے کی بات ہے کہ یہ کون کہہ رہا ہے اسلامی قانون کا امام اعظم کہہ رہا ہے اور کہہ رہا ہے پوری ذمہ داری کے ساتھ خلیفہ وقت کے آگے گویا دعویٰ کی شکل میں ایک واقعہ کا اظہار کر رہا ہے ابو الحسن مرغنیانی کی تحریر یا داشت سے موفق نے اسی قصے کو جہاں نقل کیا ہے اس میں تو یہاں تک تصریح موجود ہے کہ دربار سے باہر آنے کے بعد علی مہیری سے جو امام صاحب کے ساتھ کوفہ سے بغداد آیا تھا خود امام نے بیان کیا کہ

اعلمتہ انی لا اصلاح صدیۃ جلد

میں نے ابو جعفر کو مطلع کیا کہ قضا کی مجھ میں صلاحیت نہیں ہے



نیز دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں سوال و جواب کا رد و بدل ہونا  
 رہا امام صاحب کہتے کہ لا اصلح اور ابو جعفر کہتا بل انت تصلح (بلکہ تم ضرور صلاحیت رکھتے ہو)  
 حقیقت یہ ہے کہ سوال و جواب کے اس سلسلہ میں امام نے اس سے پہلے جتنی باتیں کہی  
 تھیں وہ ایسی تھیں کہ بظاہر ابو جعفر کا سننے کے بعد جو حال ہی رہتا ہو لیکن اندر سے اس کا ضمیر ان  
 کمزوریوں کے اعتراف کو شعوری یا غیر شعوری طور پر درد پاتا ہو گا جن کی طرف امام اشارہ کرتے تھے لیکن امام کی طرف اس دفعہ جواب  
 دیا گیا تھا۔ ابو جعفری کیا میں تو کہتا ہوں کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا رہم ہوتے آپ ہوتے  
 کوئی ہوتا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کرنا چاہیے کہ اس کا جواب کا رد عمل آدمی کے ضمیر  
 پر کیا ہو سکتا ہے؟

اپنے علم و فضل اور اپنی قانونی و فقہی ہمارت کے متعلق جن معلومات کو بلا واسطہ یا بالواسطہ  
 ابو جعفر تک خود مسلسل امام صاحب پہنچاتے رہے تھے ان معلومات سے قوت حاصل کرتے ہوئے  
 ابو جعفر کے ضمیر نے زندہ ہو کر شاہی اختیارات کے استعمال کے جواز کی سند اس کے ہاتھ میں اس  
 جواب کے بعد اگر دے دی ہو تو اس پر قطعاً متعجب نہ ہونا چاہیے اعدیات اسی حد تک ختم ہو جاتی  
 تو شاید معاملہ آگے نہ بڑھتا لیکن ہوا یہ کہ اپنے قطعی غیر مشکوک معلومات اور ذاتی تجربات پر اعتماد  
 کرتے ہوئے امام کے اس جواب کو سن کر ابو جعفر نے صاف لفظوں میں امام کی طرف غلط بیانی کو منسوب  
 کرتے ہوئے کہا

کذبت انت تصلح ص ۱ ج ۲ تم جھوٹ بولتے ہو قطعاً تم قضا کی صلاحیت رکھتے ہو  
 لیکن امام صاحب خاموش نہیں ہوئے بلکہ انتہائی بے پروائی کے ساتھ اس مشہور الزامی  
 جواب کا اعادہ ابو جعفر کے سامنے آپ نے کیا جسے عموماً امام صاحب کی ذہانت کے ذکر کے سلسلے  
 میں لوگ بیان کرتے ہیں یعنی جوں ہی کے ابو جعفر کے منہ سے نکلا کہ  
 ”تم جھوٹ بولتے ہو قطعاً قضا کی لیاقت رکھتے ہو“

امام نے فرمایا

”یعنی آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا آپ کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ اس  
 شخص کو قاضی بنایا جو جھوٹا اور کذاب ہے“

بعض روایات کے الفاظ کا ترجمہ تو یہی ہے لہذا ان کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے فرمایا  
 ”اب جب جانتے ہیں کہ میں قضا کی لیاقت رکھتا ہوں باوجود اس کے مجھ سے  
 سن رہے ہیں کہ میں اس کی لیاقت نہیں رکھتا جس کے معنی یہی ہوتے کہ میں آپ کے سامنے  
 جھوٹ بول رہا ہوں ایسی صورت میں اس عہدے پر میرا تقرر جائز ہی کیسے ہو سکتا ہے“ ص ۱۸۱ ج ۲

الفاظ کچھ ہوں یہ ہوں یا وہ ہوں مال دونوں کا واحد ہے ابو جعفر امام صاحب کے ابتدائی جواب سے  
 پھر چکا تھا اس جواب الجواب نے جس میں ایک طرح سے ذہنی شکست کی رسوائی بھی شریک تھی اسے

حد سے زیادہ مشتعل کرو یا امام کے پہلے جواب ہی کے لیے عرض کر چکا ہوں کہ شاہی اختیارات کے استعمال کی سند جواز بغیر کسی وغرغہ کے اس کا ضمیر دے چکا تھا جواب الجواب نے جب اس کے اشتعال کو حد سے زیادہ متجاوز کر دیا تو اب وہ قسم کھا بیٹھا بشیر بن الولید الکندی کے حوالہ سے خطیب نے جو روایت تاریخ بغداد میں نقل کی ہے اس میں ہے کہ

مخلف المتصور لم يفعل  
 قسم کھا بیٹھا منصور کہ تم قضا کا کام کرنا ہی پڑے گا  
 اوپر منصور عباسیوں کا مطلق العنان فرماں رواقم کدرا رہا تھا اور اسی کے مقابلہ میں دیکھا جا رہا ہے کہ اسی آزادی کے ساتھ امام ابوحنیفہ ہی اس کی قسم کے سننے کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ  
 قسم خدا کی میں ہرگز نہیں کروں گا

ابو جعفر منصور کی طرف یہ جو شائبہ کیا گیا ہے کہ امام صاحب کو اس نے تازیانے کی سزا دی میں عرض کر چکا ہوں کہ سزا کے اس قصے میں راویوں کی رنگ امیزیوں کا بہت بڑا حصہ شریک ہے لیکن اصل واقعہ کا یہی انکار نہیں کیا جاسکتا میرا خیال ہے کہ اسی سوال و جواب کے قصے میں بہ تدریج ابو جعفر کا غصہ بڑھتا رہا اور معلومات کی بنیاد پر قطعاً امام کو غلطی پر اور اپنے آپ کو حق پڑھا رہا تھا پھر اس الزامی جواب سے قدرتا کھسیا سا جانے کی کیفیت جو اس میں پیدا ہوئی اور محاسن کی قسم کے ساتھ امام صاحب نے ہی قسم کھالی تو ابو جعفر کے حاجب ربیع سے امام کی اس جسارت پر نہیں رہا کیا اور کہنے لگا کہ

”تم کیا کر رہے ہو امیر المؤمنین کی قسم کے مقابلہ میں قسم کھا رہے ہو“

اس پر ہی امام صاحب نے اسی حاضر و ماضی کے ساتھ ربیع کو جھڑکتے ہوئے کہا کہ

”امیر المؤمنین اپنی قسم کے کفارہ کے ادا کرنے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں“

یعنی قسم کو تم دونوں نے کھائی ہے پھر اپنی قسم میں کیوں توڑوں ابو جعفر ہی کیوں نہ توڑیں وہ تو امیر آدمی ہیں ہر شکل کے کفارے پر قادر ہیں ایسی صورت میں کوئی تعجب نہیں کہ غصے سے اندھے ہو کر عواقب اور نتائج کا اندازہ کئے بغیر ابو جعفر کے منہ سے تازیانہ برداروں کو حکم امام صاحب کے مارنے کا دے دیا گیا ہو

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تازیانہ زنی کے سلسلے میں روایتوں کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے لیکن تباہ چکا ہوں کہ عقلاً و نقلاً بہت زیادہ اجزاء ان روایتوں کے ناقابل اعتبار ہیں اس سلسلہ میں سب سے سنجیدہ ترین روایت کم از کم میرے نزدیک وہی ہے جسے پہلے بھی ترجیح دیکھا ہوں یعنی عبد العزیز بن عمام کی چشم دید شہادت جس میں اس شخص نے پوچھنے پر کہا تھا کہ مار کھاتے ہوے امام ابوحنیفہ کو ہم جیسے عوام کیسے دیکھ سکتے تھے کہ واقعہ ابو جعفر کی نشست گاہ خاص میں پیش آیا وہ ہماری گذر ہی کہاں تھی البتہ وہاں سے نکلنے کے بعد دار الخلافت کے احاطہ (دار) میں میں نے امام صاحب کو دیکھا تھا کہ پشت مبارک تنگی تھی بدن میں صرف پانچ ماہ تھا اڑیوں پر خون بہ رہا تھا ہر حال ان



روایتوں کی تنقید کی بحث گزر چکی ہے اس وقت مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ تازیانوں کی تعداد میں بھی صحیح تر روایت عبدالعزیز ہی کی معلوم ہوتی ہے گو خود اس شخص نے بھی دیکھا نہیں تھا لیکن معتبر لوگوں سے غالباً سنا ہوگا کیونکہ وہیں وہ موجود تھا اس لئے کوڑوں کی تعداد میں تباہی ہے بلکہ اس عدد کو بتاتے ہوئے اس نے فوری طور پر غصہ سے مغلوب ہو جانے کی وجہ خلیفہ کے متعلق ہی بیان کی ہے کہ

جب امام صاحب نے ابو جعفر کو الٹ کر ملزم بنا دیا کہ میری طرف جھوٹ کو منسوب کر کے تم نے فیصلہ کر دیا کہ میں قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں

اس پر ابو جعفر جھلا گیا اور بولا

ان ذایغیر الکلام بانی کذا  
یہ شخص بات کو بدلتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں ہی نے  
یہ فیصلہ کر دیا یا میں ہی ملزم ہوں

عبدالعزیز نے اس کے بعد بیان کیا ہے کہ

لشتمہ و درعالمہ بالمسیاط فضریہ  
ثلاثین سوطاً ص ۱۸۱  
ابو جعفر امام صاحب کو برا بھلا کہنے لگا اور کوڑا لگا کر تین سو کوڑے لگائے

بلکہ عبدالعزیز کے الفاظ کو بلا وجہ مجازیراگر محمول نہ کیا جائے۔ تو اس کے الفاظ کے حقیقی معنی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو جعفر نے تازیانہ پر واروں سے امام کو نہیں ٹھوایا۔ بلکہ غصہ میں خود ہی چند کوڑے لگائے۔ اگرچہ امام حبیبی معظم و محترم ہستی کے ساتھ اور وہ بھی عمر کے ایسے حصے میں جب وہ ستر سال میں قدم رکھ چکے تھے بڑی بے رحمی کا کام یہہ کیا گیا اس لحاظ سے ابو جعفر کو جو کچھ ہی کہا جائے۔ لیکن میرے نزدیک اس تازیانے کے قصے کی اصل حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے شاید لوگوں نے ابن ہبیرہ کے واقعات پر ابو جعفر کے واقعات کو قیاس کر لیا حالانکہ اس وقت امام کی حیثیت زیادہ تر کوثر کے ایک کامیاب دولت مند تاجر سے زیادہ تھی لیکن ابو جعفر کے زمانے میں تو یہ واقعہ ہے کہ وہ عراق کے امام مشرق کے فقیہ تھے جیسا کہ اسی روایت میں ابو جعفر کے چچا عبدالصمد نے ابو جعفر کی اس حرکت کی خبر پانے کے ساتھ ہی اس کو ان ہی الفاظ سے دہمکایا ہے جس کا مختلف حاشیوں سے ذکر گزر چکا ہے۔ اور یہاں اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

کچھ بھی ہو یہ واقعہ تو گذر گیا۔ اور جس طرح بھی گذرا ہو۔ اسے خدا کے علم کے حوالہ کیے لیکن یہاں دو سوالات اب باقی رہ جاتے ہیں کہ نسبت جب تازیانہ زنی کے اس واقعہ تک پہنچی تو اس کے بعد یہ کیا ہوا؟ اور اس سے ہی اہم سوال وہی ہے کہ امام صاحب کے اس قول کا کیا مطلب تھا کہ میں قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں یقیناً ان کی ذات اس سے ارفع و اعلیٰ تھی کہ خواہ مخواہ غلط بیانی سے کام لیتے خصوصاً ان جیسے دانش مند آدمی سے غالباً یہ بات پوشیدہ ہی نہ ہوگی کہ ان کے اس جواب کو ابو جعفر کیا کوئی دوسرا آدمی ہی مشکل ہی سے صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔

ان ہی منتشر پراگندہ روایتوں سے جو باتیں ان دوسوالوں کے جواب میں میری سمجھ میں آئی ہیں انہیں اب پیش کرتا ہوں۔

صرف تازیانہ کے اس واقعہ کے بعد آتنا تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ ابو جعفر کے سامنے سے جب دار الخلافہ کے احاطہ میں امام صاحب لائے گئے تو ابو جعفر کے چچا عبد الصمد ابو جعفر کو لعنت ملامت کرنے کے بعد امام صاحب کو کپڑے پہنا کر گھر میں بچا دیا یہ بھی گذر چکا کہ عبد الصمد کے متشکر کرنے کے بعد ابو جعفر کو بھی اپنی فاش سیاسی غلطی کا احساس ہوا اور باوجودیکہ بے چارے ایک ایک دانق کی نگرانی کرتا تھا۔ پھر بھی واقعہ کی اہمیت کا اندازہ کر کے . . . . . کہ فی تازیانہ ایک ہزار و ہجرت بطور زر فدیہ ادا کرنے کے لئے وہ تیار ہو گیا۔ عبد العزیز ہی کی روایت میں ہجرت بھی پایا جاتا ہے آگے بیان کیا ہے کہ ابو جعفر کے حکم سے حساب کر کے تیس ہزار ورم کے توڑے امام صاحب کے پاس پیش کئے گئے لیکن ظاہر تھا کہ امام صاحب اس کا کیا جواب دیتے۔ شاید اس معاملہ میں ابو جعفر نے امام صاحب کو بھی کچھ اپنے اوپر قیاس کیا اور اسی بنیاد پر یہ نفسیاتی ترکیب اس کے سمجھ میں آئی کہ اس کی تازیانہ کی اس حرکت کے جو اثرات عام مسلمانوں پر پڑ سکتے ہیں ان کے ازالہ کی یہی شکل ہو سکتی ہے کہ روپیہ کے ذریعہ سے اس کو وہود یا جائے۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ امام صاحب بھی خدا نخواستہ اگر دو انیقی الفطرت آدمی ہوتے اور اس زر فدیہ کو قبول کر لیتے تو ان کے نصب الحین کی تکمیل میں ضرب تازیانہ کے اس واقعہ سے جو قدرتی امداد حاصل ہوئی وہ قطعاً حاصل نہ ہوتی بلکہ ساری مصیبت انھوں نے اس راہ میں جو اٹھائی تھی سب رنگاں ہو کر رہ جاتی تھی۔

جہاں تک میرا اندازہ ہے روایتوں میں امام صاحب کی نظر بندی کا اور اس بات کا کہ لوگوں سے ان کے متعلق ان امور کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ اسی کے بعد کا واقعہ ہے میرا مطلب یہ ہے کہ

اس سلسلہ میں خود میرا قریب قریب ایک چشم دید واقعہ ہے چند سال ہوئے بہار کے ایک شہر میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی ہندوؤں کے ہاتھ سے اتفاقاً اس شہر کے مسلمان مشن بچ کے صاحبزادے پٹ گئے مقدمہ جب حکومت میں دائر ہوا تو اس واقعہ نے ہندوؤں کے پوزیشن کو بہت کمزور کر دیا تھا لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں یہی دو انیقی علاج آیا بچ صاحب کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے اور عذرو معذرت عدم علم وغیرہ کے بہانے پیش کر کے ان کا عنذ یہ جو لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ولایت جانے کا خرچ اگر ان کے مفروب رٹکے کے لئے ہندو جمع کروں تو وہ اپنے رٹکے کے دعوے کو درمیان سے اٹھالیں گے روپیہ جس کی کافی تعداد تھی سنا گیا کہ بچ صاحب کی خدمت میں لا کر جمع کروایا گیا اور اسی روپیہ سے ان کے مفروب صاحبزادے نے ولایت میں تعلیم حاصل کی لیکن اس کا اثر یہ دیکھا گیا کہ بچ صاحب اور بچ صاحب کے رٹکے کے ساتھ مسلمانوں کی جو عام ہمدردیاں تھیں اور ان ہی ہمدردیوں نے اس واقعہ میں بہت زیادہ اہمیت پیدا کر دی تھی وہ ساری اہمیت دہلا کر صاف ہو گئی بلکہ عام مسلمانوں کے قلوب میں اس مسلمان بچ کی جانب سے ہمت و ہمتی کے لئے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو گئے اسی کا نام میں نے دو انیقی نفسیاتی ترکیب رکھ چھوڑا ہے ۱۲



احمد بن یدل والی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ تازیانے کی اس سزا کے بعد امام صاحب کے متعلق ابو جعفر نے یہ حکم دیا کہ

”اچھا تو تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ دقتانہ سہی الباب یعنی دار الخلافت کے دروازے پر جا کر قیام کرو اور جس قسم کے احکام تمہارے پاس بھیجے جائیں ان کے متعلق فتویٰ دیا کرو“

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ

واخذ منه الكفلاء ص ۱۷۱

امام صاحب سے ابو جعفر نے کفیل لئے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں جن لوگوں کو امام ابو حنیفہ سے ہمدردی تھی مثلاً عبدالصمد عباسی ابو جعفر کے چچا یا دوسرے وزراء و امراء جن کے متعلق گزر چکا کہ ابو جعفر سے ابو حنیفہ کے متعلق سفارش کیا کرتے تھے ان کو بلا کر ابو جعفر نے حکم دیا کہ میں دار الخلافت کے باب (دروازے) پر قیام کا ان کو حکم دیتا ہوں اور اس بات کی ضمانت کہ یہاں سے یہ غائب نہ ہوتے پائیں تم لوگوں کو ضمانت دینی پڑے گی ضمانت غالباً وہی گئی لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ جب دروازے پر لا کر امام صاحب کو بٹھایا گیا اور ابو جعفر نے بعض مسائل امام صاحب کے پاس بھیجے تو انہوں نے فتویٰ دینے سے انکار کر دیا جس پر بات پر بڑھی لکھا ہے کہ تب ابو جعفر نے امام کو جیل بھیج دینے کا حکم دیا اور یہ کہ ان پر سختی کی جائے صل الفاظ یہ ہیں

وغلط وضيق عليه تفتقا شدیدا ص ۱۷۱ ان سختی کی جائے اور خوب تنگ کیا جائے

وانما علم اس سختی اور تنگی کی عملی شکلیں کیا کیا تھیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے میں تکلیف پہنچائی گئی۔ داؤد بن راشد واسطی کے حوالہ سے موفق نے جو روایت درج کی ہے یہ بیان کرتے ہوئے کہ میں ہی اس زمانہ میں بغداد میں موجود تھا داؤد کہتے تھے کہ ضيقوا لاصرفي الطعام والشراب کھانے پینے میں امام پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں ہی والجلس ص ۱۷۱ ج ۲ سختی اختیار کی گئی

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چند دن سے زیادہ امام کو جیل میں نہ رہنا پڑا کیونکہ لکھا ہے کلمہ وزراء امیر المومنین و خاصیتہ امیر المومنین کے وزراء اور خاص لوگوں نے ابو جعفر سے بان بھرجہ من السجن فی منزل۔ امام کے مسئلہ میں گفتگو کر کے اس پر راضی کیا کہ قید خانے سے ان کو نکال لیا جائے اور کسی خاص مکان میں رکھا جائے۔ ص ۱۷۱

مطلب وہی تھا کہ ایک طرف امام صاحب قضا کی خدمت کی قبول کر کے جیسے کسی طرح اپنی عمر بھر کی محنت کے رائگاں اور برباد کرنے پر آمادہ نہ تھے اسی طرح ابو جعفر بھی اپنی حکومت کی راہ کے سے بڑے کانسٹے کو آزاد چھوڑ کر رہنا نہیں چاہتا تھا سعی و سفارش کا صرف اتنا اثر اس نے لیا کہ بجائے جیل کے کسی مکان میں نظر بند کرنے کا حکم دیا اسی کے بعد لکھا ہے کہ

اس مکان میں منتقلی کا حکم دیتے ہوئے ابو جعفر نے بھی اس کا حکم دیا کہ نہ تو امام کے پاس فتویٰ وغیرہ پوچھنے کے لئے لوگوں کو آنے دیا جائے اور نہ کسی کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہوگی اور یہ کہ اس مکان سے وہ باہر بھی نہیں نکل سکتے ہیں کلمہ ص ۲

گویا دنیا کو امام سے اور امام کو دنیا سے حکومت نے جدا کر دیا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں ابو جعفر امام کے پاس فتویٰ سے اپنے اس پیغام کو نہ کر بھیجا بھی کرتا تھا کہ

ان اجبت لآخر جنك من المجلس  
اگر میری بات تم اب بھی مان لو تو قید سے آزاد کر کے  
ولا کر ص ۱۸۲  
تمہیں سرفرازی بخشی جائے گی۔

یہ روایت عبدالرحمن بن مالک کی ہے اسی کے بعد ہے کہ امام بہر حال شدت کے ساتھ انکار ہی پر اصرار کرتے رہے عام طور پر لوگوں کا بیان ہے کہ اسی حال میں امام صاحب کا انتقال ہو گیا لیکن عباس دوری کے حوالہ سے ایک روایت اسی سلسلہ میں امام کے سوانح نگاروں کو ہم نقل کرتے ہوئے پاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نظر بندی کے ان ہی دنوں میں ابو جعفر کی طرف سے امام کو سمجھانے بچھانے کے لئے جو آیا کرتے تھے انہوں نے آخر ایک دفعہ امام کو آمادہ کر لیا کہ اس مصیبت کو آپ کب تک جھیلے رہیں گے خلیفہ بر سر ضد آدہ ہے قسم کہا جاتا ہے جب تک اس کی ضد کی تکمیل نہ ہوگی وہ آپ کو نہیں چھوڑے گا اس کے بعد ان لوگوں نے جو کچھ لکھا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید امام صاحب کی سجدہ میں اس وقت ایک بات آگئی یعنی خلیفہ کی قسم اور ضد ہی پوری ہو جائے اور ملازمت کو قبول کرنے میں اس کا جو خطرہ تھا کہ ان کی ساری کوششوں کا حاصل بھی سمجھا جائے گا کہ یہ ساری کشمکش حکومت میں ایک بڑے عہدے کے حاصل کرنے کے لئے تھی اس خطرہ کا بھی احتمال نہ پیدا ہو سکتے ہیں کہ امام کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ خاص دار الخلافہ میں تو نہیں البتہ وجہ کے اس پار ایک چھوٹی

یہ میری اپنی تعبیر ہے ورنہ روایت میں تو "رضافہ" ہی کا ذکر ہے تعبیر کے بدلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ فوجی چھوٹی قرار پانے کے بعد "رضافہ" کے نام سے ایک مستقل شہر بغداد کے مقابلہ میں جو قائم ہوا تو جیسا کہ عام مورخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۰۰ ہجری کا ہے جب ہمدی خراسان سے واپس آیا ہے اور ظاہر ہے کہ امام صاحب کی وفات اس سے ایک سال پہلے شہر میں ہی ہو چکی تھی میرا خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو جہاں پر "رضافہ" آباد ہوا اسی جگہ کی کسی چھوٹی آبادی کی خدمت تھا امام صاحب نے قبول کی تھی یہ جو کہا جاتا ہے کہ دو دن تک کوئی مقدمہ ہی پیش نہ ہوا اور تیسرے دن پیش ہوا ہی تو ایک بیٹھڑے کا مقدمہ دعویٰ ہی دو درم چار پیسوں کا یعنی ایک روپیہ سے ہی کم کا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت امام صاحب اس مقام میں جا کر بیٹھے ہیں اس کی حیثیت بالکل معمولی آبادی کی ہوگی بے چارے ادنیٰ درجے کے غریب وغیرہ وہاں رہتے ہوں گے امام نے اس کو پسند ہی نہیں کیا تھا کہ ایسے مقام کی قضاوت کی خدمت پر وہ شبہ نہیں ہو سکتا جو قاضی القضاة یا کسی بڑے اہم شہر کے قاضی ہونے پر کیا جاسکتا ہے یہ ممکن تھا کہ بجائے اس آبادی کے اور بھی بیسوں کس پیرس آبادی ایسی ہو سکتی تھی لیکن ابو جعفر وہاں ان کو جانے کب دیتا وہ تو اپنے سامنے اپنی نگرانی میں ان کو رکھنا چاہتا تھا ۱۱



سی آبادی کی بنیاد جو پڑ رہی تھی جو بعد ابو جعفر کے بیٹے ہمدی کا فوجی کیمپ قرار پایا اور "رضوانہ" کے نام سے ایک متقل شہر بن گیا تھا اسی بیرونی آبادی کی قضا کی خدمت اختیار کر کے میں خلیفہ کے قسم کو پوری کر دیتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ اتنی شدید کش مکش اور مقابلہ کے بعد امام اگر اس جیومی موٹی خدمت کے قبول کر لینے پر آمادہ ہو جانا اس وقت بہت بڑی بات سمجھی گئی ہوگی ابو جعفر کو انکی رضامندی کی خبر پہنچائی گئی بہت خوش ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اچھا اسی آبادی کے وہ قاضی مقرر کئے جاتے ہیں امام کو نظر بندی ولسے مکان سے نجات ملی اور وجہ کے اس پار جہاں وہ آبادی تھی پہنچے۔

اب یہیں سے سننے کا قصہ ہے بیان کیا جاتا ہے کہ دو دن تک تو کوئی مقدمہ ہی دائر نہیں ہوا تیسرے دن ایک غریب ٹھیکر اور فقار ایک آدمی کے ساتھ امام صاحب کے سامنے آیا اور دعویٰ کیا کہ اس شخص پر میرے دو درم اور چار پیسے باقی ہیں میں نے اس کو پتیل کی ایک ٹھلیاں دی تھی جس کی قیمت میں سے آنا دام باقی رہ گیا ہے امام صاحب نے ٹھیکر کے مدعی علیہ کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہ دو بھائی اللہ سے ڈر ٹھیکر جو کچھ کہہ رہا ہے تاکہ واقعہ کیا ہے

مدعی علیہ نے صاف انکار کر دیا اور بولا کہ مجھ پر اس کا جتہ ہی باقی نہیں ہے چونکہ مدعی کے پاس کوئی شہادت اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے تھی تو جیسا کہ قاعدہ ہے اسلامی قانون کی رو سے مدعی کو حق دیا گیا ہے کہ وہ مدعی علیہ سے قسم سے ٹھیکر نے امام صاحب سے کہا کہ اس شخص سے قسم لیجئے قسم لینے کا جو قانونی طریقہ ہے اسی کو اختیار فرماتے ہوئے امام نے مدعی علیہ کو مخاطب کر کے کہا قُلْ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اچھا کہو قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے

اور امام صاحب کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ سننے کے ساتھ ہی انہوں نے دیکھا کہ مدعی علیہ نے بغیر کسی جھجک کے بے تحاشا وَاللّٰهِ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے الفاظ سے قسم کھانا شروع کر دیا امام صاحب کا یہ پہلا تجربہ تھا کہ اتنی آسانی کے ساتھ حق تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ بے تحاشا بغیر کسی تردد و دغدغہ کے ایک مسلمان قسم کھانے لگا۔ ایمان کی جس حسی ذکاوت سے ان کی فطرت سرفراز تھی قسم کھانے والی یہ دلیری اور جرات اور کئے ناقابل برواشت من گنی لکھا ہے کہ ابھی اس کے الفاظ پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ درمیان میں بات کو کاٹ کر کے اس کو امام صاحب نے چپ کر دیا دیکھا گیا کہ اپنی آستین سے کچھ چیز نکال رہے ہیں ایک دستی بیگ تھا جس میں کچھ درم پڑے ہوئے تھے بیگ کو کھول کر امام صاحب نے دو تہائی بہاری درم نکالے اور ٹھیکر کے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

”اپنے دام کے جس بقایا کا دعویٰ تم نے اس پر کیا ہے لو مجھ سے لے لو“

اور اس ترکیب سے مدعی علیہ کو جو مجاہد حق تعالیٰ و سبحانہ کے نام سے قسم کھا رہا تھا اپنے قسم کھانے سے روک دیا۔ ساری زندگی میں کسی مقدمہ کے تجربہ کا یہی ایک موقع تھا جو ان کو ملا میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ روایت کس حد تک درست ہے لیکن اگر واقعہ ہے تو شاید یہ قدرت کی طرف سے بات تھی کہ اپنے

متعلق بار بار باصرا تمام ابو جعفر کے سامنے یہ جو فرماتے تھے کہ میں قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس دعوے کے ثبوت میں ایک عملی دلیل گویا مہیا ہو گئی۔

میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ عدم صلاحیت کا یہ دعویٰ یقیناً کبھی واقعہ پر مبنی تھا۔ اپنے حال سے وہ خود واقف تھے غالباً ان کے ایمان کی یہی حسی ذکاوت سے بڑی روک تھام تھی جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے جانتے تھے کہ قانون کا سمجھنا قانون کا واقعہ پر مبنی کرنا یہ ہمارے کام تو ہیں اگر سکتا ہوں لیکن اس کا یقین کیسے حاصل کر سکتا ہوں کہ مدعی یا مدعی علیہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں اصل واقعہ کیا ہے عرض کر چکا ہوں کہ ہم ایک ایسا معاملہ ہے کہ پیغمبر تک اعلان کر دیا کہ میرے فیصلہ سے کسی کو دبوکہ نہ کھانا چاہیے کہ میں نے واقعہ کے مطابق جو واقعی حقدار ہے اسی کو حق دلایا ہے ایسی صورت میں وہ سمجھتے تھے کہ بہت سی باتیں ایسی پیش آئیں گی جنہیں میری فطرت برداشت نہیں کر سکتی جیسے یہی صورت آپ دیکھ رہے ہیں کہ قسم کے پورے الفاظ کا مستنا ہی ان کے لئے قابل تحمل نہ رہا اور اپنی جیت سے وام نکال کر قہرے کو اپنے ختم فرما دیا۔

عاس دوری کی اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قضا کی اس خدمت کے تین دن تو اس حال میں گزرے دو دن یہ سلسلہ اور بھی جاری رہا مگر نظام ہر معنوم ہوتا ہے کہ جیسے پہلے دو دنوں میں کوئی مقدمہ نہیں آیا تھا ان باقی دو دنوں میں بھی نہ آیا کہ عاس کے الفاظ اس کے بعد یہ ہیں کہ۔۔۔

فلما كان بعد يومين انتسكى ابو حنيفة  
فمرض ستة ايام ثم مات ليلة ٢٩  
دو دن کے امام ابو حنیفہ بیمار ہوئے اور چھ دن  
بیمار رہے پھر آپ کی وفات ہو گئی۔

اس قسم کے اکابر میں بعض ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا صحیح اندازہ ہم جیسے عامی لوگوں کو ہو ہی نہیں سکتا۔ ٹھیک جیسے یہ امام ابو حنیفہ کا قصہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے متقین کی صف اول کے آدمی ہیں لیکن قانون کے عملی استعمال سے اپنے آپ کو وہ معذور پاتے تھے جس کا اعتبار شکل ہی سے کوئی دوسرا آدمی کر سکتا ہے ابو جعفر کی حد سے برہمی کی وجہ سے ان کا یہی دعویٰ بن گیا ٹھیک جیسے امام ابو حنیفہ کا یہ حال تھا۔ امام مالک کی طرف ہی کتابوں میں ایک عجیب بات منسوب کی گئی ہے یعنی وفات سے کچھ دن پہلے ان پر ایک خاص حال طاری ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ آخر میں انہوں نے مسجد آنا ترک کر دیا تھا نہ روز کی جماعتوں میں شریک ہوتے تھے اور نہ ہجرت بلکہ جنازے تک کی نماز آپ نے ترک کر دی تھی لوگ جب وجہ پوچھتے تو جواب میں صرف اس قدر فرمادیتے کہ شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اپنے عذر کو لوگوں سے بیان کرے حالانکہ آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ روایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زہدیت میں نصیب ہوتی تھی اور ان کی جلالت شان کا کون انکار کر سکتا ہے مگر یہ کسی عجیب بات ہے کہ سنت کی اشاعت میں جس کا سب سے بڑا ہاتھ ہے وہی جماعت جیسی سنت موکرہ کی پابندی سے معذور ہو گیا تھا پھر کیا تعجب کہ مسلمانوں کا جو سب سے بڑا متقین تھا قانون کے استعمال سے اپنے آپ کو عاجز پاتا تھا اور یہ وجہ جو میں نے پیش کی ہے (بقیہ صفحہ آئندہ)



عباس و دردی کا شمار معتبر ترین روایات حدیث میں ہے ان خوش قسمت راویوں میں ہیں جن پر ائمہ  
تقدیر جہاں میں سے کسی نے کسی قسم کی کوئی تنقید نہیں کی ہے۔ سب ان کی صداقت پر متفق ہیں اس  
روایت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہا کرتے تھے کہ حد تو نا یعنی کسی ایک آدمی سے سن کر اس روایت کو نہیں  
بیان کرتے تھے بلکہ جماعت سے یہ خبر امام ابو حنیفہ کے متعلق انہوں نے سنی تھی

بہر حال ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی وفات مرض میں مبتلا ہونے کے  
بعد ہوئی ہے جہاں تک میرا خیال ہے زیادہ تر قرینہ عقل و قیاس یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن  
اس کے بعد معنی نہیں ہیں کہ میں ابو جعفر خلیفہ کی رات کرنا چاہتا ہوں آخر اس کا ماننا تو بہر حال ضروری  
ہے کہ ابو جعفر نے امام کو کوڑے لگائے خیال کرنے کی بات ہے امام صاحب کی زندگی علمی زندگی تھی عمر  
بہی ستر کے قریب پہنچ چکی تھی ایک دو نہیں بلکہ غصہ میں تیس تیس کوڑے سے آپ کا مار کھانا کوئی معمولی  
بات نہیں ہے اگر اسی ضرب کا بھی آپ پر اثر ہوا۔ نیز جیل خانے میں کھانے پینے کی جو تکلیف آپ کو دی گئی  
اور جو سختیاں آپ پر کی گئیں مجموعی طور پر ان ہی چیزوں نے آپ کو بیمار ڈال دیا تو اس میں کیا تعجب ہے  
اور میں تو سمجھتا ہوں کہ ان ہی بیان کرنے والوں میں سے بعضوں نے جو یہ بیان کیا ہے کہ ابو جعفر کی اس  
دار و گیر تشدد و جبر سے بے زار ہو کر امام صاحب رویا کرتے تھے اور

اکثر الدعاء ص ۱۸۲ ج ۲ اور بہت زیادہ دعا کرنے لگے

کس چیز کی دعا کرنے لگے؟ گو اس کی تصریح نہیں کی گئی لیکن راوی کا اسی کے بعد یہ بیان کہ  
قلم بلیت الالیسیر احتی مات پس نہ ٹہرے اس کے بعد لیکن چند روز تا ایک وفات ہو گئی  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صورت پیش آئی شاید اسی کی دعا میں زور لگا دیا گیا تھا یوں سمجھیے  
کہ ظالم کے پنجے سے نجات کی دعا کرتے ہوں گے اور موت ہی کو قدرت نے ان کی نجات کا ذریعہ بنا دیا  
لکھا ہے کہ امام کو اپنی موت کا جب یقین ہو گیا تو سجدے میں چلے گئے اور اسی حال میں ان کی جان  
جان آفرین کے پاس واپس ہو گئی۔

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) اتفاقاً معلوم ہو گئی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ فضا کی عدم صلاحیت کا دعویٰ کن کن باتوں پر مبنی تھا و اللہ اعلم ۱۲  
۱۵ امام بخاری کے ساتھ جب بخارا کے حاکم نے اسی قسم کا ظلم و تشدد شروع کیا۔ اور تنگ آ کر بخارا سے آپ سمرقند کے ایک قصبہ  
خرنگ اپنے بعض اعزہ کے پاس چلے گئے راوی کا بیان ہے کہ ان ہی دنوں میں جب خرتنگ میں تھے عشاء کی نماز کے بعد میں نے  
دیکھا کہ ان پر ایک حال طاری ہے ہاتھ اٹھائے ہوئے فرار ہے ہیں کہ پروردگار! زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود مجھ پر  
تنگ ہو چکی ہے پس پروردگار! اب اپنے پاس مجھے بلا لیجئے" کہتے ہیں کہ منہ ہی پورا ہونے نہ پایا کہ اسی قریب میں امام بخاری کی وفات ہو گئی ۱۳  
۱۵ موثق سندس روایت کو کتاب المشفقین سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس سند سے یہ روایت نقل کی گئی ہے موتی  
کی ٹری ہے یعنی بڑے بڑے معتبر ثقہ روایت ہیں مگر تعجب اس پر کیا ہے کہ سبک شافعی المذہب حضرات ہیں پر شکر یہ ادا  
کیا ہے کہ خود حنفیوں کی کتابوں میں یہ روایت نہیں پائی جاتی ہے لیکن امام رحمۃ اللہ علیہ کی شوکی یہ خصوصی (بقیہ صفحہ آئندہ)

یہ سہ ہجری کے شعبان یا شوال یا جیسا کہ اکثروں نے لکھا ہے رجب کا مہینہ تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں امام کے صاحبزادے حماد جن کے سوا ان کی اور کوئی اولاد نہ تھی بزد اور پونج گئے تھے وفات کی خبر شروع میں چند خاص لوگوں میں مشدداً شہر کے قاضی حسن بن عمارہ وغیرہ تک محدود تھی عبداللہ بن واقد کا بیان ہے کہ غسل کا پانی میں ہی ڈال رہا تھا اور قاضی حسن بن عمارہ امام کو غسل دے رہے تھے کپڑوں کے اتارنے کے بعد امام کے جسم پر مجاہدات کے جو نشانات تھے ان کو دیکھ کر سب رو پڑے قاضی صاحب نہلاتے جاتے تھے اور دوتے جاتے تھے جنازہ بھی جس وقت اٹھا ہے تو بعض دیکھے والوں کا بیان ہے کہ انداز میں چار پانچ آدمی سے زیادہ نہ تھے وہی صاحب کہتے ہیں کہ خراسانی دروازے کے طاقتوں سے ہم گزر رہے تھے اچانک ایسا معلوم ہوا کہ سارے شہر میں کسی نے بجلی دوڑا دی سننے کے ساتھ ہی امام ابوحنیفہ کا جنازہ جا رہا ہے جو جہاں تھا جس حال میں تھا وہیں سے پلٹا اور جنازے کی شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے شریک ہو گیا پیل کے پاس کے دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے لوگوں کے اثر و نام اور بھیڑ کا یہ حال ہوا کہ عصر کے بعد ہی بہ شکل جنازے کی نماز سے فراغت ہوئی اس روایت کا تذکرہ تو گذر ہی چکا کہ چھ دنوہ امام کے جنازے کی نماز پڑھی گئی اور جتنے آدمیوں نے نماز پڑھی ان کا جب اندازہ کیا گیا تو

بلغ خمسين الفا و اكثر ص ۲۱۲ جلد ۲  
پچاس ہزار یا اس سے بھی زیادہ تعداد ان کی ثابت ہوئی  
خیر یہ تو امام اور ان کے جنازے کا حال تھا لیکن اب آئیے اور دیکھئے ابو جعفر خلیفہ کا کیا حال ہے شاید یہی وقت کی روداد ہے جب چاروں طرف سے سمت سمت کر امام کے جنازے میں لوگ شریک ہو چکے تھے اور جیسا کہ ابور جار اہروی کا بیان ہے کہ

در بقیہ سلسلہ گذشتہ کیفیت ان ہی شافعی علماء کے ذریعہ سے ہم لوگوں تک پہنچی محض اہم اللہ احسن الجزء ص ۸۵ اور  
ابو جعفر کا ایک دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ ہمدی جو ابو جعفر کے بعد عباسی خلیفہ ہے اپنی نوجوانی کے زمانہ میں مقاتل بن سلیمان  
کو زیادہ پسند کیا کرتا تھا دراصل مقاتل افسانہ گو تھا ابو جعفر کو خبر ہوئی تو بیٹے کو بلا کر سمجھایا کہ قصے کہانیوں سے تمہیں  
اپنی آئندہ زندگی میں کام نہیں پڑے گا اگر اپنی حکومت کے عہد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو حسن بن عمارہ سے فقہ  
سیکھو اور محمد بن اسحاق سے سیر و منازمی کے واقعات کا علم حاصل کرو اس سے اس زمانہ کے خلفاء کے علمی رجحانات  
اور تعلیمی نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے مگر کیا کیجئے کہ نوجوانی کے دنوں میں آدمی کو تقالبات یعنی افسانوں کے پڑھنے پڑھانے  
کا شوق ہوتا ہے پہلے ہی یہی تھا اب بھی ہے صرف نام بدل جاتے ہیں۔ آج ناول اور افسانے وغیرہ کے ناموں سے  
ان ہی کیوں کہ نوجوان زیادہ شوق سے پڑھتے ہیں ۱۲



لہذا کیا اکثر مناصد ص ۱۲۰ اتنے زیادہ آدمیوں کو روکنے میں بے بس دیکھا تھا  
 یہی در و ذاک منظر تھا جو عاشق کا جنازہ پیش کر رہا تھا کہتے ہیں کہ زمین جس مبارک قطعہ کو امام  
 کی خواب گاہ ہونے شرف حاصل ہے خلیفہ کو معلوم ہوا کہ اسی زمین میں دفن کرنے کی امام نے وصیت کی تھی  
 ان کا خیال نقل کیا گیا کہ اسی زمین کو وہ پاک زمین سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ بغداد جس قطعہ اراضی پر آباد  
 کیا گیا ہے وہ غنیمتاً زیروستی حاصل کیا گیا ہے  
 میں نے پہلے ہی کس نقل کیا ہے کہ امام کی اس وصیت کی قبر ابو جعفر خلیفہ کو جب پہنچا گیا تو

۱۰ اگر یہ امام صاحب کے متعدد سوانح نگاروں نے یہ روایت ان کی طرف منسوب کی ہے لیکن ابلاذری نے مدینہ السلام  
 کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ السلام کی زمین ابو جعفر نے مختلف دیہاتوں کے باشندوں سے خریدی تھیں ۳۳ بلاذری  
 ایسی صورت میں امام کی روایت کا مطلب شاید یہ ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کی طرف سے ادا کئے گئے زمینوں کی زمین  
 کی رضامندی شاید بیچنے میں... قرار کیا نہ تھی غصب کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ دستور تو اس وقت تک  
 ان حکومتوں میں ہی مروج رہا ہے کہ ان سے پہلے انصاف و عدالت کے لفظ سے بھی دنیا واقف نہ تھی ۱۲

اس کی زبان سے نبیے ساختہ کلام

من یعد رنی منہ حیاً ومیتاً ص ۱۸ ج ۲ مچھ ابو جعفر کے سامنے کون مندر اور اسکا ہے زندگی میں بھی اور

اور بے چارے کو کتنا تھا یہی ایک واقعہ کیا اور اسی وقت کیا امام کی وفات کی اس خاص نوعیت نے ابو جعفر ہی کے لئے نہیں بلکہ حکومت عباسیہ کے لئے ایک مستقل مسئلہ کی شکل اختیار کر لی حسین کا قتل جیسے ہمیشہ یزید کے مرگ کا پیغام بن جاتا ہے تاریخ پر اسی واقعہ کو دہرا رہی تھی کون اندازہ کر سکتا ہے ابو جعفر کی اندرونی سوزشوں اور پریشانیوں کا اوہام و وساوس کے بادل شروع بکار کے اس طوفان سے جو چالیس پچاس ہزار انسانوں کی بھیڑ سے اٹھ اٹھ کر خلیفہ کے دل پر چھائے چلے جاتے ہوئے گئے وہی اس کو سمجھ سکتے ہیں جنہیں کبھی اس حال سے دوچار ہونا پڑے ایک لاکھ انسانوں کے ہاتھوں میں کھینچی ہوئی تلواروں کا جو نقشہ ابو جعفر کے تجربہ کار بوڑھے چچا عبد اللہ سے لکھنے کے لئے لکھا یا تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ امام کا جنازہ اس شان و شوکت کے ساتھ جب مقبرہ خیران کی طرف جارہا تھا تو نقشہ نقشہ نہیں بلکہ واقعی میں . . . . ابو جعفر کے دل و دماغ میں نہیں چمک رہی تھیں، عباسی تخت پر

ابو جعفر کے بعد خلیفہ بن کر جو بیٹھا یعنی ہمدی سفیان ثوری کے قتل میں ربیح کو ڈالنے ہوئے اس نے جو کہا تھا یہ تو وہ لوگ ہیں جو موت کی سوادت حاصل کر کے ہماری شقاوت اور کورنجی میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں میں تو سمجھتا ہوں کہ امام کی وفات نے ہمدی کے باپ ابو جعفر کی قسمت پر شقاوت کی ہر چو لگا دی تھی اسی کے مشابہت نے شاید اس خیال کو ہمدی میں پیدا کیا تھا اسی سے اندازہ کیجئے کہ امام کی موت جو ظاہر ہے کہ ایک ہی موت تھی اور ایک ہی دفنہ واقع ہوئی تھی لیکن کیسے واقع ہوئی کیوں واقع ہوئی؟ اسی زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ بیسیوں روایتیں شہور کرنے والوں نے عوام میں پھیلا دی تھیں میں نے تو عباسی دوری کی روایت پر ہر وہ کرتے ہوئے اسی کو نقل کر دیا ہے لیکن جیسا کہ موفقی نے لکھا ہے کہ

ثم اختلفوا بعد ذلك فمنهم من بقول مات من الضرب و بعضهم قالوا سقى السم ص ۱۴۹ ج ۲

اور یہ اختلافات تو کیوں کے جو اس میں یعنی اسباب موت میں تھے باقی یہ سوال کہ موت کیسے واقع ہوئی؟ اس کے جوابوں کا جو ذخیرہ ہے وہ صحیح ہوں یا غلط لیکن عوام کے جذبات کا ان سے ضرور اندازہ ہوتا ہے۔ منسوب کرنے والوں نے تو ابو جعفر کی طرف یہاں تک منسوب کیا ہے کہ ابو جعفر نے بلا کر امام صاحب کی طرف ایک پیالہ بڑھایا جس میں زہر تھا اور اس کے پینے کا حکم دیا امام نے کہا کہ میں نہیں پیوں گا اس پر ابو جعفر نے اصرار سے کہا کہ پینا پڑے گا اگر فرض وہ انکار کرتے جاتے تھے اور خلیفہ کا اصرار پلانے پر اسی نسبت سے بڑھتا چلا گیا آخر میں امام نے کہا مجھے معلوم ہے کہ اس پیالے میں کیا ہے میں اپنی خودکشی پر مدد نہیں کروں گا تب امام صاحب پٹکے گئے اور ان کے منہ کو زبردستی کھول کر زہر کے گھونٹ کو ابو جعفر نے حلق میں اتار دیا۔



اور قصہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا ہے راوی کا بیان ہے کہ  
 دو امام اس کے بعد اٹھ بیٹھے اور جانے کے لئے کھڑے ہوئے تب خلیفہ نے کہا کہ چلے  
 کہاں! امام نے فرمایا کہ جہاں تم مجھے بھیجنا چاہتے ہو۔

اصل حقیقت سے تو عالم الغیوب کے سوا اور کون اگاہ ہو سکتا ہے لیکن مجھے تو بے چارے ابو جعفر  
 پر رحم آتا ہے یہ خبریں اس کے کانوں تک جب پہنچتی تھیں تو وہ مسلمانوں میں یہ خیالات پھیلے ہوئے ہیں  
 کہ میں نے عراق کے فقیہ اور مشرق کے امام کو ٹپاک کر زہر کا پیالہ زبردستی منہ چیر کر پلایا اور اسی زہر سے  
 وہ مر گئے سوچیے تو اس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اور ایک یہ زہر ہی کیا، کچھ دیر پہلے تازہ پانہ کے قصے کی  
 بو قلمونیوں کا ذکر بھی تو گذر چکا ہے۔ جیل جانے سے روزانہ وہیں دن تک باہر نکالا جانا کپڑے اتروا کر  
 ساری مخلوق کے سامنے سر پر کوڑوں کی بارش کوڑے پڑتے جاتے ہیں اور امام روئے جاتے ہیں خون  
 بہ رہا ہے، بلکہ ان ہی حاشیوں میں خوارزم کی کتاب کا ایک حاشیہ وہ بھی تو تھا جس میں کوڑے کی  
 مار اور زہر خورانی دونوں جرائم کو ابو جعفر کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ نکتہ بھی پیدا کیا گیا تھا کہ سائے  
 جسم میں زہر کے اثر کو پھیلانے کے لئے جسم کے ہر حصہ پر کوڑے لگائے جاتے تھے تاکہ خون کے ساتھ مل کر ہر جگہ  
 زہر پھیل جائے بجائے خود یہ قصے جیسے کچھ ہیں ظاہر ہے لیکن جن جن راویوں کی طرف منسوب کر کے کتابوں  
 میں لوگوں نے ان کو نقل کیا ہے عموماً ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو امام کی وفات کے زمانے میں یا  
 اس زمانے سے قریب تر زمانے میں پائے جاتے تھے جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابو جعفر  
 کی زندگی ہی میں ان واقعات کا انساب اس کی طرف موجد چکا تھا غریب ابو جعفر امام کو اپنے دام میں پھنسانا  
 چاہتا تھا لیکن ان مسوغات کے بعد جس پیکرے میں خود اپنے آپنی آل و اولاد کو اپنی حکومت کو جکڑا  
 ہوا پاتا ہوگا اس کا اندازہ ہم یا آپ شائد صحیح طور پر کر بھی نہیں سکتے تاریخ کی عام کتابوں میں اس قسم کے  
 واقعات جو نقل کئے جاتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا جس سال انتقال ہوا اسی کے کچھ دن بعد ابو جعفر نے ایک  
 خاموش سفر حج کا اس طور پر کیا کہ اچانک لوگوں نے دیکھا کہ خلیفہ کوفہ پہنچا ہوا ہے کوفہ کے گورنر تک کو ابو جعفر  
 کی آمد کی خبر اس وقت ہوئی جب شہر کے سواد میں وہ پہنچ چکا تھا پیرا اسی کے بعد خاص ترکیب سے کوفہ کی صحیح مردم  
 شماری سے واقفیت حاصل کرنا اور ان ہی دنوں میں سفیان ثوری عباد بن کثیر ابن جریج جیسے ائمہ کبار  
 کو گرفتار کرنا اگرچہ ان واقعات کا ابو حنیفہ کی موت سے کوئی تعلق نہیں بیان کیا گیا ہے لیکن نہ بیان کرنا  
 کسی چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا

یہ حال کچھ بھی ہو جیسے ایک طرف خلیفہ کی شقاوتوں میں شقاوتوں کا اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا  
 بے چارے نے جو کچھ کیا تھا وہ تو خیر کیا ہی تھا لیکن رنگ امیزیوں اور حاشیہ آرائیوں کا جو طوفان اس کے  
 بعد اٹھا تھا اس کی رسوائیوں پر رسوائیوں کی تہ پرتہ جماتے چلے جاتے تھے اور اس کا تو بہر حال تھا اور  
 دوسری یہ قدرتی بات ہی کہ امام کی احترامی ساداتوں میں ہی ساداتوں کا اضافہ اسی نسبت سے ہوتا چلا جا  
 سو ہو رہا تھا

کش مکش کی اس راہ میں امام کی بنا قرابانیوں کا تماشا مسلسل دنیا کر رہی تھی یقیناً ان کی قیمت ضائع نہیں ہو سکتی آخر بادشاہی کے سوا اور کون سی چیز تھی جس کا لقمہ امام کے سامنے نہیں پیش کیا گیا لیکن

پنجہ یا پنجہ خدا کے زود

مرحہ او نیت پشت پائے زود

کی ٹھوکروں سے حکومت کے مقابلہ میں گول پر گول جو وہ کرتے چلے گئے تھے بے کسی اور شہادت کی اس موت نے یقیناً اس میں چار چاند لگا دئے کہتے ہیں کہ قاضی حسن بن عمار د امام کو غسل دیتے ہوئے دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے

اپنے بید کو لوگ کو بڑی مصیبت میں تم نے مبتلا کر دیا۔

العتب من بعدك و فضحت القراع

اہل علم کو تم نے رسوا کر دیا۔

۱۷۳ ج ۲

مطلب قاضی صاحب کا وہی تھا کہ علم کے خصوصاً علم دین کے صحیح تقاضوں کی تکمیل میں جو عملی

نمونے چھوڑ کر دنیا میں تم گئے دوسروں سے اس کی بناہ شکل ہی ہوگی تمہارے مقابلے میں سب کا چراغ گل ہو گیا سر اٹھانے کی گنجائش علماء کے لئے باقی نہیں رہی،

اور صورت حال بھی کچھ ایسی ہی ہے اسلامی تاریخ کا دامن محمد اللہ گو دین کی راہوں کی قربانیوں

سے خالی نہیں ہے شاید ہی کوئی صدی ایسی گزری ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و دین کے محافظوں کی طرف سے جب ضرورت پیش آئی ہے استقامت و استقلال سبر و ثبات کے ہر سبب نظر آئے

نہیں پیش ہوئے ہیں ان ہی دنوں میں مجہدی سے امام مالک سفیاء ثوری وغیرہ حضرات کی قربانیوں کا

اہم جملاً ذکر سن چکے ہیں یا امام کے کچھ ہی دن بعد امام احمد بن حنبل امام شافعی وغیرہ آئمہ کبار میں سے

کون ہے جو اسی قسم کی آزمائش کی بھٹیوں سے کھڑا ہو کر نہیں نکلا ہے؟ لیکن مجموعی طور پر سوچئے ان حضرات

کو مصائب ضرور برداشت کرنے پڑے اور سخت سے سخت حکم گزاروں کو گسل مصائب لیکن جیسا کہ

میں نے عرض کیا بھٹیوں میں جانے کے بعد وہ باہر نکل آئے لیکن آزمائشوں کی اسی راہ میں جان بھی

دے دی گئی ہو ایسی صورت ان حضرات کے ساتھ نہیں پیش آئی اگرچہ یہ صحیح ہے کہ نوبت اس کی بھی

اگر آجاتی تو انشا اللہ ان میں سے کسی کا قدم پیچھے نہ ہٹتا تاہم فرق ہے کہ گزرنے میں اور گزرنے

کی توقع میں

۱۷ بات بہت طویل ہو جائیگی ورنہ ان نظائر و امثال پر کافی بحث ہو سکتی ہے حضرت امام بخاری کو دیکھئے بیشک بحالت غربت

و مسافرت حکومت کے ساتھ اسی کش مکش کے قصے میں حضرت کی وفات ہوئی لیکن جہاں تک واقعات کا تعلق ہے زود کو ب

جیل اور جس کے مصائب سے خدا نے ان کو محفوظ رکھا اسی طرح اسی کتاب میں ابراہیم الصانع رحمۃ اللہ علیہ کا واقف بڑا

دردناک واقعہ ہے جسے آپ پڑھ چکے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اسلامی تاریخ میں ابراہیم اس صفائے آدمی نہیں ہیں جس میں ابوحنیفہ

تھے اور یہی میرا مطلب ہے کہ مجموعی حیثیت سے امام کی قربانیاں اپنے اندر جو خصوصیتیں رکھتی ہیں انکی زیر شکل ہی مل سکتی ہیں



خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو استقامت و ثبات کی اس راہ کے بھی بڑے امام ہیں  
اسماعیل بن سالم بغدادی کی روایت ہے کہ امام اپنی آزمائش سے گزرنے کے بعد امام احمد کو دیکھتا  
تھا کہ امام ابو حنیفہ کی آخر زندگی کے ان شہادت کا جب تذکرہ فرماتے تو رویتے اور امام کے لئے دعا  
فرماتے ص ۱۶۹

بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ موفق وغیرہ نے اس قسم کی روایتیں جو نقل کی ہیں مثلاً عبداللہ بن یزید کے  
متعلق لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا جب ذکر کرتے تو کہتے "حدثنا شاہنشاہ ہمدان مرووں کے بادشاہ نے  
مجھ سے یہ بیان کیا ص ۱۶۹ یا ابو عبدالرحمن المقرئ کی عادت تھی کہ بجائے نام کے امام کی طرف کسی بات  
کو منسوب کرتے ہوئے کہتے کہ "حدثنا شاہنشاہ ہمدان ص ۱۶۹ (مجھ سے بادشاہوں کے بادشاہ نے یہ  
بیان کیا) شاید یہ ان کی اسی شاندار موت کے بعد کے واقعات ہیں گو یا جو جو انمردی امام نے دکھائی  
اور حکومت کے مقابلہ میں علم اور دین کی جو لاج انھوں نے رکھی تھی ان ہی باتوں کا اعتراف صرف عراق  
بغداد و کوفہ ہی کی حد تک نہیں بلکہ جن علاقوں کی زبان عربی نہیں تھی وہاں بھی ان الفاظ سے کیا جاتا تھا۔  
اور گو کتابوں میں بعض واقعات کا تذکرہ سرسری اور ضمنی طور پر کر دیا گیا ہے لیکن میرے نزدیک  
تو امام کی عظیم و حلیل قربانیوں کے وہ ناگزیر نتائج ہیں اگر لوگ نہ بھی بیان کرتے جب بھی علل و اسباب کی  
رکھنی میں انسانی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جو حالات پیش آئے تھے ان کے بعد وہی ہونا  
بھی چاہیے تھا جو ہوا امیر المطلب یہ ہے امام موفق یا انمردی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس قسم کے  
واقعات جو نقل کئے ہیں مثلاً لکھا ہے کہ مشہور نحو و عربیت کے امام نصر بن شیبہ جو امام ابو حنیفہ اور  
ان کے تلامذہ کی طرف سے دل میں کچھ رقابت رکھتے تھے۔ جب یہ حضرت خراسان پہنچے جہاں  
مامون الرشید کا چہیتا وزیر فضل بن سہل جو ذوالریاستین کے لقب سے ملقب تھا اس کے مزاج میں اچھا و خورا  
کو حاصل ہو گیا۔ آخر ایک دن موقع پر فضل کو انہوں نے اس پر آمادہ کیا کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر عدالتوں  
میں عمل درآمد نہ کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں فضل نے ان کے اس مشورے پر زیادہ توجہ نہ کی لیکن  
کہتے کہتے آخر اس مسئلہ کو فضل کے لئے انھوں نے قابل غور بنا دیا۔ اس نے اہل علم و عقل کے سربراہ اور وہ  
افراد کو جمع کیا اور اس معاملہ میں ان کی رائے دریافت کی بیان کیا جاتا ہے کہ بحث و مباحثہ کے بعد اہل مجلس  
شوری نے جس رائے پر اتفاق کیا وہ یہ تھی کہ

سہ موفق نے لکھا ہے کہ نصر بن شیبہ کی مجلس میں کسی مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ قاضی ابو یوسف  
اس باب میں امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کرتے تھے اس پر بے ساختہ نصر کی زبان سے نکلا کہ بیمار کی روایت بیمار سے  
مجلس میں قاسم بن شبہ نامی ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے نصر سے کہا کہ جناب والا جب قاضی ہوئے تھے  
تو اس وقت خاکسار سے امام ابو حنیفہ کی مجلس کی کتابیں مانگ کر پڑھا کرتے تھے تو بیمار کی روایت بیمار سے اس وقت  
جبا کے خیال میں نہ تھی نصر ثمر مستند ہو کر چپ ہو گئے ص ۱۵۴ ج ۲

ان هذا امر لا ينفذ و ينتقض  
جميع الملوك عليكم

یہ بات قطعاً نہیں چلے گی بلکہ سارا ملک آپ لوگوں  
(عباسی حکمرانوں) پر ٹوٹ پڑے گا حکومت کا نظام مدہم  
برہم ہو جائے گا

ارباب شوری نے فضل سے یہ بھی کہا کہ

من ذكر ذلك فهو ناقص العقل  
جس نے یہ رائے آپ کو دی ہے وہ کوئی کوتاہ عقل  
ص ۱۵۸ ج ۲ آدمی معلوم ہوتا ہے

ارباب عقل و علم یا راوی کے الفاظ ہیں اهل العقل والخبرۃ بالامور (یعنی فضل نے  
جن لوگوں سے مشورہ دیا تھا وہ دانشمند لوگ تھے اور گروہ پیش کے حالات سے باخبر تھے) ان لوگوں  
کا یہ کہنا کہ ابو حنیفہ کے قول پر عمل درآمد کی ممانعت اگر عدالتوں میں کر دی جائے گی تو حکومت عباسیہ  
میں اتاری پھیل جائے گی اور سارا ملک ٹوٹ پڑے گا یہ رائے کیا امام کی وفات کے سو و سو برس بعد  
دی گئی تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ مامون الرشید عباسی کے عہد کا واقعہ ہے اولیٰ امام کی وفات کو پچاس سال بھی  
تو پورے نہیں ہوئے تھے ہم مامون کو عباسی حکومت کا خلیفہ پاتے ہیں بلکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ فضل  
تو مامون الرشید کی وفات میں اسی زمانے سے تھا جب مامون خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا اور مامون نے  
اسی زمانے میں سارے ہنرات اسی کے پیرو کر رکھے تھے سیرا خیال ہے کہ نصرمن شمس کے اس مشورہ کا  
تعلق بھی اسی زمانے سے ہے جب مامون خراسان کا حاکم تھا جس کے معنی یہی ہوئے کہ امام کی وفات کے  
تیس بتیس کا گویا یہ حال تھا بلکہ اسی سلسلہ میں ان ہی مناقب والوں نے مشہور صوفی صافی حارث محاسبی  
کے حوالے سے تو خود مامون الرشید کے متعلق نقل کیا ہے کہ نصر نے مامون کو بھی وہی رائے دی تھی جو فضل  
کے سامنے پیش کی تھی شاید اس کی وجہ وہی ہو کہ ارباب خیرت کے مشورے کے بعد فضل نے نصر سے کہا تھا کہ  
”مامون تمہاری رائے کو اگر سن لیں گے تو ناپسند کریں گے اور ایسی بات جس میں  
ان کی ناگواری ہو میرے لئے ناقابل برداشت ہے“ ص ۱۵۸ ج ۲

لہ و کچھ فضل کے حالات علاوہ عام کتابوں کے تاریخ خطیب میں دراصل یہ ایرانی شاہزادوں کے خاندان سے تعلق  
رکتا تھا۔ اس کا باپ پہل ہی مسلمان ہو گیا تھا یہ خدا نے فضل کو وزارت مطلقہ کے عہدے تک پہنچایا۔ بڑا کریم اور جواد آدمی  
تھا۔ کہا کرتا تھا کہ بخل میں مجھے خدا کے ساتھ بدگمانی اور سخاوت میں خدا کے ساتھ حسن ظن کی کیفیت نظر آتی ہے آخر میں بیمار نقل ہو گیا  
۱۷۰ عارث محاسبی ان لوگوں میں ہیں جن کی طرف اسلامی تصوف کی بنیادی تعمیر مہذب کی جاتی ہے ان کے والد بڑے دولت مند تھے  
لیکن عقیدہ ان کا صحیح نہ تھا۔ یہ اعلان کر کے کہ دو دین والے باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ ایک جتہ باپ کی  
دولت سے لینا گوارا نہ کیا ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزار دی تصوف و کلام میں ان کی مہارت نہ آتی تھی۔ جن کا اب  
یہ نہیں چلتا جب مرنے لگے تو اپنے اصحاب سے کہا کہ دم نکلنے کے وقت چہرے پر میرے اگر مسکراہٹ معلوم ہو تو سمجھنا کہ معاملہ  
ٹھیک ہوا اور نہ خیال کرنا کہ ساری زندگی اکارت گئی لوگوں نے تبسم ہی کو دیکھا ۲۴۰ ہجری میں وفات ہوئی ۱۲



معلوم ہوتا ہے کہ نصر نے فضل سے یہ سن کر خود مامون ہی کو متاثر کرنا چاہا اس میں شک نہیں کہ نصر کی ادبی قابلیت کی وجہ سے مامون ان کو بہت مانتا تھا اسی سے فائدہ اٹھا کر جیسا کہ حاشیہ کا بیان ہے نصر نے یہ تجویز مامون کے سامنے بھی ایک دن پیش کی کہ  
 "و حنفی مسلک کے سارے قاضیوں کو برطرف کر دیا جائے"

لیکن لکھا ہے کہ

انہ ما کان یحبیبہ الی ذلک لان  
 الغلبۃ یخراسان کان لا صحاب  
 ابی حنیفہ ص ۱۵۶ ج ۲

مامون نصر کے مشورے کو قبول نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ  
 خراسان میں ابو حنیفہ کے شاگردوں کا اقتدار اور  
 غلبہ تھا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی تعمیر کردہ سیرتوں کا جب یہ حال ہو کہ  
 خطیب جیسا مورخ جو حنفی مکتب خیال کے بزرگوں کے حالات کے بیان کرنے میں بہت زیادہ احتیاط  
 سے کام لینے کے عادی ہیں اپنی تاریخ بغداد میں ..... مستقل سب کے ساتھ  
 یہ روایت نقل کی ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد بھی مامون الرشید اپنے اسی وزیر فضل ذوالرئیسیں مرو کے ساتھ یا  
 اس زمانہ میں مرو میں امام محمد بن حسن الشیبانی کے شاگرد ابراہیم بن رستم نے دباغوں (چمڑا پکانے والوں)  
 کے محلہ میں قیام اختیار کر کے ان ہی دباغوں کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا جس وقت مامون مرو پہنچا تو  
 ابراہیم بن رستم کے علم و فضل سے مرو کو معمور پایا۔ مامون نے ابراہیم کو خاص طور پر دعوت دے کر اپنے  
 دربار میں بلا یا اور بہت دیر تک باتیں کرتا رہا قضا کا عہدہ بھی پیش کیا لیکن ابراہیم راضی نہ ہوئے اور  
 درس و تدریس ہی کے مشغلہ میں رہنا اپنے لئے پسند کیا لکھا ہے ایک دن فضل دباغوں کے اسی محلہ میں  
 ابراہیم کی قیام گاہ پر ان سے ملنے کے لئے آیا اس وقت وہ دباغوں کے بچوں کے پڑھانے میں مصروف  
 تھے فضل ان کے حلقہ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا لیکن خطیب کے الفاظ ہیں کہ

فلم یتحرک لہ ولا فرق اصحابہ  
 عنہ - تاریخ بغداد ص ۱۵۶ ج ۲

نہ تو ابراہیم اپنی جگہ سے ہلے اور نہ پڑھنے والوں  
 کو جدا کیا۔

۱۵ خطیب کی تاریخ میں اس واقعہ کو جس وقت پڑھ رہا تھا مامون نے ایک چشم دید منظر لکھا خاکسار جس زمانے میں حضرت  
 شیخ الحدیث مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز سے دارالعلوم دیوبند میں حدیث پڑھا کرتا تھا یہ صورت ایک دفعہ نہیں متعدد  
 بار پیش آئی کہ حضرت حلقہ درس میں تشریف فرما ہیں اور ضلع کا انگریز کلکٹر یا کاشنر دارالعلوم کے معائنہ کے سلسلہ میں گھومتا  
 ہوا مولانا کے حلقہ تک آتا ہے لیکن ایک دفعہ نہیں ہر بار یہی دیکھا گیا کہ مولانا نے نظر اٹھا کر ہی نہ دیکھا کہ کون آیا ہے  
 بلکہ طلبہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے جاتے ہاں صاحب آگے بڑھیے آگے بڑھیے آخر میں جب صوبہ کا گورنر جس کا نام  
 جیمس سٹن تھا دارالعلوم کے معائنہ کے لئے آیا نظر پڑا کہ مدرسہ کی سب سے بڑی ذمہ دار سستی حضرت ہی تھے وہی صدر دارالعلوم  
 اور سب کچھ تھے لیکن جب تک گورنر کا قیام مدرسہ میں رہا مولانا مدرسہ تشریف نہ لائے گھر آپ کا مدرسہ (بقیہ صفحہ آئندہ)

ایک صاحب جو وزیر کے ساتھ تھے اور بڑے بولنے والے تھے ان سے نہ رہا گیا ابراہیم کی طرف خطاب کر کے کہنے لگے۔

”ابراہیم تعجب ہے خلیفہ کا وزیر آپ کے پاس آیا ہے اور تم ان چہڑوں کے پکانے والوں کے خیال سے جو تمہارے پاس بیٹھے ہیں وزیر کی تعظیم کیلئے اٹھے ہی نہیں“ ابراہیم ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حلقہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد بول اٹھا۔  
 ”ہاں! جناب ہم لوگ اب چہڑے کے دباغ نہیں ہیں بلکہ اس دین کو نچتے کر رہے ہیں جس نے ابراہیم کو اتنی بلند میجسٹی ہیکہ خلیفہ کا وزیر ہی ان کے پاس آئے۔“  
 ظاہر ہے کہ ابراہیم بن رستم کا شمار ائمہ احناف کی صف اول کے لوگوں میں نہیں ہے لیکن ان کا حال بھی جب یہ تھا تو اسی سے پہلے سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کے وفات کے بعد مالک عباسیہ میں بڑے بڑے قضاة جن میں چالیس تو وہی تھے جن کا ذکر امام کی تاریخی تقریر کے سلسلہ میں گذر چکا اور سمجھنے کے کیا معنی ان بزرگوں کے حالات تو کتابوں میں موجود ہیں میری کتاب بہت طویل ہو جائے گی اگر ان میں سے چند کے حالات ہی یہاں درج کرتا ہوں اس وقت تو صرف اجمالاً صرف ان شقاوتوں اور سوادتوں کی تصویر پیش کر رہا ہوں جن کا ایک ہی نسبت کے ساتھ خلیفہ اور امام ابوحنیفہ کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا ابو جعفر جس کا سب کچھ تھا آپ دیکھ رہے ہیں اس کے جانشینوں اور وارثوں کو کہ اپنے ہی ملک میں وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں اور امام ابوحنیفہ غریب جن کا کچھ نہ تھا اور جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ گوانتیں تو امام کے پاس لاکھوں لاکھ کی وفات کے بعد نکلیں لیکن ان کے ذاتی ملوکات کے متعلق لکھا ہے کہ

المدیحیٰ فی بیئہ الا مصحف القران نہ پایا امام ابوحنیفہ کے گھر میں لوگوں نے مگر صرف  
 ص ۱۸۱ ج ۲ قرآن کا ایک نسخہ

واللہ اعلم یہ روایت کہاں تک صحیح ہے کچھ بھی ہو ابو جعفر کے مقابلہ میں بہلا امام صاحب بے چارے کی کیا حیثیت تھی۔ لیکن جس کا کچھ نہیں تھا آج اس کے جانشین ابو جعفر ہی کے ملک میں ایسے اقتدار کے مالک ہیں کہ حکومت ان کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی حالات و واقعات سے جو واقف تھے وہ جانتے تھے کہ ان کے چھیڑنے کا مطلب یہ ہو گا ابو جعفر کے وارثوں کو حکومت ہی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

بہر حال کچھ بھی ہو امام کی وفات کے کل بیس سال کے بعد یعنی ہارون الرشید کے خلیفہ ہونے کے زمانہ تک آپ عباسیوں کے قاضیوں کا رتبہ اٹھا کر دیکھیے بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، مدائن، مرو، مدینہ منورہ، مصر، خوارزم، رے، کرمان، نیشاپور، سجستان، دمشق، ترمذ، جرجان، بلخ، حمدان،

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) پانچ چونتیس کے راستہ پر تھا لیکن وہاں سے نہ نکلے لاکھ مختلف طریقہ سے لوگوں نے آپ پر اثر ڈالا کہ طاعات کرینے میں کیا حرج ہے فرماتے رہے کہ مجھ غریب آدمی کا گورنر صاحب سے کیا تعلق ۱۲



صنعا، شیراز، اہواز، تستر، اصفہان، سمرقند، ہرات، کرم، اور ان کے سوا مالک محروسہ عباسیہ کے تقریباً اکثر مرکزی شہروں میں حنفی قاضیوں کو محکمہ عدالت پر قابض و خلیل پائس کے سلسلہ جن میں بعض کا تقرر ابو جعفر منصور نے بعض کا ہمدی نے بعض کا ہادی نے بھی کیا تھا اور ہارون الرشید کے عہد تک تو خیر انتہائی ہو گئی ایسا انقلابی واقعہ پیش آیا جس کے اثرات حال حال تک باقی تھے اس انقلابی واقعہ کی تفصیل تو آگے آرہی ہے لیکن اس سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حنفی قضاة یا حنفیت کے آگے عباسیوں کی جبار حکومت نے فوراً ہی سر نہیں جھکا دیا تھا ابو جعفر کے متعلق تو گذر ہی چکا کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے زور کو عراق میں توڑنے کے لئے امام مالک کے بغداد لانے کی انتہائی کوشش کی مگر ناکام واپس آیا ابو جعفر کے بعد اس کا جانشین ہمدی ہی اپنے عہد حکومت میں جہاں تک معلوم ہوتا ہے اس کوشش سے باز نہیں آیا امام مالک کا شاگرد بنا اور ان کی اتنی عظمت کرتا تھا کہ ہرے دربار میں امام مالک کی تشریف آوری اگر کہیں ہو جاتی تو خاص طور پر بلا کر اپنے پاس بیٹھاتا۔ بلکہ ایک دفعہ تو جگہ اتنی تنگ تھی کہ ہمدی اگر ایک پاؤں کو اٹھا نہیں لیتا تو جگہ نہیں نکل سکتی تھی اس نے یہ بھی کیا اور امام صاحب کو ساری مجلس پر ترجیح دے کر اپنے پاس ہی بیٹھایا۔ مگر آخر میں وہی بات کہ "بغداد" تشریف لے چلیے تو جو جواب باپ کو دیا گیا تھا وہی اس کو بھی دیا گیا شاید اس قصے کو میں نے کہیں نقل ہی کیا ہے کہ ہمدی نے حضرت کی خدمت میں جو نذر پیش کیا تھی فرمایا کہ اشرفیہاں ہمدی کی دی ہوئی اپنے حال پر رکھی ہیں چاہیں تو واپس لے جاسکتے ہیں لیکن بندہ مدینہ نہیں چھوڑ سکتا بلکہ اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ متعدد کتابوں میں لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ہارون نے ہی حضرت امام مالک کے سامنے اپنی داد کی تجویز موطا کی عمومیت و زوم کی پیش کی تھی اور وہی بغداد چلنے کی آرزو ظاہر کی لیکن امام نے جو جواب اس کے داد کو دیا تھا قریب قریب ہارون سے بھی وہی فرما کر بغداد جانے سے قطعی طور پر انکار کر دیا گویا اس کے بھی معنی ہوئے کہ حنفیوں کے زور کے گھٹانے کی کوششوں کا سلسلہ ہارون کے ابتدائی عہد تک منقطع نہیں ہوا تھا بلکہ ٹھیک جس سال امام ابو حنیفہ کی وفات بغداد میں ہوئی یعنی ۱۵۰ ہجری اسی سال سفیان ثوری کے متعلق بالآفاق لوگ جو یہہ لکھتے ہیں کہ وہ کوفہ سے غائب ہو گئے اور حکومت ان کی تلاش میں سرگرداں رہی ابو جعفر بھی اپنی زندگی بہران کا پھینکا کرتا رہا اور ابو جعفر کے بعد ہمدی ہی اسی فکر میں مصروف رہا کہ کسی طرح سے وہ اس کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیں۔ گذر چکا کہ ایک دفعہ کسی طرح گرفتار ہو کر ہمدی کے دربار میں سفیان ثوری پہنچے ہی پروانہ تقرر ہی ان کو عطا کیا گیا لیکن وجہ میں پھینک کر پیررواوش ہو گئے اور روپوشی ہی کی حالت میں بہ مقام بصرہ سلسلہ میں ان کی وفات ہمدی کے زمانہ میں ہوئی گیا تب ہی ہے کہ اس قصے کا تعلق بھی کچھ اسی واقعہ سے ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں امام مالک کے بعد حدیث

سہ کچھ نہیں تو معجم المصنفین مولانا محمود حسن خاں ٹونکی میں امام کے تلامذہ کی فہرست پر ایک سرسری نظر ڈال لینے سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام کے کتنے شاگرد کہاں کہاں کے قاضی تھے ۱۲



وقفہ کی جامعیت کے لحاظ سے سفیان ثوری ہی کا درجہ تھا لیکن یہ امام ابو حنیفہ کی نیت کی برکت تھی کہ ان دونوں اماموں میں سے کوئی بھی ان کے ہتھے نہ چڑھ سکا سفیان ثوری سے ایک دفعہ امام اوزاعی نے پوچھا تھا کہ آخر آپ ان لوگوں سے الگ الگ کیوں رہتے ہیں جواب میں فرمایا کہ انالیس نقد فخر ہمدان و ہمدان ہم ان لوگوں کو مار نہیں سکتے اس لئے ان طریقوں سے بمثل هذا لزی ثری خطیب ص ۵۹ ج ۹ ان کو اذہب سکھاتے ہیں۔

مطلب وہی تھا کہ حکمرانوں کو یہ مغالطہ ہو جاتا ہے کہ خدا کی زمین پر سب سے بڑی طاقت وہی ہوتی ہے ساری دنیا ان کی محتاج ہو گئی اور وہ کسی کے محتاج باقی نہ رہے اسی لئے چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ان کا احترام کرے اور ان کا نیاز مند بنا رہے ان لوگوں کو یہ دکھانا چاہیے کہ خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی نہیں ضرورت ہوتی ہے لیکن انتہائی حقارت کے ساتھ وہ تمہیں ٹھکرا دیتے ہیں۔

پہر حال جب یہی ان کا نصب العین تھا تو وہ ان کی طاعت کیسے قبول کر سکتے تھے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اپنے فرار اور روپوشی میں سفیان ثوری کے سامنے خود امام ابو حنیفہ کا مسئلہ بھی نہ تھا ان بزرگوں کے درمیان اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باہمی معاصرانہ چشمکوں کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن ایسے واقعات ایک نہیں بیسیوں ہیں کہ باہر سے لوگ ایک دوسرے سے الگ نظر آتے تھے مگر جب وقت آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ دل سب کے ایک تھے۔

ہارون الرشید کے متعلق طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعاده میں یہ روایت بھی نقل کی

طبقات ابن سعد میں ابراہیم ثقی اور ابراہیم نخعی کے جن تعلقات کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی سے اس زمانے کے حالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے یعنی اسی طبقات میں ایک سے زیادہ اقوال ایسے بھی نقل کئے ہیں جن سے کوئی ان دونوں معاصر علماء کے درمیان معلوم ہوتا ہے کہ معاصرانہ چشمکیں چلتی رہتی تھیں لیکن باوجود اس کے یہ قصہ سننے کا ہے کہ بنی امیہ کا طاغیہ حجاج جب ابراہیم نخعی کے درپے ہوا اور نخعی اس کے ظلم و زیادتی کے خوف سے روپوش تھے لکھا ہے کہ ایک دن حجاج کے ان ہی آدمیوں نے جو ابراہیم نخعی کی تلاش میں تھے ابراہیم نخعی کے شبہ میں ابراہیم ثقی کو گرفتار کر لیا اور حجاج کے پاس یہ باور کراتے ہوئے ان کو پیش کر دیا کہ یہی ابراہیم نخعی ہیں حالانکہ ابراہیم ثقی جانتے تھے کہ اپنے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ میں ابراہیم ثقی ہوں نخعی نہیں ہوں تو چھوٹے دیا جاؤں گا لیکن وہی ابراہیم ثقی جن سے یہ ظاہرانہ کے تعلقات معاصرانہ بہتر نظر نہیں آتے تھے ان کو یہ لینے کے لئے آخر وقت تک وہ نہ کھلے تا انیکہ حجاج نے جیل بھی بھیجا یہ ایک ایسا جیل تھا جس میں چھت کا سایہ نہ تھا کھلا میدان تھا صرف چاروں طرف دیواریں تھیں گرمی سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان نہ تھا اور دو آدمیوں کو زنجیر میں جکڑ کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا یہی سلوک ابراہیم ثقی کے ساتھ ہی کیا گیا لیکن اس پر یہ بندہ خدا کی زبان پر ایک لفظ نہیں آیا تا انیکہ ان کی وفات جیل ہی میں ہو گئی ۱۲



ہے کہ امام مالک کو بغداد لانے سے مایوس ہونے کے بعد وہ واپسی میں مکہ معظمہ پہنچا اور اس زمانے میں مکہ کی علمی اہمیت اور ریاست جن کے ہاتھ میں تھی یعنی سفیان بن عیینہ ان سے ملائے کے بعد حکم دیا کہ جو کتا میں انہوں نے لکھی ہیں میسر ساتھ کر دیں ابن عیینہ نے اپنا سارا دفتر ہارون کے لوگوں کے حوالہ کر دیا عراق پہنچ کر جب ان کے کام کی ہارون نے جانچ کرائی تو لکھا ہے کہ نتیجہ بہت مایوس کن نکلا۔ ہارون نے بڑے افسوس کے لہجہ میں کہا

رحم الله سفیان تو اطاع لنا فله

سفیان پر خدا رحم کرے ہمارے ساتھ ہم اسنگی پر وہ

ننتفع لعلمه ص ۲۷ ج ۲

اور نفع کیا اٹھا سکتا تھا۔ ابن عیینہ ان جیسے بزرگوں کے پاس علم کا جو ذخیرہ تھا بالکل خاموشی میں تھا یعنی حدیثیں صحابہ اور تابعین کے آثار تھے، لیکن ان کو پیش نظر رکھ کر باضابطہ کسی ایسے مجموعہ قوانین کی تدوین و ترتیب جو کسی حکومت کے دستور العمل بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں یہ بات ان لوگوں کے بس کی تھی بھی نہیں یہ کام تو صرف امام ابو حنیفہ نے بڑی محنت سے اپنی مجلس وضع قوانین کی مدد سے انجام دیا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اسد بن قرات کی کوشش سے پہلے خود امام مالک کا علم بھی کچھ غیر مرتب ہی حال میں تھا جس کا ذکر اجمالاً کہیں میں کر بھی چکا ہوں اور صحیح تفصیل کا مقام مری کتاب تدوین فقہ ہے

بہر حال اس ساری تفصیل سے عرض یہ ہے کہ جس اقتدار کو امام ابو حنیفہ عباسی حکومت کے شعبہ عدالت میں قائم کرنا چاہتے تھے ان کی وفات کے بعد بھی پندرہ بیس سال تک حکومت اس کا اندرونی طور پر مقابلہ ہی کرتی رہی اور گو امام کی وفات کی وجہ سے جس خطرے کو ابو جعفر نے عباسی حکومت کے لئے پیدا کر دیا تھا ممکنہ حد تک امام ابو حنیفہ کے سربراہ اور وہ ممتاز شاگردوں کو قاضی بنا بنا کر حکومت اس خطرے کے التراد کی تدبیروں میں مشغول رہی جیسا کہ میں نے عرض کیا اس پندرہ بیس سال کے عرصے میں اکثر مرکزی مقامات کو امام ہی کے تربیت یافتہ قاضیوں سے بھرا دیا گیا تھا لیکن امام کی زندگی میں یہ مسئلہ جو اٹھ چکا تھا کہ عدالت کے شعبہ کو بالکل اپنے اقتدار سے نکال کر اہل علم کے سپرد کر دیا جائے یعنی قاضی القضاة کا عہدہ قائم کیا جائے، جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے حکومت کتراتنی رہی اور تو اور امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں قاضی ابو یوسف اور زفر بن بدیل کے متعلق امام نے اپنی تاریخی تقریر میں فرمایا تھا کہ یہ ایسے دو آدمی ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بن سکتے ہیں بلکہ قاضیوں اور مفتیوں کی تربیت و تادیب کا کام بھی کر سکتے ہیں ان دونوں کو بھی گو حکومت نے ملائے کی کوشش امام کی وقتاً ہی سے شروع ہی کر دی تھی، لیکن امام زفر نے تو بالکل یہ حکومت کی حلقہ ملازمت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا، طاش کبریٰ زادہ نے لکھا ہے

” زفر کو مجبور کیا گیا کہ قضا کی خدمت کو قبول کر لیں لیکن انہوں نے شدت کے ساتھ انکار کر دیا اور روپوش ہو گئے حکومت نے حکم دیا کہ ان کا گھر ڈھا دیا جائے۔ گھر گرا دیا گیا لیکن

اس کے بعد بھی وہ زمانہ تک روپوش ہی رہے کچھ دن کے بعد ظاہر ہوئے اور اپنے منہدم شدہ مکان کو درست کرایا حکومت نے دوبارہ پران پر اصرار کیا لیکن کسی طرح راضی نہ ہوئے آخر مجبور ہو کر ان کا پیچھا چوڑوایا گیا اور معافی دی گئی <sup>ج ۲ ص ۱۱</sup> انصاف السواد لیکن ابو یوسف نے جیسا کہ معلوم ہے حلقہ ملازمت میں داخل ہو گئے لیکن قاضی القضاة کا مسند قاضی ابو یوسف کی ملازمت کے قبول کر لینے کے بعد بھی ایک مدت تک سر بھر رہا امام زرخیری کے اس بیان سے جسے کروری نقل کیا ہے یعنی خود قاضی ابو یوسف کہتے تھے کہ

” ہمدی (جو ابو جعفر کے بعد ۱۵۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوا) اس مجھے بناؤ کے مشرفی حصے کا

قاضی مقرر کیا پھر ہمدی کا انتقال ہو گیا اور میں ہادی (جو ۱۶۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوا)

اس کی طرف سے) قاضی رہا پھر رشید (جو ۱۷۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوا) اس نے بھی

مجھے قضا پر بحال رکھا <sup>ج ۲ ص ۱۲</sup>

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو جعفر کے بعد ہی ان تینوں خلفاء کے زمانے میں ابو یوسف قاضی رہے ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ہمدی نے اپنے بیٹے ہادی کے ساتھ قاضی ابو یوسف کو خراسان بھیجا یا تھا ہادی خراسان کا انتخاب اپنے قیام کیلئے کیا تھا قاضی ابو یوسف جہان میں ہادی کیساتھ اس وقت تک رہے جب ہمدی کی وفات کی خبر جہان پہنچی اور خلیفہ بن کر قاضی ابو یوسف کے ساتھ ہادی بخارا اور یونچا اور بخارا کا قاضی ان کو مقرر کیا <sup>ج ۲ ص ۱۲</sup>

بہر حال کچھ ہی ہو بخارا میں ہو یا جہان میں قاضی ابو یوسف کی حیثیت ایک معمولی قاضی سے زیادہ اس وقت تک نہ تھی جس کا مطلب یہی ہوا کہ ایک مدت تک خلفاء دوسرے قاضیوں کے تقرر یا عزل و نصب کے اختیارات کو کسی دوسرے کے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تھے حالانکہ امام ابو حنیفہ کی آخر زندگی میں

۱۵ھ کی کتاب میں حکیم امام زفر کی وفات کا وقت جب آیا احتضار کی حالت میں تھے قاضی ابو یوسف نے کہا کہ کچھ وصیت کرنی ہو تو کیجئے تو بولے گھر اور جو کچھ اس میں ہے میرا یہ ہے تو میری بیوی کو دے دیا جائے اور تین ہزار درم ہیں یہ میرے بھتیجے کے حوالہ کر دئے جائیں اس کے سوا نہ چھ پر کسی کا باقی ہے نہ میرا کسی پر کچھ باقی ہے وفات کے بعد گھر میں جو سامان تھا اس کی قیمت لگائی گئی تو تین درم سے زیادہ کا نہ ٹھرا وہ بچہ جسے تین ہزار درم دینے کے لئے فرمایا تھا یہ اس کی عورت کا بچہ تھا جو ان کی بیوی تھی کیونکہ بھائی کے مرنے کے بعد انہوں نے اس سے نکاح کر لیا تھا <sup>۱۲</sup>

۱۶ھ کوئی خاص وثیقہ تو مجھے اب تک نہیں ملا ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد جو گویا ابو حنیفہ کے خلیفہ تھے ہمدی کا اپنے بیٹے کے ساتھ ان کو خراسان بھیجا مگر ہے کہ کسی سیاسی مصلحت پر ہی ہو کیونکہ جہان تک وفات سے معلوم ہوتا ہے خراسان کے مسلمانوں پر امام ابو حنیفہ کا سب سے زیادہ اثر تھا ان کے بڑے بڑے تلامذہ خراسان کے اکثر شہروں میں پھیلے ہوئے تھے قاضی ابو یوسف کا وجہ سے یقیناً ان جذبات کے دبانے میں حکومت کو مدد ملی ہوگی

جو امام ابو حنیفہ کی موت نے فزوقی طور پر لوگوں میں پیدا کر دیا ہوگا۔



ابو جعفر ہی اس پر تیار ہو چکا تھا یہ ظاہر اس کی وجہ فری معلوم ہوتی ہے کہ اسے تک حکومت کسی دوسرے  
 مکتب خیال کے فقہار کو امام ابو حنیفہ اور ان کے تیار کئے ہوئے شاگردوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنے سے  
 مایوس نہیں ہوتی تھی لیکن ہارون پر آخر میں جب ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں کو کھڑا کر کے بے لک کے دل سے  
 حنفی خیال کے فقہار کی عظمت میں اضمحلال پیدا کرنا ممکن ہے وہ بغداد آنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور  
 آنا چاہتے ہیں ان میں اس نے دیکھا کہ مقابلہ کی صلاحیت نہیں ہے آخر سفیان بن عیینہ سے بڑی شخصیت  
 اور کس کی ہو سکتی تھی کہا جاتا ہے کہ براہ راست اس سے اوپر تابعین سے استفادہ کا موقع ان کو ملا تھا۔  
 امام شافعی فرمایا کرتے تھے

کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ اگر نہ ہوتے تو حجاز کا علم دنیا کو نہ ملتا ۹۰ خطیب ج ۹

یعنی حجاز والوں کے پاس حدیث و آثار کا جو ذخیرہ تھا وہ غائب ہو جاتا علم حدیث و آثار میں ان  
 کا جو پایہ تھا کہتے ہیں کہ خود ہارون الرشید بھی اس سے اتنا متاثر تھا کہ مکہ معظمہ سے جب کوئی آدمی ہارون  
 کے پاس پہنچتا تو وہاں کے سربراہ اور وہ ہاشمیوں کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد پوچھتا کہ  
 وہ ما فعل سید الناس لوگوں کے سردار کا کیا حال ہے

راوی نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے بھی کوئی سید الناس ہو سکتا ہے ہارون نے  
 کہا کہ سید الناس سفیان بن عیینہ ہیں خطیب ج ۹ ص ۹۰ لیکن بلا میں ہم آپ دیکھ چکے کہ ان کے علم  
 کے سارے طوار کو ہارون نے منگو کر جانچنے کا حکم دیا لیکن سفیان کا علم ہارون اور اس کی حکومت کے  
 کام کا نہ تھا۔

جیسا کہ بہت سی چیزوں کے نہ ملنے پر میں نے افوس کا اظہار کیا ہے۔ افوس ہے کہ ان تجربات  
 کے بعد بالآخر حکومت عباسیہ نے جو آخری انقلابی فیصلہ کیا۔ اس کا ذکر لوگوں نے اتنی را پروائی کے  
 ساتھ سرسری طور پر کتابوں میں کیا ہے کہ اگر وہ واقعہ نہ ہوتا تو شاید اس کی طرف لوگوں کی توجہ ہی نہ ہوتی  
 اور قاضی القضاة کے جس عہدے کو امام ابو حنیفہ پر ابو جعفر نے پیش کیا تھا جسے دنیا اس کو بھول چکی  
 ہے۔ اس واقعہ کو بھی شاید بھول ہی جاتی

میرا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ابو جعفر کے زمانے سے ہارون تک جیسا کہ گذر چکا امام ابو حنیفہ  
 کے شاگردوں کا دارالسلطنت بغداد اور اس کے مختلف اسات کے سوا اکثر صوبوں اور ضلعوں پر بھی حکومت  
 مسلسل قضا کے عہدے پر تقرر کرتی چلی جاتی تھی لیکن امام ابو حنیفہ کے سامنے "قاضی القضاة اور اس کے  
 اعتبارات کا مسئلہ جو چھڑا تھا۔ اس بیس سال کے عرصے میں ہم اس کا ذکر کرتے ہوئے کسی کو نہیں پاتے  
 بلکہ اندرونی طور پر حکومت حنفیوں کے زور کے توڑنے ہی میں ایک طرح سے مشغول نظر آتی ہے لیکن  
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حج کے جس سفر کے بعد امام مالک اور سفیان بن عیینہ کے متعلق ہارون قطعی طور پر  
 نامید ہو گیا تو اس کے سوا اب کوئی صورت ہی اس کے سامنے باقی نہ رہی کہ اپنے جن دو شاگردوں کے متعلق  
 امام ابو حنیفہ بہری مجلس میں یہ اعلان فرما کر چلے گئے کہ

ہما یصلحان لتادیب القضاة و  
 ار باب لفتوی

یہ دونوں صلاحیت رکھتے ہیں قاضیوں اور فتویٰ دینے والوں کی تربیت و پرواغت کریں  
 ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں قضاة اور اباب فتویٰ کی تادیب کا کام سپرد کرے  
 امام زفر کے متعلق تو گذر ہی چکا کہ کسی شرط پر بھی حکومت میں شریک ہونے کے لئے وہ تیار نہ ہو سکے گھر  
 تک ان کا منہدم کر دیا گیا لیکن انکاری پر مصر رہے اب دوسرے قاضی ابو یوسف یعقوب سیہی باقی رہ گئے  
 تھے سلسلہ ملازمت میں وہ ہمدمی ہی کے زمانے سے داخل ہو چکے تھے۔ ہادی سے بھی جدیاً کہ واقعات  
 سے معلوم ہوتا ہے قاضی ابو یوسف کے تعلقات بہت اچھے تھے غالباً یہی وجہ واسباب تھے کہ بالآخر  
 بارون کو اپنے اس مشہور تاریخی فیصلہ پر مجبور ہونا پڑا جس کا ذکر مقرر نے بایں الفاظ کیا ہے۔

فلما قام ہارون الرشید بالجلانۃ  
 وللقضاء ابابوسف یعقوب بن ابراہیم  
 اخذ اصحاب ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ  
 بعد سنة سبعین ومائة فلما یقلد  
 بلاد العراق وخراسان والشام و  
 مصر الامن اشار بہ القاضی ابو یوسف  
 فانظروا عبد البر کے حوالہ سے قرشی نے بھی نقل کیا ہے

کان الیہ تولیۃ القضاء فی الافان  
 من المشرق الی المغرب ملکا ج ۲ جواہر  
 خود اس قصے میں بھی جس کا تذکرہ میں نے حاشیہ میں کیا ہے یعنی معاشی و شواریاں جٹ قاضی ابو یوسف  
 قاضی ابو یوسف ہی کے اختیار میں تھا کہ شرق سے  
 مغرب تک قاضیوں کا تقرر کریں۔

لہ خود قاضی ابو یوسف ہی کے حوالہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ میرا حال آخر میں جب اس نوبت کو پہنچ گیا کہ کوئی  
 چیز باقی نہ رہی تو اپنے سرالی مکان کی ایک شہتیر لکھوا کر بازار بچنے کے لئے میں نے بھیجی یہ بات میری خوشدماغی  
 کو جو معلوم ہوئی تو دیکھا کہ ان کے چہرے پر کافی گرانی کے آثار ہیں بلکہ بڑی بی اس باب میں ان سے کچھ بولیں بھی شاید یہی  
 کہنا ہو گا کہ اچھی میری ٹرکی کی قیمت بیوٹی ایسے آدمی سے بیسی گئی جو خور تو کیا کھلائے پلائے گا اب میرے گھر کی  
 شہتیر تک بیچ بیچ کر کھانے لگا کہتے ہیں کہ ساس کے اس طرز عمل سے دل پر سخت چوٹ پڑی اور بات برواشت سے  
 باہر ہو گئی اس کے بعد میں نے ہمدی کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیا۔ گو اس میں یا کسی دوسرے واقعوں میں اس کی  
 تفریح نہیں ہے کہ جیسے زفر پر حکومت نے قضا کا عہدہ پیش کیا تھا قاضی ابو یوسف پر بھی پیش کیا گیا تھا یا نہیں لیکن انداز  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف بھی حق الوضع اس تعلق سے کتراتے ہی رہے اور جس طرح ممکن ہو سکا زندگی گزارتے  
 رہے لیکن جب بات یہاں تک پہنچ گئی تب مجبوراً انہوں نے ملازمت اختیار کی امام کے دوسرے شاگرد قاضی حفص بن غیاث  
 کے حالات میں ہی لکھا ہے کہ جب مروار کا کھانا بچہ پر حلال ہو گیا تب میں نے قضا کا عہدہ قبول کیا ۱۲



کی اس حد کو پہنچ گئی تھیں کہ سسرالی گھر کی شہرت پر وقت کرنے پر مجبور ہوئے اور اپنی خوش دامن  
 پر ناگواری کے آثار کو جب محسوس ہوئے تب غیرت دامن گیر ہوئی کہ وہ سے بعد اپنی بیٹی خود فرمائے  
 ہیں کہ ۔

” ہمدی جو اس وقت خلیفہ تھا وزیر وقت نے مجھے اس پر پیش کیا صلاۃ خوف کے  
 متعلق گفتگو ہوئی اس کے بعد ہمدی نے بغداد کے مشرفی حصہ کا قاضی مجھے مقرر کیا اور  
 دس ہزار درم عطا کئے ہمدی کے وفات کے بعد میں ہادی کے ساتھ رہا ہادی کے بعد  
 ہارون الرشید کا زمانہ جب آیا تو

خولانی قضاء البلاد کلھا ص ۱۳۹ جلد ۲ اپنے سارے ممالک محروسہ کا عہدہ قضا میرے پر دکر دیا۔  
 ہر حال یہ تو قطعی ہے کہ قاضی القضاة کا عہدہ سب سے پہلے ہارون الرشید ہی کے زمانہ میں  
 قائم کیا گیا اگرچہ اس عہدہ کا خیال جیسا کہ تفصیلاً عرض کر چکا ہوں ابو جعفر منصور ہی کے زمانہ میں قائم ہو چکا  
 تھا لیکن بجائے امام ابو حنیفہ کے سارے مورخین اس پر متفق ہیں کہ قاضی ابو یوسف کی بحالی اس عہدے  
 پر ہوئی اور یہ یہی مسلم ہے کہ اس عہدہ کا مطلب وہی تھا جس کی تفریح مقررہ اور ابن عبدالبر نے کی  
 ہے گویا دوسرے معنی اس کے یہی ہوئے کہ حکم عدلیہ کی مطلق العنان وزارت قاضی ابو یوسف کے حوالہ  
 کی گئی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے زمانہ میں لوگ ”قاضی القضاة“ کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ان کو  
 ”وزیر“ بھی کہہ دیتے۔ ابو الولید الطیالسی کے حوالہ سے ایک روایت موفق وغیرہ نے نقل کی ہے جن  
 کے آخر میں ہے کہ ابو الولید نے کہا۔

هذا هو الوزیر وقاضی القضاة یہ شخص وزیر اور قاضی القضاة ہے  
 ص ۱۲۵ ج ۲

لیکن بایں ہمہ جی چاہتا تھا کہ ہارون الرشید نے جس وقت اپنی حکومت میں اس عہدے کو قائم  
 کیا تھا اور قاضی ابو یوسف کو بلا کر اس عہدے کی ذمہ داریاں سپرد کی تھیں اس وقت کے واقعات کا  
 مورخین اگر تفصیل سے ذکر کرتے تو مسئلہ زیادہ واضح شکلوں میں لوگوں کے سامنے آتا آتا تو معلوم ہوتا  
 ہے کہ قاضی ابو یوسف کے غیر معمولی اعزاز اور اختیارات کو دیکھ کر ہارون سے بعض لوگوں نے جب کچھ  
 شکایت کی تو اس نے جواب میں کہا کہ

دو میں نے یہ جو کچھ کیا ہے جان بوجھ کر کیا ہے کافی تجربوں کے بعد میں اس فیصلہ  
 پر پہنچا ہوں خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی اس شخص کو میں نے جانچا اس میں  
 اس کو کامل اور ماہر پایا ص ۱۳۲ جلد ۲

درمیان میں ہارون نے اپنی طالب علمی کے زمانہ کے بعض تجربات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف کی قابلیت کی دھاک اس کے دل پر اسی زمانے سے بیٹھی ہوئی تھی آخر میں قاضی صاحب  
 کی وینی سیرت و کردار کے متعلق جو احساس ہارون اپنے اندر رکھتا تھا اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ۔



ان علمی امتیازات کے ساتھ ساتھ میں نے مذہب میں اس شخص کے قدم کو استوار پایا ہے میں اللہ کیوں سے اس کے دین کو محفوظ پاتا ہوں آخر کوئی آدمی قاضی ابویوسف کے جیسا ہو تو پیش کر و صلیب ۲ ج ۲

ہارون اور قاضی ابویوسف کے تعلقات کے بیسیوں دل چسپ قصے مزے سے لے کر لوگوں نے جو بیان کئے ہیں ان سے بھی اور جو خصوصی مراعات دربار میں قاضی صاحب کے ساتھ کئے جاتے تھے جن کا میں نے پہلے ہی کہیں ذکر کیا ہے ان سب سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے ہارون کی طبیعت پر غیر معمولی اقتدار حاصل کر لیا تھا بنی امیہ کے عہد میں اسی عدلیہ یا محکمہ قضا پر بے تمیزی کا ایک زمانہ وہ بھی گذرا تھا کہ قاضی کے لئے معمولی نوشتہ و خواندہ تک کو غیر ضروری قرار دیا گیا تھا چالیس چالیس شاخ کی شہادت گذرتی تھی کہ خلفاء اور سلاطین کی ذات قانونی دار و گیر سے بالاتر ہے عباسیوں کے عہد میں ہی آپ دیکھ چکے کہ قاضی شریک سے وعدہ و عہد کرنے کے بعد ہی خلیفہ کی ڈیوٹی کی ایک لوند کی شکایت پر قاضی صاحب عہد سے برطرف کر دئے گئے، لیکن امام ابو حنیفہ کی جد و جہد اور ان کی وفات کی خاص نوعیت کے بعد ہی اگرچہ قضا میں بہت کچھ اصلاح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے ایک طرف حکومت بھی کافی طور پر متاثر ہو چکی تھی اور دوسری طرف ملک کے طول و عرض میں امام کے تلامذہ کے قالب میں ایسے محکم کردار اور استوار سیرت کے نمونے پھیلے ہوئے تھے کہ اب آسانی کے ساتھ حکومت من مانے فیصلے ان لوگوں سے نہیں کرا سکتی تھی جن کے ہاتھ میں فصل خصومات عدل و انصاف کا کام سپرد کیا جاسکتا ہے ابو جعفر منصور کے بعد ہی ہمدی خلیفہ ہوا ہے اسی کے زمانہ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ بخارا میں قاضی ابویوسف کے شاگرد مجاہد بن عمرو قاضی تھے ہمدی نے اپنا ایک خاص قاصدان کے پاس کسی خاص غرض سے بھیجا قاضی صاحب نے جو جواب وہ چاہتا تھا نہیں دیا قاصد نے ہمدی سے اپنی طرف سے ایک جھوٹ بات تراش کر بیان کر دی یہ قاصد بخارا کا رہنے والا تھا جب بخارا واپس آیا قاضی مجاہد کو اسکی افترا پر وازی کی خبر مل چکی تھی انہوں نے افترا کا مقدمہ اس پر قائم کر کے اسکی کوڑے لگوا دیئے مجاہد کے شاگردوں کو سخت تشویش ہوئی کہ ہمدی کو جب اس کی خبر ہو گئی کہ قاضی نے اس کے خاص آدمی کو تازیانے لگائے ہیں تو دیکھے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے لیکن موسم بدل چکا تھا لگتا ہے کہ ہمدی کی جب خبر ہوئی کہ افترا کے جرم میں قاضی مجاہد نے اس کی سزا کی ہے تو بجائے رنجیدہ ہونے کے قاضی مجاہد کی اس جرات سے وہ خوش ہوا اور انعام و اکرام سے ان کو سرفراز کیا ص ۲۳۹ ج ۲ کروری

ہمدی کے بعد ہادی خلیفہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی امام ابویوسف تھے ایک باغ کے معاملہ میں خود ہادی سے کسی عامی آدمی کا جھگڑا تھا پہلی بات تو یہی ہے کہ ہادی نے حکم دیا کہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہو خلیفہ کی طرف سے بعض لوگوں نے قاضی صاحب کے اجلاس میں شہادت ایسی ادا کی کہ اس شہادت پر اگر ہمدی سے کہا جاتا تو باغ خلیفہ ہی میں قبضہ میں رہ جاتا۔ قاضی ابویوسف کو تحقیق سے معلوم ہو گیا تھا کہ عدالت باغ اسی بے چارے کا ہے جس کے خلاف گواہوں نے گواہی دی ہے اس وقت



ایک تدبیران کی سمجھ میں آئی مقدمہ کو اس وقت تو ملتوی کر دیا۔ ہادی سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا کئے اس مقدمہ میں آپ نے کیا فیصلہ کیا جو میری طرف سے آپ کی عدالت میں دائر کیا گیا ہے قاضی صاحب کے کہا کہ جی ہاں آپ کے گواہوں کی شہادتیں تو گزری ہیں لیکن فریق کی طرف سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ مدعی (خلیفہ) سے اس ہادی نے پریشان ہو کر پوچھا کہ پر آپ کی کیا رائے ہے حالانکہ حنفی مذہب میں مدعی علیہ کو اس قسم کے مطالبہ کا حق نہیں ہے خود قاضی صاحب کی رائے بھی یہی تھی لیکن جواب میں خلیفہ سے انہوں نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ کا فتویٰ ہی تھا یہ سننے کے ساتھ ہی ہادی نے کہا کہ باغ اسی کے حوالہ کر دیجئے اور حلف لینے سے اس نے انکار کیا ص ۲۱ ج ۲

اگرچہ یہ جزئی واقعات ہیں لیکن دلوں کی انقلابی کیفیت کا اس سے ضرور اندازہ ہوتا ہے ہدی ہو یا ہادی دونوں مطلق العنان حکمران تھے اپنی امیہ کے زمانہ کے خلفاء کی مطلق العنانیوں کے قصے ان تک پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ ہدی نے قانون کے نافذ کرنے پر بجائے غصہ ہونے کے قاضی مجاہد کو سراہا اسی طرح ہادی کے لئے یہی بڑی بات تھی کہ اس نے اپنا مقدمہ عدالت میں بھیجا یا اس سے یہ عجیب تر یہ ہے کہ جو چیز ایک زمانہ سے اس کے قبضہ میں چلی آ رہی تھی اس سے دست بردار ہو گیا۔

اسی طرح ایک قصہ ہارون الرشید کا ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ ابھی قاضی ابو یوسف قاضی القضا نہیں بنائے گئے ہیں اور بغداد کے مشرقی سمت کے قاضی امام ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد حفص بن غیاث تھے واقعہ کی صورت یہ تھی کہ ہارون کی شاہ بیگم زبیدہ خاتون جو ابو حفص منصور کی پوتی تھی اس کا وکیل یعنی جاگیر کا گماشتہ ایک مجوسی (پارسی نٹھا) اس نے کسی خراسانی سے تیس ہزار درم میں چند اونٹ خریدے لیکن دام ادا کرنے میں لیت و لعل کر رہا تھا آخر جب کافی تاخیر ہو گئی تو خراسانی نے حفص بن غیاث کے اجلاس میں دعویٰ دائر کر دیا قصہ تو طویل ہے حال یہ ہے کہ پارسی نے قاضی صاحب کے سامنے اقرار کر لیا کہ اس کے دام باقی ہیں تب قاضی صاحب نے کہا کہ جب دام باقی ہیں تو ادا کرو۔ اس پر پارسی نے کہا کہ میں تو زبیدہ خاتون کا وکیل مطالبہ سیدہ (زبیدہ) سے کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ تم عجیب بے وقوف آدمی ہو ابھی تم نے اقرار کیا کہ دام مجھ پر باقی ہیں اور جب مطالبہ کیا جاتا ہے تو سیدہ کا نام لیتے ہو تب مدعی یعنی خراسانی کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو اس نے کہا کہ میرے دام دلائے جائیں ورنہ اس کو قید کیا جائے۔ پارسی سے پوچھا گیا کہ اب تم کیا کہتے ہو اس نے پھر وہی دہرا دیا کہ المال علی السیدہ یعنی زبیدہ پر دام واجب ہیں قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اس کو جیل میں داخل کیا جائے پارسی قید ہو گیا اس کا قید ہونا تھا کہ خبر سارے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی زبیدہ خاتون کو جس وقت معلوم ہوا کہ قاضی حفص نے یہ جانتے ہوئے کہ پارسی میرا وکیل ہے اس کو جیل دیدیا آپ نے سے باہر ہو گئی اپنی ڈیوڑھی کے غلام خاص جس کا نام سندھی تھا حکم دیا کہ میرے وکیل کو جیل

بات پر حلف لینا چاہئے کہ ان کے گواہوں نے جو بیان کیا ہے وہ سچا ہے۔

۱۲۔ قرض خواہوں کو اس کا حق اسلامی قانون میں دیا گیا ہے کہ اپنے قرضداروں کو جیل دلا سکتے ہیں ۱۲۔

سے چہرہ کر فوراً میرے پاس حاضر کرو اسندی جیل خانہ پہنچا اس کے حکم سے مرتابی کی مجال کس میں تھی  
 آسانی کے ساتھ چہرہ کرے آیا۔ یہ خبر قاضی حفص کو ملی یہ بھی امام ابوحنیفہ کے تربیت یافتہ قاضی تھے۔  
 بوسے یا تو پاریسی زبیدہ کا وکیل جیل واپس کیا جائے گا ورنہ قضا کے اجلاس میں آئندہ میں بیٹھنے سے باز آیا  
 یہ خبر سندی کو ملی۔ اس نے خیال کیا کہ ساری مصیبت میرے سر پر ٹوٹے گی روتا دھوتا  
 زبیدہ کے پاس پہنچا اور بولا کہ۔

”حضور! یہ قاضی حفص کا معاملہ ہے امیر المومنین (یعنی ہارون) اگر مجھ سے  
 پوچھ بیٹھے کہ قاضی نے جسے جیل میں داخل کیا تھا۔ تو نے کس کے حکم سے اس کو جیل  
 سے باہر نکالا تو میں کیا جواب دوں گا میرے لئے تو قیامت ہی برپا ہو جائے گی۔“  
 اور گڑگڑا کر زبیدہ سے کہنے لگا کہ۔

”اس وقت اس پاریسی کو جیل واپس کر دینے کی اجازت دیجئے میں قاضی حفص  
 کو سمجھا بچھا کر اس کو رہائی دلا دوں گا“

زبیدہ کو سندی بے چارے کے حال پر رحم آگیا اور اجازت دے دی کہ اچھا اسے جیل میں واپس کر دو  
 وہ تو خیر جیل میں پہر واپس ہو گیا لیکن اتنے میں ہارون زبیدہ کے پاس آیا دیکھنے کے ساتھ زبیدہ نے  
 کہنا شروع کیا

”ہارون! تمہارا یہ قاضی بڑا حق آدمی ہے میرے وکیل کو اس نے جیل دیدیا  
 میری اس نے سخت تحقیر کی میں چاہتی ہوں کہ قضا کے عہدے سے اسکو معزول کر دو“  
 ہارون سخت کش کش میں مبتلا ہو گیا زبیدہ کی کبیدگی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی آخر کچھ سوچ کر  
 قاضی حفص کے نام حکم لکھوایا جس کا حاصل یہی تھا کہ اس پاریسی کے معاملہ سے درگزر کیجئے ابھی ہارون یہ حکم  
 لکھوایا تھا کہ قاضی حفص کے گوندوں نے ان تک خبر پہنچائی کہ خلیفہ کا حکم اس نوعیت کا آرہا ہے قاضی صاحب  
 نے یہ سن کر خراسانی کو کہا کہ فوراً اپنے گواہ میرے سامنے پیش کر دو تا کہ خلیفہ کے حکم کے وصول ہونے سے  
 پہلے میں اسی پاریسی پر تمہارے بقایا کا فیصلہ کر کے عدالت کی ہر لگا دوں۔ یہی کیا گیا۔ قاضی صاحب کے فیصلہ  
 پر ہر لگ ہی رہی تھی کہ خلیفہ کا حکم لے کر آدمی قاضی صاحب کے پاس آگیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ یہ امیر المومنین  
 کا فرمان ہے لیکن قاضی حفص نے کہا کہ ٹھہرو ایک کام کر رہا ہوں اس سے فارغ ہو جاؤں تب اس فرمان  
 کو پڑھتا ہوں فرمان لانے والا بار بار کہتا تھا کہ امیر المومنین کا فرمان ہے اور قاضی صاحب کہتے تھے کہ ٹھہرو  
 میں کام سے فارغ ہوں بہر حال اس عرصے میں میں باضابطہ عدالت کی ہر وغیرہ فیصلہ پر مثبت ہو گئی  
 تب فرمان لے کر قاضی صاحب نے پڑھا پڑھ کر فرمان لانے والے سے کہا کہ

”امیر المومنین سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ فرمان سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا“

فرمان لانے والے نے کہا کہ آپ نے جو کارروائی کی ہے میں اسے دیکھ رہا تھا یعنی قصداً فیصلہ سے پہلے فرمان  
 کے لینے سے تم نے گریز کیا میں امیر المومنین کے گوش گزار اس واقعہ کو کروں گا قاضی صاحب نے کہا کہ تیرے جو جی



میں آئے کہ دنیا آدمی ہارون کے پاس واپس ہوا اور جو واقعہ تھا اس کی رپورٹ کی اور کہہ دیا کہ قاضی نے فیصلہ کی تکمیل سے پہلے فرمان سینے سے گریز کیا۔

لیکن لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ قاضی حفص کے اس طرز عمل کی خبر سے بجائے برا فروختہ ہونے کے دیکھا گیا کہ ہارون ہنس رہا ہے اور صرف ہنسنے ہی پر بات ختم نہیں ہو گئی ساتھ ہی ہارون نے حاجب کو خطاب کر کے کہا۔

”دو تیس ہزار درم کے توڑے ابھی قاضی حفص کی خدمت میں روانہ کرو“

ہارون کا وزیر یحییٰ بن خالد برمکی جو دربار میں موجود تھا اور اس کو اس کی خبر نہیں تھی کہ خلیفہ نے قاضی صاحب کو کیا لکھا تھا اس کا جواب کیا آیا۔ صرف اتنا دیکھا کہ ہارون نے تیس ہزار درم کے انعام کا حکم قاضی کے لئے دیا ہے اور بار سے اٹھ کر قاضی صاحب کے پاس یحییٰ پہنچا اور پوچھا کہ آج آپ نے کیا کیا جس پر امیر المؤمنین اتنے خوش ہوئے قاضی حفص نے کہا کہ بھائی! میں نے اس کے سوا تو اور کچھ نہیں کیا ہے کہ مجوسی پر جو دعویٰ کیا گیا تھا دعویٰ چونکہ صحیح تھا اس لئے مدعی کے منشاء کے مطابق میں نے فیصلہ کر دیا ہے، زبیدہ کو قاضی حفص اور ہارون دونوں کے طریقہ کار کی جب خبر ملی تو آگ بگولا ہو گئی۔ ہارون جب اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ غصہ سے کانپ رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ

”اب نہ میں تمہارے لئے ہوں اور نہ تم ہمارے لئے جب تک کہ قاضی حفص کو تم قضا سے برطرف نہیں کرتے“

لیکن ہارون پر بھی اس وقت خلافت کا نشہ چڑھا ہوا تھا گویا جہانگیر کی طرف نور جہاں کے متعلق یہ فقرہ جو منسوب ہے کہ اسی قسم کے ایک واقعہ میں نور جہاں سے اس نے کہا تھا کہ ”جاناں بتو جان دادہ ام ایماں نہ دادہ ام“ آج ہارون بھی قریب قریب ان ہی الفاظ یا ان کے مفہوم کو زبیدہ کے سامنے دہرا رہا تھا۔ زبیدہ تارگئی کہ اب ناز سے کام نہیں چلے گا اپنی سبکی اور خفت کو مٹانے کے لئے اس نے نیاز مندی سے کام لینا شروع کیا۔ اور خوشامد برآمد کر کے ہارون کو اس پر راضی کر لیا کہ کم از کم اس قاضی کا تبادلہ کر دیا جائے۔ ہارون نے اس کو منظور کر لیا اور بجائے بغداد کے قاضی حفص اپنے وطن کوفہ کی قضا پر منتقل کر دے گئے (خطیب ص ۱۹۲ ج ۸)

اور یہ قصہ تو اس وقت کے ہیں جب تک قاضی ابو یوسف قاضی القضاة مقرر نہیں ہوئے تھے ان کے قاضی القضاة ہونے کے بعد حکومت اور قانون میں جو تعلق پیدا ہو گیا تھا آج بھی ان قصوں کو سن کر حیرت ہوتی ہے ایک بری رسم جس کی بنیاد بنی امیہ کے سلاطین کے زمانہ سے پڑ گئی تھی آخر بہ تدریج اس پر قابو حاصل کرتے ہوئے اسلامی قضاة قوت و اقتدار کے کس مقام تک پہنچ گئے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کے وزیر کو مردود الشہادت قرار دیا یعنی کسی مقدمہ میں وزیر نے گواہی دی تھی لیکن خلیفہ کی حکومت کا جو سب سے بڑا آدمی تھا ابو یوسف کے اجلاس سے اس کو سنایا گیا کہ تمہاری شہادت قابل قبول نہیں ہو سکتی وزیر اپنی اس توہین کو دیکھ کر قاضی صاحب کے اجلاس سے سیدھا

خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور قاضی ابو یوسف کے اس برتاؤ کی شکایت کی کہتے ہیں کہ وزیر کی اس شکایت پر ہارون نے قاضی ابو یوسف کو بلا کر دریافت کیا کہ اس بے چارے کو آپ نے مروود الشہادۃ کیوں قرار دیا۔ روایتیں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے خود اپنے کانوں سے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”میں تو خلیفہ کا عبد اور بندہ یا غلام ہوں“ اور بعض روایتوں میں ہے کہ قاضی صاحب نے اس پر یہ جرح کی کہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا اور ایسے آدمی کی شہادت میں قبول نہیں کر سکتا اگر دوسرا زمانہ ہوتا تو حکومت کے وقار کے اس صدمہ ہی کا برداشت کرنا مشکل تھا لیکن ہارون نے قاضی صاحب کے جواب کو خاموشی کے ساتھ سنے۔ سو اجہاں تک راویوں کا بیان ہے اور کچھ نہیں کہا بلکہ آگے ان ہی روایتوں میں جو اضافہ پایا جاتا ہے کہ وزیر نے اپنی ڈیوٹی کے صحن میں مسجد تعمیر کی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا پابند ہو گیا میں تو خیالی کرتا ہوں کہ ہارون ہی کے اشارے سے اگر یہ ہوا ہو تو کچھ تعجب نہیں ص ۲۲ ج ۲

اور یہ تو خیر وزیر ہی کا قصہ ہے قانون کی قوت ہارون کے زمانہ تک اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ خلیفہ کی طرف سے نہیں بلکہ قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ خود ان کی کمزوری کی وجہ سے جب اس واقعہ کا خیال آجاتا تو تکلیف ہوتی رہتی قصہ وہ بھی ایک باغ ہی کا تھا ہارون ارشید کے قبضے میں ایک باغ تھا قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ سواد کے ایک بوڑھے کسان نے دعویٰ کیا کہ باغ اس کا ہے جس پر خلیفہ غاصبانہ قبضہ کے ہوئے ہیں یہ دعویٰ اس دن پیش ہوا جس دن خود ہارون انصاف کیلئے اجلاس کیا کرتا تھا۔ اور لوگوں کے بیانات قاضی ابو یوسف خلیفہ کے سامنے پیش کرتے تھے اسی سلسلہ میں اس بڑھے کسان نے بھی قاضی ابو یوسف کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا قاضی صاحب نے چاہا کہ بجائے ہارون کے باغ کی ملازموں کی طرف اس کے دعویٰ کو رجوع کر دیں لیکن بڑھے کو اصرار تھا کہ براہ راست غصب کی یہ کارروائی امیر المومنین ہی نے کی ہے۔ قاضی صاحب نے ہارون کے سامنے یہی بیان کر دیا کہ آپ ہی پر وہ دعویٰ باغ کے متعلق کر رہا ہے۔ اسی کے ساتھ کہا کہ حکم ہو تو سامنے دھر کیا جائے ہارون نے کہا کہ ہاں! لایئے بڑھا سامنے آیا۔ قاضی صاحب نے پھر پوچھا کہ تیرا کیا دعویٰ ہے۔ ہارون کی نشست کرسی پر تھی بازو میں عیسیٰ بن خالد برکی وزیر دوسری کرسی پر تھا بڑھے نے کہا کہ امیر المومنین پر میرا دعویٰ ہے

۱۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی خوشامدی امیروں میں کچھ یہ دستور بھی چل پڑا تھا کہ خلیفہ وقت کا اپنے آپ کو عبد اور بندہ کہتے تھے دراصل یہ لوگ بے چارے خلیفہ کے بندے تو کیا ہوتے تھے درحقیقت اس درم و دنیا کے بندے ہوتے تھے جو خلیفہ کے خزانے میں تھے بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف ہر اس امیر کو مروود الشہادۃ قرار دیتے تھے جس کے متعلق ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ تو وزیر کا قصہ ہے مناقب کی ان ہی کتابوں میں ایک فوجی افسر کے متعلق بھی لکھا ہے کہ اسی عبد الخلیفہ کے قول کی بنیاد پر اس کی شہادت قاضی ابو یوسف نے مسرور کر دی تھی ۱۲ دیکھو مرقی ضعیف جلد ۲



میرے باغ پر ناحق انہوں نے قبضہ کر لیا ہے، قاضی ابو یوسف نے بڑھے سے کہا کہ تیرے پاس کوئی دلیل بھی ہے گواہ پیش کر سکتا ہے، اس نے کہا کہ امیر المومنین سے قسم لیجئے بس یہی میری دلیل ہے، قاضی صاحب نے ہارون سے کہا کہ آپ کو قسم کھانا چاہیے ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ میرے والد (مدی) نے یہ باغ مجھ کو عطا کیا ہے اور اسکا میں مالک ہوں اسی بنیاد پر میں اس پر قابض ہوں ہارون کی زبان سے قسم سن کر بڑھا بہہ کھتا ہوا کہ جیسے کوئی ستویں چائے اس شخص نے قسم کھالی، ایک معمولی رعیت کی زبان سے یہ سن کر ہارون کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن یحییٰ بن خالد نے فوراً قاضی ابو یوسف کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا دو یعقوب! اس انصاف اور عدالت کی نظیر دنیا میں مل سکتی ہے ایک معمولی رعیت کے ساتھ تم نے دیکھا امیر المومنین نے کیا برتاؤ کیا؟

قاضی ابو یوسف نے بھی کہا سبحان اللہ کیا کہنے مگر اسی کے ساتھ قاضی ابو یوسف نے اتنا اضافہ کیا کہ ”انصاف سے چارہ ہی تو نہ تھا“ اس پر یحییٰ نے کہا کہ فاروق سے اس قسم کے انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے ان دونوں کی گفتگو نے ہارون کے دل سے اس بار کو اتار دیا جو غصہ کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا حکومت نے قانون کے سامنے اپنے آپ کو کس حد تک جھکا دیا تھا۔ یہ تو خیر بجائے خود سے میں یہ ذکر کرنا چاہتا تھا کہ قاضی ابو یوسف اس قصے کو بیان کر کے آخر میں یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ:-

”اس مجلس کے واقعہ کا جب کہی خیال آجاتا ہے۔ تو اپنے اندر سخت کوفت محسوس کرتا ہوں اور ڈر معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کے حق کے ادا کرنے میں مجھ سے جو کوتاہی ہوتی ہے اس کا خدا کو کیا جواب دوں گا“

لوگ پوچھتے کہ آپ نے بہلا انصاف میں کوتاہی کیا کی اس سے زیادہ آپ کے اختیار ہی میں کیا تھا یعنی ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر آپ نے مجبور کیا اور اس کو قسم کھانی پڑی) قاضی ابو یوسف جواب میں کہتے کہ تم لوگوں نے سمجھا نہیں کہ مجھے تکلیف کس خیال سے ہوتی ہے لوگ کہتے کہ آخرا ب باقی ہی کیا رہ گیا تھا جس کا آپ کو اتنا خیال ہے تب قاضی صاحب بڑے افسوس کے لہجہ میں کہتے کہ بھائی! امیر المومنین سے میں یہ نہ کہہ سکا کہ کرسی سے اتر جائے۔ جسے آپ کا فریق زمین پر کھڑا ہے آپ بھی زمین ہی پر کھڑے ہو جائیے۔ یا اس کے لئے بھی کرسی منگوائیے لیکن افسوس کہ میں یہ نہ کہہ سکا ج ۲ آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہی قاضی ابو یوسف ہیں یا ہادی کے زمانہ میں ان ہی کا حال یہ تھا کہ ابن ابی کبیلہ کے فتویٰ کی پناہ میں خلیفہ سے حقدار تک حق کے پونجانے میں کامیابی حاصل کر کے تھے یعنی صاف صاف کھرے الفاظ میں ہادی سے یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ انصافاً باغ اسی کا ہے جس نے دعویٰ کیا ہے لیکن رفتہ رفتہ قانون کی اقتداری قوت ہارون کی ذہنی ارتقار کی اس منزل تک پہنچ گئی کہ ہارون اور ایک معمولی کسان کی نشست میں مساوات کے نہ پیدا کرنے کا عمر بھران کو افسوس رہا ظاہر ہے کہ افسوس یا حیرت ان کے اسی توقع پر مبنی ہو سکتی ہے کہ ہارون کو اگر توجہ دلائی جاتی تو قاضی ابو یوسف کو امید تھی کہ خلیفہ اسلامی مساوات کے اس حکم کے سامنے سر جھکا دیتا۔

صحیح تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ نے قاضی ہونے کے بعد جس قسم کے تجربات خلفاء  
 کو دے رہے تھے ان کے بعد لوگوں میں شریعت کے قوانین کا اتنا احترام اگر پیدا ہو گیا تھا تو اس پر  
 تعجب نہ کرنا چاہیے ہارون الرشید ہی کا زمانہ ہے۔ قاضی عافیہ آدمی جن کا ذکر مختلف جہتوں سے  
 گزر چکا ہے یعنی امام ابوحنیفہ کی مجلس وضع قوانین کے مشہور رکن جن کے متعلق امام کی روایت تھی کہ ان  
 کو دکھانے بغیر کوئی فیصلہ کتاب میں درج نہ کیا جائے بہر حال یہی قاضی عافیہ بغداد کے قاضی تھے۔  
 کسی مقدمہ میں ایک فریق نے قاضی صاحب کے خلاف خلیفہ یعنی ہارون کے دربار میں بے جا پاس داری کی  
 شکایت پہنچائی شکایت کرنے والا کوئی بڑا آدمی تھا خطیب کی روایت ہے کہ قاضی عافیہ کا یہ طرز عمل  
 ہارون کو سخت ناگوار گذرا اور فرمان صادر ہوا کہ قاضی صاحب کو دربار خلافت میں حاضر ہونے کا حکم دیا  
 جائے قاضی عافیہ حاضر ہوئے ابھی اصل معاملہ پر گفتگو کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ اسی عرصے میں ہارون  
 کو چھنک آئی۔ چھنک کا آنا تھا کہ ”رحمک اللہ رحمک اللہ“ کی دعا سے دربار گونج اٹھا اور مطلقاً  
 چھنک کے موقع پر یہ دعا جو دی جاتی ہے اس کا نام تشمیت ہے جیسا کہ عام طور پر مسلمان جانتے  
 ہیں کہ چھنک آنے کے بعد منوں ہے کہ جسے چھنک آئی ہو وہ الحمد للہ کہے تب چاہیے کہ منے والے  
 رحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کے ساتھ اس کو جواب دیں لیکن ہارون نے الحمد للہ نہیں کہا تھا مگر  
 دربار کے خوشامدیوں کو اس کی کیا ضرورت تھی۔ امیر المؤمنین کی چھنک ہی رحمک اللہ کہنے کے لئے کافی  
 تھی ہارون نے دیکھا کہ سارے درباریوں نے تو تشمیت کی لیکن قاضی عافیہ چپ بیٹھے رہے اس لئے  
 پوچھا کہ کیوں قاضی صاحب سبھوں نے تو تشمیت کی آپ کیوں چپ رہے بے محابا قاضی عافیہ نے جواب  
 دیا کہ آپ نے الحمد للہ کہا تھا جو میں رحمک اللہ کہتا ساتھ ہی انہوں نے ایک حدیث بھی سناوا کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں دو صاحبوں کو چھنک آئی جن میں ایک صاحب کی تشمیت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور دوسرے صاحب کی تشمیت نہیں کی گئی انہوں نے دریافت کیا  
 کہ یا رسول اللہ اس شخص کو تو آپ نے رحمک اللہ کی دعا دی اور مجھے محروم رکھا گیا جواب میں رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے الحمد للہ کہا تھا اس لئے ان کو رحمک اللہ کہا گیا تم نے الحمد للہ  
 نہیں کہا میں نے بھی کچھ نہیں کہا ہارون قاضی عافیہ کے جواب کو سن رہا تھا۔ بات ان کی جب ختم ہوئی  
 ہارون نے کہا کہ

”جائیے جائیے آپ اپنا کام قضا کا جا کر کیجئے بہلا میری چھنک کے ساتھ جو کسی  
 اور رعایت پر آمادہ نہیں ہو سکتا وہ کسی دوسرے کی پاس داری فیصلہ میں کیا کہے گا“

یہ تو قاضی صاحب سے ہارون نے کہا اور جس شخص نے ان کی شکایت کی تھی اور دربار میں  
 جن لوگوں نے اس کی حمایت کی تھی سب کی سرزنش کی گئی ص ۳۹ ج ۸ تاریخ بغداد

امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ممالک محروسہ عباسیہ کے طول و عرض  
 کی عدالتوں میں عموماً ان کے تلامذہ کا قضا کے عہدے پر تقرر کیا گیا تھا۔ تقریباً ہر ایک سے ناگوار



بھی اور صوبہ کے ولایت و حکام کو بھی اس قسم کے تجربے آئے دن ہوتے رہتے تھے اور بھی میں کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے کردار کے وہ لازمی نتائج تھے حکومت ان لوگوں کے سامنے اگر نہ جھکتی تو کرتی کیا!

ہارون کے عہد تک قانون اور شریعت کا پنچہ حکومت کے مقابلہ میں کتنا مضبوط ہو چکا تھا قطع نظر ان تاریخی تصریحات کے میں تو کہتا ہوں کہ قاضی ابو یوسف کی مشہور کتاب "کتاب الخراج" کے ویساچے کی عبارت کا لب و لہجہ بھی اس کے اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے یہ تو ایسی قطعی شہادت ہے جس میں اس نام کے شکوک و شہادت کی بھی گنجائش نہیں جو عموماً تاریخی روایتوں کے متعلق دلوں میں پیدا ہوتے ہیں یہ ویساچے جو تقریباً سترہ اٹھارہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے ظاہر ہے کہ سب کے نقل کرنے کی یہاں کیا گنجائش ہے لیکن مثلاً ابتداء کے چند فقروں کا ترجمہ درج کر دیتا ہوں، اندازہ کے لئے انشاء اللہ یہی کافی ہوں گے۔

یہ تو شاید لوگوں کو معلوم ہوگا کہ قاضی ابو یوسف نے ہارون کے حکم سے اس کتاب میں مالگوازی اور خراج کی تحصیل وصول و مصارف وغیرہ کے شرعی قوانین مدون کر دیے ہیں یہ لکھنے کے بعد کہ آپ نے مجھ سے جو یہ خواہش کی ہے کہ حکومت کی آمدنی اور اس کے مختلف اقسام کے متعلق ایک جابج کتاب لکھ دوں اسی کی تحصیل کر رہا ہوں قاضی ابو یوسف نے ہارون کو خطاب کر کے لکھا ہے

"امیر المؤمنین! خدا کا شکر ہے کہ ایک بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی گئی ہے جس کا ثواب بھی تمام ثوابوں میں بڑا ہے، لیکن اس کی سزا بھی تمام سزاؤں سے بدتر اور سخت ہے، آپ کے سپرد اس امت (مسلمانوں) کے معاملات کئے گئے ہیں، آپ ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں کہ خدا کی بے شمار مخلوق کے حقوق کی بنیادوں کو مستحکم کریں، آپ ان کے امین ہیں اور اس ذمہ داری کو آپ پر عائد کر کے خدا آپ کی آزمائش کر رہا ہے"

میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدا کے ڈر پر جس تعمیر کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اس کے متعلق ڈرتے رہنا چاہیے کہ کس وقت قدرت اس کو اونڈھے منہ گرا دیتی ہے

پہرہ بیت سی نصیحتوں کے ساتھ بیچ بیچ میں لکھتے چلے گئے ہیں

قیامت کے دن وہی حکمران سب سے زیادہ خوش بخت ثابت ہوگا جس نے اپنی رعیت کو خوش حال رکھنے کی کوشش کی دیکھئے آپ جاوہ مستقیم سے اگر ہٹے تو رعیت بھی آپ کی مٹ جائے گی.... دنیا اور دین میں جب کشمکش کی صورت پیش آئے تو چاہئے کہ آپ دین کے پہلو کو ترجیح دیں کہ وہی باقی رہنے والی چیز ہے

پہر قیامت کے میدان کا نقشہ پیش کر کے اور حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کا حوالہ دیتے ہوئے ان کو کہتے ہیں:-

پس چاہیے کہ خدا سے آپ کی ملاقات ایسی حالت میں نہ ہو کہ آپ ان لوگوں کی راہ پر چلے ہوں جنہوں نے اس کے مقررہ حدود کی پروا نہ کی ہر شخص کو اپنے عمل کا بدلہ ملے گا دنیا میں اس کا کیا مقام تھا اس کی پروا اس وقت نہیں کی جائے گی۔

پھر حال اس قسم کی باتوں کے ساتھ ہارون سے قاضی صاحب نے مطالبہ کیا ہے کہ لوگوں کے متعلق آپ کو چاہیے کہ خدا کے قانون کے لحاظ سے سب برابر ہوں خواہ آپ کے قریب ہوں یا آپ سے دور ہوں ملامت کرنے والوں کی پروا نہ کرنی چاہیے۔

اور کتاب کے مضامین کے شروع کرنے سے پہلے لکھا ہے

آپ نے جو حکم دیا تھا میں نے اسی کے مطابق کتاب لکھ دی ہے اور آپ کے لئے ساری باتوں کی شرح جیسی کہ چاہیے میں نے کر دی ہے اب یہ آپ کا کام ہے کہ ان کو سمجھئے غور کیجئے اور بار بار اس کا مطالعہ کیجئے تاکہ کتاب آپ کو یاد ہو جائے میں نے آپ کی اور مسلمانوں کی بھی خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے

صحیح پوچھیے تو قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج اور اس کتاب کے طرز خطاب کو دیکھنے کے بعد حنفی فقہ کے مورخین کی ان روایتوں میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی شہزادوں کو دوسرے علوم و فنون کے ساتھ فقہ حنفی کی باضابطہ استدلالی رنگ میں تعلیم دی جاتی تھی اور کسی تعلیم؟ وہی نفرین شمیل جن کا پہلے ہی ذکر آچکا ہے مرویونچنے کے بعد اور مامون جو اس زمانے میں اپنے والد ہارون کی طرف سے خراسان کے والی ہونے کی حیثیت سے مرو میں مقیم تھا اس کے دربار میں نفرین نے اقتدار و سرور جو حاصل کر لیا تھا اپنے اس اقتدار سے وہ چاہتے تھے کہ حکومت میں حنفی فقہ اور فقہاء کا جو اثر ہے اس کو کسی طرح ختم کر دیا جائے مرو کے مقامی علماء کی ایک جماعت جو حنفیوں سے ناراض تھی وہ اس ہم میں نفر کے ساتھ ہو گئی تھی مامون کو حنفی فقہ کی اس مخالفت نے تخریک کا جب علم ہوا تو اس نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کرنا چاہا کہتے ہیں کہ دربار میں دونوں فریق کے علماء جمع تھے مامون نے نفرین شمیل کی طرف خطاب کر کے پوچھا کہ حنفی فقہ کے ساتھ آخر آپ لوگوں کے اس مخالفت طرز عمل کی وجہ کیا ہے خود نفر تو کچھ جواب نہ دیکے لیکن ان کے ایک ہم خیال عالم احمد بن زہیر نے عرض کیا کہ مجھے حکم ہو تو کچھ عرض کروں مامون نے کہا کہ یہ تو میں پوچھنا چاہتا ہوں احمد بن زہیر نے وہی پرانی بات کہ ابو حنیفہ کی فقہ میں فلاں فلاں مسائل ایسے ہیں جن میں صراحتہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی گئی ہے مامون نے پوچھا کہ تم نے کیسے سمجھا کہ کتاب اللہ سنت رسول اللہ کی ان مسائل میں خلاف ورزی کی گئی ہے احمد سے یہ کہنے کے بعد مامون نے قاضی خالد بن صبح حنفی جو وہیں دربار میں بیٹھے تھے ان سے دریافت کیا کہ اچھا آپ بتائیے اس مسئلہ میں جس کا احمد نے ذکر کیا ہے امام ابو حنیفہ کا کیا فتویٰ ہے جو فتویٰ تھا قاضی صبح نے بیان کیا احمد بن زہیر نے سن کر کہا کہ لیجئے اسی مسئلہ میں سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے



تو یہ فرمایا ہے اور ابو حنیفہ نے بالکل اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے احمد بن زہیر کی بات جب  
 حتم ہو گئی تو بجائے قاضی خالد کے خود مامون احمد کی طرف متوجہ ہوا ایک ہی حدیث نہیں بلکہ لکھا ہیکہ  
 جعل المامون یبحث الابی حنیفۃ ابو حنیفہ کی تائید میں ایسی چند حدیثیں دلیل میں  
 باحادیث لبرکین یوفہا دھولاً مامون پیش کرنے لگا جن سے مخالف جماعت کے  
 لوگ ناواقف تھے لہ

ص ۵۶ ج ۲

اور ایک ہی مسئلہ نہیں بلکہ جس جس مسئلہ کے متعلق مخالف فریق کا الزام تھا کہ اس میں قرآن  
 و حدیث کی مخالفت کی گئی ہے مامون پوچھتا جاتا تھا اور امام ابو حنیفہ کی تائید میں دلیلیں پیش کرتا جاتا  
 تھا جب اس قسم کے مسائل کی کافی مقدار پر بحث ہو چکی تو جیسا کہ بیان کیا گیا ہے  
 فلما اکثر وامن هذا قال المامون جب اس قسم کے مسائل پر کافی بحث ہو چکی تب مامون  
 لو وجدنا لا مخالفاً لکتاب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر حنفی فقہ کو ہم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ  
 و سنتہ رسولہ صلی اللہ علیہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف پاتے تو دستور العمل  
 سلما استعملنا ص ۵۶ ج ۲ کی حیثیت سے ہم اس کو قطعاً اختیار نہیں کرتے۔

لکھا ہے کہ ان الفاظ کے بعد اور ان کی جماعت کی طرف خطاب کر کے مامون نے کہا  
 خبردار! آئندہ پھر اس قسم کی حرکت کی جرأت تم میں کوئی نہ کرے اگر تمہاری جماعت  
 میں اس وقت یہ شیخ یعنی نصر بن شعیب انہ ہوتے تو تم میں ہر ایک کو میں اسی منزل  
 دیتا جسے تم کہہ رہے ہو نہیں سکتے تھے ص ۵۶

بہر حال بجائے خود قصہ کی نوعیت جو کچھ بھی ہو میں تو اس نتیجے پر یقیناً کرنا چاہتا ہوں جو  
 اس تاریخی بیان سے پیدا ہوتا ہے خیال کرنے کی بات ہے کہ مامون سے گفتگو جن لوگوں سے ہو رہی

لہ حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بادشاہوں اور شاہزادوں کے علم کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے محدثین  
 اور فقہار بھی ان معلومات سے محروم تھے اور یہ کیفیت تو مامون کے دینی علم کی تھی عقلی علوم و فنون سے اسکی  
 دل چسپیوں کا جو حال تھا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ آج ایک اقلیدس کی ایک مستقل شکل مامون کے نام سے موسوم ہے  
 اور کسی جگہ تو نظر سے یہ بات نہیں گزری ہے لیکن الجمع العلمی شام کی طرف سے جو محاضرات (لکچرز) شائع ہوئے  
 ہیں ان ہی لکچروں میں ایک لکچر میں بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید کے علاوہ اپنی ماوری زبان کے یونانی  
 جبر و عبرانی (فارسی زبانوں میں بھی دستگاہ حاصل تھی اور دل چسپ بیان اسی محقق کا یہ بھی ہے کہ وہ ہندی  
 وغالباً سنسکرت) زبان بھی جانتا تھا ص ۱۳۳ محاضرات الجمع العلمی دمشق الشام موفی کی اسی کتاب میں ہے کہ  
 اپنے ایام خلافت میں مامون الرشید کا قاعدہ تھا کہ اس کے دربار میں سو آدمی ہمیشہ ایسے ہوتے تھے جن کا فقہ  
 میں پابہ بہت بلند ہوتا تھا کوئی ان میں جب مرجاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرے فقیہ کا تقرر کر دیا جاتا تھا لیکن مسائل  
 کی تحقیق کے وقت ثابت ہوتا تھا کہ ان تمام فقیہوں میں سے بڑا فقیہ خود مامون ہے ص ۵۶ ج ۲

تھی ان میں نفرن شمل جیسے وسیع معلومات والے آدمی بھی تھے اور ان کو بھی جانے دیجئے کیونکہ ان پر حدیث و قرآن سے زیادہ ادب و شعر کا مذاق غالب تھا حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ احمد بن حنبل جنہوں نے اجازت لے کر مامون سے گفتگو شروع کی تھی ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہے خطیب نے لکھا ہے کہ:-

كان ثقة عالماً متقناً حافظاً بصيراً ۱۶۲ بڑے معتبر محتاط عالم اور حافظ حدیث تھے علم حدیث میں ان کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے ممتاز تلامذہ میں لوگوں نے انکو داخل کیا ہے ان کی تاریخ میں ایک مشہور کتاب بھی ہے جس کے متعلق خطیب کا بیان ہے کہ

” میں جن کتابوں کو جانتا ہوں ان میں تاریخ کی اس کتاب سے جیسے اس شخص نے تصنیف کی ہے کوئی ایسی دوسری کتاب ان فوائد پر مشتمل نہیں پائی جو اس کتاب کی خصوصیت ہے ص ۱۶۲ ج ۲

مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ فقہ حنفی کے مسائل جن آثار و احادیث پر مبنی ہیں مامون الرشید کو جن کی تعلیم دی گئی تھی ان سے ابن زہیر بھی واقف نہ تھے اور یہی میرا مطلب تھا اس دعویٰ سے کہ فقہ حنفی کی عباسی شاہ زاووں کو باضابطہ دلائل و وجوہ کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم دی جاتی تھی اس سلسلہ میں موفق وغیرہ نے بعض دوسری روایتیں بھی نقل کی ہیں لیکن میں ان کو نظر انداز کرتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام نے اپنے بعد اپنی مدونہ فقہ اور اس فقہ کے جاننے والوں کی جو جماعت چھوڑی تھی ان سے حکومت کو مسلسل ایسے تجربات می ہو رہے تھے کہ قدرتا ان تعلقاً کا پیدا ہو جانا ضروری تھا جو اس فقہ کے ساتھ عباسی حکومت کے قائم ہو گئے تھے ایک طرف امام کے تلامذہ کے تجربات کی وہ نوعیت اور دوسری طرف اسی عباسی حکومت اور اس کے حکمرانوں میں دوسری طبقات کے علماء اور فقہاء کے متعلق ایسے احساسات جب پیدا ہو رہے تھے جن کا ایک مشہور نمونہ خود ہارون الرشید کے عہد کا یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف کا جب انتقال ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ قاضی القضاة کا جو عہدہ حکومت میں قائم ہو گیا ہے اس پر کس طبقہ کے عالم کا تقرر کیا جائے قاضی ابو یوسف نے قدرتی طور پر سارے حمالک عباسیہ کی عدالتوں کو اپنے ہم مشرب علماء یعنی حنفی فقہاء کے قاضیوں سے بہر دیا تھا گو خود ہارون فقہ حنفی اور حنفی فقہاء سے متاثر ہو چکا تھا اور اس سے زیادہ اس کا اثر کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے شاہزاوے مامون کو باضابطہ فقہ حنفی کی ایسی تعلیم دلائی تھی کہ بڑے بڑے محدثین کے علم پر مامون کے معلومات برتری حاصل کئے ہوئے تھے۔

لیکن پھر بھی یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی طبقہ اور جماعت کا حکومت میں اتنا غیر معمولی



اقتدار ہارون کو سیاسی مصالحوں کے خلاف معلوم ہوا۔ قاضی ابو یوسف کی زندگی تک تو خاموش رہا لیکن ان کی وفات کو ایک منہم موقہ خیال کر کے ایک ایسے عالم کا اس عہدے کے لئے اس نے انتخاب کیا جس کا نسلی طور خاندان قریش سے تعلق تھا۔ قاضی وہب بن وہب القریشی کی طرف سے جو اپنی کفایت (ابو البختری) کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں خطیب نے بھی اور حنفی طبقات کے مورخین نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ:-

کان الرشید ولی ابی البختری  
 وہب بن وہب قضاء القضاة  
 ہارون رشید نے ابو البختری وہب بن وہب  
 کا قاضی القضاة کے عہدے پر ابو یوسف کے  
 بعد تقرر کیا۔

مگر اس قریشی قاضی سے ہارون کو جو تجربات ہوئے آج تک تاریخ کے اوراق میں وہ محفوظ ہیں ایک وقت نہیں متعدد مواقع ایسے پیش آئے ہیں کہ ہارون کسی کام کو کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے جواز عدم جواز میں اس کو شبہ تھا۔ قاضی وہب نے ہر موقع پر یہ حرکت کی کہ اسی وقت اپنے دماغ سے تراش کر ایسی حدیث ہارون کو سنا دی جس سے اس فعل کا جواز ثابت ہوتا ہو لکھا ہے کہ ہارون دینہ پونچا جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا خطبہ اور امامت کا کام خلفاء بھی انجام دیا کرتے تھے منبر پر خطبہ دینے کے لئے جب ہارون چڑھنے لگا تو معاً اس کو خیال آیا کہ درباری رنگ سیاہ کپڑوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک پر چڑھنا شاذ مناسب نہ ہو وہ رک گیا قاضی وہب نے معاً ایک حدیث گھڑ کر سنا دی کہ:-

” جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اس وقت جبیل کے جسم پر سیاہ قبا تھی کہ میں ٹپکا اور ٹپکے میں خنجر تھا“ ج ۸

گویا جس لباس میں ہارون اس وقت تھا قاضی وہب نے باور کرایا کہ یہ لباس تو جبیل کا تھا ہارون جو خود بھی حدیثوں سے کافی واقفیت رکھتا تھا دل میں سمجھ تو گیا کہ قاضی نے محض میرے خاطر یہ حدیث گھڑی ہے لیکن اس وقت خاموش ہو گیا کچھ دن بعد ہارون بغداد میں کبوتر بازی کرتا تھا اتنے میں قاضی وہب بھی آگے ہارون نے پوچھا کیسے کبوتر بازی کے شوق بھی کوئی روایت آپ کے علم میں ہے۔ یہ محابا اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ:-

” مجھ سے ہشام بن عروہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ہشام سے ان کے والد عروہ روایت کرتے تھے کہ عائشہ صدیقہ نے ان سے یہ بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبوتر بازی فرماتے تھے“ ج ۸

سنا خود براکہ کے ساتھ ہارون نے آخر میں جو سلوک کیا بازاری گویوں کو تو جانے دیجئے لیکن اصلی راز اس کا بھی وہی تھا کہ حکومت کے ہر شعبہ پر آل براکہ کا چھا جانا ہارون کو ایک خطرناک بات معلوم ہوئی ۱۲

اس وقت ہارون اپنے سے باہر ہو گیا اور کہا کہ

”نکل جا بیٹے سامنے سے اگر تیرا نمازانی تعلق قریش سے نہ ہوتا تو تجھے میں معزول کر دیتا۔“  
لہذا اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آئی ہیں کہ وقتی ضرورت سے قاضی وہب کوئی حدیث گھڑ کر بیان کر دیتے لیکن دروغ گورا حافظہ نہ باشد بہول جاتے ہارون نے اس سلسلہ میں ان کی گرفت بھی کی، آخر شرمندہ ہونا پڑا۔

بہر حال قاضی ابو یوسف کے بعد ایک غیر حنفی قاضی القضاة کا تقرر کر کے ہارون الرشید نے چارے پر جو اثر مرتب ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے حنفی قضاة جو اولاً زور زبردستی سے عہدہ قبول کرتے تھے اور جب قبول کریتے تو اپنے کردار اور سیرت کے وہ نمونے پیش کرتے تھے جن کا ذکر قاضی عافیہ قاضی حفص بن غیاث وغیرہ کے سلسلہ میں گذر چکا اور دوسری طرف حنفی قضاة کے متعلق حکومت کے سامنے یہ شہادتیں پیش ہو رہی تھیں جن کی ابتداء حجاج بن ارطاة سے ابو جعفر منصور کے زمانے میں ہوئی اور اختتام ان تجربات کا اسی قاضی وہب بن وہب پر ہوا جس پر خود اس کی زندگی میں ساری علمی دنیا کی طرف سے ملامت کے تیروں کی بارش ہو رہی تھی انتہا پہنچی کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے متعلق لوگوں کا بیان ہے کہ اپنی فطری نرم مزاجی کی وجہ سے صراحت کسی کو کذاب نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لیکن قاضی وہب کی جہالت کذاب بیانی میں اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ حضرت والا بھی اس کو رجل کذاب (سخت جھوٹا آدمی) فرمایا کرتے تھے قاضی وہب کا وطن مدینہ منورہ تھا لکھا ہے کہ بغداد سے رخصت ہو کر جب کبھی مدینہ منورہ جاتے تو اپنی نام برداری کی شرم کی وجہ سے باہر نہیں نکلتے۔ امام مالک نے ایک دن فرمایا بھی شاید کسی

وجہ سے وہ اس مجلس میں موجود تھے کہ

”بعض لوگوں کا یہ کیا حال ہے کہ مدینہ سے باہر جا کر لوگوں کو باہر کراتے پھرتے

میں کہ مجھ سے مدینہ کے عالم جعفر بن محمد یا شام بن عمرو نے یہ بیان کیا وہ بیٹا

کیا لیکن جب مدینہ آتے ہیں تو گھر میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں ص ۲۵۵ خطبہ ۱۲۷

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام کی وفات کے بعد جہاں ان کے تلامذہ ایک اہم آزمائشی مقابلہ کے ایک طبقہ نے حکومت کے محاکم عدل کی ملازمتوں کو قبول کر لیا تھا جن میں بعض تنخواہ لیتے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو بغیر کسی تنخواہ کے کام کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے قاضی قاسم بن معن بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے متعلق لکھا ہے کہ:-

كان قاضيا بالكوفة ولا يأخذ اجرا  
ص ۲۱۲ جواہر  
وہ کوئٹہ کے قاضی تھے لیکن قضا کی تنخواہ نہیں لیتے تھے۔

اور ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا بھی تھا جنہوں نے حکومت کے اصرار شدید پر بھی اپنے



استاذ ہی کے ہر لقیہ کو اختیار کیا، ہم آئندہ ان کا کچھ تذکرہ بھی کریں گے ان ہی لوگوں میں  
 امام محمد بن حسن الشیبانی بھی تھے ایک زمانہ تک ملازمت سے بیہ کنارہ کش رہے اور اپنا سارا  
 وقت امام کی مجلس کے مدونہ قوانین کی تہذیب و ترتیب و تبویب میں خرچ کرتے رہے لکھا  
 ہے کہ ہمارے مسائل اور قوانین کو امام محمد نے چھوٹی بڑی ہزار کتابوں پر تقسیم کر کے مرتب کیا۔ اور  
 اس وقت فقہ کی کتابوں میں کتاب الطہارت کتاب الصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ کے نام سے جو کتابیں  
 پائی جاتی ہیں یہ امام محمد ہی کی کتابوں کی یادگار ہے لیکن ان کتابوں کی ترتیب و تہذیب سے  
 فارغ ہونے کے بعد زندگی کے آخر دنوں میں ہارون الرشید کے محبوب و پسندیدہ شہر رقعہ کی  
 قصارت کا عہدہ انھوں نے قبول کر لیا تھا۔

اسی زمانے میں جب امام محمد رقعہ کے قاضی تھے حکومت عباسیہ کے لئے ایک نئے خطر نے  
 ولیم کے کوسپتائوں سے سراکھایا، قصہ تو طویل ہے حاصل یہ ہے کہ محمد نفس زکیہ کے ایک  
 بھائی جن کا نام یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی علیہم السلام تھا یہ نفس زکیہ کی ہم کی ناکامی  
 کے بعد مختلف علاقوں میں روپوش ہوتے ہوئے بالآخر ولیم پہنچے اور بہ تدریج ایک ایسا اقتدار  
 اس علاقے میں یحییٰ بن عبداللہ نے حاصل کر لیا کہ عباسی حکومت اب ان سے اغماض اختیار نہیں  
 کر سکتی تھی ان کی قوت و طاقت کی جو خبریں ہارون الرشید تک پہنچانی گئی تھیں، طبری نے لکھا  
 ہے کہ ہارون ان سے اتنا متاثر ہوا کہ اس زمانے میں اس نے بنیہ کا استعمال تک کر دیا تھا اور

بنیہ نام محمد کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنے وشل رومیات (یورپین) عورتوں کو جو شرعی کینز ہونے کی حیثیت  
 رکھتی تھیں عربی زبان اور کتابت کی تعلیم دی تھی اور ان کی تدوین و ترتیب کے کام میں ان کا ہاتھ بٹائی تھیں وکھو کروری ص ۱۶  
 یہ ساحل فرات کا ایک شامی شہر ہے حلب سے چاروں کی راہ پر واقع تھا۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ فرات کے  
 بائیں طرف جانب جنوب لب وریا اس کا محل وقوع تھا تجارت کا بڑا مرکز تھا، حران رہا اسی رقعہ کے مفضلاتی شہر  
 تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ بعد میں ہارون کی طبیعت اچھی نہیں رہتی تھی حتیٰ کہ اسی وجہ سے اپنے واوا کے باپ  
 ہوئے اس شہر کو وہ نجا کہتا تھا ص ۱۰ اسی نے زیادہ تر ہارون رقعہ ہی میں رہتا تھا، بعضوں نے اس کی  
 شکایت بھی کی تو معذرت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ بلاشبہ لہذا میرے باپ واوا کی جگہ ہے اور مجھے اس  
 سے نفرت نہیں ہے لیکن میں نے شام کے قریب رقعہ کو اس لئے پسند کیا ہے کہ شام ہی میں بنی امیہ کے شجرہ مطو  
 کی جڑ ہے، نیز اس ملک اور اس کے اطراف میں چوروں ڈاکوؤں کی کثرت ہے، طبری بہر حال ہارون  
 الرشید کے عہد میں رقعہ کو چونکہ بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی اس لئے خصوصی طور پر اس شہر کا قاضی بھی ہارون نے ایک  
 ایسے شخص کو مقرر کیا جن کا درجہ علم و فضل اور تمام دوسرے مقامات میں قاضی ابو یوسف کے بعد امام کے شاگردوں میں دوسرے  
 درجہ پر تھا، اسے لیس روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون نے رقعہ کی قصات پر جب ان کا تقرر کرنا چاہا تو اپنے اٹا  
 کیا قاضی ابو یوسف زندہ تھے ان کو سید بنا کر کوشش کی کہ اس جھگڑے سے حکومت انہیں آزادی رکھے لیکن بائیں نہیں گئی مجبوراً

سخت فکر میں مبتلا ہو گیا بالآخر یہ پاس ہزار کی ایک فوج دے کر فضل بن یحییٰ برکلی کو یحییٰ بن  
 عبداللہ کے مقابلہ کے لئے اس نے روانہ کیا فضل بجائے لڑائی بھڑائی کے صلح جوئی کی  
 تدبیروں سے کام لینے لگا و یلم کے بڑے بڑے لوگوں میں کافی روپیہ اس نے تقسیم کیا اور یحییٰ بن  
 عبداللہ سے خط و کتابت کر کے اس نے ان کو راضی کر لیا کہ خود ہارون الرشید اپنے ہاتھ سے  
 امان نامہ لکھ کر میسر پاس اگر بھیجے گا تو میں اپنے آپ کو ہارون کے حوالہ کروں گا فضل نے  
 ہارون کو اس شرط سے مطلع کیا، دل کی یہی مراد تھی اسی وقت ہارون نے امان نامہ لکھا اور بڑے  
 بڑے علماء اور قاضیوں کے سوا بنی ہاشم کے سربراہ اور وہ بزرگوں کے دستخطوں سے مزین کر کے پیش کیا  
 تحفوں اور ہدایا کے ساتھ اس امان نامہ کو فضل کے پاس روانہ کر دیا۔ یحییٰ بن عبداللہ نے حسب  
 وعدہ اپنے آپ کو فضل کے حوالہ کر دیا اور فضل جیسا چاہیے تھا انتہائی اکرام و تعظیم کے ساتھ  
 اپنے ساتھ لے ہوئے ہارون کی خدمت میں حاضر ہو گیا بڑی گرم جوشی سے ہارون بھی حضرت  
 یحییٰ بن عبداللہ سے ملا اور ان کے رہنے سہنے کا بہترین انتظام اس نے کر دیا طبری نے لکھا، میکہ  
 ان کی ساری ضرورتوں کی براہ راست ہارون خود نگرانی کرتا تھا اور جو وعدہ اس نے کیا تھا اسے  
 پورا کرتا رہا لیکن بعض دراندازوں کی دراندازیوں سے متاثر ہو کر ہارون کی طبیعت حضرت یحییٰ  
 کی طرف سے بتدریج بدل گئی پھر ان کے ساتھ اس نے کیا کیا بڑی طویل داستان ہے میری غرض کا حاضر  
 اس جزو سے تعلق ہے جس کا ذکر علاوہ حنفی مورخین کے طبری نے بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے  
 ہوا یہ کہ جب رفتہ رفتہ ہارون کی سوز مزاجی حضرت یحییٰ سے بڑھے ہوئے اس حد تک  
 پہنچ گئی کہ امان کے عہد نامہ کی خلاف ورزی کر کے ان کے قتل پر آمادہ ہو گیا چاہتا تو اپنے اس  
 ارادہ کو یوں بھی پورا کر سکتا تھا لیکن دین کا خیال یا نطق اللہ کی رسوائی کا خیال کر کے شرعی  
 حیلہ کے نیچے پناہ لینے کے لئے اس نے فقہاء اور قضات کو طلب کیا واقعہ غالباً رقمہ ہی کا ہے جہاں  
 کے امام محمد قاضی تھے اور شاہی کیمپ کے ساتھ قاضی القضاة وہب بن وہب بھی وہیں موجود  
 تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے امام ابو حنیفہ کے ایک اور شاگرد قاضی حسن بن زیاد وہی اس  
 مجلس میں بلائے گئے تھے لیکن طبری کی روایت میں حسن بن زیاد کا ذکر نہیں ہے یہ ظاہر ہے ہاں ان  
 کے رہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں معلوم ہوتی بہر حال طبری نے حضرت یحییٰ برکلی ہارون الرشید کے  
 مشہور وزیر کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ :-

در ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کو اس امان نامہ کے ساتھ جو ان کو لکھ کر دیا گیا

تھا طلب کیا اور محمد بن حسن کو پہلے خطاب کر کے اس نے پوچھا کہ کیا یہ امان نامہ

جو اس شخص کو لکھ کر دیا گیا ہے صحیح ہے؟ (یعنی مجھ پر اس کی پابندی کیا ضروری ہے؟)

امام محمد نے کہا کہ اس کے صحیح ہونے میں کیا شک ہے؟ یقیناً صحیح ہے۔ تب ہارون ان سے جھگڑنے لگا

یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ کے گذشتہ باغیانہ طرز عمل کو پیش کر کے ان کو مجرم قرار دینا



چاہتا تھا غالباً اسی کا جواب تھا جو امام محمد نے ہارون سے کہا۔

وہ میں پوچھتا ہوں کہ حکومت سے باغی ہو کر جس نے جنگ کی ہو لیکن بعد کو تائب  
ہو جائے اور اسے امن دیا جائے تو کیا وہ مومن و محفوظ نہیں ہو جائے گا؟

مطلب یہی تھا کہ امان نامہ کے بعد اگر عہد کی خلاف ورزی یعنی بن عبد اللہ سے ہوئی ہو  
تو بیشک اس وقت گنجائش پیدا ہوتی ہے لیکن امان نامہ سے پہلے کی باتوں کو الزام قرار دینا  
صحیح نہ ہوگا طبری کا بیان ہے۔

دو تائب امام محمد سے رخ پھیر کر ابو بختری یعنی قاضی القضاة وہب بن وہب

کی طرف ہارون متوجہ ہوا اور اسی سوال کو ان پر پیش کیا

قاضی وہب جیسے آدمی تھے وہ اپنے آپ کو شریعت کا نہیں بلکہ ہارون کا ملازم سمجھتے  
تھے انتہائی بے شرمی کے ساتھ اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ

دو یہ امان نامہ مختلف وجوہ سے ٹوٹ چکا ہے جس کی یہ وجہ ہے یہ وہب ہے

طبری میں تو صرف اسی قدر ہے لیکن حنفی مؤرخین نے لکھا ہے کہ

دو قاضی وہب نے اپنے مؤسسہ سے ایکہ چا تو نکالا اور امان نامہ کو اسی سے

چاک کر کے کہنا شروع کیا کہ یہ امان نامہ منسوخ ہو چکا ہے

اور ہارون کو خطاب کر کے کہا کہ

دو آپ اس شخص کو قتل کر دیجئے اس کے خون کو میں اپنی گردن پر لیتا ہوں

طبری نے لکھا ہے کہ ہارون نے

دو قاضی وہب سے یہ سن کر کہا کہ آپ قاضی القضاة ہیں آپ ہی اس مسئلہ کو

زیادہ جان سکتے ہیں اسکے بعد قاضی امان نامہ کو چاک کر دیا اور اس پر تھوک ڈال دیا

واللہ اعلم حنفی مؤرخین کا یہ بیان ہے کہاں تک صحیح ہے کہ ہارون نے اس کے بعد امام محمد

کو غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ

دو تم ہی جیسے لوگوں سے شہر پاپا کر یہ لوگ بناورت پر آمادہ ہوتے ہیں

اور آپ سے باہر ہو کر لکھا ہے کہ دوات جو سامنے رکھی ہوئی تھی اٹھا کر امام محمد کے

منہ پر ہارون نے دے ماری جس سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا ص ۱۶۵ ج ۲

لکھا ہے کہ امام محمد مجلس سے اٹھ کر چلے گئے ان کے ساتھ ان کے شاگرد رشید محمد بن ساعد

۱۲ لکھا ہے کہ قاضی وہب نے جس وقت یہ فتویٰ دیا تو یعنی بن عبد اللہ نے ہارون سے کہنا شروع کیا امیر المؤمنین یہ شخص

جس کا باپ مدینہ میں طبیب تھا اپنی پلچھی تھا آپ اس کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ذرا اس کی پیٹھ کھول کر دیکھیے (دکڑوں) کے نشانوں سے

بھری ہوئی ہے مدینہ کے حمام کے سارے وٹاک اس سے واقف ہیں اور اس وقت کہ زمین کا جو سب سے بڑا قبیلہ اسکے فتوے سے

بھی ساتھ تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا امام محمد چلتے ہوئے روتے جاتے تھے میں نے عرض کیا کہ اللہ کی راہ میں اگر مجروح ہوئے ہیں تو کیا یہ روتے کی بات ہے جو اب میں امام محمد نے کہا کہ

”میں اپنی چوٹ کی وجہ سے نہیں زور ہا ہوں بلکہ اپنی اس کوتاہ ہمتی پر زور ہا ہوں کہ قاضی القضاة جس وقت یہ باتیں بنا رہے تھے اور جن وجوہ سے دعویٰ کر رہے تھے کہ یہ امان نامہ منسوخ اور مسترد ہو چکا ہے مجھ میں اس کی ہمت کیوں نہ ہوئی کہ اس سے میں اس دعویٰ کے دلائل پر بحث کرتا میں اپنی اس زبردلی کی خاموشی پر زور ہا ہوں“ ص ۱۶۲ ج ۲

جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے گو ہارون نے امام محمد کی رائے تسلیم نہیں کی اور وہ ہمیشہ ہی کے فتوے کو اس نے سراہا لیکن قتل کرنے کی ہمت امام محمد کے اختلاف کی وجہ سے اس کو اپنی سخی خطیب نے ہارون کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ۔

”خدا کی قسم اگر میرے نزدیک اس شخص کا قتل جائز ہوتا تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ اور میں تم کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے نہ اس شخص کو خود زہر پڑایا ہے اور نہ کسی دوسرے سے پڑایا ہے“ ص ۱۶۲ ج ۲

اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ظاہر ہارون نے جس طرز عمل کا بھی اظہار غصہ میں کیا ہے لیکن عمل اس نے امام محمد ہی کی رائے پر کیا

بلکہ ان ہی یحییٰ بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن مصعب کے ساتھ ہارون ہی کے دربار میں اس واقعہ کے بعد جو صورت پیش آئی جس کا حال یہ ہے کہ عبد اللہ بن مصعب نے حضرت یحییٰ پر بعض رکبہ انزامات لگائے یحییٰ بن عبد اللہ نے ان کا انکار کیا۔ آخر میں قسم تک بات پہنچی ہارون نے عبد اللہ کو اس قسم پر مجبور کیا جس کا یحییٰ نے مطالبہ کیا تھا اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ابن مصعب اس قسم کے بعد کسی دن یا قیس کے دن مر گیا ان خطیب کا بیان ہے کہ قسم کے اس فوری اثر کا خیال ہارون کو جب کہی آجاتا تو کتنا کہ۔

لا الہ الا اللہ ابن مصعب یحییٰ کا بدلہ کتنا جلد لیا گیا ص ۱۶۲ ج ۲  
کہتے ہیں کہ دربار سے ابن مصعب گھر جا رہا تھا گھوڑے سے گرا اور مر گیا لیکن کہتے ہیں کہ فاج کا حملہ ہوا اور کئی دن بعد مر گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ قاضی وہیب بن وہیب کے متعلق بھی یہی لکھتے ہیں کہ

سقط وصال ص ۲۵۵ خطیب ۱۳  
گرا اور ایک طرف جھک گیا  
اگرچہ قاضی وہیب بن وہیب کے سن وفات میں مورخین کی مختلف رائیں ہیں لیکن یہ ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ مفارقت ہونے کے بعد قضا کے عہد سے ہٹاؤں گئے اور ہارون نے



قاضی ابو یوسف کی وفات کے بعد غیر حنفی قاضی القضاة کا پوچھنا کہ کیا چاہا تھا اس کو قاضی وہب کے ایسے  
تجربات مسلسل ہوتے چلے گئے جس کے بعد قدرتی طور پر ان کی جگہ حنفی قاضی القضاة کے تقرر کو اس نے  
مناسب خیال کیا امام محمد رحمہ اللہ کے قاضی نو پہلے ہی سے تھے۔ اگرچہ بعضوں کا بیان ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ  
طاہی کے قصبے میں ہارون نے غصہ میں ان کو برطرف بھی کر دیا تھا لیکن عرض کر چکا ہوں کہ عمل بہر حال اس  
نے امام محمد ہی کے فتوے کیا۔ قدرتا ایسی حالت میں اس کی نگاہ قاضی وہب کے بعد قاضی القضاة بنانے کے  
لئے امام محمد ہی پر جا سکتی تھی ہو سکتا ہے کہ زبیدہ خاتون کی جس سفارش کا لوگ تذکرہ کرتے ہیں اسی کو حید  
ہارون نے بنا لیا ہو۔ اور دوبارہ دربار میں بلا کر قاضی القضاة کا عہدہ ان کے سپرد کر دیا ان کے  
شاگرد ابن سماعہ کے حوالہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ

ثم قربنا المرشد محمد بن الحسن      پھر ہارون نے محمد بن الحسن کو قرب عطا کیا دربار میں  
بعد ذلك وتقدم عندها وولاه      ان کو برتری حاصل ہوئی اور ہارون نے قضاة القضاة کا  
قضاء القضاء صلح بلوغ الاماني للفعل الكورني      عہدہ ان کے سپرد کیا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کی عمر نے وفات کی اور قاضی القضاة ہونے کے بعد ہارون کے  
ساتھ پہلے سفر میں جو اس نے خراسان کا کیا تھا یہ مقام رہی ان کی وفات ہو گئی اسی لئے امام محمد کے  
قاضی القضاة ہونے کے واقعہ نے زیادہ شہرت حاصل نہ کی تاہم اس عرصے میں ہارون کے ساتھ چند  
واقعات ایسے پیش آئے ہیں جن کا مورخین نے تذکرہ کیا ہے جن میں ایک واقعہ تو وہی ہے جو ٹھیک  
اسی دن پیش آیا جس دن ہارون نے زبیدہ کے اشارے سے دربار میں بلا کر اپنی رنجش اور خفگی  
کے ازالہ کا اعلان کیا اس روایت کا ذکر خطیب کے حوالہ سے پہلے بھی کسی موقع پر . . . . . کر چکا

ہے اس وقت علامہ ابو جعفر طحاوی نے امام محمد کے شاگرد خاص قاضی ابن سماعہ کے حوالہ سے جن الفاظ  
میں اس قصے کو درج کیا ہے ہم اس روایت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں قاضی ابن سماعہ کا بیان ہے کہ  
”ہارون کے شاہی محل میں امام محمد کے ساتھ میں بھی تھا جس وقت زبیدہ کی کوشش  
سے ان کی موافق ہوئی تھی، ہوا یہ کہ جہاں پر ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے اچانک  
ہارون وہیں ہم لوگوں کے سامنے آیا ہر ایک جو وہاں بیٹھا ہوا تھا ہارون کے  
آنے کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا مگر ساری جماعت میں میں نے دیکھا کہ تنہا محمد بن الحسن  
جیسے بیٹھے ہوئے تھے بیٹھے رہے ہارون تیز نظروں سے ان کی اس حرکت کی وجہ  
سے ان کو دیکھنے لگا اور محل خاص میں پہنچ کر اس نے آدمی بھیجا جس نے آواز دی  
کہ صرف محمد بن حسن فقہ کی طلبی ہے“

ابن سماعہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے تو ہوش اڑ گئے اور میں نے خیال کیا کہ اندر بلا کر  
قیام نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ یقیناً کسی سخت سزا کا حکم ان کے متعلق دینے والا ہے جب ہی تو  
دیکھتے ان ہی کی طلبی ہوئی ہے لیکن نہ توڑی دیر بعد جب وہ واپس ہوئے تو دیکھا کہ ہشاش

نشانی ہیں میں نے دریافت کیا کہ واقعہ کیا پیش آیا بوسے کہ ہارون نے بلا کر مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی سارا مجمع تو مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور تم بیٹھے کے بیٹھے رہے امام محمد نے کہا کہ میں نے ہارون سے عرض کیا کہ

جس طبقہ میں آپ نے مجھے شریک کیا ہے خود اپنی مرضی سے میں نے نہیں چاہا کہ اس طبقہ سے اپنے آپ کو خارج کر کے دوسرے طبقہ میں داخل کروں میں نے کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے علم کا اہل قرار دیا ہے میں نے یہ مناسب نہ خیال کیا کہ آپ جسے علم کا اہل قرار دیں اس کو ان لوگوں کے طبقے میں شریک کروں جس کا کام خدمت اور نوکری ہے آپ ہی کے ابن عم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ

جس کی بیہ خواہش ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں اس کے سامنے کھڑے ہو جایا کریں چاہیے کہ ایسا آدمی اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنائے" ص ۱۷۱ خلیب جلد ۲

امام محمد نے اس کے بعد ہارون کو سمجھایا کہ عام درباریوں کا قیام آپ کو دیکھ کر اسکی تو خیر گو نہ گنجائش پیدا ہو سکتی ہے کہ اس سے دوسروں پر خلیفہ کا رعب قائم ہوتا ہے دشمن اس حال کو دیکھ کر دل میں خیال کرتے ہیں کہ درباریوں کے دل میں آپ کی اور آپ کے احکام و فرامین کی کتنی عزت ہے لیکن ہمارے متعلق یہی خواہش کہ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں میرے نزدیک اس حدیث کی خلاف ورزی ہوگی ان ہی کا بیان ہے کہ ہارون نے ان کی تقریر کو سن کر کہا کہ حدیث (تم نے سچی بات کہی) ص ۱۷۲ بلوغ الامانی وغیرہ

امام محمد کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہارون نے مجھ سے بنی تغلب کے نھارے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا ہارون کی رائے تھی کہ بنی تغلب کے عیسائیوں نے جو معاہدہ اسلامی حکومت سے کیا تھا اس کی خلاف ورزی کے وہ مرتکب ہوئے ہیں اسی لئے ہم پر بھی ان رعایتوں کی پابندی ضروری نہیں ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں از روئے معاہدہ ان کو حاصل تھیں۔

۱۷۱ بنی تغلب دراصل خالص عربی النسل قبیلہ تھا لیکن باوہ عربی علیحدہ ہو کر فرات کے مشرقی اور مغربی سواحل میں آباد ہو گیا تھا لہذا سطوری پادریوں نے ان کو عیسائی بنا لیا تھا لیکن ان کی عیسائیت محض نام کی عیسائیت تھی بعض مغربی مورخین نے سچ لکھا ہے کہ شراب خواری اور زنا کاری کے سوا عیسائیت نے ان کو اور کچھ نہیں سکھایا تھا غالباً یہی وجہ ہے حضرت ابن عباس کے اس فتویٰ کی جسے ابلا زری نے نقل کیا ہے کہ بنی تغلب کے عیسائیوں کا نہ تو بیچہ حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کرنا جائز ہے حضرت ابن عباس اپنے اس فتویٰ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے کہ بیہ لوگ نہ ہم میں سے ہیں اور نہ اہل کتاب میں سے ہیں ص ۱۷۲ اسی لئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جن قانونی تعلقات کی اجازت اسلام نے دی ہے بنی تغلب کے عیسائیوں کے ساتھ (بقیہ صفحہ آئندہ)



کہتے ہیں کہ ہارون کے ان الفاظ کو سن کر امام محمد نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ آخر کون سی نئی بات پیدا ہوئی جو آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں ہارون نے وہی جواب دیا کہ ان سے معاہدہ تھا کہ اپنے بچوں کو اصطیاع نہ دیں گے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ علائقہ اس کا کاروبار ان میں جاری ہے امام محمد نے فرمایا کہ اصطیاع کا یہ دستور تو عہد فاروقی میں بھی بنی تغلب میں جاری رہا لیکن حضرت عمر نے امان نامہ کی خلاف ورزی کا الزام ان پر قائم نہیں کیا جس حال میں تھے ان کو اسی حال پر باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ عملاً یہ شرط ان کے معاہدے سے خارج ہو چکی تھی ہارون نے کہا کہ ہو سکتا ہے حضرت عمر کچھ کرنا چاہتے ہوں لیکن ان کی حکومت کی مختصر مدت میں اس کا موقعہ ان کو مل سکا بہر حال ان کی خاموشی کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ معاہدے سے یہ شرط عملاً خارج ہو چکی تھی امام محمد نے کہا کہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر کو موقعہ نہ مل سکا لیکن ان کے بعد ہی دو عادل ترین خلفاء گزرے جن کی حکومت کی مدت بھی کافی وراثت ہی یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں بنی تغلب والوں کو نہیں چھیڑا جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ

کانا امضیا لہم الصلح بلا شرطیۃ  
علیہم فیہ بلوغ ص ۳۵  
ان دونوں عادل حکمرانوں نے بنی تغلب کی صلح کو بغیر کسی مزید شرط کے باقی رکھا اور ان پر اسی کو نافذ رہنے دیا۔

دقیقہ سلسلہ گذشتہ) ان کا قائم کرنا درست نہ ہو گا بہر حال قصہ یہ ہے کہ جب فرات کے سواصل عہد فاروقی میں فتح ہوئے تو جیسے عام ذمی رعایا جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا پھر جزیرہ لگا یا گیا تھا بنی تغلب کے ان عیسائیوں پر یہی ٹیکس لگا دیا گیا مگر اس کو اپنی بے عزتی خیال کر کے اسلامی محروم وہ بھاگنے لگے وہ مدعی تھے کہ ہم خالص عرب ہیں ہم جزیرہ ادا کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے حضرت عمر کو ان کے نمائندوں نے بنی تغلب کے اس طرز عمل کی اطلاع دی آپ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو روکو اور پوچھو کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں روو قدح کے بعد بنی تغلب والوں نے منظور کیا کہ بجائے جزیرہ کے ہم بھی وہی محصول حکومت کو ادا کریں گے جو مسلمان ادا کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں سے دو فی رقم ادا کریں گے بشرطیکہ اس کا نام جزیرہ نہ لکھا جائے حضرت عمر نے ان کی اس شرط کو مان لیا لیکن اپنی طرف سے بھی ایک شرط یہ پیش کی کہ نام نہاد مذہب جو تمہارا ہے یعنی اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہو اس مذہب کے قبول کرنے پر اپنی آئندہ اولاد کو مجبور نہ کرو گے اور اصطیاع یعنی بقیہ بچپن ہی میں دس کر ایسی صورت حال ان کے لئے پیدا نہ کرو گے تمہاری اس عیسائیت کے قبول کرنے پر اپنے آپ کو وہ مجبور پائیں بنی تغلب والوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شرط کو تسلیم کر لیا لیکن حضرت عمر ہی کے زمانہ میں عملاً اس شرط کی تعمیل سے گریز کرتے رہے حضرت عثمان حضرت علی کی خلافت کے عہد میں یہی بقیہ دینے کا رواج ان میں سلسل جاری رہا لیکن حکومت اسلامی نے کسی قوم کی داروگیر نہ کی البلاذری ص ۱۸۵ بنی تغلب کے متعلق ایک چیز یاد رکھنے کی یہ ہے کہ ان سے اپنی بیٹی اولاد کے متعلق یہ معاہدہ حضرت عمر نے کیا تھا کہ ان کو نصرانی نہ بنائیں گے محمد بنی کو خود اس روایت کی صحت میں شبہ ہے دیکھو صحیح التواریخ

ہارون امام محمد کی اس تقریر کے بعد خاموش ہو گیا بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے امام محمد سے کہا کہ اچھا تو آپ جائیے۔ لیکن صمیری کے حوالہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے اس میں مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ آخر میں محمد بن حسن نے کہا کہ یہ صلح عمر اور ان کے بعد کے خلفاء کی قائم کی ہوئی ہے اور آپ کے لئے دست اندازی کا کوئی موقع نہیں ہے علم کی جو بات تھی وہ آپ کے آگے میں نے رکھ دی آئندہ جو آپ کی رائے ہو

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ ہارون نے یہ سن کر امام محمد کو مخاطب کر کے کہا کہ اچھا طریقہ کار ان خلفاء نے اختیار فرمایا تھا میں بھی اسی کو جاری رکھوں گا اثنائاً

آخر میں اس نے امام سے کہا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حق تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا اسی لئے آپ لوگوں سے مشورہ فرماتے تھے اور فیصلہ کا علم جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے آپ کو حاصل ہو جاتا تھا پس میں نے بھی تم سے مشورہ کیا اب تم اس شخص کے لئے دعا کرو جس کے ہاتھ میں تم لوگوں کی نگرانی سپرد کی گئی کہ خدا اس کو بھی نیک توفیق عطا فرمائے اور صحیح فیصلہ کا الہام کرے، تم خود بھی دعا کرتے رہو۔ اور اپنے رفقاء کار شاگردوں کو بھی کہو کہ دعا کریں

ہارون نے اس کے بعد ایک بڑی رقم کی منظوری صادر کی کہ امام محمد کے حوالہ کی جائے تاکہ ارباب استحقاق میں اپنے صواب و ید سے تقسیم کریں۔ علاوہ حنفی مورخین کے اس واقعہ کا ذکر الخطیب نے بھی تاریخ بغداد میں کیا ہے صاحب بلوغ الامانی نے ان کی سوانح عمری میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

وہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان فقہار کی رائے کتنی بے لاگ ہوتی تھی مسلمان

ہو یا عیسائی کوئی ہوتی کے اظہار میں قطعاً کسی کی جنبہ داری نہیں کرتے تھے

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی اہمیت کا اندازہ ہم لوگوں کو ہو بھی نہیں سکتا ہارون جو اپنے عہد میں کرہ زمین کا سب سے بڑا طاقتور مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اپنے منشا کو ظاہر کرتا ہے اور ایک کس میرے قبیلہ سے اس کا تعلق ہے جو مسلمان قبیلہ بھی نہیں ہے لیکن ہارون کی حکومت قاہرہ اظہار حق میں مانع نہ ہو سکی اور نہ یہ چارے بنی تغلب کی کس پرسی کا ان کے متعلقہ مسئلہ کی اہمیت پر کوئی اثر پڑا۔

اور یہ تھے وہ اسباب و وجوہ جس نے بالآخر عباسی حکومت کو امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے آگے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیا۔ امام محمد کو جیسا کہ میں نے عرض کیا قضاء القضاہ کے اختیارات سے نفع پہنچانے کا موقع تو اس نے نہ مل سکا کہ عہد کے جائزہ لینے کے ساتھ ہی ان کی



حیات کا پیالہ لبریز ہو گیا، ہارون خراسان کے دورے پر امام محمد کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا،  
 رستے میں چار مہینے اس کا قیام رہا۔ اور اسی رستے کے شاہی کیمپ میں کل (۵۸) سال کی عمر میں  
 ان کا انتقال ہو گیا یہ عجیب اتفاق کی بات تھی کہ ہارون کے ساتھ اس سفر میں جیسے وقت کی  
 سب سے بڑی قانونی ہستی امام محمد کی تھی، اسی طرح لغت اور عربیت کے امام الکسانی کو بھی  
 ہارون نے ساتھ رکھ لیا تھا اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ ایک ہی دن یا دو تین دن کی تقدیم و  
 تاخیر کے ساتھ اپنے اپنے فن کے دونوں اماموں کا رستے ہی میں انتقال ہوا کہتے ہیں کہ اس عجیب  
 اتفاق پر ہارون بار بار کہتا کہ

وہیں نے رستے کی سرزمین میں فقہ اور لغت دونوں کو دفن کر دیا صلی اللہ علیہ وسلم الخلیف

یہ واقعہ ۱۸۹ ہجری میں پیش آیا حافظ ابن عبد البر نے انتقار میں نقل کیا ہے کہ امام محمد  
 کو یاد کر کے ہارون کسی کسی اس شعر کو پڑھا کرتا تھا

السبت علی قاضی القضاة محمد  
 فذرفت رمعی والمواد حمید  
 میں قاضی القضاة محمد کی وفات کی وجہ سے غم زدہ ہوں  
 میرے آنسو جاری ہیں اور دل بے چین ہے

جس سے صرف اسی کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ ہارون کے دل میں امام محمد کا کیا مقام تھا۔ بلکہ  
 بعض لوگوں کو امام محمد کے قاضی القضاة ہونے میں جو تہوڑا بہت شبہ ہے اس کا ازالہ ہو جاتا  
 ہے آخر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود خلیفہ ان کو قاضی القضاة کے خطاب  
 سے یاد کرتا ہے۔

۱۸۹ ہجری میں کہ ہارون کا شاہی کیمپ بارہ میل میں پھیلا ہوا تھا اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی وفات اگرچہ  
 ایک ہی کیمپ میں ہوئی لیکن مقام و فوات میں دونوں میں بارہ میل کا فاصلہ تھا کسانی جن کا نام ابو الحسن علی  
 بن حمزہ الاسدی ہے ان سے اور امام محمد سے ہارون کے دربار میں بعض دلچسپ مکالمے ہوئے ہیں کسانی نے  
 ایک دفعہ دعویٰ کیا کسی ایک علم کا کمال دوسرے علوم کی راہوں کو بھی آدمی پر کھول دیتا ہے امام محمد نے کہا کہ  
 اچھا آپ بتائے کہ سجدہ سہو میں بھی آدمی سے سہو ہو جائے تو کیا کرے کیا اس کے لئے بھی سجدہ سہو کرے گا  
 کسانی نے کہا کہ نحو کا قاعدہ ہے جس نام کی تصغیر ایک دفعہ ہو جاتی ہے تو پھر اس تصغیر شدہ نام کی تصغیر نہیں  
 نہیں ہوتی پس اسی پر قیاس کر کے کہا جائے گا کہ سجدہ سہو کے سہو میں سجدہ سہو نہ ہوگا اور بھی دوسرے لطافت  
 اس سلسلہ میں محاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں الکسانی لغت قرأت عربیت کا حالانکہ مسلم عمداً کل امام تھا  
 لیکن شعر سے بے چارے کو دور کی بھی مناسبت نہ تھی ہارون کے بد قسمت شاہزادے امین الرشید کا استاذ کسانی  
 ہی تھا بعض کہتے ہیں کہ ہارون کا بھی کسانی استاذ تھا اور کسی کتاب میں تو یہ بات نظر سے نہیں گذری لیکن شرح  
 سیر کبیر میں شمس الائمہ شرحی لکھا ہے کہ کسانی امام محمد کے خالہ زاد بھائی تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ سیر کا جو خاص  
 باب کتاب الامان ہے جس میں فقہاء حنفیہ نے انتہائی دقیقہ سنجیوں سے کام لیا ہے خصوصاً لغوی (بقیہ صفحہ آئندہ)

اور قصہ کچھ امام محمد ہی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ ہارون کے بعد قاضی القضاة کے اس عہدے کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی مامون الرشید کے عہد کے قاضی القضاة یحییٰ بن اکثم کے اقتدار کا جب یہ حال تھا جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے

اخذ محامع قلبہ حتی قلده قضاء القضاة و تدبیر مملکتہ فكانت الوزراع لا تعمل فی تلہ بایر المملکة شئاً الا بعد مطالعة یحییٰ بن اکثم  
 مامون الرشید کے دل و دماغ پر قاضی یحییٰ بن اکثم چھائے تھے، تاہم انیکہ قضاة القضاة کے عہدے پر مامون نے ان کا تقرر کیا اور حکومت کے انتظام و تدبیر پر بھی ان کو فخر کیا کر دیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ حکومت کے نظم و ضبط میں وزراء کسی تجویز پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ قاضی یحییٰ بن اکثم کی نظر سے وہ تجویز گزرنے لگتی تھی اور یحییٰ بن اکثم کے تعلقات اور یہ تکلفی کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق

مسموم میں حقیقت تو یہ ہے کہ قاضی یحییٰ نے اپنے اس دنیوی اقتدار سے دین کی ایک ایسے نازک ترین موقع پر خدمت بجالائی ہے کہ آج تک اس کے شکر و امتنان سے مسلمان مورخین رطب اللسان ہیں اور یہ بھی بات کہ مسلمان امیروں کے اوباش اوارہ مزاج افراد کی حد سے

(یقیناً سلسلہ گذشتہ) اور خوبی مسائل سے اس باب میں خاص طور پر مدولی گئی ہے، شمس الائمہ کا بیان ہے کہ کہانی سے ہی امام محمد ان مسائل میں شورہ لیا کرتے تھے دیکھو شرح سیر کبیر ص ۱۶۸ جلد ۱

۱۵ میرا اشارہ مسند متعہ کی طرف ہے تفصیل تو کتابوں میں پڑھیے، حال یہ ہے کہ ایام جاہلیت کے تمدن میں عورتوں سے استفادہ کے مختلف طریقے جو مروج تھے، مثلاً ایک رسم استیضاع کی تھی کسی اچھے بہادر و خوبصورت آدمی کا تخم کوئی اگر حاصل کرنا چاہتا تھا تو اپنی خوشی سے اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیج دیتا تھا، گویا آج یورپ و امریکہ سے اس قسم کی خبریں جو آرہی ہیں کہ شیشے کی نلکیوں میں لوگوں کے نطفوں کو محفوظ کر کے عورتوں میں انجکٹ کرنا، طریقہ وہاں مروج ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے اسی کی ایک شکل ایام جاہلیت میں مروج تھی، فرق صرف اس قدر ہوگا کہ عرب چرمی نلکیوں سے نطفوں کو اپنی مرضی کے مطابق منتقل کر لیتے تھے اور یورپ و امریکہ و اسے اپنی جدید جاہلیت میں شیشے کی یا فلزاتی نلکیوں سے کام لیں گے، بہر حال اسی سلسلہ کی ایک چیز متعہ بھی تھی سفر میں عرب کے جاہل اس طریقے سے زیادہ کام لیتے تھے، یعنی عورت سے جتنے دن یا جتنے گھنٹوں کے لئے چاہتے تھے معاہدہ کر لیتے تھے، معاوضہ بھی کبھی زیادہ کبھی کم ہوتا تھا، کہتے ہیں کہ ایک ایک مٹھی جو یا جواری پر پر بھی معاہدہ ہو جاتا تھا، خیبر کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بائین معلوم ہوئیں ایک تو گدھوں کے گوشت کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے ہانڈیوں میں چڑھا رکھا ہے اسی وقت ہانڈیاں الٹادی گئیں پھر واپسی کے وقت کچھ عورتوں پر نظر پڑی، دریافت سے پتہ چلا کہ ان عورتوں سے بعضوں نے متعہ کیا تھا جیسے گدھے کے گوشت کی حرمت کا اعلان کیا گیا تھا، متعہ کی حرمت کا بھی اعلان کر دیا گیا، ظاہر یہی ہے جیسے (باقی بر صفحہ آئندہ)



گذری ہوئی عیاشیوں کے تذکروں سے مسلمانوں کی تاریخ یوں ہی گھنٹی بتی ہوئی ہے خدا عزوجل نے  
اسلام کا یہ قاضی اگر اس دن جان پر کھیل کر حق کے اظہار میں کچھ بھی کمزوری دکھاتا تو خدا ہی جانتا ہے  
کہ اس کا انجام کیا ہوتا۔ غیر قوموں کی نگاہوں میں مسلمانوں کا نام بجز ایک زنا کار قوم کے شاید اور کچھ

دقیقہ سلسلہ گذشتہ) گدھے کے گوشت کے متعلق یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ اسلام میں پہلے حلال تھا اور بعد کو حرام کیا  
گیا اسی طرح متہ کے متعلق بھی یہ صحیح تعبیر نہ ہوگی کہ اسلام میں کبھی وہ حلال ٹھہرایا گیا تھا بلکہ جاہلی دستور کے مطابق  
جیسے گدھے کے گوشت کو لوگوں نے پکینے کے لئے چڑھا دیا تھا یہی طرز عمل متہ کے متعلق بھی بعض لوگوں نے اختیار کیا  
ہو گا پیغمبر کو جب علم ہوا تو اس کی حرمت کا آپ نے اعلان کر دیا پھر متہ کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ فتح مکہ کے  
بعد بکثرت نئے لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اور مکہ سے طائف و اوطاس کی طرف جو ہم روانہ ہوئی اس میں  
نوسلموں کا یہ گروہ جوق در جوق شریک ہو گیا اسلامی احکام سے ان نوسلموں کو واقف ہونے کا موقع چونکہ نہیں  
ملا تھا اس لئے پھر اسی پرانے جاہلی دستور کے مطابق بعضوں نے متہ کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر  
ہوئی تو دوبارہ آپ نے اس کی حرمت کا اعلان کر دیا۔ واقعہ کی کل نوعیت جہاں تک روایات کے دیکھنے سے معلوم  
ہوتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے لیکن بدقسمتی سے بعض راویوں نے اسی واقعہ کی تعبیر ان الفاظ میں پھیلا دی کہ  
متہ و فو حلال کیا گیا اور فو حرام کیا گیا ابتداً اسلام میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعبیری منالطے کی وجہ سے  
بعض لوگ غلط فہمی کی شکار رہے مشہور کردیا گیا تھا کہ عباسیوں کے جد اعلیٰ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی  
رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ان لوگوں میں تھے جو متہ کو جائز سمجھتے تھے ماموں کو یہی باور کرایا گیا چاہا کہ دادا کے  
فتوے کو بزور حکومت نافذ کرے قاضی یحییٰ بن اکتھم کو خبر ہوئی منہ بنائے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے ماموں نے  
پوچھا کیوں چہرہ اپنا کا مکر کیوں ہے بوسے مسلمانوں کے لئے زنا جب حلال کر دیا جائے تو اس سے زیادہ حد  
کی بات اور کیا ہو سکتی ہے زنا کے حلال ہونے کا فتویٰ ماموں نے پوچھا قاضی نے کہا ہاں زنا ہی کا فتویٰ  
تم کس دلیل سے ایسا کہتے ہو ماموں نے کہا قاضی نے قرآن کی پھر مشہور آیت تلاوت کی جس میں ازواج یعنی بیویوں  
اور ما ملکت ایمان سکند شری نونڈیوں کے سوا جو کچھ ہے سب کو قرآن نے حرام ٹھہرایا ہے قاضی نے  
پوچھا کہ متاعی عورت شری نونڈی تو ظاہر ہے کہ نہیں ہے اور ازواج میں بھی اس کو شریک نہیں کر سکتے  
کیونکہ قرآن نے زوج کو شوہر کا اور شوہر کو زوج کا وارث قرار دیا ہے متاعی عورت نہ وارث ہوتی  
ہے اور نہ متہ کرنے والا اس کا وارث ہوتا ہے ازواج کے دوسرے خصوصیات بھی قاضی نے بیان کر کے  
ثابت کیا کہ وہ زوج نہیں ہو سکتی ماموں یہ سن کر حیران ہو گیا پھر حضرت علی کی حدیث سنائی جس میں رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت علی نے متہ کی حرمت کو منسوب فرمایا ہے ماموں نے قاضی یحییٰ کا وقت  
پر اس راہ نمائی کا شکر یہ ادا کیا مسلمان مورخین نے اسلام کے چند اہم دنوں میں ایک دن اس کو بھی قرار دیا ۱۲  
۱۱ھ دکن ہی کے مشہور بادشاہ فیروز شاہ بہمنی کے متعلق لکھتے ہیں کہ مختلف ممالک و اقوام کی اٹھ سو عورتوں  
سے بوقت واحد اس نے عقد متہ کیا ۱۲



نہ ہوتا خدا قاضی یحییٰ کی قبر کو روشن رکھے کہ ہر چیز سے بے پروا ہو کر اپنے فرض کو انھوں نے ادا کیا اور نیت کی سچائی کا ثمرہ یہ ملا کہ اپنی کوشش میں وہ کامیاب ہوئے۔  
 مامون الرشید کے بعد معتصم متوکل واثق وغیرہ خلفاء کے زمانے میں قاضی القضاة ابو عبد اللہ احمد بن ابی دواد کا دور دورہ کبھی اپنی شوکت و جلالت میں کسی سے کم نہ رہا افسوس ہے کہ اس بد بخت قاضی سے ایک ایسی ناقابل عفو غلطی سرزد ہوئی جس نے دین و دنیا میں اس کو رو میاہ کر دیا اور ساری خوبیوں پر اسی ایک فاش غلطی نے خاک ڈال دی۔ ورنہ عام مسلمانوں کو قاضی ابن دواد اپنے اقتدار سے جتنا نفع پہنچا یا ہے اگر اس کے دامن پر اس جرم شدید کا ڈاغ نہ ہوتا تو اسلام کے اکابر رجال میں شمار ہونے کے لائق تھا اس کی جلالت قدر اور حکومت میں اس کے اثر و نفوذ کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ خلفاء کے دربار میں دستور تھا کہ ان کے خطاب سے پہلے کوئی خلفاء کو خطاب نہیں کر سکتا تھا لیکن ابن دواد پہلا آدمی ہے جس نے اس رسم کو توڑا کہتے ہیں کہ جس وقت مامون کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو اپنے جانشین معتصم کو بلا کر اس نے وصیت کی تھی کہ

ابو عبد اللہ احمد بن ابی دواد کو کسی حال میں کسی وقت نہ چھوڑنا اور ہر ماہ میں

اس شخص سے مشورہ لینا ۱۲۵ خطیب ج ۲

اور ان دو قاضی القضاة کے بعد عباسیوں کی حکومت میں پشتہ پشتہ تک آل ابن ابی الثوارب اور آل وامنانی کے قضاة کا اس عہدے پر جس آن بان سے قبضہ رہا ہے عباسیوں کی سینکڑوں سال کی تاریخ سے ان قاضیوں کی تاریخ وابستہ ہے

سہ ۱۲۱ دواد کی کورنسی یہ تھی کہ اسی شخص کے اغوار و اصرار سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر سند خلق قرآن میں منظام کے پہاڑ توڑے گئے اسی چہرے نے اسکو سارے جہاں میں رسوا کر دیا ورنہ حکومت کے روپے سے اور خود اپنے ذاتی روپے سے غرابا، نقرار، باب حاجات کی حاجت روائیوں میں اس کے اقدامات ایسے ہیں جن کی تاریخ میں شکل ہی سے نیپزل سکتی ہے ایک دل چپ واقعہ اسی کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ معتصم کسی مجرم کو واجب القتل قرار دینے کے بعد نطع (چھڑا جس پر مقتول بھیجا جاتا تھا) پر مقتول کیٹھا چکا تھا جلاد کی تلوار کھینچ چکی تھی کہ جرات کر کے ابن دواد نے لپکار کر کہا امیر المؤمنین تلوار کو انصاف سے آگے بڑھنے کا موقع نہ دیجئے معتصم متوجہ ہو گیا۔ قاضی کا بیان ہے کہ پشیاہ کے تقاضے کی شدت میں اسی وقت میں تبتلا ہو گیا دیکھ رہا تھا کہ لمحہ بہر کے لئے ہی اگر میں غائب ہوتا ہوں تو اس غریب کی جان چلی جائے گی میں نے اپنے جسم کے کپڑوں کو اچا اور وغیرہ کو نیچے رکھ لیا اور پشیاہ خطا کر گیا پشیاہ کرتا جاتا تھا اور معتصم سے اس کی معافی کے وجوہ بھی عرض کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ بات اس کی سمجھ میں آگئی مجرم قتل سے بچ گیا لیکن جب میں اٹھا تو جگہ پشیاہ سے تڑپتی معتصم کی نظر پڑ گئی پوچھا کہ قاضی یہ تمہارے نیچے پانی (بقیہ برصو آئینہ)



یہاں اس مسئلہ کے چھڑنے کی اگرچہ چنداں ضرورت نہیں ہے کہ حکومت عباسیہ کے یہ سارے قاضی القضاة تفرقة و افتار فصل خصوصیات میں کس مسلک کے پابند تھے کیونکہ مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر حکومت نے اپنے شعبہ عدل و انصاف کو بالکل اہل علم کے سپرد کر دیا اور جس دن سے حکومت کا یہ شعبہ اہل علم کے ہاتھ میں آیا اس پر اسی طبقہ کا اقتدار کا وزن بزور بڑھتا ہی چلا گیا خواہ اہل علم کے اس طبقہ کا تفرقة و اجتماع کے جس مکتب خیال سے بھی تعلق ہو۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ عباسیوں کو تقریباً پانچ صدیوں تک حکومت کرنے کا موقعہ جو ملا اس طویل و دراز مدت میں ان کے قاضیوں خصوصاً قاضی القضاة کے عہدے پر سرفراز ہونے والوں میں عموماً حنفی مسلک ہی کے پابند تھے الا ماشاء اللہ کسی خاص وجہ سے دوسرے مسلک کے علماء کو بھی کبھی کبھی اس کا موقعہ ملا ہے۔

میں نے آل و امغانی کے قاضیوں کا جو ذکر کیا ہے ان کے متعلق تو خیر کچھ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ حنفی تھے اس خاندان کے بیسیوں آدمی کے نام عباسیوں کے قاضی القضاة کی فہرست میں نظر آتی ہے اور سب کے سب حنفی تھے باقی آل ابن ابی الشوارب تو ابن ابی الشوارب کے صاحبزادے

رقیہ سلسلہ گذشتہ کہاں سے آیا تب میں نے گروں جھکا کر جو واقعہ پیش آیا تھا عرض کیا اس پر معصم آشنا خوش ہوا کہ ایک لاکھ درم انعام کے لئے اس نے میرے واسطے فرمان کیا ایسا فی ص ۱۲ ج ۲

ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی جلد سوم کے خاتمہ میں مشہور عرب فلسفی یعقوب کندی کے حوالہ سے یہ عجیب بات نقل کی ہے کہ اس نے نجوم کے حساب سے پیشگیوں کی تھی کہ عربوں کی دولت کا خاتمہ ۶۷۱ء میں معلوم ہوتا ہے کہ ہوجاے گیام ابن خلدون نے اسکی تصدیق کی ہے کہ قریب قریب واقعہ بھی کچھ اسی کی پیشگوئی کے مطابق پیش آیا یعنی ۱۳۳۰ء ہجری میں

سفاح اول الخلفاء بنی عباس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور معصم عباسی تاتاریوں کے ہاتھ سے ۶۵۶ء میں قتل ہو گیا اور اسی پر اسی عربی دولت کا خاتمہ ہو گیا اس حساب سے گویا پانچ سو تیس سال دنیا میں حکومت رہی ابتدا میں اس خاندان کے (تھا)

خلفاء گذرے ابن خلدون ص ۵۲ ج سوم ۱۵۰ مثلاً مشہور محدث اور اسماء الرجال کے مستند عالم علامہ ابن ماکو لاکھ بھری میں خلیفہ قادر باللہ شعبا سے نے بنیاد کا قاضی القضاة مقرر کیا خلیفہ نے ان کے ذکر سے میں تصریح کی ہے کہ کان ینتقل مذہب الشافعی (یعنی شافعی مسلک کے پابند تھے) ص ۸ ج ۸ لیکن اسی کے ساتھ ہمیں جب یہ معلوم ہے کہ مشہور عباسی امیر ابوولف العجلی سے ان کا نسلی تعلق تھا تو اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ باوجود

شافعی ہونے کے ان کے تقرر کو بنیاد والوں نے قبول کر لیا علم و فضل کے ساتھ پشت پشت سے دولت و امارت ان کے خاندان میں چلی آ رہی تھی قاضی القضاة جیسے اہم ذمہ دارانہ عہدے کے لئے ان سے بہتر آدمی اور کون مل سکتا تھا ۱۵۰ عتاب بن اسید صحابی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی دفعہ ان کو

مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا اسی لئے تاریخ قضاة اسلام میں ان کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے ان کی (رقیہ سلسلہ آئندہ

عبدالملک سے براہ راست یہ روایت نقل کی جاتی ہے جب وہ بصرہ میں رہتے تھے تو ایک مسند کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے خاندانی پرانے محل (قصر عتیق) کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

قد خرج من هذا الدار سبعون قاضيا على مذهب ابى حنيفة  
اس گھر سے ستر آدمی ایسے نکلے ہیں جو امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق کام کرتے تھے

ص ۲۶۲ جواہر

باقی قاضی یحییٰ بن اکتوم یہ صحیح ہے کہ دارقطنی نے ان کو شافعی المذہب عالم قرار دیا، لیکن حنفی مورخین کو ان کے حنفی ہونے پر اصرار ہے دلائل سے اسی کی تائید ہوتی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، البتہ قاضی ابن ابی دواد کے متعلق مجھے اب تک ان کے حنفی ہونے کی شہادت نہیں ملی ہے، لیکن متعدد قرآن لیے ہیں جن کی بنیاد پر ان کو بھی حنفی قرار دینا زیادہ قرین صواب ہے، بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ مسئلہ خلقی قرآن میں جو زیادتیاں اس شخص سے سرزد ہوئی ہیں ان کی وجہ سے اپنی جماعت کی طرف اس شخص کے انتخاب کو کوئی پسند نہیں کرتا حالانکہ یہ فقہ کچھ ابن ابی دواد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اہل علم جانتے ہیں کہ ایک بڑا طبقہ علماء کا ایسا گذر ہے جو فرعون اہل السنن والجماعت کے چاروں ائمہ میں سے کسی امام کا مقلد تھا لیکن اعتقاد غیر سنی عقائد رکھتا تھا مثلاً معتزلی یا کرامی یا جہمی وغیرہ ہوتا تھا خصوصاً حنفی مذہب کی تاریخ میں تو اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

(ایقینہ سلسلہ گذشتہ) بھائی خالد بن اسید کی نسل سے آل ابن ابی الثاریب کا نسبی تعلق تھا چونکہ یہ لوگ بنی امیہ کے خاندان سے تھے اس لئے ابتداء سے دولت و امارت اس خاندان میں مسلسل منتقل ہوتی رہی عباسیوں کے عہد میں محکمہ قضایہ قبضہ کر کے ان لوگوں نے اپنی گذشتہ عزت و عظمت کو مدتوں قائم رکھا ۱۲۷ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اور اجتہاد کی لطافت اور اسکی گہرائیاں عموماً ذہین لوگوں کو ان کی طرف مائل کرتی ہیں، لیکن ذہانت کھے یا عقلیت کہیں اس کے غلط استعمال کا کوئی شکار ہو گیا، تو یہی عقلیت اس کے لئے مصیبت بن جاتی ہے، وہ عوام کو سفہا اور بد عقلوں کی جماعت قرار دے کر اپنے عقائد میں جدت پیدا کرنا چاہتا ہے، لیکن عینی حقائق جو عقل و حواس کے حدود سے خارج ہیں ان کو جاننے کی فطری راہ نبوت و وحی ہے صحیح علم اس باب میں ان ہی لوگوں کا باقی رہتا ہے جو وحی و نبوت کے عطا کئے ہوئے مسالما کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ و اصلاح کے مان لیتے ہیں عقلیت صادقہ کا یہی تقاضا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عقائد کے باب میں چاہیے کہ آدمی دین العجز دینی بوڑھیوں کے دین پر رہے، یعنی من وعن وحی و نبوت سے جو کچھ معلوم ہوا ہے اسی کو تسلیم کرے عوام کی راہ سے ہٹ کر مذہب کے اساسی حقائق جن کا عموماً غیب سے تعلق ہوتا ہے جو ان کو عقلی تراش تراش کر مانتے ہیں، قرآن مجید نے ان ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ (یا قوم ہنر آئینہ)



بہر حال میرا خیال ہے کہ گو چار پانچ سو سال کے اس طویل عرصے میں دوسروں کا بھی عباسی حکومت میں قاضی القضاة کے عہدے پر تقرر ہوا ہے لیکن غالب اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی جو امام ابو حنیفہ کے تعلق و اجتہاد سے خصوصی تعلق رکھتے تھے خواہ مراۃ اپنے آپ کو حنفی نہ کہتے ہوں الیافی نے ۳۲۰ ہجری کے حوادث و واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-  
 و خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں شافعی عالم ابو علی بن خیران کے سامنے بغداد کے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انھوں نے انکار کیا

آگے بعض دوسرے واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد ابن خیران کا یہ فقرہ بھی یا فی نے نقل کیا ہے کہ:-

هذا الامر لم يكن فينا وانما كان في اصحاب ابي حنيفة رحمهم الله تعالى ج ۲ ج ۲

قضا کا عہدہ ہم لوگوں میں کبھی نہیں رہا بلکہ یہ تو امام ابو حنیفہ کے ماننے والوں میں رہا ہے

چوتھی صدی کے آغاز تک کی یہ کھلی ہوئی شہادت ایک شافعی عالم کی ہے کہ قضا کا محکمہ عباسیوں کے عہد حکومت میں حنفیوں ہی کے قبضے میں رہا اسی کے ساتھ مقریزی کے اس بیان کو بھی ملاحظہ کیجئے جس کا بڑی تفصیل سے اس نے ذکر کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ۳۹۰ ہجری میں مشہور شافعی عالم ابو حامد اسفرائینی کی کوشش سے خلیفہ قادر باللہ نے حنفی قاضی ابو محمد بن الاکفانی کی جگہ ایک شافعی عالم احمد بن محمد مازنی کا قاضی القضاة کے عہدے پر تقرر کر دیا یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ نہ صرف بغداد بلکہ سارے مشرقی علاقے جو عباسیوں کے زیر اقتدار تھے ان میں پھیل چکی تھی خرنیشا پور سے قاضی ابو العلاء صاعد بن محمد بغداد آئے طویل طویل بھگڑاؤں کے بعد خلیفہ کو شافعی قاضی کے عزل پر اور ان کی جگہ الاکفانی کو مقرر کرنا پڑا اس موقع پر جو بیان ایوان خلافت

بقیہ سلسلہ گذشتہ) الا انهم هم السقماء (یعنی بد عقل و بے وقوف وہی لوگ ہیں جو ان مسائل میں اپنے آپ کو عوام کی سطح پر رکھنے سے گھبراتے ہیں) بہر حال سلامت روی خدا کی دین ہے ہر زمانہ میں عقلیت کا غلط استعمال لیا گیا ہے یہی لوگ عملی زندگی میں حنفی ہونے کے باوجود عقائد میں معتزلی وغیرہ ہو جاتے تھے علامہ کوثری نے سچ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ راشدین کو ارباب روایات نے جو بدنام کیا ہے اس بدنامی میں منجملہ دوسرے وجود کے ان عقلیت زدہ حنفیوں کے جو کو بھی دخل ہے انھوں نے ایک عربی شعر ہی اسی موقع پر استعمال کیا ہے کہ گناہ کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے قاضی احمد بن ابی ذواد بھی میرے خیال میں ان ہی لوگوں میں ہیں صوفی کی جو اس خطیب نے اپنی تاریخ میں ان کے متعلق نقل کی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص عملاً اور فرداً حنفی مسلک ہی کا پابند تھا اور یہی دوسرے ارباب وجود ایسے ہیں جن سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے انشاء اللہ کتاب تدوین فقہ میں اس پر مفصل بحث کی جائے گی ۱۲



بیسے شورش عام کو دبانے کے لئے شائع ہوا تھا یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ بعض غلط فہمیوں اور بداندیشیوں کی ورنہ اندازوں کی وجہ سے یہ غلط انتخاب عمل میں آیا لیکن

اب خلافت کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ امیر المؤمنین اپنے گذشتہ اسلاف کی روش پر غلطیوں کے ساتھ جو ترجیحی سلوک قضا القضا کے سلسلہ میں کیا جاتا تھا اسی کو آئندہ جاری رکھیں گے اور آئندہ احناف ہی کا اس عہد پر تقرر ہوا کرے گا المازری کو اسی بنیاد پر معزول کیا جاتا ہے اور جس کا یہ حق ہے اسی کو واپس دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہمیشہ سے دستور چلا آتا ہے۔

اعلان کیا جاتا ہے کہ حنفیوں کے احترام و اعزاز کا خیال حکومت جیسے اب تک کرتی چلی آئی ہے آئندہ بھی کرتی رہے گی ۱۸۱ مقرری جلد ۲

یہ اور اسی قسم کی باتوں پر خلافت کا فرمان مشتمل تھا بہر حال جو تھی صدی بھری تقریباً جس وقت ختم ہو رہی تھی عباسی حکومت نے فقہ حنفی کے علماء سے اپنے عہد قدیم کی گویا یہ تجدید کی تھی اور اس سے حنفی علماء کے اقتدار کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو حکومت پر انھوں نے حاصل کر لیا تھا آپ نے دیکھا کہ ایک تقرر جو علماء احناف کے منشاء کے خلاف ہوا تھا اس نے مشرق سے مغرب تک ملک میں پھیل پیدا کر دی اور ختم اس وقت تک فرو نہ ہو سکا جب تک کہ حکومت اپنی غلطی کے اعتراف کے بعد اس غلطی کی اصلاح پر آمادہ نہ ہوئی

سچ تو یہ ہے کہ حنفی مورخین کا یہ بیان اگر صحیح ہے اور جس سند سے موفق سننے یہ روایت درج کی ہے اس میں کوئی غیر معتبر آدمی بھی نہیں ہے یعنی مامون الرشید ہارون کے زمانے میں جب مرو کا والی تھا اور قاضی خالد بن صبیح وہاں کے قاضی تھے تو خود قاضی خالد کی یہ روایت ہے کہ ایک مقدمہ میں بجائے امام ابو حنیفہ کے قول کے میں نے قاضی ابو یوسف کے قول کے مطابق فیصلہ صادر کر دیا تھا اس کی خبر جب مامون الرشید کو معلوم ہوئی تو اس نے مجھے ہارمت کی کہ وہ مسئلہ میں جب تک ابو حنیفہ کا قول موجود ہو فیصلہ اسی کے مطابق

کیا کرو اور اس سے ہرگز تجاوز نہ کرو ص ۱۵۹ ج ۲

آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے فقہ و اجتہاد کی قدر و منزلت عباسیوں کے ابتدائی خلفاء کے قلوب میں جب اس حد تک قائم ہو چکی تھی کہ خود ان کے شاگرد ابو یوسف کے قول تک کو اختیار کرنے سے منع کیا جاتا تھا جب تک امام کا قول موجود ہو اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ دوسرے علماء اور فقہاء کے اراد اور فتاویٰ کے لئے کیا گنجائش رہی ہوگی اور جیسا کہ میں نے عرض کیا آئندہ یہ رنگ روز بروز پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا تو عباسیوں کی حکومت میں ہمیشہ قاضی ہونے کے دوسروں کے داخل ہونے کی صورت ہی کیا باقی رہی ہوگی الا یہ کہ خود علماء احناف ہی ان کے



تقرر پر جب کبھی راضی ہو جاتے تھے تو کبھی کبھی دوسروں کو بھی موقوفہ مل جاتا تھا مازری کے  
قصبے میں فقہ دراصل اٹھا ہی اس لئے تھا کہ بقول مقریزی

اجیب الیہ بخیر رضا الاکفانی یعنی مازری کے تقرر کو قادر باللہ قاضی اکفانی

سے رائے نے بغیر منظور کر لیا تھا

۱۲۵

نہ صرف اس فقرے سے بلکہ دوسرے معلومات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں

کبھی کبھی غیر حنفی قضاة کا تقرر ہو بھی جاتا تھا تو اس میں حنفی قاضی القضاة کی رائے ضرور  
شریک ہوتی تھی

بہر حال بات بہت طویل ہو گئی میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ امام ابو حنیفہ نے جو کچھ سوچ کر وضع قوانین  
کی مجلس بنائی تھی اور جن لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھ کر تیار کیا تھا امام کی لہیت اور صادق نیت  
کا یہ اثر تھا کہ خدا نے ان کو اس میں بھی کامیاب کیا کہ ان کی مجلس کے وضع کردہ قوانین کے مجموعہ  
نے حکومت کے باضابطہ آئین کی حیثیت حاصل کر لی اور نبی امیہ کے خلفاء کی بے تمیزیوں کی وجہ  
سے شریعت اسلامی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نعمت سے بہ تدریج مسلمان جو محروم ہوتے  
چلے جا رہے تھے امام کو خدا نے اس میں کامیابی نصیب کی کہ ان پر حکومت نے اسی قانون کو نافذ  
کر دیا جو اپنے خصوصیات کی بنیاد پر ان کے دین کے نشا اور روح کا سب سے بڑا محافظ اور جو ان کی  
شریعت کی محتاط ترین شرح بغیر کسی دخل و غلطی کے قرار دی جاسکتی ہے اور اسی کے ساتھ سیرت  
سازی اور کروا ترشی کا جو فطری سلیقہ امام میں تھا اس کی بدولت نہ صرف ابتدائی زمانے میں  
بلکہ بعد کو بھی اس قانون کے نفاذ و الطباق کے لیے حکومت کو عموماً ایسی ہستیاں ملتی رہیں جن  
میں سب کے متعلق تو نہیں کہا جاسکتا لیکن اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی جو امام ابو حنیفہ کی دھانی  
ہوئی سیرتوں کی زمانہ وراثت تک نمائندگی کرتے رہے

میرا مطلب یہ ہے کہ قاضی القضاة کے اس عہدے پر جو حکومت کا اہم ترین شعبہ بن گیا  
تھا اس پر امام ابو حنیفہ کے براہ راست ساختہ پر داختہ تلامذہ کے بعد جن لوگوں کا تقرر ہوتا رہا۔  
ان کے متعلق یہ کھلی دعویٰ تو غلط ہو گا کہ سب کی سیرتیں معیاری تھیں نہ یہ عقلاً ہی جائز ہو سکتا  
ہے اور نہ واقعات ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے کسی اور قوم کی تاریخ ہوتی تو ممکن تھا کہ  
اس میں واقعات کے چھپانے کی کوشش بھی کی جاتی بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ بہت ہی قوموں نے  
اپنی تاریخ کو شاید اسی خیال سے کہ اچھے واقعات کے ساتھ افراد قوم کے برسے حالات کا بھی  
مذکرہ کرنا پڑتا ہے اس لئے عمرے سے انہوں نے تاریخ کے قصبے ہی کو ختم کر دیا شاید ان کیلئے  
غالباً اسی وجہ سے یہ آسان ہو گیا ہے کہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کو جو جی میں مان لیں فرشتہ  
مان لیں دیوتا مان لیں یا ان سے بھی زیادہ بڑی چیزیں مان لیں لیکن مسلمانوں نے تاریخ بنانی  
انہیں سے بلکہ جو واقعات گزرے ہیں انہیں قلم بند کر لیا ہے آپ دیکھیے قضاة ہی کا قصہ ہے۔



ظاہر ہے کہ یہ عہدہ ہی اس قسم کا تھا جس میں اہل علم کے سوا خصوصاً امام ابو حنیفہ کی  
 کوشش کے بعد دوسرے کا داخلہ ممکن ہی نہ تھا لیکن مسلمانوں نے محض اس لئے کہ علماء کے طبقہ  
 سے چونکہ ان کا تعلق ہے اس لئے یہ نہیں کیا ہے کہ اچھوں کی اچھائیوں کے ساتھ بروں کی  
 برائیوں کے ذکر کو نظر انداز کر دیا ہو۔ آپ ان قضاہ کی تاریخ اٹھا کر پڑھئے۔ ان میں آپ کو  
 ہر طرح کے لوگ نظر آئیں گے۔ یہی آل ابن ابی الثوارب یا آل دامغانی کے قضاہ ہیں ان میں  
 جہاں اچھے میاری قضاہ گذرے ہیں ان ہی کے ساتھ یہی اسلامی مورخین ہیں یہ بھی ستائے  
 ہیں کہ آل ابن ابی الثوارب کے مشہور قاضی محمد بن حسن بن عبد اللہ المتوفی ۲۵۸ ہجری ان  
 میں جہاں یہ خوبیاں تھیں کہ بڑے سخی اور جواد تھے وہیں ان کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ  
 جس عہدے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی تھی اس میں ان کا ذکر ایرانی کے ساتھ لوگ کرتے  
 تھے اپنے کام میں رشوت خوری اور محل میں ناروا  
 باتوں کا یہ از کتاب کرتے تھے اور یہ بات ان کے  
 متعلق عام طور پر پھیلی ہوئی ہے

كان قبيح الذكر فيما يتولا من  
 الاعمال فليسوا بالحق الا ستم شاء  
 في الاحكام والعمل فيها بما لا يجوز  
 وقد شاع ذلك عنه الخلب ص ۲۱۶

اور جیسے اس خاندان کے بعض افراد کا یہ حال تھا اسی طرح عباسی قاضیوں کے دوسرے  
 خانوادے از دامغانی کے ایک بزرگ جن کا نام حسین بن احمد از دامغانی تھا ۲۵۹ھ میں وفات  
 ہوئی ہے ان کے حالات میں بھی لکھے ہیں

لم يكن محمود السير في حكمه جوار فضيلته  
 قاضیوں کی کمزوری کو وار کی بھی عام تعبیر اس زمانے میں تھی جس سے اشارہ وہی  
 رشوت ستانی وغیرہ کی طرف کیا جاتا تھا لیکن اسی کے ساتھ بلا خوف ترویج یہ بھی کہا جاسکتا  
 ہے کہ محمد اللہ اکثریت زمانہ دراز تک ان ہی لوگوں کی رہی جو حقی الوسخ اپنے قدیم اسلاف  
 کی روایتوں کو زندہ کئے ہوئے تھے اور یہی نہیں کہ قضاہ کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ  
 ان شاگردوں کی بیعت کی پروی کی جاتی تھی جنہیں امام نے اپنی صحبت میں رکھ کر نبایا تھا بلکہ ایک  
 طبقہ حنفی فقہا کا ہر زمانہ میں پایا گیا ہے جو امام کے نقش قدم پر باوجود اصرار شدید کے حکومت  
 کی ملازمت سے کارہ رہا اور گریز کرتا رہا۔ امام کے شاگردوں کے حالات کا تذکرہ تو مختلف  
 حیثیتوں سے گذر چکا ہے جی چاہتا ہے کہ پچھلے زمانہ کی چند مثالی بیعتوں کے ذکر پر اس کتاب  
 کو ختم کر دوں۔

میں نے کہا تھا کہ امام کے تلامذہ میں جن لوگوں نے قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔  
 ان میں بعض حضرات تو ایسے تھے جو حکومت کی تنخواہ اور داو و پیش کے لینے سے انکار نہیں کرتے  
 تھے ابن جوزی نے ۲۵۸ ہجری کے واقعات کے سلسلہ میں حنفی قاضی احمد بن بدیل کے حالات کا ذکر



کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ معتصم کے مشہور ترکی جنرل یغا کے بیٹے موسیٰ بن یغا کا ایک مقدمہ مرو میں کسی جاہل اور کے متعلق دائر تھا مقدمہ تو خیر طویل ہے خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ بن یغا کے سرکاری عبید اللہ بن سلیمان بیان کرتے تھے کہ موسیٰ ایک جاہل اور کے بیٹے کا خواہش مند تھا جس میں کسی یتیم کا بھی حصہ تھا قاضی ابن بدیل کو میں نے لاکھ آمادہ کیا کہ موسیٰ کی جلالت قدر کا خیال کر کے یتیم کے معاملہ میں تھوڑی سی چشم پوشی سے کام لیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے تب میں نے جھجھکا کر کہا کہ قاضی کچھ سمجھ بھی رہے ہو معاملہ کس کا ہے؟ اندہ موسیٰ بن یغا یعنی موسیٰ بن یغا کا معاملہ ہے، لیکن سننے کے ساتھ قاضی کی زبان سے نکلا کہ اعزک اللہ اللہ تبارک و تعالیٰ (خدا تیری عزت کو قائم رکھے اور بھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا معاملہ ہے) عبید اللہ کا بیان ہے کہ شرم سے میری گردن جھک گئی اور میں نے جب موسیٰ کے سامنے قاضی کے اس فقرے کو دہرایا تو وہ بھی اس درجہ متاثر ہوا کہ اندہ تبارک و تعالیٰ کے الفاظ کو بار بار دہراتا تھا اور روتا جاتا جاتا تھا۔ پھر اس نے قاضی صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو بے تکلف طلب کر لیا کیجئے۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ میری مقررہ تنخواہ رکی ہوئی ہے پس اس کے سوا اور مجھے کچھ نہیں چاہیے المنظم ص ۹ جلد ۵

اور یہ قصہ تو ایک ایسے قاضی کا تھا جو تنخواہ لیکر کام کرتے تھے میں نے ذکر کیا تھا کہ امام کے براہ راست شاگردوں میں قاضی قاسم بن معن بھی ہیں قضا کی خدمت حسبہ اللہ بغیر کسی معاوضہ کے انجام دیتے تھے لیکن قصہ ان ہی پر ختم نہیں ہو گیا تھا بعد کو بھی حنفی فقہاء میں ایسی مثالیں پیدا ہوتی رہی ہیں ابن جوزی ہی نے قاضی حسن بن عبد اللہ بن جن کی وفات ۳۸۵ھ ہجری میں ہوئی ہے یعنی چوتھی صدی ہجری کے عالم میں ان کے والد محوسی تھے بہر او نام تھا مسلمان ہونے کے بعد عبد اللہ نام رکھ لیا تھا بہر حال ابن جوزی کا بیان ہے کہ ورس اور قضا دونوں خدمتیں انجام دیتے تھے لیکن قطعاً حکومت سے کہی اس کا معاوضہ نہ لیا ان کا قاعدہ تھا کہ روزانہ دس ورق کی کتبیت کر لیتے تھے جس سے روزانہ دس درم ان کو مل جاتے تھے جو ان کی گذر کینے کافی ہو جاتا تھا دستور تھا کہ پہلے یہ دس ورق لکھ لیتے تب قضا اور تدریس کی خدمت کے لئے گھر سے باہر نکلتے ص ۹ ج ۵ منتظم

اور یہ مثالیں تو ان لوگوں کی تھیں جنہوں نے قضا کی خدمت قبول کر لی تھی لیکن آپ علماء اخلاف کے طبقات کی کتابیں پڑھئے مشکل ہی سے کوئی زمانہ ایسا ملے گا جس میں آپ کو ایسے علماء نظر نہ آئیں جن کو ملازمت کے قبول کرنے پر حکومت مجبور کرتی رہی لیکن امام کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے ابتدائی صدیوں میں تو خیر ایسے بزرگوں کی کثرت ہے لیکن پانچویں صدی تک کے عالم محمد بن موسیٰ کے حال میں ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس نے وقت میں حنفی مذہب کی ریاست ان ہی پر ختم ہوتی تھی حکومت نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح قضا کے



عہدے قبول کر لیں لیکن راضی نہ ہوئے ۲۶۶

حکومت عباسیہ کو متاثر کرنے میں امام رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں کس حد تک بار آور ہوئیں اس وقت تک محض اسی کی تفصیل میں وقت صرف ہو گیا پھر بھی بہت سی چیزوں کے فقط اجمالی تذکرے پر قناعت کرنی پڑی خصوصاً اس حکومت کے بعض ممتاز قاضیوں کے حالات تفصیل کے طالب تھے۔ لیکن کتاب اپنے مقررہ پیمانے سے یوں ہی زیادہ اور بہت زیادہ بڑھ چکی ہے مجبوراً قلم کو روکنا پڑا۔

اب آخر میں یہ بتا کر کہ حکومت عباسیہ کی اثر پذیری کے بعد دوسری حکومتوں پر امام کی جدوجہد کا بالواسطہ کیا اثر پڑا اس کتاب کو ختم کر دیتا ہوں واقعہ یہ ہے کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں جب ہارون الرشید کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ دولت عباسیہ کے محکم عدل و قضا کی باگ بالکل یہ قاضی ابو یوسف کے سپرد کرے جیسا کہ معلوم ہو چکا بالآخر ہی اس کو کرنا بھی پڑا عباسیوں کے اس اقدام کو دیکھ کر جیسا کہ المقریزی نے لکھا ہے اسلام کی مغربی حکومت یعنی بنی امیہ کی اندلس میں جو حکومت قائم تھی اس حکومت نے بجائے امام ابو حنیفہ کے حضرت امام مالک کے ایک شاگرد جن کا نام یحییٰ بن یحییٰ مہمووی تھا۔ ان ہی کو بلا کر اپنی حکومت کے عدلیہ کو ان کے سپرد کر دیا۔ المقریزی کے بحسنہ الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ

وہ ہارون الرشید مسندار کے خلافت ہوا اور قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابی ایمن جو امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے تھے ان کے حوالہ ہارون نے قضا کا محکمہ کر دیا یہ نہ کہ سبھی کا واقعہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق خراسان شام مصر

۱۔ محمد بن موسیٰ کے حال میں ابن جوزی نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ باوجودیکہ حنفی فقہاء کے اپنے عہد میں یہ سرخیل تھے بڑے بڑے اصناف ان سے شرف تلمذ رکھتے ہیں خصوصاً قاضی صمیمی جن کی طبقات حنیفہ میں بہترین کتاب ہے ان ہی کے شاگرد ہیں لیکن نماز کے متعلق لکھا ہے کہ ایک حنبلی امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ قصداً اسی کو انہوں نے اپنا امام نیا پایا تھا۔ اس سلسلہ میں یعنی حکومت سے امداد کے نہ لینے میں بعضوں کا غلو کس حد تک پہنچا ہوا تھا مشہور حنفی امام ابو الحسن الکرخی کا دروناک قصہ سے نیا دوسری حنفی فقہ کے اپنے زمانے میں سب سے بڑے مدرس و مفتی تھے حکومت کی ملازمت سے گریز کرتے رہے آخر عمر میں فالج کا حملہ ہوا اخلاص کی وجہ سے جیسا کہ چاہیے تھا علاج ممکن نہ ہوا ان کے بعض شاگردوں نے حلب کے بادشاہ سیف الدولہ کو لکھ بھیجا کہ آنا بڑا عالم مفلسی کی وجہ سے اپنا علاج بھی نہیں کرا سکتا اسی وقت دس ہزار درم سیف الدولہ نے روانہ کئے روپے کے پہنچنے سے پہلے کسی طرح الکرخی کو اس کی خبر ہو گئی کہ لوگوں نے سیف الدولہ سے میرے لئے امداد طلب کی ہے لکھا ہے کہ گر گرا کر خدا سے کہنے لگے کہ آپ نے رزق جس راہ سے (یقیناً برصحا آئند)



میں قاضیوں کا تقرر ابو یوسف کی رائے کے ساتھ وابستہ ہو گیا ان تمام علاقوں میں وہی قاضی مقرر ہو سکتا تھا جس کے تقرر کی منظوری قاضی ابو یوسف دیتے تھے اسی طرح اندلس میں الحکم المرتضیٰ بن ہشام بن عبد الرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبد الملک بن مروان اپنے باپ کے بعد تخت حکومت پر متمکن ہوا اور اپنا لقب اس نے منتقل رکھا اسی نے ۸۰۸ ہجری میں یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر الاندلسی سے خصوصی تعلقات قائم کئے یحییٰ سرفراز بھی کیا تھا اور امام مالک سے ہوا طاران کی کتاب بھی سنی تھی بجز حنفیہ ابواب کے پھر امام مالک کے تلامذہ (سبب اور ابن القاسم وغیرہ سے بھی اس نے علم کا بہت بڑا سرمایہ حاصل کیا تھا) تعلیم کے ان مراحل کو طے کرنے کے بعد یحییٰ اندلس واپس ہوئے اور ابنی امیہ کی اس مغربی حکومت میں ایسا اقتدار ان کو حاصل ہوا جو آج تک کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا تھا حکومت اور عوام دونوں ہی کا مرکز و مرجع تھا وہاں یحییٰ کا دروازہ تھا سارے اختیارات ان ہی کو دے دئے گئے تھے اندلس میں کوئی قاضی ان کی منظوری کے بغیر مقرر نہیں ہو سکتا تھا" ص ۱۸۱ مقرری جلد ۲

جس کا مطلب یہی ہوا کہ اندلس کی اموی حکومت جیسے تمام دوسرے معاملات میں عباسیوں کو دیکھتی رہتی تھی اور مشرق کی اسی حکومت کو اس نے اپنے لئے نمونہ بنا رکھا تھا قضا اور عدالت کے باب میں بھی اس کو وہی کرنا پڑا جس کا فیصلہ عباسی حکومت کر چکی تھی اسی لئے اندلس کے اس انقلاب کو بھی میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں کا بالواسطہ نتیجہ قرار دیتا ہوں اور خواہ اسے خوش احمقادی ہی کیوں نہ سمجھا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اثر اور زور کو عراق اور اس کے زیر اثر ممالک میں توڑنے کے لئے عباسی حکمرانوں خصوصاً ابو جعفر منصور نے امام مالک کو بغداد لاکر جو کھڑا کرنا چاہا تھا جس کی تفصیل گذر چکی لیکن جب کہی امام کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی آپ سن چکے کہ امام دارالہجرت نے صاف لفظوں میں انکار فرما دیا ابو جعفر سے یہی یہی کہا اور کہا جاتا ہے کہ ہارون کو بھی آپ نے خشک جواب دے کر مایوس کر دیا تھا میرا یہ احساس ہے کہ قدرت کی طرف سے اسی اخلاص اور لہبت کا صلہ حضرت امام مالک کو اس شکل میں ملا کہ ان سے دور بہت دور ایسی حکومت جو یورپ میں قائم تھی اس نے امام مالک کی فقہ کو اپنی حکومت کے آئین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور اسی کو اپنے ممالک محروسہ میں نافذ کر دیا۔

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) مجھے عطا کی ہے اس کے سوا دوسری راہ مجھ پر نہ کہوئے کہتے ہیں کہ روپیہ بیونچے سے پہلے کرنی کا انتقال ہو چکا تھا خدانے بیف الدولہ کے احسان سے ان کو بچا لیا ۱۲

یہ سوال کہ اندلسی حکومت میں امام مالک کی فقہ کو جو حیثیت حاصل ہوئی کیا اس میں خود امام کو بھی کسی حیثیت سے دخل تھا؟ ایک دل چسپ سوال ہے اتنی بات تو صحیح ہے کہ حج و زیارت کے سلسلے میں اندلس اور مغرب اقصیٰ کے مسلمانوں کی آمد و رفت حجاز میں جاری تھی۔ امام مالک اپنے عہد میں حجاز کے سب سے بڑے عالم و فقیہ و محدث تھے قدرتاً باہر سے آنے والے لوگوں میں امام سے ملنے کی تمنا رہتی تھی خصوصاً نوجوانوں کا جو طبقہ مغربی علاقوں سے علاوہ حج و زیارت کے تحصیل علم کا بھی شوق رکھتا تھا۔ اس کو امام مالک کے قالب میں علم کا ایک ایسا سرچشمہ مدینہ منورہ میں تاسانی مل جاتا تھا جس کی تلاش میں علاوہ حج و زیارت کے سفر کے کسی دوسرے مسافر کی ضرورت نہیں ہوتی تھی یہی وجہ تھی کہ امام مالک کے حلقہ درس میں ہمیشہ مغربی ممالک کے طلبہ کی کافی تعداد رہتی تھی۔ نقل کرنے والے امام مالک سے ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں کہ فارغ ہونے کے بعد جب مغربی علاقے کے ان طلبہ کو آپ رخصت فرماتے تو اس وقت آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ بھی نکل جاتے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس مغربی حکومت کو اپنی فقہ کی سرپرستی پر آپ متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

خود بھی یحییٰ بن یحییٰ محمودی جو بنی امیہ کی اندلسی حکومت کے گویا قاضی ابو یوسف تھے ان کا بیان ہے کہ امام مالک سے وطن جانے کے لئے میں رخصت ہونے لگا تو امام سے میں نے درخواست کی کہ مجھے خاص طور پر کچھ ہدایتیں دی جائیں یحییٰ کہتے ہیں کہ میری اس درخواست پر آخری وصیت امام نے مجھے یہ کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

دد اللہ کی اللہ کے کتاب کی مسلمانوں کے ائمہ (حکمرانوں) کی اور عام مسلمانوں

کی یہی خواہی اس کو اپنی زندگی کا فرض منصبی قرار دینا ۱۵۱۰۰ الدیباخ المذہب

یہ خود یحییٰ کا براہ راست بیان ہے میرا خیال ہے کہ امام مالک کی طرف جس آرزو کو لوگ منسوب کرتے ہیں خدا نے جسے پوری کی اس آرزو کی جملک امام کی اس وصیت میں بھی نظر آتی ہے آخر امام ابو حنیفہ بھی اس کے سوا اور کیا چاہتے تھے یہی تو کہ مسلمانوں کی حکومت مسلمانوں کی کتاب (قرآن) کی مرضی کے مطابق حکومت کرے امام مالک نے بھی مذکورہ بالا الفاظ سے اسی خواہش کا تو اظہار کیا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو کہ میں امام نے جس نصب العین کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا شروع کیا تھا کسی نہ کسی طرح پہلے مشرق اور مشرق کے بعد مغرب کے مسلمانوں کی زندگی اسی دستور اور آئین کے نیچے آگئی فرق مغرب اور مشرق میں اگر کچھ ہوا تو یہی کہ مشرقی ممالک میں اسلامی شریعت کی

۱۵ تیمور پاشا مصری کا مقابلہ فقہ اسلامی کی تاریخ پر عربی زبان میں اگر یہ ایک مختصر سی کتاب سے مگر معلومات اس کے قیمتی ہیں اس مقالہ میں ہی امام مالک کی طرف اس قسم کے الفاظ منسوب کئے گئے ہیں ۱۲



حقیقی تشریح نافذ ہوئی اور مغربی علاقوں میں امام مالک کے نقطہ نظر کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اصل مقصد دونوں حال میں حاصل ہو گیا۔ یعنی حکمرانوں اور ان کے وزراء و اُمراء کے ذہنی خیالات و جذبات کی پابندیوں سے نکل کر مسلمانوں کو اپنے دین کے تحت آئینی زندگی بسر کرنے کا موقع مل گیا۔

اور مسئلہ اسلام کی ان ہی دونوں مرکزی حکومتوں یا خلافتوں کی حد تک محدود نہ رہا بلکہ ان حکومتوں کے ساتھ ان کے زیر اثر یا ان سے آزاد ہو کر دنیا کے مختلف حصوں میں جو حکومتیں قائم ہوتی رہیں یا ان دونوں مرکزی سلطنتوں کے زوال کے بعد مسلمانوں نے اپنی بادشاہت مشرق یا مغرب کے کسی علاقے میں قائم کی تو جیسا کہ چاہیے تھا عموماً ان حکومتوں کے سامنے حکمرانی کے معیاری نمونے مشرقی اور مغربی خلافت کے طور و طریقے تھے چونکہ دونوں خلافتوں میں عدلیہ کا محکمہ بالکلید علماء دین کے سپرد کر دیا گیا تھا اس لئے آئندہ ہر حکومت کو یہی کرنا پڑا اور جو حکومتیں بدلتی رہیں انقلاب پر انقلاب برپا ہوتے رہے لیکن امام ابو حنیفہ کو جو کامیابی اپنے نصب العین کی تکمیل میں ہوئی تھی یقیناً مانے کہ آخر وقت تک یعنی دنیا کی سیاست کی امامت و قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے مغربی اقوام کے جیت تک منتقل نہیں ہوئی تھی برابر یہی دستور اپنے پورے اقتدار و اختیار کے ساتھ جاری رہا اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ کا وجود اتنا نمایاں اور روشن تھا کہ جب مصر پر ایک غیر سنی حکومت یعنی فاطمیوں یا عبیدیوں کا اقتدار قائم ہوا تو گو اہل سنت کے ائمہ کی فقہ کو اس نے تسلیم نہیں کیا لیکن یہ مسئلہ کہ عدلیہ کا محکمہ علماء ہی کے ہاتھ میں رہے گا اس مروجہ دستور کے ماننے اور نافذ کرنے پر اس کو بھی مجبور ہونا پڑا بلکہ ایک دل چسپ لطیفہ اس حکومت کا یہ ہے کہ مہرخی فاطمیوں کا پہلا حکمران المعز الدین الدردی جب مصر پر قابض ہوا تو مغرب اقصیٰ سے جن چیزوں کو ساتھ لایا تھا ان میں عباسی خلفاء سے مقابلہ کرتے ہوئے ایک قاضی بھی معز کے ساتھ آیا تھا جس کا خدا جانے اصلی نام کیا تھا۔ لیکن بعد کو وہ ابو حنیفہ نعمان ہی کے نام سے مشہور ہوا گویا جیسے عباسی حکومت کے آئینی شجرے کی بنیاد میں امام ابو حنیفہ نعمان تھے۔ اس کی نقل اتارنے والی مصری حکومت نے نام تک میں اس کی تقلید کی کہتے ہیں کہ پہلے فاطمیوں کا یہ قاضی مالکی فقہ کا پابند تھا لیکن معز کی صحبت میں اس نے امامیہ مشرب اختیار کیا لوگوں کا بیان ہے کہ بجائے خود بڑا عالم و فاضل آدمی تھا اہل سنت کے ائمہ اجماع کے مقابلہ میں اس نے بھی بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی تھیں جن میں سنیوں کی فقہ پر اس نے سخت تنقیدیں کی تھیں (دیکھو ایلیا فنی ص ۳۸۱ جلد ۱) ولسان المیزان وغیرہ) میرے نزدیک تو امام ابو حنیفہ کے خدمات کا غیروں کی طرف سے یہ عملی اعتراف تھا۔

یہ مسئلہ کہ قاضی ابو یوسف کے حوالہ حسن دن سے ہارون نے دولت عباسیہ کے عدلیہ کو



باقی اس دن سے آخر وقت تک مسلسل یعنی اسلامی دول کے تفوق و برتری کا کرہ زمین پر  
 تک خاتمہ نہ ہوا اس وقت تک جس زمانہ اور جس ملک میں بھی مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں  
 کا محکمہ عدلیہ ہمیشہ علماء ہی کے ہاتھ میں رہا اگر اس کی بھی تفصیل کا ارادہ کیا گیا تو کتاب بجائے ایک  
 کے مجددات کی شکل اختیار کرنے کی مختصر آتنا سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے جیسے زمانہ آگے کی طرف  
 صغار ہا قاضی القضاة اور اس کے اختیار و اقتدار کی قوتوں میں قوتوں کا اضافہ ہی ہوتا چلا  
 سلاطین اور حکمرانوں نے ہمیشہ ان قاضیوں کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کیا  
 ہی کے کردار کی نرمی یا کمزوری سے نفع اٹھا لینے والے اگر نفع اٹھانیتے تھے تو یہ  
 سری بات ہے لیکن قاضی القضاة بجائے خود کسی بات پر اگر ڈٹ جاتا تھا تو حالات ہی  
 لیے پیدا ہو گئے تھے کہ حکومت اس سے مرتابی اور انحراف نہیں کر سکتی تھی حتیٰ کہ نو مسلم  
 ناری حکمرانوں کا جب وار دورہ ہوا تو قضاة کے اقتدار میں اس وقت بھی کسی قسم کی  
 می کمی نہیں ہوئی بلکہ تاتاری اور ترکی قبائل پر جہاں تک میرا خیال ہے علماء کا اثر و نفوذ  
 یوں سے زیادہ ہی قائم رہا حکومتوں کے بدل جانے کے بعد بھی زیادہ تر یہی ہوا کہ قاضی القضاة

آج امام ابو حنیفہ کے مشہور و روضہ کے نام سے بغداد میں جو عظیم الشان عمارت نظر آتی ہے تاریخوں  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترک مسلمانوں کی یادگار ہے ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں ابن عقیل کے حوالہ سے  
 قصہ نقل کیا ہے کہ ابتداء میں امام ابو حنیفہ کی قبر پر صرف ایک سائبان سی کوئی چیز تھی ابن عقیل کہتے ہیں  
 ۳۱۰ ہجری جس وقت میری عمر پانچ سال کے قریب تھی یہ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک ترک امیر نے امام  
 قبر کے سامنے چوٹے اور گچے سے ایک عظیم مسجد کی بنیاد رکھی یہ ترک امیر حج کے سلسلہ میں بغداد آیا تھا پھر شرف الملک  
 جو امام کے شدید عقیدت مندوں میں تھا اس نے اس قبہ کی تعمیر کی جو اس وقت امام کے روضہ پر پایا جاتا ہے  
 ابن عقیل کا بیان ہے کہ شرف الملک سے پہلے ایک ترکمان امیر نے بجائے سائبان کے امام کی قبر کو مسقف کر دیا  
 ابن عقیل نے ایک عجیب بات نقل کی ہے یعنی شرف الملک نے امام کی قبر پر قبہ کی تعمیر کا جب ارادہ کیا تو سامنے  
 مسجد تھی اور دوسرے مکانات تھے سب گرا دیے گئے اور بڑے بڑے ماہر مہندسین (انجنیئرز) اور قضاة میں  
 نقشہ مکانات کا بنانے والے حاضر کئے گئے قبہ کی تعمیر کے لئے جب زمین کھودی جانے لگی تو سخت زمین کی تلاش  
 سترہ ہاتھ گہرائی اور سولہ ہاتھ عرض کھود دیا پڑا اس کھدائی میں بہت سی ہڈیاں برآمد ہوئیں جو گذشتہ اموات  
 وہاں پر دفن تھیں امام ابو حنیفہ کی قبر کی قربت کی وجہ لوگ وہاں چار سو سال سے دفن ہوتے چلے آ رہے  
 تھے ان ہڈیوں کو کسی دوسری جگہ نے جا کر لوگوں نے دفن کر دیا کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں ایک مسلم لاش بھی برآمد  
 گئی جس کی ہڈیاں باہم ایک دوسرے کے ساتھ بیوستہ تھیں یعنی آگ آگ نہیں ہوئی تھیں اور کا قور کی خوشبو  
 سے نکل رہی تھی ابن جوزی نے اس کے بعد ابن عقیل کا یہ لطیفہ نقل کیا ہے کہ لوگوں سے میں نے کہا کہ کہیں  
 یا تو نہیں ہوا کہ جس کے لئے پر یہ میرا قبہ بنایا گیا ہے وہ اس مقام میں اب موجود نہ ہو یعنی (باقی صفحہ آئندہ)



کے عہد سے پر جو عالم پہلے سے مقرر تھا آنے والی حکومت نے بھی عموماً اسی کو بحال رکھا اسی سے اندازہ کیجئے کہ صلاح الدین ایوبی جس وقت دمشق کے قلعہ پر یورش کر رہا تھا اور قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا صلاح الدین نے اس عرصے میں دمشق کے قاضی ابو الفضل شہر زوری کی مکان کی طرف رخ کیا۔ صلاح الدین کو دیکھ کر قاضی صاحب کے ہوش و حواس جاتے گئے لیکن فوراً صلاح الدین نے آگے بڑھ کر ان کو تکی دہی اور کہا کہ

طب نفساً فالأصراہراک و  
البلد بلدک ۳۹۸ ایاضی جلد ۳

آپ بالکل مطمئن رہیے حکم آپ ہی کا حکم رہے گا  
اور شہر آپ ہی کا شہر رہے گا

اگر یہ ظاہر ہے کہ "خیر القرون" سے مسلمان جس حد تک دور ہوتے چلے گئے اسلامی خصوصیات کی تروتازگی افسردگی اور شرموگی سے بدلتی چلی جا رہی تھی زندگی کے دوسرے شعبے جیسے اس عام قانون سے متاثر ہو رہے تھے اس سے طبقہ قضاة کا علم و عمل کیسے منتہی رہ سکتا تھا لیکن باایں ہمہ میں تو اس کو بھی حضرت امام ہی کے خلوص نیت کا نتیجہ خیال کرتا ہوں کہ نو مسلم ترک اور تاتاری حکومتوں میں بھی سیرت و کردار کے بعض حیرت انگیز مثالیں آخر آخر زمانہ تک مسلسل ملتی چلی جاتی ہیں حاکم شہید شمس الاممہ شہر سی جیسے زرگوں کی مثالیں نادر مثالیں نہیں ہیں علماء کا ایک بڑا طبقہ ہر زمانہ میں دین و علم کے وقار کی حفاظت

(بقیہ سلسلہ گذشتہ) ابن عقیل کا خیال تھا کہ بڑیاں جو برآمد ہوتی تھیں ان میں امام ابو حنیفہ کی لاش بھی شریک تھی خصوصاً جو مسلم ڈھانچہ کا طور کی خوشبو والا نکلا تھا ابن عقیل کے اس لطیفہ کی وجہ سے کافی ہلچل بندوبست میں چلی گئی تھی ابن جوزی نے اس روایت کے بعد ابن المہندی کی زبانی ہی ایک روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مشہد آج کل جہاں پر ہے یہاں پر امام کے جسد کا ہونا صحیح نہیں ہے ابن ہندی نے اپنے بیان کی توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ جہاں پر آج کل قبہ تعمیر کیا گیا ہے دراصل قاعدہ یہ چل پڑا تھا کہ انرا سان و ترک سے حج کیلئے براہ بغداد جو لوگ عرب جاتے تھے تو امام ابو حنیفہ کی قبہ خیال کر کے اس مقام کی زیارت کرتے تھے اور طواف کرتے تھے لیکن امام کی قبر کہاں پر ہے اس کی خبر ان کو ہی نہ تھی طحاوی نے منظم کیا لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابن عقیل ہوں یا ابن جوزی یہ حنبلی حضرات ہیں اور حنفیوں سے چسپی لینے کی عادت ان کی پرانی ہے ۱۲

۱۳ سامانی امیر بخارا کے عہد میں شہید ہوئے۔  
۱۴ اور جند کے جب یعنی کنوئیں میں زمانہ تک قید محض اس لئے رکھے گئے کہ ترکی خان نے لوگوں پر ناجائز محصول عائد کئے تھے شمس الاممہ نے اس محصول کے دینے سے لوگوں کو ابھارا کہ انکار کروں حکومت کی طرف سے سخت سزائیں آپ کو دی گئیں آخر میں کنوئیں میں قید کر دئے گئے تھے طلبہ کنوئیں کے صحن پر بیٹھ جاتے تھے اور شمس الاممہ اندر سے اظہار کرتے تھے بسو طامس الاممہ شہر سی کی نفیس جلدوں میں جو طبع ہو چکی ہے اسی زمانہ کے لکچروں کا یہ مجموعہ ہے کتاب کے مختلف مقامات پر اس کا ذکر ہے کہ کتاب اس فصل تک پہنچی ہے اور میں بھی (بقیہ صفحہ آئندہ)



میں مکہ قربانیاں آخر وقت تک پیش کرتا رہا جس میں ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کے قضاة کا کافی اور معقول حصہ ہے۔

بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آخر زمانے میں بعض ناقابل عفو مہلک بے ضابطگیاں مسلمانوں کے نظام قضا و انتظام و دوسری اہمیت و خطابیت و اختیاب وغیرہ میں جو پیدا ہو گئیں ان میں غیر عربی حکمرانوں اور حکومتوں کی حد سے پرہیزگار ہونی اور عقیدت مندوں کو بھی دخل ہے جو مذہبی طور پر ان اقوام و ممالک میں مذہبی طبقات کے متعلق پائی جاتی تھیں اور جیسا کہ دستور ہے کہ ہر غیر، حد و وسیع تجاوز کر جانے کے بعد شرین جانتا ہے علماء اور قضاة کے اقتدار کا بھی آخری تشریحی ایسا ایک مستقل کتاب کا مضمون ہے سر و دست صرف اتنا اجمالی اشارہ کافی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے خدمات کی مندرجہ بالا روئداد کے پڑھنے کے بعد میں خیال کرتا ہوں کہ اس زمانے میں ایک سوال دلوں میں جو یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کرہ زمین کے بڑے حصہ پر تقریباً ایک ہزار سال تک حکمرانی کے جو مواقع ملے تو ان کی یہ حکمرانیاں کس آئین اور دستور کی پابند تھیں؟ ان کے آئین و دستور کا وہ دفتر کہاں ہے جس کی راہ نمائی میں مسلمان حکومت کے فرائض انجام دیتے رہے بعض اچھے پڑھے لکھوں کو میں نے دیکھا ہے کہ اس سوال کے جواب میں وہ کچھ حکم سے جاتے ہیں مسلمانوں کے کتب خانوں میں وہ اسی قسم کی کتابیں تلاش کرتے ہیں جیسے موجودہ زمانہ کی مغربی حکومتیں آئین و دستور کے نام سے مرتب کرتی رہتی ہیں پھر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب کتاب تو کتاب شاید اس نوعیت کے چند اوراق کے پانے میں بھی بے ہراسے کامیاب نہیں ہوتے اور کچھ چیزیں اس سلسلہ میں ملتی ہیں تو ایک ایسی قوم جس کی سینکڑوں حکومتیں زمین کے مختلف حصوں میں مختلف زمانوں میں قائم ہوتی رہی ہیں اس کی عظمت اور حکومتوں کی کثرت کے لحاظ سے گویا نہ ہونے کے مرادف ہیں مثلاً ہندوستان کے اکبری عہد کا آئین یا اسی قبیل کی بعض چیزیں لیکیں واقعہ یہ ہے کہ قانون سازی اور آئین طرازی کے سلسلے میں مسلمانوں نے جو کام کیا ہے دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی قانونی حکومتوں کے آئینی خدمات اور کتابیں ابھی مسلمانوں کی کتابوں کے حساب سے کم و کیفاً بہت پیچھے ہیں جیسا کہ بتایا جا چکا کہ مسلمانوں کی آئینی خدمت ابتداء سے آخر وقت تک علماء کے سپرد رہی اور فقہ و اصول فقہ کے نام سے نہ صرف حنفی علماء بلکہ ان کے سوا مالکیہ شافعیہ حنابلہ وغیرہ نے جو کام کیا ہے اور آئین و قانون پر جو کتابیں لکھی ہیں جو سرمایہ ضائع ہو چکا ہے اس کو تو جانے دیجئے

دقیقہ گزشتہ اقتبہ کی سزا بھگت رہا ہوں ان لوگوں کے تفصیلی حالات کیلئے تدوین فقہ کی اشاعت کا انتظار کیجئے ۱۲



کتب خانوں میں اب بھی جو کچھ موجود ہے میں تو نہیں جانتا کہ دنیا کی کوئی قوم اتنا بڑا  
 قانونی سرمایہ پہلے زمانے میں تو کیا کسی زمانے میں بھی پیش کر سکتی ہے؟ متوں، شروع شروع  
 کے سوا وقائع و نوازل حوادث و فتاویٰ جن کی حیثیت گویا وہی ہے جو آج کل کی عدالتوں  
 میں نظر کی ہے، بلکہ نظائر کی تدوین و ترتیب کا خیال بھی کوئی تعجب نہیں کہ مسلمانوں کی  
 ان ہی کتابوں کو دیکھ کر پیدا ہوا ہو، بہر حال فقہ کی کتابوں کی ان مختلف قسموں کے سلسلے  
 میں چھوٹی بڑی جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا آدمی ان کو گن سکتا ہے ان میں بعض بعض کتابیں  
 پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ بلکہ اسی اسی سو سو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں بسوہطات اور حاویات  
 یا محیط کے نام سے جو فقہی اسٹاکلو پیڈیاں مختلف اعصار و قرون میں مدون ہوئی ہیں کیا  
 دنیا کی کوئی قوم اپنے پاس ایسی قانونی کتابیں رکھتی ہیں؟

کچھ بھی ہوا ہو، تو یہ کام سے صدیوں میں، لیکن انصاف کا تقاضا یہی ہے، واقعات  
 اس کے شاید ہیں کہ ان ساری قانونی اور فقہی سرگرمیوں کا ابتدائی سرچشمہ اسی شخص کی ذات  
 بابرکات تھی جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 لوکان الایمان بالثریا لتناولہ اگر ثریا ستارے تک چڑھ کر ایمان (زمین) چلا گیا  
 رجال من فارس (ترندی) تو فارس (ایران) کے لوگ اس کو پالیں گے  
 کے الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی، فاللہم دارحمہ واغفرلہ ولنا ولجميع المسلمین

ختم شد

مناظر احسن گیلانی

حوار الجامعۃ القمائیہ حیدرآباد دکن

(دین محمدی پریس میکلورڈ کراچی)





# ادب - تاریخ تفہیم - فلسفہ

# افسانے - ناول ڈرامے

ردیف	آئندہ	ردیف	آئندہ
۲	۲	۲	۲
۳	۳	۳	۳
۴	۴	۴	۴
۵	۵	۵	۵
۶	۶	۶	۶
۷	۷	۷	۷
۸	۸	۸	۸
۹	۹	۹	۹
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
۱۶	۱۶	۱۶	۱۶
۱۷	۱۷	۱۷	۱۷
۱۸	۱۸	۱۸	۱۸
۱۹	۱۹	۱۹	۱۹
۲۰	۲۰	۲۰	۲۰
۲۱	۲۱	۲۱	۲۱
۲۲	۲۲	۲۲	۲۲
۲۳	۲۳	۲۳	۲۳
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
۲۵	۲۵	۲۵	۲۵
۲۶	۲۶	۲۶	۲۶
۲۷	۲۷	۲۷	۲۷
۲۸	۲۸	۲۸	۲۸
۲۹	۲۹	۲۹	۲۹
۳۰	۳۰	۳۰	۳۰

ملنے کا پتہ  
چودھری محمد اقبال سلیم گاہندی مالک نفیس کیڈمی

بلاکس سٹریٹ - کراچی ۷

حضرت امام

ابو حنیفہ

رضی

کی  
سیاسی زندگی

چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم کی انفرادی، جماعتی اور سیاسی زندگی میں امام اعظم کے احوال و افکارِ ظلمت میں آفتابِ تاباں کا مقام رکھتے ہیں۔ یہ وہ سرشتیہ نور ہے جس کی کرنیں فرد پر گھرانے پر حکومت پر اور مجالس و دستور ساز پر یکساں پڑتی ہیں۔ آج جبکہ ہم اپنی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، یہ روشنی ہر منزل پر ہماری رہنمائی کرے گی۔

اس  
علامہ سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

نفسِ اکیدی - کراچی نمبر (۱)

بلاسن اسٹریٹ

قیمت مجاز: آٹھ روپیہ بارہ آنہ  
قیمت مجاز: چھ روپیہ بارہ آنہ